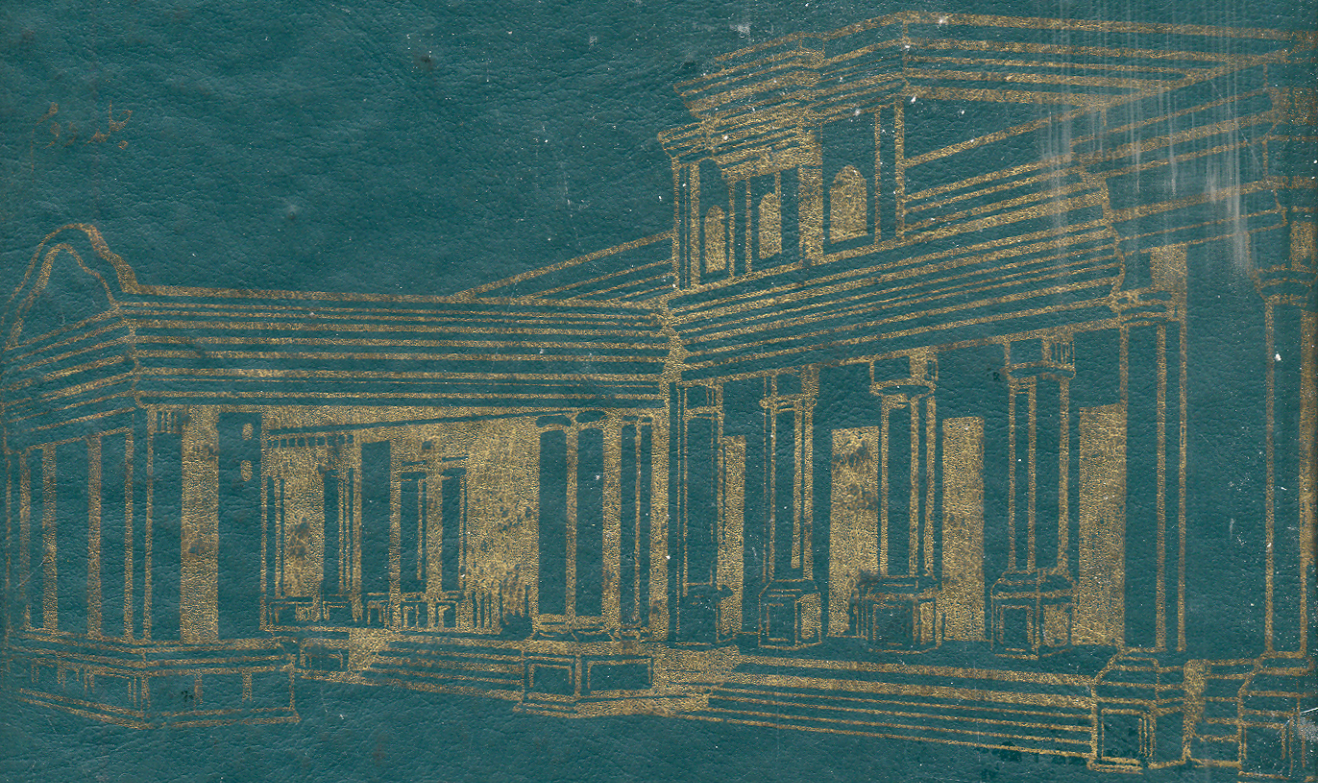


زوداد

مقدمہ مرزا تہ بہاؤلو

۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۵ء





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حق و باطل کا عظیم معرکہ

## مقدمہ مرزائیت بہاولپور ۱۹۳۵ء

جلد دوم

عالی جناب محمد اکبر خاں صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی ڈسٹرکٹ جج بہاولپور  
نے مرزائیت کو ارتداد قرار دے کر مسلمہ کا نکاح مرزائی سے فسخ فرمایا

بحکم

مسماة غلام عائشہ مدعیہ و عبد الرزاق مدعا علیہ

مدخلہ  
عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاولپور

ناشر

اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) اے ڈبلیو راولپور

## ترتیب

- |     |     |  |
|-----|-----|--|
| ۷۵۷ | ۱ : | بحث مسماة غلام عائشہ مدعیہ   |
| ۷۸۷ | ۲ : | انتباه حضرت مولانا محمد مالک صاحب مدظلہ العالی<br>شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ و سرپرست اعلیٰ<br>اسلامک فاؤنڈیشن (رجسٹرڈ) لاہور |
| ۷۸۹ | ۳ : | بحث تحریری جلال الدین شمس مختار مدعا علیہ  |

۱

بحث مدعیہ

۹ لغایت ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء



مدعیہ کی جانب سے مدعا علیہ کے گواہان کے کذب و فریب سے  
 بھرپور بیانات و جرح کا دلائل و براہین سے نہایت باطل شکن جواب  
 دیا گیا جس کا اندازہ مدعیہ کی پیش کردہ بحث کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے۔

ادارہ —————

بحث مدعیہ از ۹ اکتوبر ۱۳۳۲ء

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

مدعا علیہ کے احمدی ہونے سے قبل مدعیہ اور مدعا علیہ دونوں احمدی اعتقاد کے مطابق کافر تھے۔ ان میں سے مدعا علیہ نے جب مذہب احمدیت قبول کیا تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مدعیہ بدستور کافر رہی۔ اس لیے ایک کافر اور مسلمان کا نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ اور نسخ ہو گیا۔

اور اہل کتاب کا نکاح مسلمان کے ساتھ اس لیے جائز ہے کہ قرآن شریف میں ہے کہ ان امتوں کی عورتیں سے مرد باہمی نکاح کر سکتے ہیں جن کو قرآن مجید سے پہلے کتاب عطا کی گئی یہ مذکور نہیں کہ قرآن کے بعد یا کسی دوسری کتاب کے نازل ہونے والی امت پر یہ آیت حاوی ہوگی آئینہ صداقت صفحہ ۳۵ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب جس اسلام کو پیش کرتے ہیں۔ وہ اور اسلام ہے۔ مدعا علیہ مرزا صاحب کا منفق ہونے کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔ اور مدعیہ یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مشرک ہوئی کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ اور نازل ہوں گے اس لئے مشرک کے ساتھ مسلمان کا نکاح کسی صورت میں نہیں قائم نہیں رہ سکتا۔ ختم النبوة کے متعلق سال ۱۸۹۹ء تک بقول مرزا صاحب محمود صاحب مرزا غلام احمد صاحب کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا اب مرزا صاحب کا دعوے نبوت اس وقت قابل سماعت ہو گا۔ جب کہ یہ آیت ختم النبوة منسوخ ہو جائے۔ اور کسی حکم شرعی اور ضروریات دین کا منسوخ ہونا یا اس کا دعوے کرنا کفر و ارتداد ہے۔

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ امتی نبی نہیں ہو سکتا۔ اور نبی امتی نہیں ہو سکتا اور آگے لکھتے ہیں کہ جس مذہب میں امتی نبی نہ ہو سکے۔ وہ شیطانی مذہب ہوا۔ اس سے یہ سمجھا جائے گا۔ کہ حضور علیہ السلام سے قبل جو انبیاء تھے۔ اور جو اپنی امتوں کو نبی نہ بنا سکتے تھے۔ ان کے مذاہب شیطانی ہوئے۔ اور سابقہ نبیوں کے مذاہب کو شیطانی کہنے والا کافر ہی سمجھا جائے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کلمات کا ظنی ہوں اور دوسرے انبیاء ایک صفت کے ظنی تھے۔ اس لیے تمام انبیاء کو اپنے آپ سے کم تر کہنا تمام انبیاء کی توہین ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے بقول مرزا صاحب چونکہ اسلام میں خرابی واقع ہوئی ہے۔ تو اس سے معلوم آیا کہ اس سے زیادہ کمال والے نبی کے آنے سے زیادہ خرابی کا احتمال ہو گا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے کسی نبی کے آنے کی نہ ہرگز نہیں ہے۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی پیش گوئی متواتر ہے۔ اور متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے۔ مرزا صاحب چونکہ اس کے منکر ہوئے اس لیے کافر ہوئے۔

مرزا صاحب بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حسب تصریح قرآن مجید رسول اسے کہتے ہیں کہ جس نے احکام و عقائد دین جس پر عمل کر کے درجہ حاصل کئے ہوں۔ اور رسول کی حقیقت اور جاہلیت میں یہ امر داخل ہے کہ دینی علوم بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حاصل کرے۔ اس لیے جب تک جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ احکام نہ پہنچیں خود مرزا صاحب کی تحریر کے مطابق کوئی نبی نہیں نبی ہو سکتا۔

مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں۔ خود مرزا صاحب بھی عیسیٰ علیہ السلام کا ظل ہیں اور ایک دفعہ عیسیٰ علیہ السلام کا اور ظلی آئے گا۔ آئینہ کلاں ص ۳۴۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسیٰ علیہ السلام کا ظل کہنے سے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظلی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور مرزا صاحب آپ نے آپ کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل کہتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ مرزا صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں اور یہ کفر کی حد تک پہنچے گا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ازل سے خاتمیت دی گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت سے مفہوم ختم نبوت سے ہے۔ اور وہ اپنے لیے ختم حقیقی ثابت کرتے ہیں۔ اس لیے سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم مجازی ہوئے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت کا حلول کئی دفعہ ہوا۔ اور ان لوگوں میں ہوا۔ جن کے نام احمد اور محمد تھے۔ لیکن انہوں نے دعویٰ نبوت نہ کیا۔ اس لیے مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت بھی اس وجہ درست نہیں سمجھا جاسکتا۔ کہ ان میں حقیقت محمد کا حلول ہوا۔ اور کہ ان کا نام احمد تھا۔ مرزا صاحب کے کلام میں بہت سے متناقض اقوال ہیں مدعیہ کی طرف سے جو قول مرزا صاحب کے خلاف پیش کیا گیا۔ اس کے جواب میں مدعیہ کی طرف سے دوسرے اقوال جو اہل اسلام کے موافق ہیں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

اس لیے مرزا صاحب کا عقیدہ قائم کرنے کے لیے مخالف اقوال کو زیادہ ترجیح دی جائے گی موافق اقوال کی نسبت سمجھا جائے گا کہ وہ پہلے کے ہیں۔ اور صحیح عقیدہ مخالف اقوال کے مطابق ہے۔ مرزا صاحب کا دعویٰ صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ اور ٹھیک متعین نہیں ہوا۔ کہ ان کا دعویٰ کیا تھا ان کے اپنے علماء میں اختلاف ہے۔

اہل تصوف کے حوالہ جات ہمارے مقابلہ میں پیش کئے جانے درست نہیں۔ کیونکہ متعدد وجوہ ہیں تصوف کا سوال نہیں۔ بلکہ شریعت کا ہے۔ تصوف کا کوئی حوالہ اگر شریعت کے مخالف ہو۔ تو وہ قابل اعتماد نہیں مفتی



سے غلطی ہوئی ممکن ہے مخدیر الناس کے حوالہ سے جو یہ کہا گیا ہے کہ مولا نا محمد قاسم صاحب بھی ختم زمانی کے متکر ہیں۔ اس عبارت کے بعد اس کا رد موجود ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۳ سطر ۱۰ صفحہ ۱۰ کی عبارت بھی اس ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جس کا ایک جھوٹ ثابت ہو گیا۔ اس کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں بحر المرقع کے حوالہ سے جو فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ علماء معمولی معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ دے دیا کرتے ہیں اس کتاب کی جلد خاص کے صفحہ ۳۵ پر یہ عبارت ہے۔ کہ کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے۔ کہ اس پر اتفاق ہو۔ اور محکم کے کلام کی تاویل نہ ہو۔ اور متفق علیہ ہو۔

نبوۃ بشری کے یہ معنی ہیں کہ جس کی وحی میں تبلیغ ہو۔ امر ہو۔ نہی ہو۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ نبوۃ تشریفی کے یہ معنی ہیں کہ نبوۃ مستقلہ ہو۔ یعنی بدوں تو تسل حصول صلعم ہو۔ صاحب کتاب ہو۔ اور شریعت سابقہ کا نسخہ ہو۔ ملا علی قاری کا قول ختم النبوة کے متعلق عام عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں کیونکہ بعض اوقات کل کا اطلاق جزو پر کیا جاتا ہے۔ ملا علی قاری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے قائل تھے۔ اور جو قول ان کا فریق ثانی کی طرف سے نقل کیا گیا ہے۔

ان کے کل مضمون کو دیکھنے پر ان کی مراد عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ اسی طرح حضرت محمد و الف ثانی کا قول بھی تمام عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ ان کی آگے کی عبارت دیکھی جاوے وہ خود اس کی وکالت کرتی ہے کلمات نبوۃ ملنے سے مراد نہیں کہ جس شخص میں کلمات ہیں وہ نبی ہو جائے۔ ملاحظہ ہو مکتوبات ۲۴۸ حصہ چہارم ص ۵۰۴ حج اکرامہ میں جو دجالوں کے متعلق حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں تیس کے آگے زیادہ کے الفاظ ہیں لیکن حوالہ میں یہ الفاظ نہیں دے گئے۔

شرح فضوی الحکم ص ۱۱ پر ولایت کو بھی اصطلاحاً نبوۃ کہا گیا ہے۔ اس حوالہ کی رو سے نبی متبع نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا صاحب نے الوعین ص ۶ پر جو کچھ لکھا ہے۔ اس سے اپنے آپ کو تشریفی نبی ثابت کرتے ہیں۔ کتاب حقیقت النبوة ص ۷ کی عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جس شخص کے اندر کسی لفظ کے حقیقی معنی پائے جاویں۔ وہ اس لفظ کا حقیقی مصداق تھا۔ تو مرزا صاحب نے جب صاحب شریعت کے حق بیان فرمائے اور بتلایا کہ یہ معنی ان میں پائے جاتے ہیں۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب مدعی صاحب شریعت نبوۃ کے ہیں

۱۰ اکتوبر ۳۳ھ

فریقین اور ان کے مختار حاضر ہیں۔

بحث مدعیہ :-

کفر ثابت کرنے کے لیے صرف ایک بات کفریہ ثابت ہو جانے سے کفر عائد ہو جاتا ہے اسلام ثابت کرنے کے لیے تمام چیزیں ثابت اسلام کا ثابت کرنا ضروری ہے۔ گواہ نمبر امداد علیہ نے کہا ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے سب بڑے بچے میری نظر میں بے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہو چکا ہے۔ فتوحات یکہ کی نسبت گواہ نمبر انے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے اس کتاب کو مکمل طور پر نہیں دیکھا۔ گواہ نمبر انے شرح فقہ اکبر کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ شرح فقہ اکبر کس کی مصنفہ ہے۔ بحیر الرائق کے اصول تکفیر کے متعلق بھی گواہ نمبر انے لا علمی بیان کی ہے۔ اشارات فریدی سالم کتاب کے مطالعہ سے بھی انکار کیا ہے۔ منصب رسالت کے متعلق بھی گواہ نے کہا ہے کہ میں نے سالم کتاب نہیں پڑھی کتاب محیط کے پورے مطالعہ سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ مدعیہ مجددیہ کے مصنف کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ علم نہیں ہے۔ اور نہ اس کا مصنف معلوم ہے۔ جوامع الشواہد کے مصنف سے بھی لا علمی ظاہر کی گئی ہے۔ جو پنجال برٹش رولڈ مال کے مصنف سے بھی لا علمی ظاہر کی گئی ہے۔ مدعیہ مجددیہ دونوں فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہے۔ مگر اس کا حوالہ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے جوامع الشواہد جو پنجال برٹش رولڈ مال حج الکرامہ۔ شہاب علی البیضاوی۔ الذار احمدیہ جیات جاوید۔ ہر دو فریق کے مسلمات میں سے نہیں ہیں مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق ہے۔ محض مسلمان ہونے سے کسی کی تحریر مسلم قرار نہیں دی جاسکتی۔ اجماع کے متعلق گواہ نے جرح ۹ مارچ ۱۹۳۲ء میں کہا ہے۔ کہ بلا کسی استثناء کے تمام امت کی مسئلہ پر اجماع کرے تو اس کو اجماع کہا جائیگا۔ اور اسی جرح میں یہ بھی مندرج ہے کہ تمام امت کے ملکہ بزرگ اور اکابر اسے مانستے ہوں۔ اشارات کے متعلق ایک جگہ یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے خواجہ محمد بخش صاحب سے سبقاً سبقاً سنی اور ایک جگہ ہے کہ مولانا رکن الدین سے سنی۔ مالا محکم کتاب خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب ہوئی۔ ۱۱ مارچ ۱۹۳۲ء کی جرح میں یہ مانا گیا ہے :-

کہ جو چندہ نہ دے وہ بیعت سے خارج ہے۔ لیکن احمدی دے گا۔ آئینہ صداقت میں ہے کہ جو بیعت میں داخل نہیں وہ کافر ہے۔ یہ مسلم ہے کہ نبی کسی شرکارہ عقیدہ پر قائم نہیں رہ سکتا۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۔

سال تک حیات مسیح کے مسئلہ کے فائل رہے۔ اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ اور یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ معتبر کتاب صحیح بخاری ہے۔ گواہ نبرائے بیان کیا ہے۔ کہ اس کتاب میں بعض احادیث غیر معتبر ہو سکتی ہیں۔ اور جرح الامارچ ۳۲۷ میں گواہ نبرائے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے خلفاء کی کتابیں مسلم ہیں۔

گواہ نے ۷ مارچ ۱۳۲۷ء میں یہ کہا ہے۔ کہ احکام جو بذریعہ جبریل نازل ہوئے کوئی امر نہیں۔ مرزا صاحب کے قول مندرجہ ازالہ اوہام کلاں ص ۲۳۸، ۲۳۹ کے خلاف ہے۔ جہاں وہ کہتے ہیں کہ جہاں جبریل علیہ السلام ایک حکم بھی لادیں۔ ختم النبوة کے خلاف ہے۔ گواہ نے کہا کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کو جو وحی ہوتی ہے۔ وہ ایک ہے۔ حالانکہ علم الکتاب جس کا حوالہ خود گواہ نے دیا ہے صفحہ ۱۱ پر درج ہے۔ کہ لفظ وحی کا اطلاق اولیاء اللہ کے الہام پر نہیں ہو سکتا۔ گواہ نے مرزا صاحب کی وحی کے متعلق کہا ہے۔ کہ وہ کوئی قرآن کے معارض نہیں۔ حالانکہ صحیح احادیث کے متعلق بھی یہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہوں گی تو مانی جائیں گی۔ ورنہ نہیں۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ نے گواہ ۷ سے مختلف بیان کی گواہ ۷ کہتا ہے۔ کہ جن کو کتاب ملی ہو۔ گواہ ۷ کہتا ہے کہ جن کو پہلے کتاب ملی چکی۔ گواہ ۷ نے بیان کیا ہے۔ کہ ابن مسعود جلیل القدر صحابی تھے کتاب ازالہ اوہام ص ۵۹۶ میں ہے کہ ابن مسعود معمولی آدمی تھا۔ گواہ ۷ نے بیان کیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی مطابقت کے لیے اس کے واسطے اس کے واجب الاطاعت اماموں یا اس کی دینی مطابقت مسلم ہے۔ آگے کہا ہے کہ میرے نزدیک مرزا صاحب اور خلیفہ اول خلیفہ ثانی کے افواہ مستند ہیں۔ اس کے اور میرے نزدیک اور کوئی شے مستند نہیں۔ گواہ ۷ نے تفسیر صنادیدی الہی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ جو فریقین کی غیر مسلم ہے اس طرح کتب ذیل کو اکابر دہریہ۔ اقرباب الاعتدال فی البیان شہاب انوار احمدیہ، ہدیہ تجوید، حیات جاوید، فریقین کی غیر مسلم کتابیں ہیں جو گواہ ۷ نے پیش کیں اس طرح گواہ ۷ نے کہا ہے۔ کہ شرح شفا کلی نہیں پڑھی۔ ہدیہ تجوید کا مصنف نامعلوم ہے۔ اہل کتاب کی تعریف گواہ ۷ نے۔ ۲۱ مارچ کو یہ بیان کیا کہ وہ لک بن کوہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ اور سوال مکرر میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتب ہیں۔

گواہ ان فریق ثانی نے ایمان کی تعریف میں چند باتیں بیان کی ہیں۔ اس سوال پر یہ کہا ہے کہ یہ باتیں مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ کافی نہیں۔ ان کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کو نہ ماننے سے ایک شخص کا فر ہو جاتا ہے۔ ہماری طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ باوجود ایک شخص کے ایمان میں ان باتوں کا



موجود ہوتا۔ جو گواہان نے بیان کی ہیں۔ اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے۔ وہ مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے۔ مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفریہ الزام لگائے گئے ہیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۶ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن خلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ تفاسیر المتقدمین مملوۃ غث و سینن یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں۔ الا ان کنتھ و مقولاتھ مشتمل علی البعث و السمین۔

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ ترویید کے پختہ نا بید کے لیے نہیں ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ وہ مختصر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں اس عبارت کے آگے جو علامہ کی گئی ہے۔ درج ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر منکر سمجھتے تھے نہ کہ تفسیر کو۔

تفسیر اتفاق کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا مقدم موخر حذف کیا گیا ہے۔ اور وہ اس موقع پر زبردستی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ مقدم موخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے۔ اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز بحر الائق کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے کبھی ان کے متعلق یہ درج ہے۔ کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جو ان کی طرف منسوب کئے جا کر ان پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ برہان ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مورخہ ۱۵ مارچ ۱۳۳۳ء سے تسلیم کر لیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور معذور ہیں۔ جو کتاب حسام الحرمین اس غرض کے لیے پیش کی گئی۔ اس میں سب سے پہلے مرزا صاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔ کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزا صاحب کے نام خط لکھا۔ یہ درست نہیں

کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزا صاحب پیش کی گئیں اور حکیم نور الدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا۔ کہ خواجہ صاحب نے مرزا صاحب کی ان کتابوں کو جو ان کے پاس پہنچیں مگر مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کو دوسری اشاعتوں کی تاہید مرزا صاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یا رسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲ پر مرزا صاحب کے کلمات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کہ میں مرزا صاحب کی پیش ہوئی ان میں مرزا صاحب نے محبت کا دعوے کیا ہوا ہے۔ نبوت کا نہیں۔ اور یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت تک مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لیے مدعا علیہ کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے وہ اذال کفر بہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ ۱ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کسی مرید کے قول و فعل کا اعتبار نہیں ہا و قیام مرزا صاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اشارات فریدی میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ اس وقت تک معتبر نہیں۔ جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب اشارات فریدی حسب تسلیم گواہ ۲ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ملائکہ الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مولف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب فوائد فریدی کے صفات ۲۹، ۳۰ قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا، فرقہ احمدیہ کو ناری فرقہ قرار دیا۔

اور گواہ ۲ نے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ، فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ خواجہ صاحب سال ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تادیل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ کہ ضروریات دین کی تادیل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس حدیث کو کتاب السنہ پر پیش کیا جاوے

موجود ہوتا۔ جو گواہان نے بیان کی ہیں۔ اسے مسلمان نہیں بناتا۔ اگر وہ مرزا صاحب کو نبی مانے۔ مرزا صاحب کے جو اقوال عام مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ظاہر کئے گئے۔ وہ مرزا صاحب کے دعوے نبوت سے قبل کے ہیں۔ یعنی سال ۱۹۰۱ء سے قبل کے۔ مدعیہ کی طرف سے جو مرزا صاحب کے خلاف کفریہ الزام لگائے گئے ہیں ان کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ مدعیہ کی طرف سے تازہ تصانیف کے حوالہ جات پیش کئے گئے۔ آخری حوالہ سال ۱۹۰۷ء کی تصنیف سے ہے۔ تفاسیر متقدمین کے متعلق مقدمہ ابن خلدون کا جو یہ حوالہ دیا گیا ہے۔ کہ تفاسیر المتقدمین مملوۃ غث وسمین یہ صحیح نہیں ہے۔ تین ایڈیشنوں کی کتابوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں۔ الا ان کنتہم و مقولاتہ مشتمل علی البغث و السمین۔

جن تفاسیر میں فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف باتیں ہیں۔ اگر بعض تفاسیر میں ایسی باتیں ہیں تو وہ ترمذیہ کے <sup>پیشے</sup> <sup>نائب</sup> کے لیے نہیں ہیں۔ جو تفاسیر مدعیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہیں۔ وہ مختصر ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے متعلق جو کہا گیا ہے کہ وہ تفسیر کے قائل نہیں یہ غلط ہے۔ جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس میں اس عبارت کے آگے جو <sup>مصدقہ</sup> <sup>مصدقہ</sup> کی گئی ہے۔ درج ہے کہ وہ صرف متعین کتابوں کو غیر منہر سمجھتے تھے۔ نہ کہ تفسیر کو۔

تفسیر اتفاق کا جو حوالہ دیا گیا ہے۔ اس کا مقدم موخر صرف کیا گیا ہے۔ اور وہ اس موقع پر زبردستی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اور جو مطلب اس سے اخذ کیا گیا ہے۔ وہ مقدم موخر عبارت سے صحیح نہیں ہے۔ کلمات کفر اور چیز ہے۔ اور کسی کو کافر قرار دینا دوسری چیز بحر الرائی کے جو حوالہ جات فریق ثانی کی طرف سے دیئے گئے دیکھی ان کے متعلق یہ درج ہے کہ وہ کلمات معتبر ہیں۔ لیکن ان پر کوئی فتویٰ انہیں جن علماء دیوبند کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا گیا ہے۔ اس کے متعلق وہ علماء ان واقعات سے جو ان کی طرف منسوب کئے جا کر ان پر فتویٰ کفر لگایا گیا ہے۔ یہ واقعات ظاہر کرتے رہے ہیں۔ گواہ فریق ثانی نے اپنی جرح مورخہ ۱۵ مارچ ۱۳۳۷ء سے تسلیم کر لیا ہے۔ ان علماء دیوبند نے ان لوگوں کو جنہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ کافر نہیں کہا۔ بلکہ سمجھتے رہے کہ وہ غلطی پر ہیں اور معذور ہیں۔ جو کتاب حسام الحرمین اس غرض کے لیے پیش کی گئی۔ اس میں سب سے پہلے مرزا صاحب کا نام درج ہے۔ علمائے حرمین نے بعد میں اہل دیوبند کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لیا ان کو یہ غلط فہمی ہوئی تھی۔ کہ اہل دیوبند کے عقائد بھی مرزا غلام احمد صاحب جیسے ہیں۔ خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پوری تحقیق سے مرزا صاحب کے نام خط لکھا۔ یہ درست نہیں



کیونکہ خواجہ صاحب کے سامنے صرف چند کتب مصنفہ مرزا صاحب پیش کی گئیں اور حکیم نور الدین صاحب سے گفتگو کی گئی۔ یہ بھی ثابت نہیں ہو سکا کہ خواجہ صاحب نے مرزا صاحب کی ان کتابوں کو جو ان کے پاس پہنچیں کل کا مطالعہ کیا۔

خواجہ صاحب کو دوسری اشاعتوں کی تاہید مرزا صاحب کی کتابوں سے کی گئی اور کسی دوسری کتاب یا رسالہ سے نہیں کی گئی۔ خواجہ صاحب نے اشارات فریدی حصہ سوم صفحہ ۴۲ پر مرزا صاحب کے محاشقات کو غلط مانا ہے۔ خواجہ صاحب کے آگے جو کتنا میں مرزا صاحب کی پیش ہوئی ان میں مرزا صاحب نے محدثیت کا دعوے کیا ہو جائے۔ بنوہ کا نہیں۔ اور یہ فریق ثانی کی طرف سے تسلیم کیا گیا ہے۔ کہ اس وقت تک مرزا صاحب آپ اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔

خواجہ صاحب کی بشارت اس لیے مدعا علیہ کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے وہ افعال کفر بہ جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا تھا۔ شائع نہیں ہوئے تھے۔

گواہ ۲ نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے کسی مرید کے قول و فعل کا اعتبار نہیں تا وقتیکہ مرزا صاحب کی اصل کتاب کا حوالہ نہ ہو اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب کے متعلق بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اشارات فریدی میں سے جو بات ان کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ وہ اس وقت تک معتبر نہیں۔ جب تک کہ خواجہ صاحب کی کسی اصل کتاب کے حوالے سے نہ ہو۔ کتاب اشارات فریدی حسب تسلیم گواہ ۲ فریق ثانی خواجہ صاحب کی وفات کے بعد طبع اور شائع ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ملا رکن الدین کی کوئی توثیق نہیں کی۔ خواجہ صاحب کی تصدیق کے متعلق بھی خود مولف کا اپنا بیان ہے۔ کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کتاب فوائد فریدی کے صفحات ۲۹، ۳۰ قابل ملاحظہ ہیں۔ اس سے پایا جائے گا کہ جماعت احمدیہ کے متعلق خواجہ صاحب کا اپنا کیا خیال تھا، فرقہ احمدیہ کو ناری فرقہ قرار دیا۔

اور گواہ ۲ نے تسلیم کیا ہے۔ اس وقت ان کا فرقہ، فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ خواجہ صاحب سال ۱۸۸۹ء میں فوت ہوئے۔

ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر ہے۔ اس کی تردید میں فریق ثانی کی طرف سے اس قسم کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ کہ ضروریات دین کی تاویل کرنے والا کافر نہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں جن لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ ان کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتد قرار دیا تھا۔ حدیث میں ارتداد کے الفاظ میں جس حدیث کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس حدیث کو کتاب السنہ پر پیش کیا جاوے

اگر مطابق ہو تو قبول کیا جاوے۔ ورنہ نہیں۔ اس کے متعلق خطاب، حقائق اور یکجا ابن جعفر رحمہ دین کے لیے ہیں۔ کہ یہ حدیث، بیہ نیوں تے گھڑی ہے ۱

حدیث بلا سند معتبر نہیں۔ فریق ثانی نے کہا ہے کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ لیکن جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ کہیں نہیں کہ حدیث بلا سند معتبر ہے۔ ملاحظہ ہو نکتۃ الفکر ص ۱۲، ۱۳ منصب امامت کے حوالہ سے یہ غلط کہا گیا ہے۔ کہ جو نکاح اور دوسرے معاملات میں ہر ایک شخص سے جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے۔ ویسے ہی معاملہ ہوگا۔ بیسے تمام مسلمانوں سے۔ منصب امامت میں دراصل یہ بات درج ہے کہ جو دعویٰ اسلام کرنے ہیں۔ کفر اس کا چھپا ہوا ہے۔ اسلام ان کا ظاہر ہے۔ دعویٰ کی تصدیق شعائر اسلامی سے کرتے ہیں۔ شریعت سے درست بردار نہیں ہیں۔ ان سے یہ معاملہ ہوگا۔

رلاحظہ ہو ص ۹۴

کسی اہل کتاب مرد سے مسلمان لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مسلمان مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فریق ثانی کی طرف سے یہ کہا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی احمدی لڑکی کسی غیر احمدی سے نکاح کرے تو وہ نکاح فسخ نہیں کر دیا جاتا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کو اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی رو سے شریعت اسلامیہ کا یہ ایک نیا حکم سمجھا جائے گا کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں جا سکتی ہے۔ اور نیا حکم شریعت میں پیدا کرنا بالالتفاق کفر ہے۔ اہل کتاب سے نکاح کا مسئلہ مزید ہونے کے مسئلہ سے جدا ہے۔ یعنی اگر مسلمان عورت عیسائی یا یہودی ہو جائے تو اس کا نکاح قائم نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ مزید سمجھی جائے گی۔ اور نکاح فسخ ہو جائے گا مگر مجموعہ صاحب کی کتاب ملائکہ اللہ ص ۶۶ پر ہے کہ واضح ہو کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اس لیے احمدی لڑکیوں کا نکاح غیر احمدیوں سے کرنے سے روکتے ہیں۔

(دستخط بحروف اردو صاحب مجلس مؤاکبر)

بقیہ کارروائی کے لیے مسلسل کل پیش ہو۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(دستخط بحروف اردو صاحب مجلس مؤاکبر)

۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

فریقین اور ان کے مختار معاصر ہیں۔

۱۲ مدعیہ۔ مفسرین کے اقوال میں جو رطب ویابس درج ہے۔ وہ قصص کے متعلق ہے اصل احکام

نے متعلق نہیں۔ یعنی اصل احکام کی تفسیر میں ربط و البس نہیں صرف قصص میں ہے۔ جس کی صحت کے لیے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ یہی رائے ابن خلدون کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون ص ۳۲۲، ۳۸۴ اقتباس اور اقسام میں فرق ہے۔ جن اولیاء اللہ کے متعلق آیات قرآن کے مکاشفات بیان کئے گئے ہیں انہوں نے اپنی عبارتوں میں ان آیات سے اقتباس کیا ہے۔ ان میں الہام ظاہر نہیں کیا علم الکتاب میر درد رحمت اللہ علیہ سے جو حوالہ جات پیش کئے ہیں، ان کے متعلق اس کتاب کے صفحہ ۶۱، ۶۵ پر درج ہے کہ وہ ان آیات سے اقتباس کر رہے ہیں۔ گواہ نے اپنی جرح مورخہ ۹ رمانی ۳۳ء میں تسلیم کیا ہے۔ کہ کسی خصوصی مسئلہ پر تمام کی تمام امت اجماع کرے تو اس کی تسلیم ضروری ہے۔

ارشاد الفحول کا جو حوالہ اجماع کے متعلق فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ ان میں ان الفاظ کو کی بحث ہے کہ جو اجماع پر دلالت کرتے ہیں اس میں الفاظ لا علم خلافاً محالاً خلاف فہم کے الفاظ ہیں ان کو اجماع کے الفاظ شمار نہیں کیا گیا مسئلہ متنازعہ یعنی ختم النبوة میں الفاظ اجمعت الامتہ اور اجماع کا لفظ پیش کیا گیا ہے جس سے اجماع ثابت سمجھا جاسکتا ہے۔ متواتر مضمون کے متعلق امام رازی کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ مسم الثبوت سے اس کی تردید اس کے نیچے قواخ الرحمت ص ۹۵، ۹۹ پر دی گئی ہے۔ مرزا صاحب نے متواتر مضمون کو زبردست دلیل قرار دیا ہے۔ (شہادت الشرائع ص ۳۱۲) گواہ نے اجماع کے متعلق جو حوالہ جات پیش کئے ہیں۔ ان کی مقدمہ مؤرخ عبارت پوری نہیں پڑھی۔ مسئلہ ختم النبوة میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

آیات قرآن، احادیث، آثار صحابہ۔ اقوال بزرگان، فیصلہ مفسرین۔ فیصلہ ائمہ لغت۔ فیصلہ ائمہ فقہا مجتہدین۔ مدعیہ کی طرف سے سات آیات خاتم النبیین کی تفسیر میں پیش کی گئی ہیں۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی آیت اس کی تفسیر میں پیش نہیں ہوئی مدعیہ کی طرف سے ایک گواہ نے دوسو سے زائد احادیث اس کے ثبوت میں بتلائی ہیں۔ اور ۱۷ حدیثیں مختلف بیانات میں صاف اور صریح طور پر پیش کی گئی ہیں۔

مدعا علیہ کی طرف سے گواہ نے صرف ایک حدیث اور وہ بھی ضعیف درجہ کی پیش کی ہے اور گواہ نے دو حدیثیں بیان کی ہیں۔ بزرگان کے اقوال کے متعلق گواہ نے مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کہ قرآن اور حدیث کے خلاف کسی قول یا بزرگ کا قول معتبر نہیں ہے۔ آثار صحابہ میں ابن جریر کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں۔ اور وہاں ۶۲ حوالوں سے اسے ثابت کیا گیا ہے۔ اور تمام صحابہ کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے دو اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ پہلا قول حضرت عائشہ کا بلا سند کے ہے۔ دوسرا



قول حضرت علی کا ہے۔ جو در مشنور سے نقل کیا گیا ہے۔ در مشنور کے متعلق گواہ کا یہ بیان ہے کہ وہ تفسیر کی کتاب ہے اور اس میں گواہ کے نزدیک رطب و یابس ہیں۔ جو ماننے کے قابل نہیں۔ اقوال بزرگان کی قہرست میں مدعیہ کی جانب سے ۲۲ اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی جانب سے ۸ حوالہ جات دیے گئے ہیں جن میں سے دو حوالے صحیح الکرامہ اور اقتراب الساعۃ سے ہیں جو فریقین کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ مفسرین کے فیصلہ جات کی تحت میں مدعیہ کی طرف سے ۱۵ فیصلہ پیش کئے گئے ہیں اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے پیش کئے گئے ہیں۔ اور مدعا علیہ کی طرف سے اس معنی کے تعین کے لیے کوئی بھی حوالہ نقل نہیں کیا گیا۔ لفظ خاتم کے لغوی معنی ثابت کرنے کے لیے تین حوالے دیے گئے ہیں۔ ان میں ایک شہاب کا حوالہ فریقین کا غیر مسلم ہے۔

۱۔ لغت کے ۸ حوالہ جات مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں جن میں سے ایک کتاب مفردات کے متعلق صاحب اتفاق کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی کے متعلق اس سے بہتر رائے زنی پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ مدعا علیہ کی طرف سے صرف ایک حوالہ منجد کا پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ احکام فقہاء کے تحت ۶ حوالہ جات منجانب مدعیہ پیش ہونے میں جن میں سے بحر الرائق کو گواہ مدعا علیہ نے مسلم اور مستند مانا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے کوئی حوالہ فقہاء کا پیش نہیں ہوا۔ گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۳۳ء میں یہ تسلیم کیا ہے کہ قرآن اور مرفوع متصل حدیث کے خلاف کوئی اور دلیل سموع نہیں ہوں گی۔ حدیث نوحاش ابراہیم مکان صدیقانیا۔ جو مدعا علیہ کی طرف سے پیش کی گئی ہے۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح۔ لفظوں کے اعتبار سے مثبت کی گئی ہیں۔ سند کے اعتبار سے غیر صحیح لفظوں کے اعتبار سے مثبت مدعا علیہ نہیں۔ صحیح معنی کے لحاظ سے ہمارے موافق ہے سند کے لحاظ سے میزان الاعتدال تقریباً تہذیب مدارج النبوة گواہ ۱، ۲ کی جرح میں پیش کی گئی ہیں۔ میزان الاعتدال اور تقریباً تہذیب جرح تعدیل کی گئی ہیں۔ اور اس کے مصنف امام فقیہ حدیث مانے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی کتاب برکات دعائیں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک فن میں اس کے ماہر کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ میزان الاعتدال کے مصنف نے بھی ابن معین ادیبی بن معین جرح کے امام ہیں اس کے قول کے حوالہ سے انہوں نے کہا ہے کہ ابن ماجہ ٹھیک راوی نہیں ہیں۔ غیر معتبر ہے۔ لوعائث ابراہیم.... الخ ابن ماجہ سے نقل کی گئی ہے۔ اس طرح حدیث مجرد ہو گئی۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ازالہ اوہام ص ۲۱ پر لکھا ہے کہ حدیث بشرطیکہ جرح سے خالی ہو۔ معتبر ہوگی۔

ملا علی قاری۔ حافظ حدیث اصطلاحاً نہیں ہیں۔ نہ امام جرح اور معتقدین میں گواہ ملے۔ اسے تسلیم کیا ہے۔ ملا علی قاری نے بھی حدیث مذکورہ بالا کو صحیح نہیں کیا۔ حدیث کے شروع میں لفظ لوا استعمال ہوا ہے۔ اور لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا۔ گواہ ملنے اس اصول کو جرح ۸ مارچ ۳۳۔ میں تسلیم کیا ہے۔ بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۱ پر اس حدیث کے متعلق یہ درج ہے کہ اگر ابراہیم زندہ ہوتے تو نبی ہوتے مگر اللہ کے علم میں یہ تھا۔ کہ حضور صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کا انتقال ہو گیا۔ ابن ماجہ کے جن حوالہ بات سے حدیث لو عاشق ابراہیم نقل کی گئی ہے۔ اس سے پہلے متصل حدیث مذکورہ بالا جلع ابن ابی اوفی سے نقل ہے۔ کنز العمال سے ایک حدیث یہ پیش کی گئی کہ یام انت خاتم المہاجرین فی الجوعہ.... لیکن اس کتاب میں صحیح اور غیر صحیح دونوں حدیثیں ہیں۔ اس کی صحت اور سند کے متعلق کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔ مصنف کے اعتبار سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیونکہ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت تھی۔ ذہنی تھی۔ اور اس کے آخری مہاجر حضرت عباس تھے۔ اس کے بعد وہ ہجرت بند ہو گئی۔ اس لیے حضرت عباس خاتم المہاجرین شمار کئے جاسکتے ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلعم نے اعلان فرمایا تھا۔ کہ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ اور گواہ ۲ نے اس کے یہ معنی بتلائے ہیں۔ کہ کسی قسم کی ہجرت مکہ سے مدینہ کی طرف باقی نہ رہی (جرح ۲۸ مارچ ۳۳ء)

آثار صحابہ۔ میں حضرت عائشہ کا قول قولہ خاتم النبیین دلائل قولہ لا نبی بعدی۔ فریق ثانی کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ حدیث بھی مستند اور معنی کے لحاظ سے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ حوالہ مکملہ مجمع البہار سے جو لغت کی کتاب ہے۔ اور پیش کیا گیا ہے۔ کوئی سند پیش نہیں کی گئی اور نہ حدیث کی کسی معتبر کتاب سے اسے پیش کیا گیا ہے۔ یہ قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہے۔ لہذا جب کسی صحابی کا قول رسول اللہ صلعم کے قول کے مخالف ہو۔ تو وہ قایل اعتبار نہیں۔ کیونکہ حدیث لا نبی بعدی سے اس کا تعارض ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے حضرت عائشہ کی سند سے رسول اللہ صلعم کی حدیث کے مطابق ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ معنی کے لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمارے مخالف نہیں کیوں کہ حضرت عائشہ یہ فرماتی ہیں۔ کہ کہو تم خاتم النبیین نہ کہ لا نبی بعدی یعنی مقام مدح میں خاتم النبیین کا لفظ استعمال کرو۔ لا نبی بعدی کا لفظ نہ کہو۔ کیونکہ اس سے دونوں مطالب آپ کا بالذات افضل ہوتا۔ اور آپ کے بعد دوسرے کسی نبی کا نہ آنا پیدا ہونے میں۔ حضرت علی کے جس قول کا حوالہ گواہ ۲ نے دیا ہے۔ اس کی سند میں اور کوئی چیز پیش نہیں کی گئی۔

بزرگان اقبال کے سلسلہ میں گواہ مانے بیان کیا ہے۔ کہ صحیح احادیث جہاں غلطی ہیں۔ اور اعتقادات میں قطعی اعتبار ہوتا ہے۔ حقیقات کام نہیں آتے۔ کتاب حج الکرامۃ ہمارے مسلمات سے نہیں ہے۔ اس لیے ہم پر حجت نہیں ہو سکتی۔ ایک شخص کے معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی تمام تصانیف صحیح اور معتبر ہوں جس میں اس قسم کا التزام نہ ہو۔ وہ معتبر نہیں ہوگی۔ موضوعات ملا علی قاری میں ان کی رائے اور عقیدہ ظاہر نہیں کیا گیا۔ بلکہ موضوع حدیثوں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ملا علی قاری کی دوسری کتاب میں عقائد کے متعلق جیسے شرح شفا۔ شرح فقہ اکبر وغیرہ ان میں عقیدہ عام مسلمانوں کے مطابق ظاہر کیا ہے۔ فتوحات مکیہ جلد ۱ صفحہ ۵۶ کا حوالہ غیر متعلق ہے۔ شامی جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ میں محی الدین ابن عربی سے نقل کیا گیا ہے۔ کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے۔ اور گواہ ۱ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر ایک کی اپنی اصطلاح ہے۔ اور اس اصطلاح کے خلاف مطلب لینا درست نہیں ہے۔ یواخت ص ۱۱ پر ہے کہ صوفیائے کرام کی عبارت پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن ان کے الفاظ کی اصطلاح جانتے کے بعد پھر اگر اس کے بعد شریعت کے مخالف ہو۔ تو اسے پھینک دیں گے۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح سمجھنے کے لیے یہی مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ گواہ ۱ نے یہ کہا ہے۔ کہ انہوں نے صوفیائے کرام کی کوئی کتاب نہیں دیکھی۔ اور گواہ ۲ نے یہ کہا کہ فصوص الحکم اور فتوحات مکمل پڑھنے کا موقعہ اسے نہیں ملا۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاحات کے لیے مستقل تصنیف کبریت احمد ہے۔ اور نبوة کے معنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں خبر دینے کے ہیں۔ اس کو وہ باقی بتلاتے ہیں۔ اور شریعت کی اصطلاح والی نبوة کو ختم بتلاتے ہیں۔ کبریت احمد ص ۱۱۷ اور اس کے شیخ کے نزدیک رسالت کے معنی تبلیغ کے ہیں۔ اور نبوت ولایت کے مقابلہ پر ہے۔ فتوحات جلد ۳ باب ۳۸ شیخ کی اصطلاح میں مشرح ہوتا ہے۔ اور نبی اور رسول ہوتا ایک چیز ہے اور فصوص الحکم صفحہ ۲۲ پر ہے کہ کسی قسم کی نبوت چاہے۔ تشریف یا غیر تشریف یا باقی نہیں رہی۔

شیخ محی الدین ابن عربی نے کتاب یواخت جلد ۲ بحث ۲۵ ص ۳۸ پر لکھا ہے کہ نبوة کا دعوے کرنے والا حضور صلعم کے بعد خواہ ہماری شریعت کے موافق ہو۔ یا مخالف اگر وہ مکلف ہے۔ تو اس کی گردن مار دیں گے۔ ورنہ اس سے گریز کریں گے۔ عبد الکریم جس کا جو حوالہ کتاب انسان کامل سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ بھی صوفیائے کرام کی اصطلاح معلوم ہونے کے بعد بحق مدعا علیہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کتاب کے ص ۲۸ و ۲۹ پر ہمارے موافق عبارت موجود ہے۔

کتاب تحذیر الناس کے صفحہ ۲ کی عبارت ناخر زمانی کے بند ہونے کی تصریح کر رہی ہے ص ۲۸، پر

بالفرض کا لفظ قابل لحاظ ہے۔ اس کتاب کے صند پر خاتم النبیین یعنی آخری نبی کے منکر کو کافر قرار دیا ہے۔ مولانا محمد قاسم صاحب نے اپنی کتاب مناظرہ عجیبہ شرح تہذیر الناس کے صند پر لکھا ہے کہ انا دین ایمان ہے۔ کہ بعد رسول اللہؐ کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں۔ جو اس میں تامل کرے۔ اس کو کافر سمجھتا ہوں۔

مشنوی مولانا روم کا یہی ایک شعر پیش کیا گیا ہے۔ کہ نبوة حاصل ہو سکتی ہے۔ اس شعر میں نبوت کا جو لفظ استعمال ہوا اس سے کالات نبوت مراد ہے۔ نہ کہ نبوة فی نفسہ۔ حوالہ تفسیرات النبیین میں بھی لفظ تشریح اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ کو اکب در یہ حکم مجرّح صاحب امر وہب ہماری غیر مسلم ہے۔ اس میں بھی لفظ تشریح اسی معنی میں استعمال ہو رہے۔ جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس مصنف نے اپنی دوسری کتاب تاویل الحکم میں لکھا ہے۔ کہ تشرعی اور غیر تشرعی دونوں قسم کی نبوت بند ہے۔ ص ۲۸۷، ۲۸۸ کتاب اقتراب الساعۃ ہماری مسلم نہیں ہے۔ اس لیے اس کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے اور خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے کتاب نفع البیان ص ۲۸۷ پر خاتم النبیین کی تفسیر ہمارے مطابق کی ہے۔ فیصلہ مفسرین فریق ثانی کی طرف سے کوئی پیش نہیں کیا گیا۔ کتاب سراج منیر میں لفظ خاتم کے معنوں میں پہلا معنی اخیر کا لکھا گیا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا معنی زینت دینے والا لکھا ہے۔ اور اسی مفسر کا آخری فیصلہ تفسیر ختم النبوة میں مدعیہ کے موافق ہے۔ کتاب سراج المنیر لغت کی کتاب نہیں بلکہ تفسیر کی کتاب ہے۔ شہاب ہمارے نزدیک غیر مسلم ہے۔ اس لیے کہ فقہ کے کوئی امام نہیں اور نہ ان سے کوئی سند پکڑی جاتی ہے۔ بایں ہمہ انھوں نے بھی ختم النبوة کے معنی بھی آخری نبی کھے ہیں۔ روح المعانی کا حوالہ بھی ہمارے موافق ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ختم النبوة کے معنی آخری نبی کئے گئے ہیں۔ اس کتاب روح المعانی کے صند پر ایک عبارت جو والمراد سے شروع ہوتی ہے۔ وہ اس کا پورا حل کرتی ہے۔ اس ضمن میں ص ۶۷ قابل ملاحظہ ہے۔

مدعا علیہ کی جانب سے متجدد کا جو حوالہ مہربا انگوٹھی کے معنی کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ وہ لفظ مفرد خاتم کا پیش ہوا ہے۔ حالانکہ اسی کتاب کے اندر مضامین ہو کر آخری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہاں بحث مضامین کے اندر ہے۔ لہذا یہ حوالہ غیر متعلق ہے۔ ص ۱۶۴ اس کے سوا اور سب متعارف لغاتیں خاتم کے معنی مدعیہ کے موافق بیان کرتی ہیں۔ قرآن مجید کے مطالب شاعرانہ تعلیقات کے تحت میں مبالغہ کے طور پر بعض الفاظ بمثل خاتم الحمدین۔ خاتم المفسرین کے استعمال سے حل نہیں کئے جاسکتے۔ عربی کا جو شعر خاتم

کا معنی بیان کرنے کے لیے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں بھی قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ کا معنی حل نہیں ہوتا گواہ ملنے سے تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ شعر شرع میں حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مابعد کے زمانہ کے شاعر کا ہے۔

مرزا صاحب نے سال ۱۹۱۰ء کے بعد فائز التبتیین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن پہلے معنی بدل دیے ہیں۔ علی اور بروزی بنوۃ کی اصطلاح صرف مرزا صاحب کی قائم کردہ ہے۔

مرزا صاحب نے کتاب ایام الصلح ص ۱۴ پر ختم النبوة کے مسئلہ کو پورے طور پر حل کیا ہے۔ مدعیہ کی طرف سے جو آیات فائز التبتیین کے معنی میں پیش کی گئی ہیں۔ ان کا جواب فریق ثانی کی طرف سے تاویلات سے دیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کی مراد حدیث اور تفسیر سے متعین کی گئی تھی۔

مرزا صاحب نے ایام الصلح کے حوالہ مذکورہ بالا میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لانبی بعدی میں نفی عام ہے۔ وحی رسالت سوائے نبیوں کے اور دوسرے کسی کی نسبت استعمال نہیں کی گئی۔ انبیاء کو انجم وحی اترتی ہے وہ وحی نبوۃ کہلاتی ہے۔ مرزا صاحب نے ایام الصلح ص ۱۴ پر وحی نبوۃ کی یہ تعریف کی ہے۔ کہ کیونکہ جس میں شان نبوۃ باقی ہے۔ اس کی وحی بلاشبہ وحی نبوۃ ہے۔ دوسری جگہ سراج المیز میں ص ۱۰ پر ہے۔ کہ نبی کی وحی۔ وحی نبوۃ کہلائے گی۔ ازالہ ادہام ص ۳۱ پر لکھا ہے۔ کہ وحی رسالت وہی ہے۔ جو توسط جبریل ہو گواہ ملنے سے۔ مارچ کی جرح میں تسلیم کیا ہے۔ کہ جس میں نئے حکم ہوں۔ وحی تشریعی ہے۔ مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ کہ اللہ کی طرف سے عموماً بہت نازل ہونا برابر ہے۔

مرزا صاحب ازالہ ادہام ص ۲۲ پر لکھتے ہیں کہ وحی نبوۃ پر تو ۱۳ سو برس سے مہر لگ گئی۔

مدعیہ کے گواہان نے یہ نہیں کہا کہ وحی مطلق بند ہے۔ بلکہ وحی رسالت بند ہے۔ اور گواہ ملنے اپنے بیان میں کہا ہے۔ کہ گواہان فریق مخالف کہتے ہیں کہ وحی اب کی پر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ہمارے گواہ ملنے کہا ہے۔ کہ ادعائے نبوۃ اور ادعائے وحی نبوت بھی کفر ہے۔

آیت دماکان بشیر۔۔۔ الخ سے یہ مراد ہے۔ کہ انسان کا خدا سے مہکلام ہونا تین طریق پر ہے۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ وحی نبوۃ انبیاء سے مخصوص ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت جاری رہ سکتی ہے۔ یہاں لفظ بشیر سے مراد منجی ہی ہے۔ عام بشیر نہیں اگر وحی سے مراد وحی نبوت لی جاوے تو عام بشیر مراد نہیں ہوگا۔

واجینا الی ام موسیٰ۔۔۔۔۔ کی آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی نبوۃ نہیں کیونکہ ام موسیٰ

عورت تھیں عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ حضرت مریم کے متعلق جو آیات پیش ہوئی ہیں۔ ان کا بھی یہی جواب ہے۔

ذوالقرنین کے متعلق جو آیت ہے اس سے بھی یہ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ان کو جو وحی ہوئی وہ وحی نبوت تھی۔ کیونکہ ان کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ وہ نبی تھے۔ دوسرا یہ کہ نبی نہ تھے۔ رائج یہی ہے۔ کہ وہ نبی نہ تھے۔ اگر نبی تھے تو وحی نبوت بھی جائے گی۔ اگر نبی نہ تھے۔ تو جو وحی انہیں ہوئی۔ وہ وحی نبوت نہ تھی۔ اسی طرح حواریں کی طرف بھی وحی نبوت نہ تھی۔ حضرت ابراہیم کی اہلیہ کی طرف بھی جو عورت ہونے کے وحی نبوت نہیں ہو سکتی تھی۔ صوفیائے کرام کے متعلق یو اقصیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں ہے۔ مستحب لہ کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ بلکہ دعا قبول کرنے کے ہیں گواہ مانے اس کے یہ معنی لیے ہیں۔ کہ اگر جواب نہ دے اور کلام نہ کرے۔ تو وہ اور معبود ان باطل کے مرید ہو جائیں گے۔

حبیب کے معنی قبول کرنے کے ہیں۔ کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اور نہ کسی نے مراد لی ہے۔ اس آیت میں واذا ساء ملک عبادی عنی فانی قریب..... الخ میں حبیب کے معنی کلام کرنے کے نہیں ہیں۔ اسی طرح آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ الخ اس سے مراد موت کے فرشتوں سے ہے اس سے وحی نبوت کا اجر اثبات نہیں ہوتا۔ آیت ربيع الدرجات ذوالعرش... الخ میں یہ بتلایا گیا ہے۔ کہ فرشتے کا ارتقا وحی الہی لیکر اللہ کی نظر استجاب پہنچے نہ کسی اور دنیوی جاہ و جلال پر آیت کنتھ خیراۃ..... الخ بھی اجراء نبوت کے لیے غیر متعلق ہے۔

آیت تنزل الملائکہ والروح کا بھی اجراء نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان آیات سے احمدیہ جماعت کے وجود سے پہلے کسی صحابی۔ تابعی یا مفسر نے ان آیات سے اجراء نبوت پر دلیل نہیں پکڑی اسے تفسیر بالمرائے کہا جائے گا۔ جو غیر متبرہ بھی جائے گا۔ اسی طرح جو احادیث نقل کی گئی ہیں۔ ان سے بھی اجراء نبوت ثابت نہیں ہوتی۔

بزرگان کی زبان پر فرشتوں کا گفتگو کرنا اور چیز ہے۔ اور ان سے فرشتوں کا کلام کرنا اور چیز۔ حدیث داود علی عیسیٰ کو مرزا صاحب نے کتاب ازالہ اہام میں اسے مجروح قرار دیا ہے۔ اور اگر حدیث تبیم کر لی جاوے تو یہاں وحی بمعنی الہام ہے۔

فتوحات مکہ کا جو حالہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ اس میں وحی تشریفی کو محققین انبیاء کے ساتھ بتلایا گیا ہے جو ہمارے مدعا کے موافق ہے ۵



کبریتِ احمدیہ پر یہ تقریب کی گئی ہے۔ کہ وحی تشریفی جو وحی نبوت ہے۔ وہ بند ہو چکی۔ اور یہی علیہ السلام پر کوئی جدید وحی نہ ہوئی۔ اور اولیاء پر جو وحی ہوتی ہے۔ وہ بھی الہام ہے۔ اور وحی الہام بند نہیں۔ بلکہ جاری ہے۔

مجدد صاحب نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے۔ وہ وحی ہے۔ جو محمدین پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں ہے۔

مون روم کے جو اشعار اس بارہ میں نقل کئے گئے ہیں۔ وہاں وحی کوئی کا ذکر ہے۔ وحی نبوت کا نہیں۔

منصبِ امامت سے جو حوالہ اس غرض کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ کہ وحی نبوت جاری ہے۔ وہاں صرف یہ اصطلاح بتلائی گئی ہے۔ کہ انبیاء اللہ پر جو الہام ہوتا ہے۔ اسے مجازاً وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی کے لیے ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ الہام جو انبیاء اللہ سے ثابت ہے۔ اسے وحی کہتے ہیں۔ اور اگر ان کے سوا کسی کو ثابت ہو تو اسے تحدیث کہتے ہیں۔ اور کبھی کتاب اللہ مطلق الہام کو خواہ انبیاء اللہ سے ثابت ہو۔ خواہ اولیاء اللہ سے دی کہتے ہیں۔ امام غزالی کا جو حوالہ لینی اقیات جلد ۲ ص ۵۷ سے پیش کیا گیا ہے۔ وہ وہاں تردیدی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

روح المعانی کا جو حوالہ اجراء نبوت کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ اس کا دار و مدار حدیث موسیٰ ابن سیمان پر ہے۔ جسے خود مرزا صاحب نے مجروح قرار دیا ہے۔ حج الکرامہ کے مصنف کوئی نسبت بڑے عالم نہیں اس لیے ہمارے لیے ان کا کوئی قول حجت نہیں۔ وہ غیر مقلد ہیں اور ان کے ساتھ مقلدین کی لڑائی رہی ہے۔ اس لیے حج الکرامہ ہمارے لیے مسلم نہیں ہے۔

انسداد وحی کے متعلق مدعیہ کی طرف سے چھ آیات پیش کی گئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نبوت مدود ہے۔ اور اس کے متعلق ۲۵ یا ۲۶ احادیث بیان کی گئی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وحی نبوت مدود ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ بیشک وحی منقطع ہو چکی ہے۔ بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۰۔ حضرت ابوبکر کا قول ہے۔ کہ وحی منقطع ہو چکی اور دین پورا ہو گیا۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۸۔

علم الکتاب ص ۱ پر ہے۔ کہ اختتام وحی کہ آئن نیز بشل الہام دو قسم است۔ . . . . . و منقطع شدند

کارخانہ جی۔ بعد خاتم الانبیاء۔ مسیلمہ کذاب کے متعلق قرنی ثانی کی طرف سے تاریخ غیس ہنجاری ۱۱ اشادات  
فریدی کے حوالہ جات ۹ مارچ ۱۹۳۳ء کی جرح میں پیش کئے گئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔  
کرمیلمہ کو صرف دعوے نبوت کی وجہ سے کافر سمجھا گیا۔ اور صحابہ نے اجماع کیا کہ وہ کافر ہے۔

ذریعہ البغایا کے معنی لعنت کی رو سے بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن جرح گراہ ۱۲ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء  
میں مرزا صاحب کی کتب ذیل لمحۃ النور ص ۳۱-۶۹-۷۲-۸۱-۸۹-۹۰-۹۶-۱۱۷ سے ثابت  
کیا گیا ہے۔ کہ ذریعہ البغایا جرمی یا حرام زادہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ان حوالہ جات میں بغیہ  
یا لبغایا کے تحت معنی بیان کئے گئے ہیں۔ دوسری کتاب لعنت فائق جلد ۱ ص ۶ منہتی الارب جلد ۱  
صفحہ ۳۹ سے یہ دکھایا گیا ہے۔ کہ بغیہ کے معنی زانیہ کے ہیں۔

دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی  
محمد اکبر

عدالت

بقیہ فارروائی کے لیے مسل کل پیش ہو۔ ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۲ء  
دستخط صاحب جلیس بحروف انگریزی۔  
محمد اکبر

۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء  
فریقین اور ان کے مختاران حاضر ہیں۔

تتمہ بحث مدعیہ

مرزا صاحب نے فتوحات کی عبارات سے جی میں یہ ذکر ہے۔ کہ نبوت تشریعی بند ہے۔ یہ استدلال  
کیا ہے کہ جو شخص نبوت کے ساتھ شریعت کا دعوے کرے یہ نبوت خاتم النبیین کے خلاف ہے اور اس  
کے نبی ہو سکتا ہے۔ تشریعی کے معنی صاحب شریعت ہونا۔ جو مرزا صاحب نے مراد لیا ہے کہ اس کے  
ساتھ کتاب، منقول ہو۔ احکام نئے ہوں۔ بعض پہلے احکام کا قسح ہو۔ یہ معنی تشریعی کے نہ کسی لعنت کی کتاب  
میں ہیں اور نہ حدیث و تفسیر اور نہ قرآن شریف میں۔ نہ مرزا صاحب نے اور گواہان مدعا علیہ نے کہیں  
اس کا ثبوت دیا ہے۔ اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نبوت تشریعی کی خود شیخ مصنف فتوحات  
کے کلام سے کر دی جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس نبوت کی ہم نے تفسیر کی ہے ایک نبی محض ایک رسول محض

اور ایک نبی اور ایک رسول دونوں اس سے ہماری مراد نبوت تشریعی ہے کہ اولیاء کے لیے نہیں ہوتی اس عبارت میں تشریعی کے معنی بیان کر دیئے۔ کہ اولیاء کے مقابل ہے۔ کہ جس کو شریعت اور عرف اور اصطلاح اسلام میں نبوت کہتے ہیں۔ اس کو شیخ نے نبوت تشریعی کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اب نبوت تشریعی<sup>۲۲</sup> کے معنی جو مرزا صاحب نے لئے مراد نہیں لیے جاسکتے۔

گواہان مدعیہ نے مرزا صاحب کے مدعی شریعت ہونے پر جو تریاق القلوب کی عبارت پیش کی ہے اس کا جواب مدعا علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی مراد نبی صاحب شریعت اور ملہم اور محدث کا حکم بیان کرتا ہے۔ نہ کہ نبی غیر صاحب شریعت کا۔ یہ جواب صحیح نہیں۔ اول تو اس وجہ سے کہ اس وقت تک مرزا صاحب کے قریب نبی تشریعی وہی تھا۔ جو نبی صاحب شریعت ہو۔ یہ جدید اصطلاح سال ۱۲۱۰ء میں پیدا ہوئی ہے۔ لہذا تریاق القلوب جو سال ۱۱۸۰ء سے قبل کی ہے۔ اس میں وہ معنی مراد نہیں ہو سکتے دو سر امیر صاحب نے خود یہ جواب نہیں دیا بلکہ وہ مکر اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں۔ اس لیے گواہان کا جواب مشکوک کی اپنی مراد کے خلاف سے۔ فرق ثانی کی طرف سے تین آیات اہل جہاد اور نبوت رسالت کے باقی ہونے کے متعلق بیان کی ہیں۔ وہ معنی کسی ایک محدث اور مفسر یا صحابہ سے منقول نہیں۔ یہ معنی خود انہوں نے ایجاد کئے ہیں۔ اگر ان معنی کو صحیح مان لیا جاوے تو پھر وہ وہ کہ جس کے ساتھ کتاب مستقل ہو اور شریعت مستقل ہو اور پہلی شریعت کے کل یا بعض احکام کا فتح ہو۔ جو مرزا صاحب کے نزدیک بھی یہی ہے۔ اور اس کا مدعی کافر ہے۔ اس کا باقی ہونا بھی ان آیات سے ثابت ہو جائے گا۔ کسی نبی کی توہین باتفاق کفر ہے مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب نے انبیاء کی توہین کی ہے۔ منجملہ ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مدعا علیہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔ یہ ایک فرضی مسیح کے متعلق ہے۔ اور بطور الزام کے کہا گیا ہے۔ گواہان کا یہ جواب درست نہیں ہے۔ کہ یہ الفاظ جن کو توہین قرار دیا گیا ہے۔ بطور الزام کے استعمال کیے گئے ہیں۔ اس واسطے کہ گواہان مدعا علیہ نے ازالہ اوہام مولانا رحمت اللہ صاحب اور مفتی مولوی آل حسن صاحب امر وہی اور ہدیۃ الشیعہ مولانا محمد قاسم صاحب کی بہت سی عبارت نقل کی ہے۔ اور خود بھی اپنے بیانات میں ان مصنفین کی یہ عبارت بھی نقل کر دی ہے۔ کہ یہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ الزام کے طور پر لکھا ہے۔ جو عیسائیوں کی کتاب سے ثابت ہوتا ہے۔ در نہ ہم ایسا نہیں لکھ سکتے۔ مرزا صاحب انجام اتھم میں یہ کہتے ہیں۔

کہ میں نے جو کچھ بھلا کر کیا ہے وہ یسوع کو کہا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کیا۔ مرزا صاحب کی کتاب سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کے نزدیک یسوع اور عیسیٰ ایک ہی ہیں۔ چنانچہ گواہان کی جرح میں بھی یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ یسوع مسیح ایک ہیں۔ مرزا صاحب نے ایک جواب تریاق القلوب ص ۳۹، ۳۹۱ پر یہ دیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ توہین کی ہے۔ بدعتی سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لیے۔

اس سے یہ الزام نہیں آتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی جاتی۔ مرزا صاحب نے قبول کیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی۔ اس کی وجہ یہ بیان کی کہ مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا ہو جائے۔ اور نقض امن نہ ہو۔ یہ توہین باعث کفر اور ارتداد ہے۔ جو مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے۔

مرزا صاحب اعجاز احمدی ص ۳۵ پر لکھتے ہیں کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی نسبت لکھا ہے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا یہ انسانی کارروائی نہیں خبیث ہے۔ وہ اشرار جو نفس سے کاملوں اور راست بازوں پر زبان درازی کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راست باز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے جو کچھ کہا باذن الہی ہے۔

جن جن باتوں سے گواہان مدعیہ نے جو الفاظ توہین کے بیان کئے ہیں نہ اس میں فرخی عیسیٰ کو گالیاں دی گئی ہیں۔ نہ الزام ہے۔ بلکہ مرزا صاحب اپنی تحقیق بیان فرماتے ہیں۔ لہذا ہر بر فقرہ مرزا صاحب کے کفر اور ارتداد کا باعث ہے۔ ضمیمہ انجام آٹھ صفحہ ۷ کے حوالے سے جو توہین کے الفاظ مدعیہ کی طرف سے بیان کئے گئے ہیں۔ ان سے مرید گالیاں ثابت ہوتی ہیں۔ ان گالیوں کو مرزا صاحب نے آنا مدلل اور محقق کر کے بیان کیا ہے۔ کہ جس کا حاصل یہ ہے۔ خدا علیم وغیرہ کے نزدیک بھی ما اقر اللہ یہ تمام عیوب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر موجود تھے۔ دافع البلاء کے آخری صفحہ کی جو عبارت مدعیہ کی طرف سے بیان کی گئی ہے۔ اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے یہ دیا ہے۔ کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضور کا لفظ نہیں فرمایا۔ یہ وجہ توہین کی ہے۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ مرزا صاحب یہ جواب دے رہے ہیں۔ عیائیوں کا اور ان مسلمانوں کا۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو سب عیبوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ یہ دونوں جواب بالکل غلط ہیں۔ یہ وجہ کہ استدلال لفظ حضور نہ ہونے سے ہے۔ یہ گواہان نے خود اپنی طرف سے پیش کر کے اس کو رد کیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ کا ہرگز یہ منشا نہیں۔ دوسرا جواب بھی بالکل غلط ہے اس واسطے کہ مسلمان میں ایسا کسی کا عقیدہ ہی نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء سے افضل ہیں۔ عیسائی قرآن کو بھی نہیں مانتے۔ مرزا صاحب حوالہ مذکورہ بالا میں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں۔

کہ میں انہیں بے شک ایک راست باز آدمی جانتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے ورنہ راست بازی کا وصف کا فرین بھی پایا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی ایک موجب توہین ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ اپنے زمانے کے لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ اس کے آگے خدا معلوم وہ بھی درست ہے یا نہ۔ اس کی تصریح آگے ماہر شیعہ کے مضمون سے ہوتی ہے۔ جہاں یہ درج ہے کہ یہ جو ہم نے یہ کہا..... ہمارا ایمان محض نیک نیتی کے طور پر ہے۔ .... افضل اور اعلیٰ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ورنہ کے استعمال سے ماقبل عبارت کی تردید نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں ماقبل اور مابعد کا ایک معنی نکلتا ہے۔ آگے کی عبارت میں الفاظ ذیل کہ اسی وجہ سے نہ اٹھنے قرآن میں یہ بھی کا نام حضور کہا مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا صاحب قرآن کی تفصیل فرماتے ہیں۔ اور اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﷺ کو جو حضور نہیں فرمایا اس کی وجہ صرف یہی ناپاک قصے تھے۔ تو گویا خدا کے علم میں بھی مرزا صاحب کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام ان ناپاک قصوں سے ملوث تھے کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضور نہ کہا۔ اس عبارت سے چند نتیجہ نکلتے ہیں۔ خدا ذاتی کے قابل نہیں عیسیٰ علیہ السلام نبوت کے قابل نہیں۔ نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بد معاش اور رنڈی بازوں کو مل جاتا ہے۔ اور اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتد نبوت کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کا فراور مرتد ہوئے۔ لفظ حضور کے عدم استعمال کے متعلق جو اعتراض گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعا علیہ پر کیا تھا۔ وہ خود مرزا صاحب پر وارد ہوتا ہے۔

مرزا صاحب نے اعجاز احمدی میں یہ کہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں۔ اور پھر کشتی نوح میں لکھتا ہے کہ ممکن نہیں کہ تینوں کی پیش گوئیاں مل جائیں۔ آگے ازالہ اہام صحت کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی جھوٹی پیش گوئیاں زیادہ تفصیل اور سچی کم۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی نہ تھے۔

اعجاز احمدی ص ۱۴۱ کی عبارت کے الفاظ مذکورہ بالا سے بھی تحت میں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف قرآن کے اعتبار پر چامایا گیا۔ ورنہ یہودیوں کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ حاشیہ کتاب کشتی نوح ص ۱۵۱ کی عبارت سے عیسیٰ علیہ السلام کی صاف توہین ظاہر ہوتی ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچتی ہے۔ اس عبارت میں مخاطب بھی مسلمان ہیں۔

جب مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے سے انکار کیا۔ اور خود اس منصب کو اپنے لیے تجویز فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے آپ کو نشان میں اعلیٰ اور افضل بتلایا۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوا کہ وہ معجزات کہاں ہیں۔ جو ہر شان میں بڑھے ہوئے ہوں۔

اس وجہ سے مرزا صاحب کو اس کی ضرورت پڑی۔ کہ ان تمام معجزات کا بالکل انکار کیا کہیں ان کو مسمرینم بتلایا کہ نہیں شعبہ بازی بتلایا کہ نہیں پڑھیں کے کھلونوں سے تشبیہ دی۔ کہیں قابلِ نفرت بتلایا۔ حالانکہ یہ تمام معجزات قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ اور امت کا اس پر اعتقاد ہے۔

مگر مرزا صاحب نے سب کا انکار کر دیا۔ اور اس توہین سے سب کا فرہوئے اور ان چیزوں کو شرکاء خیال فرما کر ساری امت کو بھی مشرک کہا جو ایک دوسری وجہ کفر کی ہے۔

مرزا صاحب نے نہ صرف دیگر انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے۔ بلکہ خود حضور سرور عالم کی بھی توہین کی ہے۔ مثلاً تحریر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلیم کے عین ہزار معجزات تھے۔ اور ان کے اپنے تین لاکھ۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے معجزات کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ بلکہ نشان کیا ہے معجزہ خارقِ عادت کو کہتے ہیں۔ مرزا صاحب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۱ پر لکھتے ہیں کہ ان چند سطروں میں جو بیش کوئیال ہیں۔ وہ اس قدر مثالوں پر مشتمل ہیں جو دس لاکھ سے زیادہ ہوں گے۔ اور نشان بھی ایسے کھلے کھلے ہیں جو اول درجہ پر خارق ہیں۔

مرزا صاحب نے رسول اللہ صلیم کی عینیت کا دعوے کیا ہے۔ اور عینیت کا دعوے کرنا صریح کفر ہے۔ گواہانِ فریقِ ثانی نے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ عینیت جسمانی نہیں تھی۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ جسم دو تھے۔ اور روح ایک تھی۔ تو یہ عقین تنازع ہے جو سب کے نزدیک باطل اور موجب کفر ہے اور اگر مرزا صاحب میں دو روہیں تھیں۔ تو کون سی روح تھی اگر رسول اللہ صلیم کی تھی۔ تو نبوت اس روح کے ساتھ رہی۔ مرزا صاحب کو چہر نبی کہنا کفر کی حد تک پہنچتا ہے۔ اس ضمن میں فریقِ ثانی کلموں سے فتوحات کتب وغیرہ سے جو صوفیائے کرام کے اقوال پیش کئے گئے ہیں۔ وہ بالکل بے محل اور مدعا علیہ کے کفر اور ردیہ کے لیے مفید ہیں۔ اس لحاظ سے کہ جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کی پہلے کی عبارت حذف ہے۔ بعض کی بالبد کی عبارت حذف ہے۔

اور بعض جگہ یہ مطلب لیا گیا ہے۔ جو مصنف کی تفریح کے بالکل خلاف ہے۔ بعض جگہ ترجمہ میں غلطی کی ہے۔ اس کے علاوہ کلمتیہ تمام حوالوں کا جواب یہ ہے۔ کہ جس قدر عبارات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ

تلبہم اجمعین کی نقل کی ہیں۔ ان میں سے ایک شخص بھی مدعی نبوت نہیں ہے۔ نہ مدعی رسالت ہے نہ مدعی وحی نبوت ہے نہ مدعی وحی رسالت ہے انکی تصریحات بھری ہوئی ہیں۔ کہ کوئی ولی اگرچہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا ہو۔ اور امت محمدیہ میں سب سے افضل ہو۔ جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبیوں کی جماعت میں سے جو سب سے کمتر ہیں۔ ان کا سران کے قدم کے نیچے رہتا ہے۔ یعنی کوئی ولی کتنے ہی اعلیٰ درجہ کا ہو۔ وہ نبیوں میں ادنیٰ مرتبہ کے نبی کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس سے نیچے رہتا ہے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ افضل تو کیسے ہو سکتا ہے۔ مقام نبوت میں کوئی ولی جا نہیں سکتا۔ فوراً فنا ہو جائے گا۔ اعلیٰ درجہ کے جو بھی اولیاء ہیں ان کی حالت ایسی ہے کہ جیسے ہم نیچے سے ستارے کو دیکھتے ہیں۔ مقام نبوت سے کسی ولی کو کوئی حصہ نہیں۔

اب اگر کسی کے کلام میں کوئی ایسی بات ہو۔ مثلاً کہ میں فلاں نبی کے مقام میں گیا۔ یا کہہ دے کہ میں مقام محمد میں گیا تو ان کا مطلب ان کی حسب تصریحات یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں نے ان مقامات کی دور سے زیارت کی۔ یا جیسے کسی خاص تقریب کے وقت کسی خاص شاہی مکان کے دیکھنے کی۔ عام رعایا کو دیکھنے کی اجازت ہو جاتی ہے۔

اور اس مکان کو جا کر دیکھتا ہے تو یہ کہنا اس کا صمیم ہے کہ میں اس مکان میں گیا۔ اس مکان میں بیٹھا۔ مگر اس کا یہ مطلب کبھی نہیں ہوتا کہ وہ اس مکان کا ملک ہے یا وہ اس کی جگہ ہے یا وہ اس کا مدعی ہے یا وہ اس مرتبہ کے لائق ہے۔

جیسا حضرت مجدد صاحب نے فرمایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام سرور عالم صلعم کے دسترخوان کے شریک اور ہم جلس ہیں۔ اگرچہ سب آپ کے طفیلی ہیں مگر دوسرے اولیاء اللہ کو کل وہ پس خوردہ اور بقیہ کھانے والے ہیں مرزا صاحب مقام نبوت کے مدعی ہیں۔ وہ جس چیز کو اپنے لیے ثابت کرتے ہیں۔ بطریق استحقاق۔ اور بطریق منصب ثابت کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے کلام میں اگر کوئی ایسی چیز ہوگی۔ تو بے شک مرزا صاحب کا اس سے کھرا اور ارتداد ثابت ہوگا۔ بخلاف دوسرے اولیاء اللہ کے۔ مرزا صاحب کے بھی بظاہر یہ الفاظ ہیں۔ کہ میری کوئی وحی قرآن کے مخالف نہیں۔ مگر مرزا صاحب کے یہ الفاظ بھی الفاظ ہیں کہ جن کے اندر معنی نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ص ۸۶ ایام الصلح پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کے معنی بیان کرنے میں بہر حال ان کا کلام معتبر ہوگا۔ لہذا جتنے حوالے فریضانی کی طرف سے مدعیہ کے خلاف پیش کئے ہیں۔ ان میں ایک بھی حوالہ ان کے لیے مفید نہیں۔

مدعیہ کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک صفت میں ظلی تھے۔ اور مرزا صاحب تمام صفات میں ظلی ہیں جو کمالات کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ وہ مرزا صاحب میں مجتمعاً پائے جاتے ہیں۔ یہ عبارت قول فیصل سے نقل کی گئی تھی۔ اب تشہید الاذیان کے جلد ۱ ص ۲۱ پر بھی یہی عبارت ہے۔

خطبہ الہامیہ ص ۱۹۳ پر مرزا صاحب انا فتحناک فتحا مینا اور آیت سبحان الذی امری بعبدہ .... الخ ص ۱۹۴ پر اپنے لیے ثابت فرما کر معنی یہ کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی فتح سے مرزا صاحب کے زمانہ کی فتح بہت بڑی اور ظاہر ہے۔ مسجد حرام میں نور کامل نہ تھا۔ اور مسجد اقصیٰ یعنی مرزا صاحب کی مسجد کے گرد اگر نور اس درجہ کامل ہو گیا ہے کہ اس کے اوپر ترقی ممکن نہیں۔ حاشیہ در حاشیہ خطبہ الہامیہ صفحہ کی عبارت سے آدم علیہ السلام کی توہین ہوئی ہے گواہ مدعیہ ص ۲ نے تریاق القلوب صفحہ ۷۳ سے یہ ثابت نہیں کیا۔ کہ مرزا صاحب اس کے تنازع کے قائل ہیں بلکہ اس سے اور قول فیصل کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو ظلی بروزی بنی کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی نبوت محمدیہ سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ اور اس سے مہر نبوت نہیں ٹوٹتی۔ یہ بالکل لغو اور پیہودہ خیال ہے۔ دوسرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے بروز ہوئے۔

اور خاتم النبیین آپ ہوئے۔ اسی عبارت پر گواہ مدعا علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ اسی سے تنازع ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کوئی تنازع ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ گواہ عد ۳ نے تنازع ثابت کیا ہے۔ جب عبارت مذکور بالا سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت اور ان کی توہین بھی بر ضرورت ثابت ہوگی۔ تو اب جس قدر اشارہ گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء علیہم السلام میں مرزا صاحب کے پیش کیے ہیں۔ ان سب کے معنی بجز توہین کے اور کچھ نہیں ہوتے۔ ۱۵ آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے نفع صد ہوگا۔

مرزا صاحب نے ان تمام چیزوں کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ یہ لفظ بے شک کہا ہے کہ حشر اجماد ہے۔ مگر جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے۔ تو پھر قبر سے پھر کون نکلتا گا اور نفع صور سے جمع کس کو کیا جائے گا۔ اس بحث کو مرزا صاحب نے ازالہ میں مفصل بیان کیا ہے لیکن اس سے کچھ حاصل نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مسلم ضروریات دین سے ہے اور ایسا مسلم ہے کہ مرزا صاحب اور ان کے متبعین اور گواہان مدعا علیہم اس کا انکار نہ کر سکے۔

مگر محض الفاظ ہیں۔ معنی کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح سے اگر اور تمام ضروریات دین کا کوئی شخص انکار کر دے



اور لفظ وہی کتھا رہے۔ تو اسلام کا ایک رکن باقی نہیں رہ سکتا۔

اور اسلام چند الفاظ کا نام رہ جاتا ہے۔ اور یہ باتفاق کفر و ارتداد ہے۔ چونکہ حشر اجماعاً تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے۔ اور ایک آیت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ لہذا کم سے کم ایک وجہ یہ مرزا صاحب کے کفر کی ہے۔ اور چونکہ قبول سے اٹھنا بھی ضروریات دین سے ہے۔ اور قبول سے اٹھنے والے کو وڑوں کیا اور بولیں۔ اور مرزا صاحب نے ہر ایک کا قبر سے اٹھنا انکار کیا لہذا بیشمار اس وجہ سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت سے انکار ہے۔ تو حوض کوثر بھی نداد۔ انا اعطینک الکونین سے بھی انکار ہوا اور یہ بھی کفر ہے۔ اس شفاعت کبریٰ کے انکار کا بھی نتیجہ نکلتا ہے۔ اس عقیدہ سے بل مرطابھی نذر دسمجھی جائے گی۔

شہادت القرآن ص ۶۴ پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں نفع ضرور سے مراد قیامت نہیں۔ بلکہ اسلامی طاقت کا کم ہونا اور امور فتن کا اٹھنا۔ بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ کسی ہمدی اور مجد کو لے جاوے۔ ص ۲۴ پر ہے۔ کہ لڑائیوں اور مباحثات کے شور اٹھنے پر نفع ضرور ہوگا۔ چشم معرفت ص ۸۶ پر ضرور سے مراد مسیح موعود لیا گیا ہے۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۲ پر بھی یہی عبارت ہے۔

مدعا علیہ لم اپنے اقرار سے احمدی یا مرزائی مذہب کو قبول کیا ہے۔ اور مرزا صاحب کو دیسا ہی بنی سمجھتا ہے۔ جیسے اور انبیاء علیہم السلام بھی در نکاح کے وقت وہ اس مذہب پر نہیں تھا۔ گواہان مدعیہ اور بحث سے یہ امر قرآن حدیث اجماع امت سے ثابت ہو گیا۔ کہ مدعیہ کا نکاح مدعا علیہ سے منع ہو گیا امکان بنوۃ کے سلسلہ میں جو آیات فریق ثانی کی طرف سے بیان کی گئی ہیں۔ ان سے صحابہ کرام سے لے کر مرزا صاحب کے وقت تک کسی نے امکان بنوۃ کا استدلال نہیں کیا۔ قرآن کے محاورات میں رسول اللہ صلم کے زمانہ کے لوگوں کو یتا یہا الذین اصنوا اور یتا یہا الذین کفروا اور یتا یہا الناس :-

سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور یابیٰ آدم سے تمام اولاد آدم مراد ہے۔ اس میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہیں ہے۔ آپ صلم پر اس آیت کا نازل ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی۔ کہ اس میں آپ کے بعد کے انبیاء کا ذکر ہے۔ کیونکہ بہت سی آیات بطور حکایت حال ماضیہ کے نازل ہوتی رہیں۔ پہلی آیت فریق ثانی کی طرف سے سورۃ اغراف کی پیش کی گئی ہے۔ اور یہ قصہ آدم علیہ السلام کی ابتداء آفرینش سے شروع کیا گیا ہے۔

اور امت محمدیہ صلم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہی واقعہ دوسرے پیرایہ میں سورۃ طہ میں نقل

کیا گیا ہے۔ کہ جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اترنے کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ یہ حکم لگا دیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آیت خود فرق ثانی سے ذریتہ آدم مراد ہے۔ نہ کہ امت محمدیہ۔ نہ اس کے متعلق کوئی سند فریق ثانی کی طرف سے پیش کی گئی۔ یا نبی آدم کا حکم جو رسولوں کے متعلق تھا۔ وہ آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا۔ اس کے بعد اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ابن جریر جو بہ تسلیم مرزا صاحب ربیع المفسرین ہیں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے۔ کہ یہ عہد جو آیت موعودہ میں ہے۔ بعالم ذریتہ لیا گیا ہے۔ ابن جریر جلد ۸ ص ۱۲۷ یہ آیت نکلی۔ ہے خاتم النبیین والی آیت مدنی ہے۔ جو یقیناً اس کے بعد کی ہے۔ اس لیے اس دوسری آیت کے حکم نے پہلی آیت کے حکم کو ختم کر دیا۔

دوسری آیت اللہ العظیمی..... الخ کے استدلال میں فریق ثانی کی طرف سے حال اور استقبال دونوں مراد لئے گئے ہیں۔ جو درست نہیں۔ اور گواہ نے تسلیم کیا ہے۔ کہ دونوں معنی حقیقی ہیں اور مشترک میں دو معنی حقیقی مراد نہیں ہو سکتے۔ مضارع حقیقتاً استمرار کے لیے نہیں آتا۔ اختلاف کی صورت میں رسول اللہ صلیم نے یہ نہیں فرمایا کہ کوئی نبی آئے گا۔ بلکہ یہ کہا ہے۔ کہ اس وقت میری اور میرے خلفاء کی سعادت پر عمل کرنا۔ یہ حدیث جرح میں فریق ثانی نے تسلیم کی ہے۔ گواہ نے صراط الذین انعمت علیہم کا ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ یعنی یہ کہ اے خدا تو ہمیں ان لوگوں سے ناجن پر تیرا نام ہوا۔ اس آیت سے اجراء نبوة کو کوئی تعلق نہیں ذریتہ کا لفظ جہانی نسل پر لولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں۔ اس لیے مرزا صاحب کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے نہ ہونے کی وجہ سے اس آیت کا اجراء نبوة پر کوئی اطلاق نہیں ہوتا۔ جہاں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے جو ظالم ہوں گے ان کو عہد نہیں پہنچے گا۔ اس آیت سے یہ بھی نکلتا ہے۔ کہ قیامت تک حضرت ابراہیم کی اولاد سے نبی ہوتے رہیں گے بلکہ ان کی اولاد میں ہوں گے چنانچہ ہوئے اور خاتم النبیین پر ختم ہو گئے۔ جو بھی آیت ثبوت کی پیش کی گئی ہے۔ اس آیت کے اندر رسول کے لفظ سے صرف رسول اللہ صلیم مراد لیے گئے ہیں۔ جو نبی آخر الزمان ہیں۔ اور یہی خیر حقیقت الوحی ص ۱۲ میں درج ہے۔ رسول اللہ صلیم اس عہد میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لیے اس آیت سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ اس امت میں کوئی نبی آئے گا۔

اس ضمن میں جو دوسری آیت رسول اللہ صلیم سے عہد یعنی کی پڑھی گئی ہے۔ اس سے یہ عہد مراد نہیں۔ بلکہ دوسرا عہد مراد ہے۔ جو عہد تبلیغ رسالت ہے۔ پہلا عہد رسول اللہ صلیم پر ایمان لانے کا عہد ہے۔

آیت فادک لک مع الذین ..... الخ میں معیت اور رفاقت کا ذکر ہے۔ درجہ اور منصب ملنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی تائید میں ایک حدیث سچے تاجروں کے متعلق پیش کی گئی۔ جس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ معیت سے مراد نبوت نہیں۔ بلکہ صرف رفاقت ہے۔ اس آیت کا آخری حصہ وحسن اولئک رقیقا دلالت کرتا ہے۔ کہ معیت سے مراد رفاقت ہے۔ نبوت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس قسم کی معیت سے رفاقت ہی مراد لی ہے۔ شان نزول اس آیت میں کا بتلاتا ہے کہ معیت سے رفاقت ہی مراد ہے۔ آیت ما کان اللہ لیلین من المومنین... الخ سے یہ نہیں نکلتا کہ خبیث اور طیب کی تمیز کے لیے نبی کی ضرورت ہے۔ اس میں علی ما انتم علیہ سے صوابہ مراد ہیں۔ اور یہ آیت انہیں کے زمانہ کے متعلق ہے۔

آیت کل ھدینا ..... الخ میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ وہ آئندہ ایسا ہی ہدایت دیا کرے گا جس کو چاہیگا۔ اپنے بندوں میں سے یہ ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ اس میں بھی آئندہ نبوة اور رسالت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

آیت وعد اللہ الذین منکم ..... الخ میں مکم سے مراد صحابہ ہیں اور دوسرا خلافت فی الارض کے معنی نبی بنائے کے نہیں ہیں۔ خلافت ارضی کا لفظ ان نبیوں کے متعلق ہے۔ جو زمین میں حکمران بھی تھے۔

فریق ثانی نے داد و علیہ السلام کو غیر شرعی نبی کیا ہے۔ حالانکہ وہ تشریف لے گئے۔ ان پر زبور نازل ہوئی تھی۔ جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ اس آیت میں ان لوگوں کو تشبیہ دی گئی۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے۔ کہ بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے۔ نبوة وغیرہ نہیں۔ لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہوگی۔ جو صحابہ کی خلافت سے پوری ہو چکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عام ہے۔ سورت زمز کی آیتوں سے جو اجراء نبوت کا استدلال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب کے لیے یہ کافی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آخر وقت تک قائم ہے اور جدید نبی کی ضرورت نہیں گواہ دعاء علیہ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر نہیں مرزا صاحب سراج منیر صفحہ ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایسے ہی وہ نبی کہہ کر پکارنا جو حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے آیا ہے۔ وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔ دوسری حدیث جو حضرت ابو بکر کی فضیلت میں نقل کی ہے۔ اس سے الا ان یكون نبی سے مراد وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حقیقی طور پر نبی بلکہ

بہشت مجدد امتی ہو کر آئیں گے۔ دوسری حدیث جو حج الکرامہ سے پیش کی گئی ہے۔ وہ مثبت مدعا نہیں کیونکہ اس میں نبوت سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ کی نبوت ہے۔ بعد کے آنے والی نبوت نہیں مشکوٰۃ والی حدیث میں تبلیغ النبوة سے مراد خلافت نبوت کے طریق پر ہے۔ نہ کہ خود نبوت پر یعنی نبی ہوں گے دوسری حدیث جو مشکوٰۃ سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت میں نقل کی گئی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ جنت کے تمام اولین و آخرین سے یہ دونوں افضل ہوں گے۔ سوائے تمیمین اور مرسلین کے۔ یہاں دنیا میں نبی آنے کا کوئی ذکر نہیں۔

فریقین ثانی نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ جہاں کوئی مسئلہ قرآن اور حدیث میں مصرح نہ ملے وہاں فقہ حنفی پر عمل ہو گا۔ اور دوسرے گواہ نے یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ مسئلہ فسخ نکاح قرآن حدیث کا مصرحہ نہیں۔ تو یہ مسئلہ ان مسائل سے ہوا جن میں فقہ حنفی پر عمل ہو گا۔ اور فقہ حنفی کی عبارت ثانی سے جرح میں بھی پیش ہو چکی ہیں۔ اور گواہان نے بھی پیش کیا کہ مرتد کے احکام میں سے نکاح کا فسخ ہونا ہے۔ گواہ ط نے اپنی جرح یکم مارچ میں تسلیم کیا ہے۔ کہ اگر مرتد ہو جائے تو عام فتویٰ یہی ہے۔ کہ نکاح فسخ ہو جائے گا۔ دوسرے گواہ نے ۲۱ مارچ کی جرح میں یہ کہا ہے۔ کہ تعامل یہ ہے۔ کہ فسخ سمجھا جائے گا۔

دستخط صاحب مجلس بحروف اردو

محمد اکبر

عدالت۔ بحث مدعیہ ختم ہے۔ مدعا علیہم کی طرف سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ بحث کے لیے تیار نہیں انہیں ہدیت دی جاوے۔ کیونکہ بہت سی نئی باتیں ایسی پیش کی گئی ہیں۔ کہ جن کے بے جدید حوالہ جات کی ضرورت ہے۔ اور وہ حوالہ جات اس وقت ان کے ہمراہ نہیں۔ وہ دکھلانا چاہتے ہیں۔ کہ وہ اس امر کے مستحق ہیں کہ انہیں ہدیت دی جاوے۔ اس غرض کے لیے مصل پر سول پیش ہو۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۳ء۔

دستخط صاحب مجلس بحروف اردو

محمد اکبر

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## انتباہ!

### برائے حضرات قارئین کرام:

حضرات قارئین! ہم بطور انتباہ یہ عرض کر دینا چاہتے ہیں کہ اس بحث کو پڑھنے کے بعد جواب الجواب کا حصہ جو مولانا ابوالوفار شاہ بھمانپوری کی طرف سے پیش کیا گیا اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے ضرور مطالعہ فرمائیں اگر آپ صرف یہ حصہ پڑھ کر جواب الجواب کا حصہ نہیں پڑھیں گے تو آپ علمی اقتدار اور ایمانی جذبات پر بڑا ہی ظلم کریں گے اور عقلی و فطری تقاضوں کو پامال کریں گے کیونکہ اس قسم کی تحریرات کو مطالعہ کرنے والے پر عقلاً و فطرۃً لازم ہو جاتا ہے کہ دونوں پہلوؤں کو دیکھے اور ان کا تقابلی کرے اور پھر فیصلہ کرے۔

ہم اجمالاً یہ بتا دینا چاہتے ہیں۔ یہ ساری بحث ایک فریب اور دھوکہ کا مرقع ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ تلبیس و مکر کا ایک جال ہے اس میں نہ دلائل ہیں اور نہ حقیقت سے کوئی واسطہ اور نہ ہی ان باتوں کو اصل بیانات پر بحث کیا جاسکتا ہے۔ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد دعویٰ نبوت کو علماء ربانین نے پہاڑوں کی طرح بلند و مضبوط دلائل سے کفر ثابت کیا تھا۔ اس تمام بحث میں اس کا ذرہ برابر بھی جواب یا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکا۔ محض اپنے خیالات و اوہام کو اس انداز کے ساتھ پیش کیا ہے کہ عوام کو یہ تاثر دیں کہ علماء کی جماعت نے مرزائیت کا جو کفر ثابت کیا ہے ہم نے اس کا رد کر دیا اور جواب دے دیا ان کی یہ روش بالکل قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے:

اور آدمیوں سے بہت سے آدمی ایسے بھی  
ہیں جو اللہ کے بارہ میں بغیر کسی علم کے  
خصومت اور جھگڑا کریں جن کے پاس نہ علم ہے  
نہ ہدایت اور نہ روشن کتاب و دلیل وہ اپنی جانب  
کو پھیرے ہوئے (مسخ و تحریف میں مبتلا ہے) تاکہ  
لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَجَادِلُ فِي اللَّهِ  
بَغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ  
مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ عِظْمٌ لِّبُصُلٍ  
عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ ط

اللہ رب العزت امت کو ہر گمراہی سے بچائے حق کو سمجھنے اور اس کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ رب العزت ہر شر اور فتنہ سے اور بالخصوص فتنہ مسیح الدجال سے محفوظ رکھے۔ آمین یا رب العالمین

ناچیز نے اپنی پوری ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ حضرات قارئین کو اس بات پر متنبہ کرنا ضروری سمجھا اور دیانت کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس مقدمہ میں فلیق مخالفت نے جو کہا ادارہ کو اس کی اشاعت کی تاکید کی تاکہ یل و نہار کافرق دیکھ لیا جائے اور حضرت مولانا ابوالوفاء شاہجہان پوری کی بحث کو پڑھ کر یہ فرمان خداوندی ذہن و دماغ میں رچ جائے :

بیل نقذق بالحق علی  
الباطل فیدخغه فاذا ہوا  
زاهق  
کہ بلکہ ہم تو اسی طرح حق کو باطل کے اوپر  
دے مارتے ہیں پھر وہ حق (اپنی ضرب  
سے) باطل کا بھیجا نکال ڈالتا ہے اور  
ناگماں (ہر ایک دیکھ لیتا ہے کہ) باطل  
مٹ چکا اور نیست و نابود ہو گیا۔

تو یہ جواب الجواب الحمد للہ حق و صداقت اور ایمان و توحید کا ایک بھاری اور مضبوط گرز ہے جس سے باطل کی قائم کی ہوئی چٹانیں پاش پاش ہو گئیں۔

اللَّهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِزْنَا اِتِّبَاعَهُ اَللَّهُمَّ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا  
وَاَرِزْنَا اِجْتِنَابَهُ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ  
لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰی صَفْوَةِ  
السَّبِيَةِ خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ وَعَلَى  
اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اٰجَمَعِينَ۔

احقر محمد مالک کاندھلوی

شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ

لاہور

سرپرست اعلیٰ اسلامک فاؤنڈیشن (ڈبٹرڈ)

لاہور

# بحث تحریری مدعا علیہ

مجلد ۷۱ - دسمبر ۱۹۳۳ء لغایت ۵ مارچ ۱۹۳۴ء

## عقائد جماعت احمدیہ

گوایمان مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں بالوضاحت یہ ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ یکا مسلمان اور مومن ہے۔ اور ضروریات دین سے کسی نہر ہمت خفہ کا قطعاً منکر نہیں ہے۔ اس طرح اس کے مطاع و مقتدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی تمام جماعت شریعت کی دوسرے کسی اسلامی عقیدہ کی منکر نہیں ہے۔ اور شریعت کی رد سے جن انہوں کو ماننے اور کرنے سے ایک انسان مسلمان اور مومن ہوتا ہے۔ وہ سب یا ان میں اپنی جاتی ہیں۔ اور قبول مسیح موعود علیہ السلام وہ بباگ و دل اعلان کرتے ہیں۔

مُصَفِّے مارا امام و مقتدا !	ما مسلمائیم از فضل خدا !!
ہم بریں از در دنیا بگذریم !	اندیریں دیں آمدہ از مادریم !
یادہ عرفان ما از جامِ ادست !	آن کتاب حق کہ ذراں نامِ ادست
دامنِ پاکش بدست ما دام !	آن رسول گش محمد ہست نام
ہر چہ ترو ثابت شود ایمانِ ماست	افتدائے قولِ او در جانِ ماست

(سراج منیر مطبوعہ ۱۸۶۷ء و ضرورتہ الامام ماثل)

جن امور کے ماننے یا کرنے سے شریعت اسلامی کی رو سے کوئی انسان مسلمان و مومن ہو سکتا ہے وہ گوایمان مدعا علیہ نے قرآن مجید اور احادیث و فقہ کی رو سے بالتفصیل اپنے بیانات میں ذکر کر دیئے ہیں خلاصہ کے طور پر ان امور کا ذکر کرتا ہوں (۱) خدا تعالیٰ پر ایمان (۲) ملائکہ پر ایمان (۳) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۴) اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان (۵) آخرت پر ایمان (۶) قضا و قدر پر ایمان (۷) کلمہ شہادتین کا اقرار (۸) نماز کا قیام (۹) زکوٰۃ کی ادائیگی (۱۰) روزہ ماہ رمضان (۱۱) بشرط استطاعت حج بیت اللہ :-

اور یہ امور مندرجہ ذیل آیات و احادیث سے ثابت ہیں :-

(۱) (۱) وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (۲) وَالْمُفْلِحُونَ (بقرہ ۷۱) (۲) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرَسُوْلِهِ وَنَفِقَ بَيْنَ اٰحَدٍ مِنْ رَسُوْلِهِ (بقرہ ۷۲) (۳) عَنْ اَبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيُّ الْاِسْلَامِ عَلٰی خَمْسٍ شَهِادَةٍ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ



واقام الصلوة وايتاء الزكوة والحج وصوم رمضان -

درمشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم کتاب الایمان (۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث بخاری و مسلم میں مروی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر حضورؐ سے چند سوال کئے اور حضورؐ نے ان کے جوابات دیئے۔ جبریل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جبریل تھے۔ جاء یعلمکم دینکم جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ ان کے سوالوں میں سے ایک سوال ایمان کے متعلق اور ایک اسلام کے متعلق بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے سوال

(ما الایمان) پر فرمایا ان تو من باللہ وملائکته وکتابہ ورسله و الیوم الآخر و من بالقدر خیر و شر و اور سوال (ما الاسلام) کے جواب میں فرمایا الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله وان محمدًا رسول الله و تقیم الصلوة و تؤتی الزکوة و تصوم رمضان و تحج البيت ان استطعت الیه سبیلاً -

درمشکوٰۃ ص ۱۰۰ مطبوعہ مجتہبی دہلی کتاب الایمان

چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ جرح کے جواب میں ان کو تسلیم کر چکا ہے۔

اور کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ فقہ اکبر مع شرح طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کے ص ۲۴ پر ہے۔ اصل توحید وما یصح الا اعتقاد علیہ یجب ان یقول اُمنت باللہ وملائکته وکتابہ ورسله والبعث بعد الموت والقدر خیر و شر من الله تعالی والحساب والمیزان والجنة

والنار حق کلمہ - پھر اس کے ص ۲ پر اس کی شرح میں جو ابو منصور محمد بن

محمد ختفی ماتریدی سمرقندی نے کی ہے لکھا ہے۔ فمن اراد ان یکون من امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقال بلسانہ لا اله الا الله محمد رسول الله وصدق بقلبه معناه فهو مؤمن وان لم یعرف

الفرائض والمحرمات۔ چنانچہ یہ سب باتیں بفضلہ تعالیٰ جماعت احمدیہ میں

پورے طور پر پائی جاتی ہیں اور احمدی ان پر عامل ہیں۔ اور یہی عقائد و اعمال بانی جماعت احمدیہ علیہ النقیۃ کے تھے۔ اور اپنے انہی کے ماننے اور کرنے کی اپنی جماعت کو تلقین کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) ”اے ہر گواہ! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ غیظ و غضب میں اگر خدا سے مت بڑھو۔ میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی زبانوں کو تکبیر سے تمام لو۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔“

أمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا عبده ورسوله فاتقوا الله ولا تقولوا الست مسلماً واتقوا الملك الذي إليه ترجعون۔ (ازالہ اوہام حصہ اول ص ۷۱)

(۲) ”اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ان سب عقائد پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو اہل سنت والجماعت مانتے ہیں۔ اور کہہ لیجئے کہ لا اله الا الله محمد رسول الله کا قائل ہوں اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہوں“ (آسمانی فیصلہ ص ۸۔ دسمبر ۱۸۹۱ء)

(۳) پھر فرماتے ہیں ”ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله آمنا بالله وملكه وكتبه ورسوله وكتبه والجنة والنار والبعث بعد الموت۔ یعنی ہم ایمان لائے ہیں خدا تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کی کتابوں پر اور جنت و نار پر اور حشر و نشر پر“ (انوار الاسلام ص ۳۷ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)

(۴) فرماتے ہیں۔

”التعليم للجماعة لا يدخل في جماعة الا الذي دخل في دين الاسلام واتبع كتاب الله وسنن نبينا خيرا اذ نام وآمن بالله ورسوله الكريم الرحيم وبالحشر والنشر والجنة والجحيم وبعد ويقربانه لن يبتغي ديناً غير دين الاسلام ويموت على هذا الدين عين الفطرة متمسكا بكتاب الله العلام۔ ويعمل بكل ما ثبت من السنة والقرآن واجماع الصحابة الكرام“ (مواهب الرحمن ص ۹۶ سنہ ۱۹۰۳ء)

یعنی ہماری جماعت میں سے وہی ہو سکتا ہے جو دین اسلام میں داخل ہو اور خدا تعالیٰ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول کریم درحیم پر ایمان لائے۔ اور ایمان لائے حشر و نشر اور جنت و نار پر۔ اور وعدہ کرے اور اقرار کرے کہ وہ بجز اسلام کو کسی اور دین کو ہرگز اختیار نہ کرے گا۔ اور مرے گا اسی دین پر مضبوط پکڑتے ہوئے خدا تعالیٰ کی کتاب کو۔ اور کہ عمل کرتا رہے گا ہر اس چیز پر جو ثابت ہو سنت نبویؐ اور قرآن پاک سے اور صحابہ کرام کے اجماع سے۔

(۵) اور آپ تقدیر کے متعلق اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”و (خدا کی) اقتضا و قدر پر ناراض نہ ہو۔ سو تم مصیبت کو دیکھ کر اور بھی آگے قدم رکھو کہ یہ تمہاری ترقی کا ذریعہ ہے“ (کشتی نوح ص ۱۱)

پھر فرماتے ہیں۔

قبضہ تقدیر میں دل میں اگر چاہے خدا ! پھر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار

ان حوالوں کے علاوہ دیگر حوالجات کے لیے جن میں عام عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو نور النسخ حصہ اول ص ۱۱ اور کشتی نوح ص ۱۱ اور تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۲۱ اور التبلیغ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۳۸۷ ۳۸۸ اور کتاب مواہب الرحمن ص ۶۸ اور ایام الصلح ص ۸۶ ۸۷ ان سب حوالجات کے لیے دیکھنا چاہیے مطبوعہ عربیان گواہ مدعا علیہ ص ۱ تا ۷

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال اس امر میں بالکل واضح ہیں کہ آپ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ نہیں رکھتے بلکہ از روئے شریعت اسلام کسی مسلمان مؤمن میں جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ وہ جماعت احمدیہ اور بانے جماعت میں من کل الوجہ پائی جاتی ہیں۔ تو اس سے احمدی مدعا علیہ کا قطعی طور پر مسلمان ہونا ثابت ہے۔

(۱)

### مختار مدعیہ کا اعتراض

مختار مدعیہ نے حوالجات منقولہ بالا کے متعلق ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ اعتراض کیا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہوں نے مرزا صاحب کے بعض حوالجات جن میں اسلامی عقائد ماننے کا اقرار ہے۔ کل نوپیش کئے ہیں جن سے بتایا ہے کہ مرزا صاحب کے عقائد بھی مسلمانوں کے ہیں۔ یہ ہمارے لیے مفید ہیں۔ کہ پہلے تو وہ مسلمان تھے۔ لیکن بعد میں ان عقائد سے پھرے۔ جب تک مرزا صاحب کے دماغ میں نبوت کا خیال نہیں تھا۔ اور دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس وقت تک یہ اسلامی عقائد کے بڑھ چڑھ کر دعویٰ ہیں۔ مرزا صاحب نے ۱۹۱۰ء میں دعویٰ نبوت کیا اور پیش کردہ کتب ۱۹۱۰ء سے پہلے کی ہیں۔

سو یہ مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے اور اس کے سامنے ہی اپنی جہالت کا اعتراف۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے جن کتب کے حوالجات پیش کئے ہیں۔ ان میں ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کے حوالے بھی درج ہیں۔ جب کہ بقول گواہ مختار مدعیہ ۱۹۱۰ء حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ کیونکہ اس نے ۲۴ اگست کو جواب سوال عدالت تسلیم کیا ہے کہ ازالہ ادہام کی تالیف تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔ اور ازالہ ادہام ۱۸۹۱ء کی تصنیف ہے۔ اس لیے ۱۸۹۱ء کے بعد کی کتب کا حوالہ جب کہ گواہ مدعیہ ۱۹۱۰ء کے نزدیک حضرت مسیح موعود مسلمان نہیں رہے تھے۔ اور نیز ان حوالجات میں ایک حوالہ مواہب الرحمن مطبوعہ ۱۹۰۳ء کا اور ایک حوالہ کشتی نوح مطبوعہ ۱۹۰۳ء کا بھی ہے۔ جو ۱۹۰۳ء کے بعد لکھی گئی ہیں جبکہ بقول مختار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ نبوت کر دیا تھا۔ اور کافر ہو گئے تھے۔ لیکن حق بر زبان جاری مختار مدعیہ کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ ان حوالجات میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ ان سے واقعی طور پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ اسلامی عقائد ہیں۔ مگر یہ ۱۹۱۰ء سے پہلے کے ہیں۔ اس لیے ان سے استدلال کرنا درست نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ گواہان مدعا علیہ کا استدلال اسی صورت میں غلط ثابت ہو سکتا ہے کہ مختار مدعیہ ۱۹۱۰ء کے بعد کی کتابوں سے ان کی تردید دکھا دیتا۔ مگر چونکہ وہ کوئی تردید پیش نہیں کر سکا اس لیے یہ حوالجات بدستور

قائم ہیں اور گواہانِ مدعا علیہ کا ان سے استدلال کرنا بالکل صحیح اور بر محل ہے۔  
پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔

مدعا علیہ کی طرف سے مواہب الرحمن مبلووعہ ۱۹۰۳ء پیش کی گئی ہے۔ لیکن مدعیہ کی طرف سے کفریہ عقائد ثابت کرنے کے لیے بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے (یہ اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ شمس) اور توجید کے خلاف ۵ ارمی ۱۹۰۸ء (یعنی حقیقۃ الوحی۔ شمس) کا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی کوئی تحریر مدعا علیہ کی طرف سے پیش نہیں کی گئی۔ جس میں ایمان کا اقرار اور عقائد کفریہ سے انکار ہو۔

گواہانِ مدعا علیہ نے جو حوالے پیش کئے ہیں ان میں جن عقائد کا ذکر ہے۔ انہی پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر تک قائم رہے۔ اور ان کی تردید مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب سے پیش نہیں کی۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ آخر تک آپ کے وہی عقائد رہے جو اپنی پہلی کتابوں میں لکھ چکے تھے۔ اور اس بات کو ہر عقلمند آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک شخص اپنے عقائد اپنی کسی کتاب میں بیان کر دے اور پھر اس کے بعد کسی کتاب میں ان کی تردید نہ کرے تو اس کے وہی عقائد سمجھے جائیں گے جو اس نے اپنی پہلی کتاب میں لکھے تھے۔ لیکن اس واضح جواب کا ہوتے ہوئے بھی مختار مدعیہ کی نسلی نہ ہونے تو اس کے لیے میں حقیقۃ الوحی جو ۱۹۰۸ء میں چھپی ہے اور چشمہ معرفت ۵ ارمی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوئی چند تحریریں ذیل میں لکھ دیتا ہوں۔

چنانچہ آپ اکیت الذین یؤمنون بالغیب ولیقیمون الصلوٰۃ سے لے کر مفلحون۔  
تک لکھ کر فرماتے ہیں: ”خدا ان آیات میں فرماتا ہے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو پوشیدہ خدا پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نماز کو قائم کرتے ہیں۔ اور اپنے مالوں میں سے کچھ خدا کی راہ میں دینے ہیں۔ اور قرآن شریف اور پہلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں وہی ہدایت کے سر رہے ہیں۔ اور وہی نجات پائیں گے۔ ان آیات سے یہ تو معلوم ہوا کہ نجات بغیر نبی کریم پر ایمان لانے اور اس کی ہدایت نماز وغیرہ کے بجا لانے کے نہیں مل سکتی۔ اور جھوٹے ہیں وہ لوگ جو نبی کریم کا دامن چھوڑ کر محض خشک توجید سے نجات دھونڈتے ہیں۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۳-۱۳۴)

اور فرماتے ہیں: ”اللہ وہ ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا لہذا یہ ضروری ہے۔ کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے تبھی اس کا ایمان مقیم اور صحیح سمجھا جائے گا۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۲)  
اور فرماتے ہیں: ”میرا یہ ذاتی تجربہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچے دل سے پیروی کرنا اور آپ سے محبت رکھنا انجام کار انسان کو خدا کا پیارا بنادیتا ہے“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۱)  
اور فرماتے ہیں: ”پس گناہ سے محفوظ رہنے اور صدق اور وفاداری اور محبت میں ترقی کرنے کے لیے جس امر کو تلاش کرنا چاہیے وہ محض اسلام میں موجود ہے“ (چشمہ معرفت ص ۲۹۸)

اور فرماتے ہیں۔ اس نے (یعنی خدا نے) شمس (شمس) محض اپنے فضل سے زمیر سے کسی ہنر سے مجھے یہ توفیق دی ہے۔ کہ میں اس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاق کلام کی پیروی کرتا ہوں اور اس سے محبت رکھتا ہوں۔ اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے۔ جو بانی طاقتوں کا مظہر ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ (مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۴)

اور فرماتے ہیں۔ ہم لوگ جو قرآن شریف کے پیرو ہیں اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ کی طرف سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عزی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلیم کے ذریعہ سے ملتا ہے اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں۔ (چشمہ معرفت ص ۲۱)

اور آیت ۱۸۰ من الرسل بما انزل الیہ من ربہ جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے اور جسے گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانون میں قرآن مجید سے ایمانیات ثابت کرنے کے لیے ذکر کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مضمون ملحقہ چشمہ معرفت ص ۱ میں مع ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔ اور ہندوؤں کو اسلام کی طرف رغبت دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔  
”ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لائیں کہ  
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اور حقیقتہً الوحی سے جو امور مختار مدعیہ نے اپنی کمال نادانی سے خلاف توحید سمجھ کر پیش کئے ہیں اکثر ان سے براہین احمدیہ میں موجود ہیں جب کہ گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے نزدیک بھی آپ مسلمان تھے۔ جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعیہ کی طرف سے پندرہ مارچ ۱۹۰۵ء کا والہ پیش کیا گیا ہے جس میں دعوے نبوت کا ذکر ہے لیکن مدعا علیہ کی طرف سے اس کے بعد کی کوئی تحریر پیش نہیں کی گئی۔ صریح بھوٹ ہے۔ کیونکہ مدعا علیہ کی طرف سے اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کا والہ پیش کیا گیا۔ اور یہ ایک خط ہے جو اپنے ۲۶ مئی ۱۹۰۵ء کو اپنی وفات سے تین دن قبل ایڈیٹر اخبار عام کے نام تحریر فرمایا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:-

”میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقبل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلامیہ کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء و متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ ہی لکھنا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پرتہمت ہے۔ اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ کثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی عجیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ

زمانوں کے وہ راز میرے پرکھوتا ہے۔ کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھوتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پاک بکثرت پیشین گوئی کرنے والا۔ اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے ان معنوں سے میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح امتی بھی ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا۔

یہ آخری مکتوب ہے۔ جو اپنی وفات سے تین دن پیشتر آپ نے تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے صاف طور پر تحریر فرمایا ہے ”میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شوشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔“ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سید و آقا بیان فرمایا۔ اور ہر ایک بات سے جس کی وجہ سے اسلام سے قطع تعلق ہو بیزاری کا اعلان فرمایا۔ پس اس آخری تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا مذہب سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں تھا۔ اور مدعا علیہ کو بھی اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ جیسا کہ جواب دعوئے اُسے ظاہر ہے۔ اس لیے دعویٰ مدعیہ خارج ہونا چاہیئے۔

## حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات پر اعتراضات

مذکورہ بالا حوالیات سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ توحید باری کے متعلق بالکل واضح ہے لیکن مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے بعض الہامات سے غلط مفہوم لے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ آپ اسلامی توحید کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کے ساتھ شریک اور اس کی مانند ٹھہراتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو ایسی صفات سے متصف مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شان کے شایاں نہیں ہیں۔

(۱)

میں نے اپنے ایک کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں۔ (کتاب البریہ ص ۵۸) مختار مدعیہ نے اس کشف سے یہ استدلال کیا ہے کہ بانی جماعت احمدیہ (نعوذ باللہ) خدا ہونے کے مدعی ہے۔

کیونکہ آپ نے فرمایا کہ اس کی الوہیت مجھ میں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں الوہیت نہیں ہو سکتی دلی ہوا نبی اور ایسا شخص جو یہ کہتا ہو وہ اگر کوڑ مرتبہ بھی لا الہ الا اللہ کہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ اس لئے مرتد ہوا اور اس کا نکاح فسخ ہونا چاہیئے۔

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کشف اور روایا سے یہ کبھی نہیں سمجھا کہ آپ خدا بن گئے ہیں اور نہ کبھی آپ نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

یہ ایک نہایت رکیک اور ذلیل مغالطہ ہے جو روز روشن میں عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس امر کو مختار مدعیہ نے حضرت اقدسؑ کی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ آپ کا عقیدہ نہیں بلکہ وہ ایک روایا ہے۔ چنانچہ جو الفاظ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام سے پڑھے ہیں ان میں بھی یہ امر موجود ہے کہ ”میں نے خواب میں دیکھا اور خواب میں ہی میں نے یقین کیا کہ میں خدا ہوں“ کیا یہ عبارت صاف طور پر نہیں بتاتی کہ اس سے پہلے کشف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اپنی خدائی کا دعویٰ کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ ایک کشف اور روایا ہے جو تعبیر طلب ہے۔ اور دنیا جانتی ہے کہ جو امر خواب میں دیکھا جائے وہ حقیقت پر محمول کیا جانا ضروری نہیں۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ چاند، سورج، ستارے مجھے سجدہ کرتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا یٰ اَبَتِیْ اَرٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ اٰتِیَہُمَا سَاجِدَیْنِ (یوسف ع ۱) اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں اور سورج

اور چاند کو اپنے لیے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ اور آیت اَللّٰہُ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ - (الحج)

سے ثابت ہے کہ ستارے اور سورج و چاند صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کسی کے لیے نہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ یہاں بھی یہ نتیجہ نکالے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو روایا میں سورج، چاند اور ستاروں کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا تو انہوں نے درحقیقت خدائی کا دعویٰ کیا۔

۲) اصل بات یہ ہے کہ روایا میں ایسے نظائر دیکھائے جاتے ہیں۔ جو عالم ایمان میں اگر ہوں تو شریعت کے بالکل خلاف ہوتے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روایا میں دیکھنا کہ آپ کے ہاتھ میں سونے کے دو گنگن ہیں (بخاری کتاب الروایا مسلم الجزء الثانی ص ۲ کتاب الروایا) حالانکہ سونے کا پہننا مرد کے لیے ناجائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

(۳) اسی طرح ارشاد رحمانی میں مولانا فضل الرحمن صاحب کے متعلق ان کے مرید دیوبندیوں کے مسلم مقتدا مولوی محمد علی نوگیری لکھتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ اپنی والدہ سے صحبت کی اور اپنے بھائی کو مار ڈالا۔ یہ دیکھ کر ہم بہت گھبرائے۔ حضرت سے عرض کیا۔ فرمایا کہ اس خواب کو دیکھنے والا دلی ہوگا۔ ماں کی صحبت سے اشارہ

خاکساری ہے۔ اور بھائی کے قتل سے مراد نفس کا مار ڈالنا ہے۔ صوفیہ نے لکھا ہے کہ تازا مادر خود جنت نشود و برادر خود نہ کشتہ کامل نشود۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت عرصہ ہوا والدہ سے صحبت کرتے ہوئے تو میں نے بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا مگر بھائی کا قتل کرنا مجھے یاد نہیں پڑتا فرمایا کہ اتنی ہی کسر ہے؟ (ارشاد رحمانی و فضل یزدانی ص ۷۷) (۴) اور بھی ایسی مثالیں بہت سی موجود ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رأیت رجبی فی صورۃ شباب امرئ قطط لہ وضرۃ من شعروہی رجلیہ نعلان من ذہب (الحديث)۔

(البیواقیت والحواسر جلد ۲ صفحہ ۱۶۳۔ نیز احادیث المصنوع فی احادیث الموضوع ص ۳۲ مطبع فاروقی دہلی) اگر میں اپنے رب کو ایک بے ریش جوان کی شکل میں دیکھا جس کے بال کان کی ٹونک پہنچے ہوئے تھے اور اس کے پاؤں میں سونے کا جوتا تھا۔ اور اس کے متعلق المنصرع فی احادیث الموضوع الامام العلامة نور الدین علی بن سلطان القاری الہرزی مطبوعہ مجتبائی ص ۱۳ میں لکھا ہے کہ حدیث ابن عباس صحیحہ لا ینکرہ الا معتزلی۔ کہ ابن عباسؓ یہ حدیث صحیح ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا۔ اور علامہ محمد طاہر بھی فرماتے ہیں کہ حدیث ”رأیت رجبی فی صورۃ شباب امرئ وضرۃ صحیحہ“

(تذکرۃ الموضوعات بر حاشیہ المنصرع فی احادیث الموضوع ص ۷ یعنی یہ حدیث صحیح ہے)

کیا محتار مدعیہ حضرت یوسف علیہ السلام اور خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روپا کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے خواب چو نہ دہی ہو کر تپا ہے۔ لہذا حقیقت پر محمول ہونا چاہیے۔ اور وہ یہ تسلیم کرے گا کہ اللہ تعالیٰ بے ریش نوجوان کی صورت میں ہے۔ اور سونے کے جوتے پہنا کرتا ہے۔ اور یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتقاد تھا؟ (نعود باللہ من ذلک) ایسے کشوف اور حالات دوسروں پر بھی گذرے ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صرف یہی ظاہر نہیں کر دیا کہ یہ خواب ہے بلکہ آئینہ کمالات اسلام میں اس روپا کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ ”رأیتنی فی المنام فی عین اللہ“ کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو خدا دیکھا و اعنی بعین اللہ رجوع الظل الی اصلہ و عیبوبتہ فیہ کما یتجری مثل ہذہ الحالات فی بعض الاوقات علی المجتہدین۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۵)

یعنی اپنے آپ کو عین اللہ دیکھنے سے تل کا اپنے اصل کی طرف رجوع اور اس میں غائب اور محو ہو جا ہا مراد ہے جیسا کہ اس قسم کے حالات بعض اوقات عاشقان الہی پر طاری ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ یہ واقعہ آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے مقربانِ بارگاہ الہی بھی اس سے مشرف ہونے رہتے ہیں۔ چنانچہ جیسے آپ نے اس روپا میں یہ دیکھا، حاشیہ: ۱۔ اعلیٰ حضرت سے مقصود شاہ محمد آفاق قدس سرہ ہیں۔ (ارشاد رحمانی ص ۷۵)



کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں اور میرا اپنا کوئی ارادہ اور کوئی خیال اور کوئی عمل نہیں رہا۔ اور میں ایک سو رانخ دار بننے کی طرح ہو گیا ہوں یا اس شے کی طرح جسے کسی دوسری شے نے اپنی بغل میں دالیا ہوا اور اسے اپنے اندر بالکل مخفی کر لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہ گیا ہو۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی روح مجھ پر محیط ہو گئی اور میرے جسم پر مستولی ہو کر اپنے وجود میں مجھے پنہاں کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ میرا کوئی بھی ذرہ باقی نہ رہا اور میں نے اپنے جسم کو دیکھا کہ میرے اعضاء اس کے اعضاء اور میری آنکھ اس کی آنکھ اور میرے کان اس کے کان اور میری زبان اس کی زبان بن گئی تھی میرے رب نے مجھے پکڑا اور ایسا پکڑا کہ میں بالکل اس میں محو ہو گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی قدرت اور قوت مجھ میں جوش مارتی اور اس کی ربوبیت مجھ میں موجزن ہے۔ حضرت عزت کے خیمے میرے دل کے چاروں طرف لگائے گئے۔ (عربی الفاظ) وضربت حول قلبی سدا قات الحضرۃ ودقی نفسی سلطان الجبروت) سو نہ تو میں میں رہا اور نہ میری کوئی تمنا باقی رہی۔ میری اپنی عمارت گر گئی۔ اور

رب العالمین کی عمارت نظر آنے لگی۔ (عربی عبارت)

انہدمت عمارۃ نفسی ککھا و تراءت عملات رب العالمین وانبحث اطلال وجودی وعفت بقایا انانیۃ وما بقیت ذرۃ من ہویۃتی)

میں اس وقت یقین کرتا تھا کہ میرے اعضاء میرے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں اور میں خیال کرتا تھا کہ میں اپنے سارے وجود سے معدوم اور اپنی ہویت سے قطعاً نکل چکا ہوں۔ اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔ سو پہلے تو میں نے آسمان اور زمین کو اجمالی صورت میں پیدا کیا جس میں کوئی ترتیب اور تفریق نہ تھی پھر میں نے منشاء حق کے موافق اس کی ترتیب و تفریق کی اور میں دیکھتا تھا کہ میں اس کے خلق پر قادر ہوں۔ پھر میں نے آسمان دنیا کو پیدا کیا اور کہا کہ انا زینۃ السماء الدنيا بمصابیح (کتاب البرہ ص ۷۹)

یہ وہ کشف ہے جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دیکھا ہے۔ ایسا ہی حضرت سید عبدالکریم جلیؒ اپنی کتاب الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۴۴ میں فرماتے ہیں۔

ومنہم ای من اهل تجلی الصفات من تجلی الله علیہ بصرفۃ القدسۃ وتکوین الاشیاء بقدر تہ فی العالم الغیبی وکان علی النموذجہ فی العالم العینی فی هذا التجلی سمعت صلیۃ الجرس فانحل ترکیبی واضمحلت رسمی وانمحي اسمی فکنت لشدة ملائقۃ مثل الخرقۃ البالیۃ المعلقۃ فی الشجرۃ العالیۃ تذهب بها الريح الشدیدۃ شیئاً فشیئاً لا ابصر شہوداً ابداً وعوداً وسحاباً یطرب بالانوار وبعاراً تموج بالنار و لتفت السماء

والارض وانا في انظلمات بعضها فوق بعض فلم تنزل القدره تخترع بي  
ما هو الا توى فالهوى وتخترق بي ما هو الا هوى فالهوى الى ان ضرب الجلال  
على سراق المتعال وولج جعل الجمال في سحر الخيال ففتق في المنظر الاله على  
رتق اليد اليمنى فحينئذ تكونت الاشياء وزال العماء ونودي بعد ان استوى  
القلوب على العبدى ايها السماء والارض انبيا طوعا او كرها قالتا اتينا  
طائعتين۔

ترجمہ :- اور ان کا یمن میں سے حق پر الہی صفات کی تکمیل ہوئی وہ بھی ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے صفت قدرت کی تکمیل  
فرمائی جس سے اشیاء عالم خارجی کے نور پر عالم غیبی پر ہویدا ہوئیں پھر کہتے ہیں کہ جب چھ پر یہ تکمیل ہوئی تو میں نے گھنٹی کی آواز  
سنی۔ پس میرے جسم کی ترکیب و بناوٹ جانی رہی۔ اور میں اپنے سارے وجود سے معذور ہو گیا۔ میرا نام و نشان باقی نہ رہا۔ اور  
اس دباؤ کی شدت کے سبب میں ایک بند درخت میں لٹکے ہوئے چتر پتھر کے طرح ہو گیا جس کو نندہ ہوا تھوڑا تھوڑا کر کے اڑانے  
لے جا رہی تھی۔ میں ظاہر میں سوائے چکوں اور گرجوں کے کوئی چیز نہ دیکھتا تھا۔ اور بادل الوار پر سارہا تھا اور سمندر آگ میں جوں  
مادر ہا تھا۔ اور آسمان اور زمین ایک دوسرے میں داخل ہو کر ملیں گے اور میں سخت اندھیروں میں ہو گیا۔ پس قدرت میرے  
ذریعہ سے انوی سے انوی چیز بناتی گئی اور محبوب سے محبوب چیزوں کو بھاڑتی گئی۔ یہاں تک کہ حضرت عزت و جلال کے نیچے  
مجھ پر لگائے گئے۔ . . . پس اس وقت اشیاء پیدا ہوئیں اور بادل جو دھواں سا تھا صاف ہو گیا۔ اور بعد اس کے جو کشتی  
جو دی مقام پر بٹھ گئی آواز دے گئی کہ اسے آسمان اور زمین تم دونوں طوعا یا کر باہری اطاعت کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم بخوشی حاضر  
اطاعت کرتے ہیں۔

یہ کشف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف سے جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ بالکل ہی  
مطابق ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس پر بھی یہی استدلال کرے گا کہ حضرت سید عبد الکریم جبلی نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔  
اور حضرت اقدسؑ نے اس کشف کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے۔

”لا نغنى به هذه الواقعة كما يغنى في كتب اصحاب وحدة الوجود وما نغنى

بذلك ما هو مذهب الحلوليين بل هذه الواقعة توافق حديث النبي صلى

الله عليه وسلم اعني بذلك حديث البخاري في موطئة قرب النوافل لعباد الله الصالحين كل آمنة كمالات اسلام

۔۔۔۔۔ ہماری مراد اس واقعہ سے یہ نہیں جیسا کہ وحدۃ الوجود کی کتب میں مراد لی جاتی ہے۔ اور نہ ہی

ہماری مراد قائلین حلولی کا مذہب ہے۔ بلکہ یہ واقعہ نواسخ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے موافق ہے جو بخاری میں

اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے لیے مرتبہ قریب نوافل میں بیان ہوئی ہے۔

اور وہ بخاری کی حدیث یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ

وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَوَيْدَاهُ الَّذِي يَبْتَطِشُ بِهِ وَأُورِجِلُهُ الَّتِي يُعِشِي بِهَا“

بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۹ ص ۹۱) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں کہ پس جب میں اس سے محبت کروں تو میں اس کے کان پر جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ میں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ گواہ مدعیہ نواس روایا اور کشف سے دعویٰ الوہیت نکالتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب البر میں یہی کشف بیان کر کے اس سے مسیح کی الوہیت کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”اب حضرت پادری صاحبان سوچیں اور غور کریں۔ اور ان الہامات کا یسوع مسیح کے الہامات سے مقابلہ کریں اور پھر انصافاً گواہی دیں کہ کیا یسوع کے وہ الہامات جن سے وہ اس کی خدائی ٹکاتے ہیں۔ ان الہامات سے بڑھ کر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ اگر کسی کی خدائی ایسے الہامات سے نکل سکتی ہے تو میرے الہامات سے نعوذ باللہ میری خدائی یسوع کی نسبت بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگی۔ اور سب سے بڑھ کر ہمارے سید و مولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدائی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کی وحی میں صرف یہی نہیں کہ جس نے تجھ سے بیعت کی اس نے خدا سے بیعت کی۔ اور نہ صرف یہ کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا۔ اور آپ کے ہر ایک فعل کو اپنا فعل ٹھہرایا ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ دما ینطق عن الہوی ان ہوا لدھی یوحیٰ آپ کے تمام کلام کو اپنا کلام ٹھہرایا ہے بلکہ ایک جگہ تو تمام لوگوں کو آپ کے بندے قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ قل یا عبادی یعنی کہدو کہ اے میرے بندو (کتاب البر ص ۹۹-۱۰۰)

اور دیوبندیوں کے مسلم معتد اور پیشوا جناب مولانا محمد اسماعیل شہید اسی کے قریب قریب فرماتے ہیں:-

”اور یفجواۃ حدیث انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکر فی۔

(میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں۔ اور میں اسی کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھ کو یاد کرتا ہے۔ بعض تلقین اور اضطراب کے کہ جدائی میں اٹھایا غنا۔ خلعت مکالمہ اور سرور اس کو حاصل ہوتا ہے اور اس کی وحشت انس سے بدل جاتی ہے۔ اور مقامات فناء اور بقاء کے پردہ اختفاء سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دیرائے وحدت میں ڈوب کر اس کی عجب حالت ہو جاتی ہے اور کلمہ انا الحق (یعنی میں خود خدا ہوں) اور لیس فی عجبتی سوسی اللہ

(یعنی میرے جب میں سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہے) کہنے لگتا ہے۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ جب ایک لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ اور آگ چاروں طرف سے احاطہ کرتی ہے۔ تو اجزائے لطیفہ آگ کے نفس و جوہر لوہے میں

اثر کر کے اس کو اپنا ہم شکل اور ہم رنگ اور ہم صفت بنا لیتے ہیں۔ تب جلانا اور جھوننا جو آگ کی خاصیت میں سے ہے۔ اس لوہے کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر میں بھی وہ لوہا آگ کے انصال سے سرخ ہو کر مثل آگ کے بن جاتا ہے۔ اگرچہ دراصل وہ لوہے کا لوہا ہی ہے۔ لیکن بسبب هجوم آگ کے صرف آثار اور احکام آگ سے اس کو حاصل ہو گئے ہیں۔ گو وہ آثار اور احکام ابھی تک بھی آگ ہی کے ہیں لیکن اگر لوہے کو اس وقت زبان ہوتی تو وہ ضرور پکاراٹھتا کہ میں وہ آگ ہوں جس سے کاروبار طباطخوں اور لوہاروں اور سناروں وغیرہ باب صنائع کے انجام پاتے ہیں۔ پس اسی طرح پر جذب کو شش جانی نفس کا ملہ اس طالب کو بحر احیاء کی طرف کھینچتی ہے تو پھر یہ مشقت خاک مثل پارہ آہن اپنی اصلیت کو فراموش کر کے کلمہ انا الحق وغیرہ کہنے لگتا ہے۔ کیا تم نے قرآن مجید میں نہیں پڑھا کہ خضر علیہ السلام نے کہا تھا کہ دما فعلمتہ عن امری یعنی کشتی کا نوڑنا وغیرہ میں نے خود نہیں کیا۔ اور جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کہ میں اس وقت اپنے بندے کا کان ہو جاتا ہوں کہ سنتا ہے مجھ سے اور میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں کہ بولتا ہے۔ مجھ سے، مگر یہ بات بہت باریک اور مسئلہ نہایت نازک ہے۔ اس کے پیچھے پڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن جب کسی سالک پر یہ باتیں ظاہر ہوں تو وہ اس سے انکار بھی نہ کرے کیونکہ جب وادی مقدس میں آگ نے کہا تھا انا اللہ رب العالمین (یعنی میں رب جہانوں کا ہوں) اگر نفس کا ملہ اس اثرات موجودات کا کہ نمونہ ذات الہی کا ہے۔ کلمہ انا الحق کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔“

(سوانح احمدی ص ۶۸-۶۹)

(۱) چنانچہ شیخ فرید الدین صاحب عطار رحیل صوفیہ حضرت بایزید بسطامیؒ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: ”جو شخص حق میں محو ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت میں سترپا حق ہی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی خود نہ رہے اور سب حق کو ہی دیکھے تو یہ عجیب نہیں ہوتا۔“ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۹)

(۲) کتاب خزائن اسرار الکلم شرح فصوص الحکم کے مقدمہ کے صفحہ ۲۳۲ میں لکھا ہے:۔  
 ”آیت ان الذین یمایعونک انما یمایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیسہم سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کرام وقت اس بیعت کے مشاہد حق تعالیٰ کے تھے۔ بیچ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مظہر اکمل اس کے ہیں۔ پھر تاکید فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس معنی کی اور کہا کہ ہاتھ اللہ کا اوپر ہاتھ صحابہ مایعین کے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشاہدے میں صحابہ مایعین کے اور ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ کا ہے۔ اس مشاہدے میں“  
 سلف صالحین کے اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن اختصار کی غرض سے انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اور اب میں اس روایا کی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھی حکمت بتلاتا ہوں۔

اس روایہ میں درحقیقت اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ جو اس مقدمہ میں پیش ہے کہ آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسلمان اور صراط مستقیم پر تھے۔ یا نحوذباللہ صراط مستقیم سے برگشتہ اور کافر۔ سو یہ روایا جواب ہے۔ اس سوال کا کہ آپ صراط مستقیم پر تھے اور آپ مسلمان تھے۔ چنانچہ آج سے چھ سو سال پیشتر علامہ عبدالغنی النابلسی اپنی کتاب "تعییر الانام فی تعبیر الاحلام میں لکھتے ہیں۔ "من رأى كانه صاى الحق سبحانه وتعالى اهدى الى الصراط المستقيم" (تعییر الانام جلد ۱ صفحہ ۹) جو شخص دیکھے کہ گویا وہ خود خدا ہو گیا ہے۔ تو وہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا۔ یعنی وہ صراط مستقیم پر ہو گا۔ یہ تعبیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود نہیں کبھی بلکہ آپ کے وجود سے کئی سو سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ خواب میں انسان اپنے آپ کو خدا دیکھ سکتا ہے۔

۷۔ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے۔

یہ تو ایک کشف نقاب ہم حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ دربارہ توجہ الہی درج کرتے ہیں۔ آپ اپنا الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ "یعنی تو کہہ دے کہ اسے لوگوں میں تمہاری مانند ایک بشر ہو۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اور تمام خبر قرآن میں ہے" (دافع البلاء ص ۱۱)

اور فرماتے ہیں۔ "اے سننے والو! سو کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اس کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔۔۔۔۔ وہ وہی وعدہ لا شریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں۔ اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں۔ اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ جس کا کوئی ہم صفات نہیں" (الوصیت ص ۹)

اور فرماتے ہیں۔ "تمام دنیا کا وہی خدا ہے جس نے میرے پر وحی نازل کی۔ جس نے میرے لیے زبردست نشان دکھائے جس نے مجھے اس زمانہ کے لیے مسیح موعود کر کے بھیجا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ جو شخص اس پر ایمان نہیں لانا وہ سعادت سے محروم اور خذلان میں گرفتار ہے" (کشتی نوح ص ۲۸)

## خالق الارض والسماء ہونے کا دعویٰ

فقہار مدعیہ کے علاوہ گواہ مدعیہ علف نے اس کشف کے آخری حصہ پر جس میں زمین و آسمان کے خلق کا ذکر ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو خالق کہا۔ اور اگر کوئی شخص خدائی کا دعویٰ کرے اور اپنے آپ کو خالق جانے وہ اسلام سے مرتد ہو جاتا ہے۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خواب ہے۔ کیونکہ گواہ مذکور نے آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶ کے الفاظ راایتی

فی المناہر لکھو اگر نیز جبر لکھو ایسا ہے کہ ”میں نے خواب میں دیکھا۔“ اور جو معاملہ خواب میں دکھائی دے اس کو واقعہ پر محمول کرنا اور خواب دیکھنے والے کا عقیدہ قرار دینا حد درجہ کی سفاہمت ہے۔ یا پرلے درجہ کی شرارت۔ فخر مہر عید کے اس کشف پر اعتراض کے جواب میں اوپر بنا دیا جا چکا ہے۔ لہذا اس جگہ ہمیں صرف نین باتوں پر غور کرنا باقی ہے۔

(۱) کیا خواب میں آپ نے موجودہ زمین و آسمان کے بنانے کا ذکر کیا ہے؟

(۲) اگر نئے زمین و آسمان بنانے کا ذکر ہے تو اس سے کیا مراد ہے؟

رس) کیا آپ اپنے آپ کو موجودہ زمین و آسمان کا خالق سمجھتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کو؟

پہلی بات کے متعلق تو خود کشف کے الفاظ سے ثابت ہے کہ اس میں موجودہ زمین و آسمان کا ذکر نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ ردیاً کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”اس حالت میں میں یوں کہہ رہا تھا کہ ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں۔“

اب دوسری بات کے معلوم کرنے کے لیے کہ آپ نے نئی زمین اور نئے آسمان سے کیا مراد بیان فرمائی ہے میں حضرت اقدس کی وہ عبارت پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے اس کشف پر مولویوں کے اعتراض کا جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

”ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے دیکھا کہ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا۔ اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان کو پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا کہ دیکھو اب اس شخص نے حدائی کا دعویٰ کیا۔ حالانکہ اس کشف سے یہ مطلب تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کرے گا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے“ (چشمہ مسیحی ص ۳۳) اور فرماتے ہیں: ”خدا نے ارادہ کیا کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین وہ پاک دل ہے جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے۔ جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہو گا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اس کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔ لیکن افسوس کہ دنیا نے خدا کی اس نئی تجلی سے دشمنی کی“ (کشتی نوح ص ۷)

اور فرماتے ہیں: ”ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت میں روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۹۹)

اور فرماتے ہیں: ”مجملاً صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اس قدر ان کو جنبش دینے کے لیے کچھ آسمانی کارروائی ظہور میں آئے گی اور ہولناک نشان ظاہر ہوں گے۔ تب لوگ جاگ اٹھیں گے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے۔ کیا یہ وہی زمانہ نہیں جو قریب قیامت ہے۔ جس کی بیسیوں نے ہزردی ہے۔ اور کیا یہ وہی انسان نہیں جس کی نسبت اطلاع دی گئی تھی کہ اس امت میں سے وہ مسیح ہو کر آئے گا جو عیسیٰ ہی مریم کہلائے گا۔ تب جس کے دل میں ذرہ بھی سعادت اور رشد کا مادہ ہے۔“

خدا نعلے کے غضبناک نشانوں کو دیکھ کر ڈرے گا۔ اور طاقت بالا اس کو کھینچ کر تن کی طرف لے آئیں گی۔ اور اس کے تمام تعصب اور کینے جل جائیں گے جیسا کہ ایک خشک تنکا بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑ کر بھسم ہو جاتا ہے۔ غرض اس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا۔ اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہے۔ نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان۔ جیسا کہ مجھے پہلی اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا تھا کہ میں نے ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان بنایا۔ ایسا ہی یہ مغرب ہونے والا ہے۔ اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ لہذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا۔ اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۳)

اور نئے آسمان اور نئی زمین کا مجاورہ حضرت اقدسؑ ہی کا کشف میں موجود نہیں بلکہ ایک عظیم الشان تغیر کے لیے پہلی کتابوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ انجیل میں پطرس حواری کا قول ہے۔ ”اس کے وعدے کے مطابق ہم ایک نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راست بازی مبی رہے گی۔“ (پطرس ۱۱) اور عہد نامہ قدیم میں یسعیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے۔ ”دیکھو میں نے آسمان اور نئی زمین کو پیدا کرتا ہوں اور جو آگے تھے ان کا پھر ذکر نہ ہوگا اور وہ خاطر میں پھرنے آویں گے۔“ تم مہربانی اس نئی خلقت سے ابدی خوشی اور شادمانی کرو۔ (یسعیاہ ۶۵/۱۸)

اور علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں :-

”اب چرخ کی ہیں نئی ادائیں  
چھڑے جو گئے نئے افسانے  
پھونکا ہے فلک نے اور افسوں  
سیارے ہیں اب نئی چمک کے  
اب صورت ملک دیں نئی ہے  
چلنے لگیں اور ہی ہوائیں  
نغمہ وہ رہا نہ وہ نرانے  
اب رنگ زمانہ ہے دگرگوں  
وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے  
افلاک نئے زمین نئی ہے۔“  
(مشنوی صبح امید ص ۵)

ان تصریحات کی موجودگی میں ہر ایک عقلمند بخوبی جان سکتا ہے کہ شاہد نے جو نتیجہ اس رؤیا سے نکالا ہے۔ وہ حضرت اقدسؑ کی تحریروں کے بالکل برعکس ہے۔ اور آپ کے منشائے صریح خلاف اور یہ اس نے صرف عدالت کو مغالطہ دینے کے لیے کیا ہے۔ ورنہ آئینہ کمالات اسلام میں اسی رؤیا کے آخر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صریح ارشاد بھی موجود ہے :-

”وَأَلْقَىٰ فِي قَلْبِي أَن هَذَا الَّذِي رَأَيْتَ إِتِيكَ إِشَارَةٌ إِلَىٰ تَأْيِيدَاتِ سَمَآوِيَةٍ وَارْضِيَةٍ  
وَجَعَلَ الْأَسْبَابَ مُوَافِقَةً لِلْمَطْلُوبِ وَخَلَقَ كُلَّ فِطْرَةٍ مُّنَاسِبَةً مُّسْتَعِدَّةً لِلْمُحَقِّقِ

بالصالحين الطيبين والقي في بابل ان الله ينادي كل فطره صالحه  
من السماء ويقول كوني على عداة لنصرة عبي دار حلو  
اليه مسارحين (آئینہ کمالات ص ۵۶)

اور میرے تئیں میں یہ اتفاق کیا گیا کہ رؤیا میں نئے آسمان اور نئی زمین کی خلق کا جو میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ اور یہ سماں اور ارضی تائیدات اور اسباب کو مطلوب کے موافق بنانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر فطرت جو پاکیزہ صابجین کے ساتھ ملنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اس کو طیار کرتا ہے۔ اور میرے دل میں یہ بھی ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک نیک فطرت کو آسمان سے آواز دے گا اور کہے گا کہ تو میرے بندے کی نصرت کے لیے تیار ہو جا اور اس کی طرف تیزی سے جا۔

پس شاہد مدعیہ کا اس تشریح کو عند نظر انداز کر کے عدالت کو مغالطہ دینا اسے ایک ثقت شاہد کی حیثیت سے بالکل گرا دیتا ہے۔

تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب اس اقرار سے بھری پڑی ہیں کہ زمین و آسمان و مافیہا کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چنانچہ آپ آئینہ کمالات اسلام ہی میں جس سے شاہد نے حوالہ دیا ہے۔

”انی اعتقد من صمیم قلبی ان للعالم صانعاً قدیداً واحداً قادراً کریماً مقتداً علی کل

ما ظہر و اختفی“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۲۸۴)

کہ میں صمیم قلب سے اعتقاد رکھتا ہوں کہ اس جہاں کا ایک واحد صانع ہے جو ہر ایک ظاہری اور پوشیدہ چیز پر مقتدر اور قادر ہے۔ اور فرماتے ہیں: جب سے خدا نے آسمان اور زمین کو بنایا کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ اس نے نمکوں کو تیلہ اور ہلاک اور نیست و نابود کر دیا ہو۔ (کشتی نوح ص ۱۸)

اور فرماتے ہیں: ”یعنی ہمارا خدا وہ خدا ہے جس نے چھ دن میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی اول اس نے اس دنیا کے تمام اجرام سماوی اور ارضی کو پیدا کیا اور چھ دن میں سب کو بنایا۔ پھر دن سے مراد ایک ہزار سال ہے اور پھر عرش پر قرار پکڑا یعنی تنفرہ کے مقام کو اختیار کیا۔ (چشمہ معرفت ص ۱۱)

اور فرماتے ہیں :-

”اے خالق ارض و سما برن در رحمت کشا

دانی تو آں درد مراکز دیگر اں پنہاں کنم“ (در زمین)

اور فرماتے ہیں :-

”اے خالق ارض و سما برن در رحمت کشا

اور فرماتے ہیں :-

”اے رحیم و مہربان و رہنما“

”اے قدیر و خالق ارض و سما“

(تحقیق المہدی ص ۱)



پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ تو اپنے آپ کو اس رویہ کی بنا پر موجودہ زمین و آسمان کا خالق کہا۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کے خالق السماو والارض ہونے سے انکار کیا۔ پھر باوجود اس کے شاہد کہ آپ کی طرف یہ دعویٰ منسوب کرنا انفرادی و بہتان ہے۔

(۳)

## اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی

گواہ مدعیہ ملنے اپنے بیان میں ایک یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو تیندوے سے تشبیہ دی ہے۔ حالانکہ وہ یسوع مسیح کا مصداق ہے۔ یہ گواہ مدعیہ کا نہایت ہی قابل نفرت مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا قلعہ یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تیندوے کی طرح ہے۔ بلکہ آپ کا عقیدہ یسوع مسیح کا تھا۔ ..... کے مطابق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے مثل ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”وہ وہی واحد لا شریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں اور وہی بے مثل ہے۔ جس کا کوئی نانا نہیں۔ اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے۔ باوجود دور ہونے کے، اور دور ہے۔ باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثال کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ مگر اس کے لیے نہ کوئی قسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے۔“ (الوصیت۔ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں، ”خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تشریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک یہ آیت ہے۔ یسوع مسیح وھو السميع البصير یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۷ مطبوعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۵ء) اور فرماتے ہیں :-

”پس سمجھانے کے لیے پہلی صفت کا نام غضب اور دوسری صفت کا نام محبت رکھا گیا ہے۔ لیکن نہ وہ غضب انسانی غضب کی طرح ہے اور نہ وہ محبت انسانی محبت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ یسوع مسیح یعنی خدا کی ذات اور صفات کی مانند کوئی چیز نہیں۔“ (چشمہ معرفت ص ۳۷) ان حوالہ جات سے جول ۱۹۰۵ء کے بعد کے میں ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں۔ لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے بڑا دسرا کی کیفیت سمجھانے کے لیے غضب اور محبت کے

الفاظ استعمال کئے ہیں اور فرمایا ہے۔ اذ کے وا اللہ کے ذکر کو ایسا حکم جیسے تم اپنے بالوں کو یاد کرتے ہو ویسے اللہ کو یاد کرو۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں نصرت کی حقیقت سمجھانے کے لیے تخیل اور فرض کے طور پر ایک مثال دی ہے۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھانے کے لیے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں۔ کہ قیوم العالمین ایک الیسا وجود اعظم ہے۔ جس کے بے شمار ہاتھ پیر اور ہر ایک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہاء طول اور عرض رکھتا ہے۔ اور تیندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں۔ یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔ (توضیح المرام ص ۵۵)

آگے فرماتے ہیں۔ پس یہی ایک عام فہم مثال اس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر ایک جزو خدا تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ پہرہ میں ظاہر کر رہی ہے۔ اور کمال درجہ کی اطاعت سے اس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔ (توضیح المرام ص ۵۶)

اور حدیث میں آتا ہے **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ فَتُرِيدُهَا كَمَا يُرِيدُ بَنِي إِسْرَءِيلَ** (متفق علیہ تفسیر منقری)

کہ خدا تعالیٰ صدقہ کو قبول کرتا ہے اور اس کو ایسے بڑھاتا ہے جیسا کہ تم میں سے کوئی بچہ شتر کی پرورش کر کے اسے بڑھاتا ہے۔ پس آنحضرت صلم نے یہاں اللہ تعالیٰ کی تشبیہ ایک اونٹ کے بچے کے مربی سے دی ہے۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** مثل نورہ کمشکوٰۃ الخ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اور اس کے نور کی کیفیت سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے نور کی مثال ایک طاقتور کی ہے۔ جس میں چراغ ہو اور چراغ پھر شیشی میں جو چمکیلے ستارے کی مانند ہے۔ اور احادیث میں آنحضرت صلم نے اللہ تعالیٰ کے متعلق فرمایا ہے کہ نور آتی اور اس سے کہ وہ نور ہے۔ میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو مثال بیان کرتے ہوئے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ یہ مثال تخیلی طور پر اور فرض کر کے بیان کی گئی ہے۔ پس اس مثال دینے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت اقدس خدا تعالیٰ کے بے مانند اور بے مثل ہونے کے منکر ہیں ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کوئی شخص آنحضرت صلم کے متعلق اپنی سفاہت سے یہ کہہ دے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو بچہ شتر کے مربی سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کسی کا یہ کہنا لغو و باطل ہو گا ویسا ہی گواہ مدعیہ کا اور مولانا محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں کہ ”اولیاء خدا اور مرقبان الہی کی محبت وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ایک نمونہ ہے کوئی غیر شئی نہیں“ (ہدیتہ الشیخہ ص ۶۳) تو کیا مختار مدعیہ مولانا محمد قاسم پر بھی کفر کا فتوہ دے گا کہ انہوں نے خدا کو بندے کی مانند قرار دیا اور اس کی محبت کو خدا کی محبت۔

اس سے زیادہ اور نئے۔ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرتا

ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے ویدہ الہی میٹش رہا۔ اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں۔ جس سے وہ پکڑتا ہے۔ ورجہ الہی میٹش رہا اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ (بخاری کتاب الزناقی باب التواضع) اور ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہے گا یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی کہ اسے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ تو ابن آدم کہے گا کھیف اعود لرب العالمین کہ میں تیری کیونکر عبادت کر سکتا ہوں حالانکہ تو رب العالمین ہے۔ تو خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ کیا تجھے میرے فلاں بندے کی مرض کا علم نہ ہوا تھا مگر تم نے اس کی تیمارداری نہ کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عبادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اسے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا مگر تو نے مجھے کھانا نہ دیا۔ ابن آدم کہے گا اے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا کیا تجھے معلوم نہیں ہے۔ کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا اور تو نے اسے کھانا نہ دیا۔ اگر تو اسے کھانا دیتا تو آج وہ کھانا میرے پاس دیکھتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے پیئے کے لیے پانی مانگا مگر تو نے نہ دیا۔ تو وہ کہے گا اے رب میں تجھے کیسے پلاتا اور تو رب العالمین ہے۔ فرمایا تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو آج میرے پاس بھی پاتا۔ (مسلم)

اب دیکھو کہ اس حدیث میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو اپنے بندے کے قائم مقام ٹھہرا کر اپنے حق میں بیمار ہو کر اور پیاسا کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اب کیا شاہد مدعیہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے بھی فتوے کی مشین گن کا رخ پھر دے سکا۔

(۴)

## مَرَبُّنَا عَاج

مختار مدعیہ نے اس الہام کے متعلق کہا ہے کہ اس سے شرک فی الصفات لازم آتا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے ایک فارسی شعر پڑھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ لفظ عَاج بتوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ فارسی ہے۔ حالانکہ ہر وہ شخص جو عربی زبان سے کچھ بھی مس رکھتا ہو جانتا ہے کہ یہ لفظ عربی زبان کا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اس کے کوئی معنی نہیں کئے اور مختار مدعیہ نے خود بیانات تسلیم کی ہے کہ حضرت اقدسؑ نے اس کے کوئی معنی نہیں کئے۔ پس ایسی حالت میں مخالف کو کوئی سہی نہیں کہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنی کر کے ملہم پر اعتراض کرے۔ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض بالکل دیسا ہی ہے، جیسا کہ مخالفین اسلام مکر اور خدع اور استہزاء کے معنی اپنی طرف سے لے کر اللہ تعالیٰ کو (نعوذ باللہ) مکار اور دھوکہ باز اور مسخرہ قرار دیتے ہیں لیکن عقلمند سمجھتا ہے کہ مخالفین قرآن ان الفاظ کے جو معنی کرتے ہیں صحیح نہیں بلکہ وہی معنی صحیح ہیں جو معتقدین حقیقت قرآن کریں۔ اسی طرح مذکورہ بالا الہام کے معنی دہی صحیح ہو سکتے ہیں جو ملہم یا ملہم کے پیر و کریں۔ چنانچہ اس کے معنی عربی زبان کی رو سے یہ ہیں۔ عَاج کا مادہ عَجَّوَجَ ہے۔ اور اس کے معنی منتہی الارب میں شیر کی طفل

یہ راخو راند۔ اور یہی معنی منجد میں لکھے ہیں۔ اس لحاظ سے اس الہام کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ ہمارا رب وہ ہے جو ہماری بیبی کی حالت میں ہم کو خاص دودھ پلانے والا ہے۔ یعنی جب کہ ایمان نریا پر چلا گیا اور زمینی کوئی عمار اور صوفیہ کے خشک ہو چکے تھے۔ ہمارے رب نے اس کس پرسی کی حالت میں ہمارا ہاتھ پکڑا اور آسمانی دودھ سے سیراب فرمایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :

”ابتدا سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے گود میں تیری رہا میں مثل طفل شیر خوار“  
دوسرا مادہ عاج کا عج ہے جس کے متعلق صراح اور منتقی الارب میں لکھا ہے ”عَجَّ عَجَّجًا وَعَجَّجًا بِرِوَاثَتِ  
آدَارِ اَوَابِگِ کہ دومنہ الحدیث افضل الحیح العجج و الشجر۔ یعنی برواشتن آواز و قربان کردن ہر یہ راہ یعنی  
ہمارا خدا آواز بلند کرنے والا ہے یعنی اس کے دین اور اس کے احکام کا ہی غلبہ ہوگا۔ عاج کو فارسی لفظ  
نزاروے کو غلط معنی بیان کرتا دوسرا معادلہ ہے جو عدالت کو دیا گیا۔“

(۵)

## اَنْتَ مَنِ بَمَنْزِلَةِ تَوْحِيدِی وَتَفْرِیدی

اس الہام سے مختار مدعی نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے۔ کہ گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی توحید اور تفرید میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ مفہوم بالکل غلط اور ملہم کی تشریحات کے خلاف ہے۔ بمنزلہ توحید سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی کسی سے کہے تو میرے لیے بمنزلہ فرزند ہے۔ تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ درحقیقت اس کا فرزند ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ سمجھا جائے گا کہ میں تجھ سے ایسی محبت رکھتا ہوں جیسی کہ فرزند سے رکھی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو اس وقت جب کہ آپ کے مخالف آپ کو مٹانے کے درپے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ آپ کا کسی جگہ خبر کے ساتھ ذکر نہ ہو، اور آپ کی تباہی کے لیے ہر قسم کے منصوبے اور تدابیر سوچ رہے تھے ان الفاظ میں بشارت دی کہ انت منی بمنزلہ توحیدِی و تفریدِی کہ تو مجھے ایسا ہی پیارا ہے۔ جیسا کہ مجھے اپنی توحید پیاری ہے۔ اور جب تو مجھے اس حد تک محبوب ہے تو پھر تجھے کون تباہ کر سکتا ہے دشمنوں کی ساری کوششیں بعثت اور حاسدوں کے تمام منصوبے لا حاصل ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ الہام مذکور کی تشریح میں خود بھی فرماتے ہیں :-

”تو مجھ سے ایسا قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو سو جیسا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دیا میں مشہور کروں گا۔ اور ہر ایک جگہ تو میرا نام جائے گا تو میرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ (اربعین ص ۳۲ حد ۲۵ حاشیہ)

اور ایسا ہی ہوا دنیا کے مخالفین باوجود اپنی انتہائی مخالفتوں کا خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کو روک نہ سکے۔ پس ہم  
کی تشریح کے خلاف الہام کے معنی کو قطعاً جائز نہیں ہے۔ حضرت اقدسؒ توحید کے قائل ہیں اور آپ نے اپنی جماعت  
کو توحید ہی کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”خدا نے چودھویں صدی کے سربراہ اپنے ایک بندے کو جو یہی لکھنے والا ہے۔ بھیجا۔ اس کے نبی کی سچائی اور عظمت  
کی گواہی دے۔ اور خدا کی توحید اور تقدیس کو دنیا میں پھیلا دے۔“ (نسیم دعوت ص ۶۹)

اور آپ جماعت کو تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:- ”اور اس کی توحید زمین پر پھیلانے کے لیے اپنی تمام طاقت سے کوشش  
کرو۔“ (کشتی نوح ص ۱۱) اور فرماتے ہیں:- ”خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور  
پر کرو۔ تاکہ خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔“ (الوصیت ص ۸)۔ اور توحید کو حقیقی مدارِ نجات قرار دیتے  
ہوئے فرماتے ہیں:- ”نجات دوا سر پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ کامل یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہستی اور وحدانیت پر ایمان  
لاوے۔ دوسرے یہ کہ ایسی کامل محبت حضرت احدیت جلشانہ کی اس کے دل میں جاگزیں ہو کہ جس کے استیلاء اور غلبہ کا یہ  
نتیجہ ہو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت عین اوس کی راحتِ جان ہو جس کے بغیر وہ جی ہی نہ سکے۔ اور اس کی محبت تمام اغیار کی  
محبتوں کو پامال اور معدوم کر دے۔ یہی توحید حقیقی ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۶)

(۶)

## انت اسمی الاعلیٰ

(اربعین ص ۳۴)

اس الہام سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسمِ اعظم قرار دیا ہے اور  
جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا اسمِ اعظم بتائے وہ مشرک ہے۔ اور مختار مدعی کی خیانت ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ  
کی اس الہام کی تشریح کو نظر انداز کر دیا ہے جو یہ ہے ”تو میرے اسمِ اعظم کا منظر ہے۔ یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ ہوگا۔“ (ترباق القلوب  
تقطیع کلاں ص ۱۱)

پس اسمی الاعلیٰ سے یہی مراد ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے اسمِ اعلیٰ کے منظر ہوں گے۔ آپ کو دشمنوں پر ہر مقام میں غلبہ  
حاصل ہوگا۔

(۷)

## انت منی بمنزلہ لا یعلمها الخلق

(اربعین ص ۳۵)

اس الہام سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ ﷺ کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ آپ کے مرتبہ کو کوئی نہیں جانتا

حالاںکہ اس کا ترجمہ حضرت اقدسؒ نے اربعین میں یہ کیا ہے ”اور مجھ سے تو وہ مقام اور مرتبہ رکھتا ہے۔ جس کو دنیا نہیں جانتی“ اس سے خدا کے ساتھ شرکت کا دعویٰ نکالنا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سید ہارستہ دکھائے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس مقام اور مرتبہ کو جاننے کی توفیق عطا فرمائے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس الہام میں خبر دی ہے کہ ”دنیا اس مقام اور مرتبہ تقرب کو جو تجھے مجھ سے حاصل ہے نہیں جانتی۔“

(۸)

## انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون

(براہین احمدیہ ص ۱۵۷ واستفتاء ص ۸۶)

اس الہام سے مختار مدعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ آپ کے الہامات اس بات کی بڑے بڑے زور سے تردید کرتے اور بتاتے ہیں کہ آپ کو ہرگز یہ دعویٰ نہیں ہے۔ چنانچہ استفتاء صفحہ ۸۶ میں یہ الہام درج ہے اور اس کے مافیل کے الہامات کے ساتھ ملا کر اگر یہ الہام پڑھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراف خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ اور یہی بات استفتاء کے حوالہ کی بنا پر گواہ مدعا علیہ مدائے جرح کے جواب میں کہی تھی جسے مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کا مغالطہ قرار دیا ہے۔ حالاںکہ یہ خود مختار مدعیہ کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اس وقت پہلے گواہ کے سامنے استفتاء کا حوالہ پیش کیا گیا ہے جس کے جواب میں گواہ نے یہ بیان کیا تھا کہ یہ خطاب اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اور یہ بالکل صحیح تھا۔ چنانچہ وہاں الہامات کی وہی ترتیب ہے جو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵ میں ہے۔ اور وہ یہ ہے ”رب انی مغلوب فانتصر، فسحقہم تسخیفاً، زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے ہیں۔ انما امرک اذا اردت شیئاً ان تقول له کن فیکون“ جن کا تحت اللفظ ترجمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۵ میں یوں درج ہے ”اے میرے خدا میں مغلوب ہوں میرا انتقام دشمنوں سے لے پس ان کو پیس ڈال کہ وہ زندگی کو وضع سے دور جا پڑے ہیں تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے وہ نیزے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے“ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس میں جو ضائر خطاب ہیں وہ جناب الہی کے متعلق ہیں۔ پھر انہی الفاظ میں آپ کو یہ بھی الہام ہوا ”انما امرنا اذا اردنا شیئاً ان تقول له کن فیکون“ یعنی ہمارے امور کے لیے ہمارا یہ قانون ہے کہ جب ہم کسی چیز کا ہو جانا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ (تربیان القلوب ایڈیشن اول ص ۱۹) والشرعی جلد ۴ ص ۵۷ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کی تمام تحریریں یہی بتاتی ہیں کہ کن فیکون کے ایسے کامل اقتیارات کہ جس بات کا ارادہ کرے وہ فی الفور ہو جائے صرف خدا تعالیٰ ہی کو حاصل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”علم اس کا (یعنی خدا کا) اس سے زیادہ نہیں کہ جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کرنا ہے اور کہتا ہے کہ ہو پس ساتھ ہی وہ ہو جاتی ہے۔ پس وہ ذات پاک ہے۔ جس

کے ہاتھ میں ہر ایک چیز کی بادشاہی ہے۔ (جنگ مقدس طبع سوم ص ۱۵۱) اور فرماتے ہیں: ”نہ ایک دفعہ بلکہ بیسیوں دفعہ میں نے خدا کی بادشاہت کو زمین پر دیکھا اور مجھے خدا کی اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ لہ ملک السموات والارض یعنی زمین پر خدا کی بادشاہت ہے اور آسمان پر بھی۔ اور پھر اس آیت پر ایمان لانا پڑا کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی تمام زمین و آسمان اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔ جب ایک کام کو چاہتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ ہو جا تو فی الفور وہ کام ہو جاتا ہے۔“ (کشتی نوح ص ۳۵)

ہاں آپ نے براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۹۵ میں یہ تحریر فرمایا ہے: ”افسوس بعض نادانوں نے عبودیت کے اس تعلق کو جو ربوبیت کے ساتھ ہے جس سے ظلی طور پر صفات الہیہ بندے میں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ سمجھ کر میری اس وحی میں اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو ایک بات کو کہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا۔ یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق اکابر صوفیاء اسلام کر چکے ہیں، جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی فتوح الغیب میں بھی لکھا ہے اور عجیب زبیر کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ افسوس لوگوں نے صرف اسی ایمان پر کفایت کر لی ہے۔ اور پوری معرفت کی طلب اللہ کے نزدیک کفر ہے۔“

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

قال الله في بعض كتبه يا ابن آدم انا الله لا اله الا انا اقول للشيئ كن فيكون

اطعني اجعلك تقول للشيئ كن فيكون وقد فعل ذلك بكثير من انبيائه واوليائه وخواص عباده

(مقالہ فتوح الغیب) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتب میں کہا ہے کہ اے بن آدم میں خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ایک چیز کو کہتا ہوں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو ہماری اطاعت کر میں تجھ سے ایسا کروں گا کہ تو ایک چیز کو کہے گا ہو تو وہ ہو جائے گی اور ایسا معاملہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے انبیاء اور اولیاء اور خواص بندوں سے کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

”قال الله عز وجل والحقوا الله ويعلمكم الله ثم يرد عليك التكوين“

متكون بالاذن الصريح الذي لا غير عليه“ (فتوح الغیب مقالہ ص ۱۵۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم خدا کا

تقویٰ اختیار کرو اور خدا تعالیٰ تم کو سکھائے گا پھر تجھے تکوین سپرد کی جائے گی۔ پس تو اذن صریح سے جس پر کوئی غبار نہ ہو گا تکوین یعنی پیدا کرے گا۔

پس جو بات حضرت مسیح موعودؑ نے بیان کی ہے اس کے متعلق سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی تکوین تو بہت سے مقررین بارگاہ الہی کو حاصل ہوئی۔ پس کیا تمنا مدعی عبدالقادر جیلانی کے متعلق بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے خدا کے شراب کو ہونے کا دعویٰ کیا اس لیے وہ لا الہ الا اللہ سے منکر اور مرتد بنے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جو تکوین کشتگان محبت الہی سے

صادر ہوتی ہے۔ اس میں اور خدا تعالیٰ کی تکوین میں فرق ہے۔ ایسے انسان کا کہن کہنا ہمیشہ نتیجہ پیدا نہیں کرتا جیسا کہ خدا تعالیٰ کا بلکہ ایسے لوگوں کا کہن کہنا اس وقت منتج ہوتا ہے جب کہ وہ بقا کی حالت میں ہوتے ہیں۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ایسے ہوتے ہیں جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔ ان کی توجہ کے وقت کی حرکات اپنی نہیں ہوتیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ”لقاء کا مرتبہ جب کسی انسان کو میسر آجاتا ہے تو اس مرتبہ کے توجہ کے اوقات میں الہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے شخص کی گہری محبت میں جو شخص ایک حصہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ افتداری خوارق مشاہدہ کرے گا کیونکہ اس توجہ کی حالت میں کچھ الہی صفات کا نگ خطی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہو جاتا ہے۔ اور ایسا اوقات وہ بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تکلف پیدا کرتا ہے ایسا ہی اس کا کن بھی اس توجہ اور مدد کی حالت میں خطا نہیں جاتا اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ان افتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے۔ کہ یہ شخص شدت اتصال کی وجہ سے خدا سے غروصل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہو جاتا ہے۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۶۸ ر ۶۹) اور اسی حالت کی مثالیں مختلف انبیاء میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوٹھا مارنے سے سمندر پیچھے ہٹ گیا اور آنحضرت صلیم نے بدر میں ایک مٹھی کنکریوں کی پھینکی جو ایک آندھی کی شکل بن گئی۔ اور آپ نے ایک بزن میں انگلیاں رکھیں اور ان سے پانی نکلنے لگا غفور اس پانی اتنا بڑھا کہ سبیلوں آدمیوں نے پایا اور پھر بھی وہ باقی رہا۔ اسی طرح کھانا بڑھانے کے خوارق احادیث میں کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔ پس یہ تکوین اس توجہ اور مدد کی حالت میں ہوتی ہے جس کی طرف مذکورہ بالا عبارات میں آپ نے اشارہ فرمایا ہے اور یہ جائے اعتراض نہیں ہے چنانچہ حکم الاشراق مطبوعہ ایران ص ۱۱ میں لکھا ہے:

”السرثران الحدید الحامیہ تشبہ بالنار لمجادرتھا وتفعّل فعلھا فلا تتجب من نفس  
استشرق واستضاءت بنور اللہ فاطاعھا الا کو ان طاعنھا للقد سیئین فتومی فیحصل  
الشیئ بایما یرھا وتصور متیقم الشیئ بحسب تصورھا ومثل هذا فلیعمل العالمون“

یعنی کیا تجھے معلوم نہیں کہ گرم لوہا آگ کی مجادرت میں آگ کے مشابہ ہو جاتا ہے اور آگ کا کام کرتا ہے۔ پس تو اسی طرح اس نفس سے تعجب نہ کر کہ وہ خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہو کر چمک اٹھا ہے۔ اور مخلوقات اس کی وسیع اطاعت کریں جیسی کہ عالم قدسی میں رہنے والوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے نور سے نور نفس اشارہ کرتا ہے تو وہ چیز اس کے اشارہ سے موجود ہو جاتی ہے۔ اور تصور کرتا ہے تو اس کے تصور کے مطابق وہ چیز واقع ہو جاتی ہے۔ اور عمل کرنے والے کو ایسا ہی عمل کرنا چاہیئے۔ پھر یہ حالت صرف اسی صفت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دوسری



صفات علم وغیرہ کا بھی ایسے کامل نفس سے ظہور ہو جاتا ہے۔

اور اذا ارادت سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر وقت مقربانِ بارگاہِ الہی کو یہ مقام دیا جاتا ہے۔ اور یہ قضیہ شرطیہ کلیہ نہیں ہے بلکہ مہملہ ہے۔ جو وقت میں قضیہ جزئیہ کے ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی شرح اکمال جلد ۱ صفحہ ۱۷ میں بذیل حدیث اذا احب الله عبداً وضع له القبول في الارض لکھا ہے انما هي المہملۃ في قوۃ الجزئیۃ فالمعنی قد یسکن اذا احب الله عبداً وضع له القبول في الارض وانما كانت مہملۃ لان اذا وارت اہمالاً في الشرطیتہ علی ما تقرّر فی المنطوق یعنی یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی قبولیت زمین میں کر دیتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ کیونکہ یہ قضیہ مہملہ جو جزئیہ میں ہے۔ پس اسی طرح کامل انسان کا کئی وائی طور پر نتیجہ مقصودہ پیدا نہیں کرتا بلکہ توجہ اور مدد کی حالت میں جو انسان کو قلعہ مرتبہ میں ماحصل ہوتی ہے جس کی طرف آیت (ما رمیت اذ رمیت و لكن الله رمى) میں یہی اشارہ پایا جاتا ہے اور اس وقت بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا بلکہ الہی طاقت اس کے اندر کام کر رہی ہوتی ہے۔ مگر انفسوس کہ روحانیت کے مراتب عالیہ محروم اور معرفت الہی سے نا بینا لوگ ایسی باتوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ انفسوس کہ جو امور انسانی کمال کا ثبوت سمجھے جاتے تھے اور کتب بزرگان جس کے مذکرہ سے معور ہیں آج نادانگی اور بیگانگی اس خدک پہنچ گئی ہے کہ بڑے بڑے مدعیانِ علم اپنی پر معترض ہیں اگر مختار مدعیہ کا قول صحیح سمجھا جائے تو مذکورہ بالا تمام بزرگ مشرک قرار پاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک)

(۹)

## میکائیل جس کے معنی عبرانی زبان میں خدا کی مانند ہیں !

(اربعین ۳۵۷)

فخما رہیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس عبارت مندرجہ اربعین ۳۵۷ پر کہ دانیال نبی نے میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ کا اپنے متعلق لبسائتین کو الیس کمثلہ شیئی کے خلاف ہے۔ اور یہ بھی فخرارہیہ کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ جس جگہ سے اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی جگہ اس کی تشریح بھی موجود ہے چنانچہ اربعین ۳۵۷ میں آپ اس پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے یہ نہیں فرماتے کہ میں خدا کی مثل ہوں بلکہ آپ نے اس کی توضیح یہ بیان فرمائی ہے۔ ”دانیال نبی نے اپنی کتاب میں میرا نام میکائیل رکھا ہے۔ اور عبرانی میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں خدا کی مانند یہ گویا اس الہام کے مطابق ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔

انت منی بمنزلہ توحیدہ و تغویدی و حان ان تعان و تعرف بین الناس -

یعنی توحید سے ایسا قریب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو سوجھیا کہ میں اپنی توحید کی شہرت چاہتا ہوں ایسا ہی تجھے دنیا میں مشہور کر دوں گا۔ اور ہر ایک جگہ جو میرا نام چائے گا میرا نام بھی ساتھ ہوگا۔ (البین ۳۷ ص ۲) پھر آپ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے اپنے آپ کو آدم کا شیل اور آدم کے رنگ میں ظاہر ہونے والا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ”خدا نے آدم کی مانند اس عاجز کو پیدا کیا اور اس عاجز کا نام آدم رکھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔“

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ وَاٰدَمَ فَكَرَّمَهُ -

اور آدم کی نسبت تو ریت کے پہلے باب میں یہ آیت ہے تب خدا نے کہا، ہم نے انسان کو اپنی صورت اور اپنی مانند بنایا دیکھو تو رات بآیت ۶۔ اور پھر کتاب دانیال ۱۷ میں لکھا ہے۔ اور اس وقت میکائیل (جس کا ترجمہ ہے خدا کی مانند) وہ بلا سرور جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لیے کھڑا ہے۔ اٹھے گا (یعنی مسیح موعود آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا) میکائیل یعنی خدا کی مانند درحقیقت تو رت میں آدم کا نام ہے اور حدیث نبوی میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسیح موعود آدم کے رنگ پر ہوگا۔ (نخجہ گوئیہ طبع اول ص ۱۰۷) اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود نے میکائیل نام سے صرف یہ مراد لی ہے کہ مسیح موعود آدم کے رنگ میں ظاہر ہوگا۔ اور حدیث میں بھی آیا ہے۔

خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ (مسلم الباب البرجلہ ۲ ص ۳۹) کہ خدا نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید بھی فرماتے ہیں: ”اگر نفس کا ملا اس اشرف موجودات کا کہ توحید ذات الہی کا ہے۔ کلمہ انا الحق کہے تو جائے تعجب نہیں ہے۔“ (سوانح احمدی ص ۷۷) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی مخلوقات میں سے صرف آدم ہی ایسی مخلوق تھی جو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بن سکتی تھی۔ دوسری مخلوقات تمام صفات الہیہ کا مظہر نہیں بن سکتی تھی۔

اس لیے آدم ہی کو خلیفۃ اللہ فی الارض کا خطاب ملا۔ اور اگر ایسے نام کا اپنے آپ کو مصداق قرار دینے سے شرک لازم آتا ہے۔ یا یہ لیس کمثلہ شیعی کے خلاف ہے تو جمیع مسلمان ایمان رکھتے ہیں کہ میکائیل فرشتہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی آیت من کان عدوًّا للهِ وملتکئیمہ ورسولہ وجبریل و میکائیل پارہ راسورہ بقرو میں ہے۔ اور میکائیل کے معنی عربی و کشری میں خدا کی مانند لکھے ہیں جیسا کہ اقرب الموارید جلد ۲ میں لکھا ہے: ”میکائیل اسم ملک عزرائیہ مرکبہ معناها من مثل ۲ للهِ“ میکائیل ایک فرشتہ کا نام ہے اور یہ نام عبرانی زبان کا لکھا ہے۔ اور یہ مرکب ہے جس کے معنی ہیں خدا کی مانند لہذا اگر فرشتے کا نام میکائیل (خدا کی مانند) آیت لیس کمثلہ شیعی کے خلاف نہیں ہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام کسی نبی کی کتاب میں میکائیل یا جانا لیس کمثلہ شیعی کے خلاف کیونکر ہونے لگا؟ اور اگر لیس کمثلہ شیعی کے خلاف ہے تو پھر تمام مسلمان جو قرآن شریف کی رو سے میکائیل فرشتہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے مبارک کو کاہنیتے ہیں۔ مشرک قرار پائیں گے۔ اور اس کی نوبت جہاں تک پہنچتی ہے۔ قابل غور ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی واضح رہے کہ پیشگوئیوں میں آنحضرت صلیم کا انا خدا کا انا قرار دیا گیا ہے۔

پنہانچہ استناد و بس کی مشکوٰۃ کی خدا فاران پر سے ظاہر ہوا آنحضرت صلعم پر لگائی گئی ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے مقبول و مسلم مسلمان اور علیہ الرحمۃ سرسید احمد خان نے خطبات احمدیہ اور شیخ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصمیم میں اور دیگر اکثر علماء نے اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تو حضرت اقدسؑ نے اپنے آپ کو خدا کی مانند قرار دیا نہ کسی جگہ اس کے لیس کمثلہ شیئی کے بخلاف کچھ لکھا ہے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: ”خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت ہے۔ لیس کمثلہ شیئی وهو السميع البصیر یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے“ (چشمہ معرفت ص ۲۶)

(۱۰)

## كَانَ اللَّهُ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ اسْتِفْتَاءً ۝۵

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام مظہر الحق والعلی کا ۱۰ نزل من السماء سے غلط مفہوم لے کر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے لڑکے کو جس کے متعلق یہ الہام ہے خدا بنا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا منالطہ ہے کیونکہ اس الہام سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے جو مختار مدعیہ نے لی ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی متعدد کتب میں خود اس کی تفسیر فرما چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے اتنے سے مراد خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہے یعنی اس کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کے جلال کا ظہور ہوگا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ”مظہر الحق والعلی کا ۱۰ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نودا آتا ہے نور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا وہ جلد از جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رشکاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا“ (استہار غزوری ص ۱۸۷) و تبلیغ رسالت جلد ۱ ص ۱۷۱

(۲) مظہر الحق والعلی کا ۱۰ نزل من السماء یظہر بظہورہ جلال رب العالمین یا تیک نور ممسوح بعطر ۱ در حساب ۲۰ رآئینہ کمالات اسلام ص ۵۷ یعنی ہم ایک لڑکے کی تجھ بشارت دیتے ہیں جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا گویا آسمان سے خدا اترے گا اور خدا کے آسمان سے اترنے کو رحمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایام اللہ سے خدا کے غضب کے ہوتے ہیں جیسا کہ آیت و ذکر ہم بایام اللہ ص ۱۸۷۔ ع الامین مراد ہے۔ اور حدیث میں آتا ہے۔ ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کھل لیلۃ فی السماء الذی یاحتی بقی ثلث ۱ لیلۃ (لا خرا الحدیث) (بخاری و مسلم شکوۃ کتاب الصلوۃ ص ۱۸۷)

آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر رات کے تمیز پر پہر سارے دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صفات اجسام سے منزہ اور نزول اور ہبوط اور صعود وغیرہ سے بالکل پاک ہے کیونکہ . . . . .

نزول صعود اجسام کا خاصہ ہے لیکن خدا تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ اسی وجہ سے شامین نے لکھا ہے۔ المراد نزول الرحمة وغیرہ تعالیٰ بانزال الرحمة وافاضة الانوار واجابة الدعوات و اعطاء المسائل ومنفعة الذنوب (عاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۷۱) خدا تعالیٰ کے آرنے سے مراد رحمت کا نزول ہے اور خدا تعالیٰ کے رحمت آرنے اور انوار کے عطا کرنے اور دعاؤں کے قبول کرنے اور مانگی ہوئی چیزوں کو دینے اور گناہوں کو بخشنے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب مراد ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام میں ”گو یا کہ خدا تعالیٰ آسمان سے اتر“ یہی مراد ہے کہ اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوگا۔ اور اس کا جلال چمکے گا اور حق ظاہر ہوگا۔

(۱۱)

## کشف

فختم مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس کشف پر جس میں خدا کو دیکھنے اور خدا کے کاغذ پر دستخط کرنے کا ذکر ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے خدا تعالیٰ کو جسمانی ماننا پڑتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ جسمانیات سے پاک ہے اور اس کی تشبیہ کسی سے نہیں ہو سکتی۔ لہذا ایسے کشف کو صحیح ماننے والا کیونکر لا الہ الا اللہ کا معتقد ہو سکتا ہے مگر یہ بھی فخر مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ میں نے تمثیلی طور پر خدا تعالیٰ کو دیکھا اور بطور تمثیل خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا ہرگز قابل اعتراض نہیں۔ اور اس سے کسی طرح خدا تعالیٰ کا تشبیہ بالجسمانیات ثابت نہیں ہوتا اور تشکیک کے طور پر خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں ”و رأیت رب العزّة فی المنام علی صورة ۲ مح“ کہ میں نے اپنے رب کو اپنی ماں کی صورت پر دیکھا۔ فخر مدعیہ کے قول کی رو سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ نعوذ باللہ من ذلک مشرک کا تو فرزند ٹھہرنے ہیں۔ دیکھو المعانی مصنفہ حضرت بہر محمد بن نصیر الدین جعفری الکی الحسینی ص ۶۷) فخر مدعیہ نے زبانی بحث کے بعد یہ تحریر پیش کی کہ اسے شاملِ مسل کیا جاوے۔ فریق ثانی کو اس پر اعتراض ہے۔ اس کے متعلق کل فریقین کی بحث سن کر اسے طے کیا جائے اصل کے ساتھ ہے۔ ۱۷ دسمبر ۱۳۳۳ھ ۶ محمد اکبر۔

مجھے علماء دیوبند کے متعلق اس اعتراض کا جو سختی سنی علماء نے ان پر کیا تھا یقین نہیں آتا تھا کہ وہ بزرگوں کی وقعت و عظمت نہیں کرتے۔ لیکن فخر مدعیہ کے ان اعتراضات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ اعتراض بے حقیقت نہیں ہے۔ انذیر کی بات ہے کہ اگر علماء امت جن امور کو لکھتے اور انسانی کمالات میں شمار کرتے ہیں۔ انہی کو دیوبندی علماء نے شرک و کفر اور ارتداد قرار دیا ہے میں اس موقف پر بیسیوں بزرگوں کا خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن خیال اختصار ایک ایسے شخص کو پیش کرنا ہوں۔ جس کی بزرگی سے فخر مدعیہ اور اس کے کسی ہم خیال کو انکار کی جرأت نہیں ہو سکتی اور وہ مولانا محمد قاسم صاحب بانی

مدرسہ دیوبند ہیں۔ جی کے غلام غلامان ہونے پر مختار مدعیہ نے عدالت کے روبرو فرود بہات کا اظہار کیا ہے۔ سو انجمنی مولانا محمد قاسم صاحب مؤلف مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے کہ ”جناب مولوی محمد قاسم صاحب نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہوگی۔“ مختار مدعیہ کے مسلک کی رو سے یہ خواب ان کے آقا مولانا محمد قاسم صاحب کو مشرک کا فرد مرتد قرار دیتا ہے۔ کیونکہ اس سے بقول مختار مدعیہ خدا کا جسم ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کی گود کے الفاظ اس کا جسمائیات سے تعلق ظاہر کرتے ہیں۔ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ خود مانتے ہیں کہ ہر شرب کے آخری حصہ میں خدا تعالیٰ دنیا کے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ (بخاری مسلم مشکوٰۃ ص ۱۰۷) اور ترمذی جلد ۱ ص ۵۹) پھر ان کے نزدیک خدا تعالیٰ کا ہنستا بھی ممکن ہے۔ (مسلم جلد ۱ ص ۹۲) باب اثبات الشفاعۃ وابن ماجہ جلد ۱ ص ۱۳۹) اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی پٹنڈی نگی کرے گا۔ ان کے نزدیک یہ سب کچھ ممکن ہے اور خدا تعالیٰ کی شان کے مناسب ہے۔ لیکن اگر محال اور خدا کی شان کے منافی سے تو اسے حضرت مسیح موعودؑ کا مثلی طور پر کشف میں دیکھنا معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ نے غالباً اس فتوے کی رو سے وقفہ کی مشہور معرفت کتاب البحر الرائق جلد ۵ میں لکھا ہے کہ جو شخص کہے کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا وہ کافر ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو کافر قرار دینے کے شوق میں یہ اعتراض کیا تھا اور انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ خیر سے مولوی محمد قاسم صاحب بھی خواب دیکھ چکے ہیں۔ افسوس۔ پھر علماء اور اولیاء ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلیم بھی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا جس کے بال کاٹوں کی لومک تھیں۔ اور پاؤں میں سونے کا جوتا تھا۔ اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (البیہاقیت والحوار جلد ۲ ص ۱۳۲)

اور بحر المعانی مصنفہ حضرت سید محمد بن تعبیر الدین کے صفحہ ۷۵ میں یہ روایت لکھی ہے کہ آنحضرت صلیم نے فرمایا۔  
رَأَيْتُ رَبِّي لَيْلَةَ الْمَعْرَاجِ عَلَى صُورَةِ شَابِ امْرَدٍ - کہ معراج کی رات میں نے اپنے رب کو بے ریش نوجوانوں کی شکل پر دیکھا۔ معلوم نہیں مختار مدعیہ اپنے اس مسلک کے لحاظ سے کہ خدا تعالیٰ کو خواب میں دیکھنے والا مشرک کافر مرتد ہے۔ ادا کردہ کہ در مرتبہ بھی حکم پڑھے تو قابل قبول نہیں اس حدیث کو دیکھنے کے بعد کیا فتوے دیگا۔

(۱۲)

## انت منی بمنزلہ ولدی

مختار مدعیہ نے اس الہام سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور یہ بھی اس کا ایک مقالہ ہے۔ کیونکہ اس الہام کو درج کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ اور کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ داغ الیلاہ صلیب میں یہی الہام



کو پہلے نبیوں کی کتابوں میں بٹیا کر کے پکارا گیا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض پیشگوئیوں میں خدا کے پکارا گیا ہے  
 دراصل بات یہ ہے کہ نہ تو وہ تمام نبی خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہیں۔ بلکہ یہ تمام استعارات ہیں مجت  
 کے پیرایہ میں ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی کلام میں بہت ہیں۔ اور آپ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۴۱ میں فرماتے ہیں: اس بناء پر  
 خدا میں فانی ہونے والے اطفال اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہ وہ خدا کے درحقیقت بیٹے ہیں کیونکہ یہ تو کفر ہے اور  
 خدا میں سے پاک ہے۔ بلکہ اس لئے استعارہ کے رنگ میں وہ خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں کہ وہ بچے کی طرح دلی جوش سے  
 خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ کی طرف قرآن میں اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے۔ فاذا کروا اللہ کذا کرکھ  
 ابانکم وابتدذکر یعنی خدا کو ایسے محبت اور دلی جوش سے یاد کرو جیسا کہ بچہ اپنے باپ کو یاد کرتا ہے۔ اسی  
 بناء پر ہر ایک قوم کی کتابوں میں اب یا بیٹا کے نام سے خدا کو پکارا گیا ہے۔ سو اولیاء اللہ کو جو صوفی اطفال حق کہتے  
 ہیں یہ صرف استعارہ ہے ورنہ خدا تعالیٰ اس سے پاک اور لعل یلد و لعل یولد ہے۔

(۱۳)

## ایک ضمنی اعتراض کا جواب

فخار مدبر نے کہا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کو مجازی طور پر اطفال اللہ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ولد کا لفظ مجازی  
 طور پر بھی استعمال نہیں کر سکتے۔ یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کو آیت قرآنی فاذا کروا اللہ کذا کرکھ  
 میں مجازی طور پر اب یعنی باپ کے قائم مقام رکھ کر اسے باپوں کی طرح یاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ تو یاد کرنے والوں کو استعارہ  
 کے رنگ میں ولد اور ابن کے قائم مقام نہ ہوتے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی کیا وجہ ہے؟ علاوہ اس کے حضرت اقدس  
 نے اپنے الہام میں ولد کے معنی لقل ہی کے کہے ہیں۔ چنانچہ اطفال حق کے الفاظ جو اولیاء کے حق میں استعمال کئے گئے ہیں۔  
 ان کو استعارہ کے طور پر قرار دے کر آپ نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ اطفال سے پاک ہے اور لعل یلد و لعل یولد ہے۔ تمہار  
 مدبر کو بوجہ تاجا چاہیے کہ ابن اور ولد کا لفظ ہم معنی ہیں۔ اور قرآن مجید میں جیسے حقیقی معنوں میں مسیح کو ابن اللہ کہنے کی خدمت کی  
 گئی ہے۔ ویسے ہی ولد اللہ کہنے کی۔ اور جیسے ابن کا لفظ مجازی طور پر باپ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ویسے ولد  
 کا لفظ بھی۔ چنانچہ الیوائت جلد ۲ ص ۱۳۹ میں لکھا ہے: کما یقول الشخص لا جنبی انت اخي او وادی علی  
 طریق التقرب والا کرام ثمر لا یرثہ اذ مات ولا یحرم علی بناتہ و اخواتہ  
 یعنی جیسے کوئی شخص ایک اجنبی کو اپنا بھائی یا اپنا بچہ تقرب اور اکرام کی خاطر کہے تو پھر وہ  
 شخص نہ تو اس کے مرنے پر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اور نہ اس پر اس کی بیٹیاں اور بہنیں حرام ہوتی ہیں۔ اس حوالہ سے معلوم  
 ہو گیا کہ ولد استعمال مجازی طور پر ہو سکتا ہے۔ اب اگر ابن اللہ کے الفاظ کا مجازی طور پر استعمال کسی نبی کے لیے دکھا دیا جائے

تو مختار مدعیہ کے لیے گنجائش چون و چرا نہیں رہ سکتی۔ پس ہم تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب کا حوالہ الفوائد الکبیر فی اصول التفسیر ص ۱ سے پیش کرتے ہیں۔ و انزال جملہ آئینت کہ خدا تعالیٰ دہر ملت انبیاء و تابعان ایشان را رار لقب مغرب و محبوب تشریف دادہ است و منکر اس ملت را بصفت مخصوصیت منکوحہ میدہ است و دریں باب بہ لفظ شائع دہر مرقوم تکلم واقع شد اگر لفظ لانا ایجابائے مجبور یا ذکر شد چہ عجب اگرچہ شاہ صاحب کا حوالہ ہی کافی ہے۔ لیکن میں ایک حوالہ دیوبند کے شیخ الہند مولانا رحمت اللہ شاہ جبریت اللہ کا بھی پیش کرتا ہوں۔ آپ اپنی کتاب ازالۃ الادہام ص ۲۵ میں فرماتے ہیں۔ ”فرزند عبارت از علی علیہ السلام ہست کو انصاری آنجناب را حقیقہ ابن اللہ میدانند و اہل اسلام آنجناب را بن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدہ خدا میثمارند۔ اگرچہ اس حوالہ نے بات انتہا غلوک پہنچا دی لیکن مختار مدعیہ کو اچھی طرح اس کا گھر دکھانے کے لیے میں ایک حوالہ مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی پیش کیے دیتا ہوں۔ جن کے غلامان غلام ہونے کا مختار ان مدعیہ کو فخر حاصل ہے فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ کا تعدد محال ہے۔ اس لیے خدا کے لیے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بے شک منجملہ محالات ہوگا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ عز و بوالہوائیات ماں باپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ اور بادشاہ اور حاکم ان کو فرزند کی خطاب دے دیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر کہ وہ بیگاہ کسی بزرگ دلی نے خدا تعالیٰ کو باپ کہہ دیا ہو یا خداوند تعالیٰ نے کسی اچھے بندے کو جیسے انبیاء و اولیاء و فرزند کہہ دیا تو اس کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ خدا تعالیٰ ان بزرگوں پر مہربان ہے۔ حقیقی ابوت یا نبوت ایسی جا پر سمجھ لینا اور خدا تعالیٰ کو حقیقی باپ اور ان کو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بے جا ہوگا۔“ (حجۃ الاسلام مطہر محمد قزلباشی ص ۱۱)

میں نہیں سمجھتا کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی نبی یا ولی کو بیٹے کے لفظ سے مخاطب کرنا ان کے مقتداؤں اور پیشواؤں کی تحریروں سے اس شد و مد کے ساتھ جائز ثابت ہوتا ہے تو پھر مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام بلا اعتراض کی کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(۱۴)

## اسمع ولدی

(البشری ص ۴۹)

مختار مدعیہ نے اس کو الہام قرار دے کر حضرت مسیح موعودؑ کی طرف ولد اللہ ہونے کا دعویٰ منسوب کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ کا ایک نہایت ہی رکیک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جرح کے جواب سے گواہ مانے اصل حقیقت ظاہر کر دی تھی۔ باوجود اس کے مختار مدعیہ نے پھر سے پیش کیا ہے۔ جس سے اس کی نیت نہایت صفائی سے ظاہر ہو رہی ہے۔ درحقیقت یہ حضرت مسیح موعودؑ کا کوئی الہام نہیں ہے۔ اصل الہام اسمع و امری ہے۔ اس کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ منقول عنہ کتاب میں



اسمع دلدی نہیں بلکہ اسمع داسری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اصل کتاب میں وہ الفاظ نہیں جو نقل میں ہیں تو نقل صحیح نہیں سمجھی جاسکتی۔ چنانچہ اگر کوئی مسلم شخص قرآن مجید کی آیت نقل کرنے میں غلطی کر جائے تو کسی مخالف کا اس غلط نقل کو قرآن مجید کی آیت قرار دینا کسی عقلمند انسان کے نزدیک درست نہیں ہوگا۔ اصل صحیح اور نقل غلط قرار دی جائے گی۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ چنانچہ البشریٰ میں اسمع دلدی کا جو الہ یہ دیا گیا ہے۔ ”منقول از مکتوبات احمدیہ جلد اول ص ۳۳۲۔“ اب مکتوبات احمدیہ جس سے یہ جو الہ دیا گیا ہے۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ ”آج قبل تحریر اس خط کے یہ الہام ہوا۔ کذب علیکم الخبیث کذب علیکم الخنزیر۔ عنایت اللہ حافظک انی معک اسمع داسری، الیس اللہ یکاف عبد لا فبئذ کہ اللہ یتما قالوا وکان عند اللہ وجہا۔ ان الہامات میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی ناپاک طبع آدمی اس عابر تر کوئی جھوٹ بولے گا یا بولا ہے۔ مگر عنایت اللہ حافظ ہے۔“ اب صاف ظاہر ہے کہ البشریٰ جلد اول ص ۳۳۲ میں کاتب کی غلطی سے اسمع داری کی جگہ اسمع دلدی لکھا گیا ہے۔ اور چونکہ اصل میں اس کا ترجمہ یہ نہ تھا غلطی سے مؤلف نے ترجمہ بھی ظاہری کتاب کے مطابق کر دیا اور اس کے مؤلف بالو منظور الہی ملازم محکم تار بولے نے دیا چہ میں لکھ دیا ہے کہ وہ کوئی عربی دان نہیں، یں۔ انہوں نے جمیع الہامات کا کام محض اپنے شوق اور نزائب کی نیت سے کیا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں کثرت سے اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اتحاد و دل سے پاک ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) ”خدا تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے سب سے زیادہ مرتبہ پر وہ لوگ ہیں جن کا نام نبی اور رسول ہے۔ بے شک وہ خدا تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہیں۔ نہایت درجہ کے عزت دار ہیں۔ اسی میں گھوٹے گئے اور اسی کا روپ بن گئے۔ اور خدا تعالیٰ کا جلال وغیرہ ان سے ظاہر ہوا۔ خدا ان میں اور وہ خدا میں مگر تاہم ان میں سے ہم حقیقتاً کسی کو خدا کہہ سکتے ہیں اور نہ خدا کا بیٹا۔“ (اشہار لمختہ کتاب شہادۃ القرآن ص ۱)

(۲) اور فرماتے ہیں۔ ”وہ یقین کریں کہ ان کا ایک نادار اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔“ (کشتی نوح ص ۱)

(۳) اور فرماتے ہیں۔ ”یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے نہ اس کا کوئی شریک اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔“ (دافع البلاء ص ۱)

(۱۴)

## اخٹی و اصیب

مختار مدعیہ نے پیش کردہ الہامات کے علاوہ دو الہام گواہ نمبر ۱۱ الف نے اپنے بیان میں پیش کئے ہیں۔ اور ان کے پیش کرنے میں گواہ نے وہی مقابلہ کا طریق اختیار کیا ہے جو مختار مدعیہ نے کیا۔ چنانچہ اس نے حقیقۃ الوحی ص ۱۱ سے الہام اخٹی و اصیب ذکر کر کے نتیجہ لکھوایا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اس الہام کی رو سے خدا تعالیٰ کو غلطی کرنے والا قرار دیا ہے اور نتیجہ نکالنے میں اس نے دیدہ و دانستہ عدالت کو مقابلہ دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اس کی ایسی تشریح کی ہے جو ہم کے منشاو کے بالکل برخلاف ہے۔ اور یہ نتیجہ نکالنے کے شوق میں اس نے اس الہام کا وہ ترجمہ اور تشریح جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی ہے۔ بالکل نظر انداز کر دی ہے۔ حالانکہ اس کی موجودگی میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا جو گواہ مدعیہ نے نکالا ہے۔ اور ترجمہ اور تشریح حقیقۃ الوحی کے اسی صفحہ پر جہاں سے گواہ نے یہ الہام نقل کیا ہے۔ مذکور ہے چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس الہام کا ترجمہ نہیں کیا کہ وہ میں غلطی کرتا ہوں بلکہ آپ نے ترجمہ یوں کیا ہے: ”اپنے ارادہ کو کبھی پھوٹ بھی دوں گا۔ اور کبھی ارادہ پورا کروں گا۔“ اب دیکھنا چاہیے کہ اس الہام کو ان معنوں میں لے کر کون سا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔

اور حضرت اقدسؑ اس الہام کی تشریح میں اسی صفحہ کے مابینہ پر فرماتے ہیں۔

اس وحی الہی کے ظاہر الفاظ یہ معنی رکھتے ہیں کہ میں خطا بھی کروں گا اور صواب بھی۔ یعنی جو میں چاہوں گا کبھی کروں گا اور کبھی نہیں۔ میرا ارادہ پورا ہو گا اور کبھی نہیں۔ ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کے کلام میں آجاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کی قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردد سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ وحی الہی کہ کبھی میرا ارادہ خطا جاتا ہے اور کبھی پورا ہو جاتا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں۔ اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے۔

اور حضرت اقدسؑ نے آیات بالا میں جس حدیث کا ذکر فرمایا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادى لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب الی قوله تعالیٰ وما ترددت شیئاً انا فاعلک ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہ مسأئتہ“ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع)

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھ کو کسی کام میں جسے میں کرنا چاہتا ہوں۔ (پس پیش) نہیں ہوتا۔ جتنا اپنے مسلمان بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔ وہ تو موت کو (بوجہ تکلیف جسمانی کے) برا سمجھتا ہے اور مجھے بھی۔

اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

اور یہ حدیث قدسی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اب اگر اس حدیث کو بھی گواہ مرید کے طرز پر لیا جائے تو خدا تعالیٰ کا متروک ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ تروڑ سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ کبھی غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کا الہام ہے (۱) ان سر بی لا یخذل و لا ینسی کہ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے۔ (البعین ص ۳۱)

(۲) لا یخفی علی اللہ مخافیہ۔ کہ خدا تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں (البشری جلد ۱ ص ۳) (۳) و انہ یعلم السیر و اخفی لا الہ الا هو یجلہ کل شیء و یرى۔ اور اللہ جانتا ہے ستر کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ چیز کو۔

کوئی معبود نہیں بجز اس کے اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ اور دیکھتا ہے (البشری جلد ۱ ص ۵۸) پس اخطی و اصیب کے ایسے معنی لیتا جو ملہم کے ترجمہ اور تشریح اور دیگر الہامات کے خلاف ہوں ایک ایسی جسارت ہے جس کے متعلق کچھ کہنے سے نہ کہنا۔

بہتر ہے

(۱۵)

## الارض السماء معک كما هو معی

گواہ مدعیہ نے اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ بہتان باندھا ہے کہ گویا مرزا صاحب نے اس الہام سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر جانا ہے۔ حالانکہ نہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اور نہ آپ کی جماعت آپ کے متعلق ایسا اعتقاد رکھتی ہے اور نہ آپ نے اس الہام سے کبھی یہ مطلب لیا ہے۔ اور آپ نے خود جو مطلب اس الہام کا بیان فرمایا ہے وہ آپ کی کتاب ہدایہ میں احمدیہ حصہ پنجم میں درج ہے جو یہ ہے فرماتے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آئندہ بہت سی قبولیت ظاہر ہوگی اور زمین کے لوگ رجوع کریں گے اور آسمانی فرشتے ساتھ ہونگے۔ جیسا کہ آج کل ظہور میں آیا۔ (ہدایہ احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۱)

اور یطوقا عدہ کلیہ ذلتے ہیں جو شخص بڑا صدق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑتا ہے۔ وہ اس کے لیے بڑے بڑے کام دکھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے زمین و آسمان کو اس کے لیے غلاموں کی طرح کر دیتا ہے اور اس کے منشا کے مطابق دنیا میں تصرف کرتا ہے۔ (چتر معرفت ص ۵۲-۵۳)

(۱) ص ۱۱ و اس تاویل سے واحد ہے کہ اس کا مرجع مخلوق ہے (سراج منیر حاشیہ ص ۱۱) (۲) ہو کا ضمیر واحد تاویل فی السموات

الارض ہے (ہدایہ احمدیہ حصہ چہارم ص ۲۸)

اور جانتا چاہیے کہ زمین و آسمان کی معیت سے یہ مراد ہے کہ زمین و آسمان سے آپ کی تائید کے نشانات ظاہر ہونے میں اور وہ آپ کی صداقت اور سچائی کی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :  
 وہ آسمان بار نشان الوقت بیگوید زمین  
 ایں دو شاہد از پیئے تصدیق من اسنادہ اند  
 (آئینہ کمالات اسلام ص ۳۵۸)

اور فرماتے ہیں :

آسمان میرے لیے تو نے بنایا اک گواہ !!  
 تو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت کے لیے  
 آسمان پر دعوت حق کے لیے اک جوش ہے  
 اسمعوا صوت السماء جاء المسبح جاء المسبح  
 چاند اور سورج ہوئے میرے لیے تلیک ذار  
 تادم پورے ہوں نشان جو ہیں سچائی کا مدار  
 ہو رہا ہے نیک طبعوں پر فرشتوں کا اتار  
 نیز بشعور از زمین آمد امام کا مگار

اور اس قسم کی معیت سے شرک مراد لینا حد درجہ کی نادانی ہے کیونکہ اگر زمین و آسمان کی معیت سے جو خدا تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ شرک لازم آتا ہے۔ تو جو خدا تعالیٰ کی معیت کا مدعی ہو وہ زیادہ مشرک ہونا چاہیے حالانکہ اس معیت سے نہ تو گواہان مدعیہ یہ مراد لیتے ہیں اور نہ مختار مدعیہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وهو معکم ایما صنتکم کہ یہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ ان الله مع الذين اتقوا (الخلع) کہ خدا تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان الله معنا (توبہ ۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور حدیث میں تو ان الله ثالثهما فرما کر خدا اپنے کا تیسرا ٹھکانہ ہے۔ پس معیت کے لفظ سے حاضر و ناظر ہونا لازم نہیں آتا۔ اور لفظ کما مشابہت تامہ کا مقتضی نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاهد اعلیٰکم کما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً اور درود شریف کما صلیت علیٰ ابراہیم میں کما سے مراد مشابہت تامہ نہیں۔ بلکہ الہام میں کما سے مراد اتنی مشابہت مقصود ہے کہ جیسے زمین و آسمان خدا تعالیٰ کے وجود پر شاہد ہیں ویسے ہی وہ پوچھ ان نشانات اور تائیدات کے جو خدا کی طرف سے تائید مسیح موعود ان میں ظاہر ہوتے ہیں حضرت مسیح موعود کی صداقت پر شاہد ہیں۔ اور اس الہام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف خدا کی طرح حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ منسوب کرنا بعید عن عقل ہی نہیں پہلے درجہ کی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

(۱۶)

## اصلی واصوم، اسمہروانام، واجعل لك الواس القدوم، واعطيك ما يدوم ان الله مع الذين اتقوا

(البشری جلد ۲ ص ۵۹)

مختار مدعیہ نے اس الہام پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کی گئی ہیں جو خدا کی شان کے بالکل مخالف ہیں۔ اور آیت لا تاخذ لا سنة ولا نوم کے مخالف ہیں۔ اور یہ بھی اس کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ پہلے حصہ الہام میں مذکورہ امور خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں بلکہ علم کی شان کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور دوسرا حصہ خدا تعالیٰ کے متعلق ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تخلیق کے نور تجھ میں دکھلاؤں گا۔ اور تجھے وہ نعمت دوں گا جو ہمیشہ رہے گی۔ تحقیق خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں۔ اس دوسرے حصہ میں جن انعامات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ پہلے حصہ الہام میں علم کی حالت ذکر کے بیان کی گئی ہے۔ کہ آپ شریعت اسلامیہ کے بانی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے والے ہیں۔ حدیث بخاری میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اشیا ص کی باتیں بینیں جن میں سے ایک نے کہا تھا کہ میں تو ساری رات خدا تعالیٰ کی عبادت ہی کرتا رہوں گا اور سوؤں گا نہیں۔ اور دوسرے نے یہ کہا تھا کہ میں کبھی نکاح ہی نہیں کروں گا اور ایک نے یہ کہا تھا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تو آپ نے خلیفہ پڑھا اور فرمایا کہ دیکھو میں تم سے زیادہ متقی اور خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔ میں نے نکاح بھی کیا ہے اور میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ اور نماز بھی پڑھتا ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ پس تمہیں میری سنت پر چلنا چاہیے (بخاری جلد ۲ کتاب النکاح)

تو اس بات کا الہام کے پہلے حصہ میں علم کی زبان پر ذکر کیا ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور جگتا بھی ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ یعنی میں خدائی کا دعویدار نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے والا ایک مسلمان بندہ ہوں اور یہاں قُلْ مَحْذُوف ہے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد جگہوں میں قُلْ محذوف ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی انہی میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو سکھایا ہے کہ وہ کہیں الحمد للہ رب العالمین الی آخر سورۃ الفاتحہ (دیکھو پرتہ السیعہ ص ۲۵۵)

جیسے مختار مدعیہ نے علم کے صریح اقوال کے خلاف الہام کا مطلب لے کر عدالت کو مغالطہ دینے کی کوشش کی ویسے ہی بلکہ اس سے کہیں زیادہ مدعیہ کے چار گواہوں کے علاوہ دو گواہوں میں سے بعض نے عدالت کو مغالطہ دینے کی سعی کی ہے اور اس الہام کے لیے بشری جلد ۲ ص ۵۹ کا حوالہ دے کر مطلب یہ لکھوایا "اور جس طرح میں قدیم اور نازی ہوں اسی طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دیے ہیں اور تو بھی ازلی ہے" حالانکہ نہ یہ الہام کا مطلب ہے اور نہ ہی بشری میں یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں اس فقرہ کا یہ ترجمہ درج ہے "اور تیرے لیے اپنے آنے کے نور عطا کروں گا اور وہ چیز تجھے دوں گا

جو تیرے ساتھ ہمیشہ رہے گی۔ خدا ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، کیا ایسے گواہ جو بات کو اپنی طرف سے بنا کر دوسرے کی طرف منسوب کرنے سے نہیں ڈرتے وہ اس قابل ہیں کہ ان کی شہادت قبول کی جائے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر نیند آئی ہے۔ آپ کی تحریرات کے صریح خلاف ہے آپ فرماتے ہیں:-

(۱) ”خدا تعالیٰ ہر ایک نقصان سے پاک ہے۔ جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوئی۔ بلکہ اونگھ اور نیند سے ہونی الجملہ موت سے مشابہ ہے۔ پاک ہے“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم ص ۴۳)

(۲) اور فرماتے ہیں ”جیسا کہ موت اس پر (یعنی خدا تعالیٰ پر) جائز نہیں ایسا ادنیٰ درجہ کا تعطل جو اس بھی جو نیند اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں۔ مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے۔ نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔“ (چشمہ معرفت ص ۲۶۲-۲۶۳)

(۱۷)

## اعطیت صفة الاحیاء والافناء من الرب الفعّال

(خطبہ الہامیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا قول سے مختار مدعیہ نے یہ غلط استدلال کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قول سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی صفت عجبی و عجبت میں شریک مانا ہے۔ اور اپنی تائید میں حضرت عیسیٰؑ سے احواء میت کو ذکر کرنے ہوئے کہا ہے کہ دیکھو مسیح نے صاف کہا ہے کہ میں یہ خلق ادا احواء باذن اللہ کرتا ہوں مگر مرزا صاحب نے یہ بھی ذکر نہیں کیا۔

میں عدالت پر مختار مدعیہ کے اس مغالطہ دہی کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو عمداً کی گئی ہے۔ اور بتانا چاہتا ہوں کہ اسی عبارت میں من الرب الفعّال کے الفاظ موجود ہیں جو مختار مدعیہ نے بالقصد ترک کر دیئے ہیں۔

اور تو اس عبارت میں اعطیت کے لفظ سے ہی یہ بات ظاہر تھی کہ حضرت اقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان صفات کے پانے کا اظہار فرمایا ہے۔ مگر آپ نے من الرب الفعّال کے لفظ سے اس مفہوم کو بالکل واضح کر دیا تھا۔ لیکن مختار مدعیہ نے مغالطہ دینے کی غرض سے دانتہ الفاظ من الرب الفعّال ترک کر کے اعتراض کر دیا۔ اور اس فقرہ کا وہ مفہوم لینا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے قائل کی منشاء کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے اس قول کی تشریح خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸ میں ان الفاظ سے کر دی ہے۔

”و بیدی حربۃ لا ید بہا عادات الظلم والذنوب و فی الاخری شربۃ لا یعبد بہا حیاۃ القلوب فأس للاغفلوا و انفس للاحیاء“ اور میرے ہاتھ میں ایک حربہ ہے جس کے ساتھ میں

ظلم اور گناہوں کی عادات کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایسا پانی ہے۔ جس کے ساتھ میں قلوب کو زندہ کرتا ہوں کھڑی تو فناء کرنے کے لیے ہے اور انفاس طیبہ زندہ کرنے کے لیے مجھے دئے گئے ہیں۔  
انہی دونوں باتوں کا مذکورہ بالا قول میں ذکر ہے۔ نہ کہ خدا تعالیٰ کی صفت اچھا اور افساؤ میں شریک ہونے کا:-

(۱۹)

نئی زندگی انہی کو ملتی ہے جن کا خدا نیا ہو! (ضمیمہ تریاق القلوب ص ۱۰)

اس عبارت سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں۔ اور یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا تعالیٰ کو ازلی ابدی اور غیر متغیر و غیر متبدل مانتے ہیں۔ اور نیا خدا ہونے سے مراد آپ کی یہ مراد نہیں ہے کہ خدا پرانا ہو گیا تھا اور اب نیا ہو گیا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکتا ہے اور ایک نیا رنگ عبودیت کا اختیار کرتا ہے جس کو نئی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اس پر نئے رنگ کی تجلی فرماتا ہے۔ اور بندہ سے اس کا معاملہ ایک نیا معاملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

”پیروی کرنے کے لیے یہ باتیں ہیں کہ دو یقین کریں کہ ان کا ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے۔ جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ کوئی اس کا بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے۔ وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے۔ اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آئے تو اس کے لیے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے، اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں بھی تبدیلی دیکھتا ہے، مگر یہ نہیں کہ خدا میں کچھ تغیر آجاتا ہے۔ بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے۔ لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے“ (کشتی نوح ص ۱۰)

اور فرماتے ہیں: ”خدا تعالیٰ نے اپنی پاک کلام سے مجھے آگاہی بخشی کہ خدا وہ ذات ہے جو اپنی تمام صفات میں کامل ہے اور ازل سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی طریق پر چلا آتا ہے۔ نہ اس میں جد و جہد ہے، نہ وہ پیدا ہوتا ہے نہ مرتا ہے“ (راشتہ طہ کتاب شہادۃ القرآن ص ۱۰)

پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ خدا تعالیٰ کو متغیر و متبدل مانتے ہیں بالکل لغو اور قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور ایسی صاف باتوں پر ایسے فضول اعتراضات ہر منصف مزاج کے لیے باعث افسوس ہیں۔

## متشابہات

ان اعتراضات کا جواب دینے کے بعد جو مختار مدعیہ نے اس امر کے ثبوت میں پیش کئے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مانتے اور خدا تعالیٰ کی طرف ایسی صفات منسوب کرتے ہیں جو ان کے شان کے شایان نہیں ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ الہی کلام ہمیشہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک حکم دوسرا متشابہ۔ اور خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔  
وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ شُرَكَاءُ فَانْتَبِهُوا مَا تَشَابَهُ مِنْهُ ۚ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ۔

کہ جن کے دلوں میں ترین اور کبردی کا مادہ ہوتا ہے وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فتنہ برپا ہو اور لوگ حق سے منحرف ہو جائیں چنانچہ قرآن مجید میں بھی دونوں قسم کا کلام پایا جاتا ہے۔ اور بعض کو نہ اندیشہ متشابہات کو ظاہری معنوں میں لے کر جادہ مستقیم سے منحرف ہو گئے اور خدا تعالیٰ کو بھی ایک مجسم چیز کی طرح سمجھنے اور اس کے لیے ہاتھ، آنکھ وغیرہ ماننے لگے اور یہ سمجھا کر وہ واقعی عرش پر ایک بادشاہ کی طرح بیٹھا ہوا ہے۔ لیکن سمجھ دار اور عارفان الہی نے ایسے کلمات کو محکمات کے تابع کیا، اور ان کے ایسے معنے کئے جو محکمات کے مخالف نہ تھے۔ اور آنحضرت صلی علیہ وسلم کی اتباع میں کاہلین امت مجربہ کو بھی متشابہات و شر میں ملے جن پر خشک ملاؤں نے جہالت و نادانی سے اعتراضات کئے اور ان کے موردوں کو کافرا و مرتد اور واجب القتل ٹھہرایا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں ”قرآن مجید میں بھی متشابہات مثل یدو اسئلہ علی العرش وغیرہ واقع ہیں کہ جس سے بعض فرقوں نے اللہ تعالیٰ کا جسم ثابت کیا اور گمراہ ہوئے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی گمراہی سے واقف تھا۔ بلکہ ان کلمات کے سرزد ہونے میں متابعت سنت پیغمبر صلی علیہ وسلم بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت خاتمیت مآب صلی علیہ وسلم نے بھی فرمایا: صَاحِبُ الْوَحْيِ مُحَمَّدٌ ۖ وَانَ اللّٰهُ خَلَقَ ۚ اَدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهِ وَادَامَتْ رُحٰی فِی سِکِّ الْمَدِیْنَةِ عَلٰی صُوْرَةِ اَمْرِ دَنَشَاب ۚ وَوَضَعَ اللّٰهُ عَلٰی کَتْفِی فَوْجِدَتِ بَرْدَہَا۔ حالانکہ انبیاء خصوصاً جناب سید المرسلین صلی علیہم وسلم کمال صحو (ہوش) میں تھے“ (مقامات: امام ربانی ص ۵)

اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال صحیح سمجھی جائے تو امام ربانی مجدد الف ثانی کی اس منقولہ حدیث سے خدا کا مجسم ہونا اس سے بہت بڑھ کر ثابت ہو سکتا ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے متشابہات الہامات سے آپ کے منشاء اور کھلی کھلی نشریجات کے خلاف معنے لے کر ثابت کرنا چاہا ہے۔ کیونکہ اس میں صَاحِبُ الْوَحْيِ مُحَمَّدٌ ۚ کے لفظ ہیں، جس کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہنسنا۔ اور مختار مدعیہ کی طرز استدلال کے لحاظ سے ہنسنے کے لیے ان چیزوں کی جن سے ہنسنے کا فعل منحصر ہے یعنی رخسار اور لب وغیرہ کی ضرورت ہے اور جس میں یہ چیزیں پائی جائیں۔ اس کے مجسم ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اس طرح اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی صورت پر پیدا کرے اس



خدا کی مشابہہ ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کے صورت میں خدا کی انذہونے سے کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے۔ اور مختار مدعیہ کے نزدیک یہ سب امور موجب کفر و شرک و ارتداد ہیں۔ اور حضرت محمد و اہل بیت کی تحریر میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو مدینہ کی گلیوں میں ایک بے ریش نوجوان کی صورت میں دیکھا۔ اور اس نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور یہ تمام باتیں بھی مختار مدعیہ کے عجیب و غریب مگر خلاف اہل اسلام طرز استدلال کی رو سے خدا کو مجسم ٹھہراتی ہیں۔ کیونکہ بے ریش نوجوان اس کا ہاتھ اور اس کی ٹھنڈک وغیرہ امور سب مجسم کو چاہتے ہیں۔ اور صرف محمد و اہل بیت کی ہی کو جنہوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ نعوذ باللہ مشرک کافر اور مرتد نہیں ٹھہراتی بلکہ نعوذ باللہ دور دور اور بہت دور تک نوبت پہنچاتی ہے۔ دیوبندی مولوی بظاہر تو حضرت محمد و اہل بیت کی نفی کرتے ہیں۔ مگر جب دوسروں کو کافر کہنے کا شوق زد کرنا ہے۔ تو ان پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں۔

یہ تو حدیث تھی اگر قرآن شریف کو بھی دیکھا جائے تو مدعیہ کے طرز استدلال کے لحاظ سے اس کی آیات سے بھی مختار مدعیہ کا چلایا ہوا سلسلہ کفر بہت دور تک پہنچتا ہے۔ مثلاً اس میں استوی علی العرش۔ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور آیت یحمد عرش ربک فوقہ یومئذ ثمانیۃ۔ یعنی اس دن میرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور ید اہ مبسوطات۔ یعنی خدا کے دو ہاتھ کھلے ہیں۔ اور ید اللہ فوق ید یمہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر فرمانا اہتزلہ عرش الرحمن کہ اس وفات سے خدا کا عرش ہل گیا۔ اگر ان آیات اور احادیث کے معنی کرتے ہیں بھی وہی طرز استدلال اختیار کیا جائے جو مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متشابہ الہامات اور مبہم و مجمل عبارات کے لیے اختیار کی ہے۔ تو احادیث نبویہ اور آیات قرآنیہ سے بھی خدا کا مجسم ہونا پایا جاتا ہے۔ اور جس طرز استدلال کی یہ حالت ہو اس کے باطل ہونے کے متعلق کسی اور امر کے پیش کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

آخر میں اتنا کہہنا ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی محکم اور متشابہ دونوں قسم کا کلام ہے اور یہ کوئی قابل اعتراض امر نہیں۔ جب قاعدہ متشابہ کو محکم کے تابع کرنا چاہیے۔ یعنی متشابہ کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جو محکم کے خلاف نہ ہوں۔ اور ملہم نے اپنے کسی متشابہ الہام کے معنی خود بیان کر دیے ہوں، تو کسی دوسرے کو حق نہیں پہنچ سکتا کہ وہ ان معنوں کے خلاف کوئی اور معنی نکالے۔ مثلاً تو الہام ہے کسی مبہم یا ذوالوجہ عبارت کے معنی بھی متشابہ متکلم کے خلاف نہیں نکالے جاسکتے۔ اور یہ وہ اصل ہے جس سے دنیا میں کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ دیوبندیوں کے ابن شیر خدا علی التفضیل درجہ کی سائنس ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند مختار مدعیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید کا اعلان فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولوی احمد رضا خان کو حیا طب کر کے لکھتے ہیں کہ ادب اپنی طرف سے خلاف متشاء متکلم کلام کے معنی تجویز فرماتے ہیں۔

انا لله وانا اليه راجعون (السحاب المدرار ص ۳۲) پھر اور لکھتے ہیں: ”علاوہ ازیں تصنیف راصنف بنیکوندر بیان۔ جب مصنف خود فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے تو اب کسی کو چون و چرا کی گنجائش کیا ہے؟“ (السحاب المدرار ص ۵۵) اور مفتی دیوبندی مولوی محمد شفیع صاحب گواہ مدعیہ نے بھی ۲۰ اگست کو جرح کے جواب میں اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ اگر مختلف اقوال مذکور ہوں تو مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ پس اس اصل مسلمہ فریقین کے مطابق کسی متنازعہ الہام یا مجمل و مبہم عبارت کے دی معنی درست سمجھے جائیں گے جو منشاء علم و حکم کے موافق ہوں نہ وہ جو اس کے شدید ترین دشمنوں نے اس کے منشاء اور کھلی کھلی تشریح کے خلاف اس پر غلط و باطل اتہام لگانے کے لیے کھڑے ہوں۔ اور علم یا متکلم و مصنف کے بیان کردہ معنی کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کے معنی قابل التفات نہیں ہونگے خواہ وہ معنی کرنے والے دیوبند کے کوئی فاضل ہوں یا کسی اور مقام کے کوئی نا قابل اور اسی اصل کے لحاظ سے حضرت اقدسؒ کی وہ تشریح بھی درج کرتا ہوں جو حضور نے الہام انت مبنی بمنزلۃ اولادی کے متعلق بیان فرمائی ہے۔ تا اصل حقیقت واضح سے واضح تر ہو جائے اور وہ یہ ہے۔

”باد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بٹیا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچا ہے۔ کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرتؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور فرمایا ید اللہ فوق ید یرحمہ ایسا ہی بچائے قل یا عباد اللہ کے قل یا عبادی بھی کہا۔ اور یہ بھی فرمایا فاذکروا اللہ کذا کرکھ ابائکم۔ پس خدا کی اس کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ، اور اس کی کیفیت میں دخل نہ دو، اور حقیقت حال کو سمجھ کر دو اور یقین رکھو کہ خدا اتحاد و لد سے پاک ہے، تاہم متشابہات کے رنگ میں بہت کچھ اس کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ اور میری نسبت بینت میں سے یہ الہام ہے جو بلا ہین الحمد یہ میں درج ہے۔

”قل انما انا بشر مثکم دجی الی انما الہکم اللہ واحد الخیو کلہ فی الضلالت“ (دافع البلاء ماشیہ ص ۷) یہ ہے مختار مدعیہ کے اعتراضات کی حقیقت، اور انہی اعتراضات کی بنیاد پر کچھ غفا مدعو وضع کر کے اس نے حضرت اقدسؒ کی طرف منسوب کئے، اور عدالت کے سامنے کھڑے ہو کر بار بار اس امر کو دہرایا تھا کہ یہ اعتقاد رکھنے والے اگر کوڑنیزہ بھی کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن مندرجہ بالا بیانات سے کائنات میں نصف النہار ظاہر ہو گیا ہے کہ مختار مدعیہ کے اعتراضات سراسر مغالطہ ہی پر مبنی تھے اور توحید الہی کے خلاف جو عقائد اس نے حضرت اقدسؒ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے تھے وہ حضرت اقدسؒ کے عقائد نہیں تھے بلکہ مختار مدعیہ نے حضرت اقدسؒ کے منشاء کے خلاف اپنے باطل استدلال سے خود پیدا کر کے حضرت اقدسؒ کی طرف منسوب کر دئے تھے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا تو حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کے کلمہ توحید کے مطابق ایمان رکھنے میں شک کرنے کی سرموجی گنجائش نہیں رہی۔

## مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ

مختار مدعیہ نے کلمہ کے دوسرے جز یعنی محمد رسول اللہ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسی طرح منکر قرار دینا چاہا ہے جس طرح پہلے جز کے متعلق چاہا تھا۔ اور اس امر میں بھی عدالت کو اسی طرح مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے جس طرح کہ پہلے کی تھی۔ اور اس لغو و باطل امر کو ثابت کرنے کے لیے کہ نعوذ باللہ آپ کلمہ کے جز دوم یعنی محمد رسول اللہ کے بھی منکر ہیں جو بحث اس نے عدالت کے سامنے کی ہے وہ اس کے پہلے جز کی بحث سے بھی زیادہ مخدوش و لغو اور باطل ہے۔

قبل اس کے کہ میں اس کے ایک ایک اہام کے متعلق علیحدہ علیحدہ کلام کروں عدالت سے اس طرف توجہ مبذول کرنے کی خصوصیت سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی شخص کا عقیدہ اس کے صاف الفاظ سے معلوم کیا جاسکتا ہے نہ کہ اس کے مخالفوں کے ان معانی سے جو انہوں نے اس کی کسی منشا یا مجمل و مبہم عبارت سے اس کی منشا اور اس کی کھلی کھلی تصریحات کے بالکل ہی خلاف نکالے ہوں خاص کر ایسی حالت میں کہ اس شخص کے کفر و اسلام کا مسئلہ زیر بحث ہو۔ لیکن مختار مدعیہ نے نہ تو پہلے جز کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے جس کے صاف الفاظ میں انکار توحید باری موجود ہو۔ اور نہ دوسرے جز کے متعلق کوئی ایسی عبارت پیش کی ہے۔ جس کے الفاظ سے انکار رسالت نکلتا ہو۔ بلکہ منشا یہ الہامات کا تشریحات الہم کے خلاف مفہوم لے کر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ آپ کو کلمہ کے دو تو جزوں سے انکار ہے۔ اس کاروائی سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ باوجود بہت بڑی کوشش کے مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار توحید و رسالت موجود ہو۔ یہ دونوں جنہوں کے متعلق اس نے جو الہامات یا عبارات پیش کی ہیں ان کے غلط مفہوم سے نتیجہ کے طور پر یہ بات نکالی ہے اور یہ امر قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور اس سے کسی طرح کسی کا کفر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

مختار مدعیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی ایک عبارت بھی نہیں مل سکی جس کے الفاظ میں انکار رسالت و توحید موجود ہو۔ لیکن آپ کی ایسی یہ شمار عبارتیں موجود ہیں جن کے الفاظ میں اقرار رسالت و توحید موجود ہے اور اس کے منکر کو کاڈر کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے عدالت کو مغالطہ دینا چاہا ہے اور اس پر مختار مدعیہ نے بھی بہت زور دیا ہے کہ جو عبارات جس مفہوم میں انہوں نے پیش کی ہیں انہی کا دیکھ لینا کافی ہے اور دیگر عبارات کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس کو صحیح قرار دینے سے امان اٹھ جاتا ہے اور کوئی شخص بھی کفر کے فتوے سے نہیں بچ سکتا۔ کیونکہ کسی شخص کی منشا یا مجمل عبارت کے خود ساختہ معنے لے کر اور اس کی منشا یا تشریحات اور دیگر عبارات کو نظم انداز کر کے فتوے دیا

جائے تو بڑی آسانی سے کفر کا فتوے دیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ کفر کا فتویٰ درحقیقت اس پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کفر کا فتوے دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس پر فتویٰ دیا جائے اس کا قول صراحت کے ساتھ موجب کفر ہو متشابہ و مبہم اور ذوالوجہ عبارت پر کسی طرح کفر کا فتوے نہیں دیا جاسکتا بلکہ ایسی عبارتوں سے وہی معنی لئے جاتے ہیں اور لئے جانا چاہئیں جو صاحب عبارت کے منشاء اور اس کی تشریحات اور اس کی دوسری محکم دہین عبارتوں کے خلاف نہ ہوں۔

چنانچہ ۲۰ اگست ۱۹۳۲ء کو گواہ مدعیہ نے جرح کے جواب میں یہ اصل تسلیم کیا ہے۔ ”ایک مصنف کے قول کا ماقبل و ما بعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تفاسیر سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کیا جائے، اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کردہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔“ اور ۲۱ اگست کو جواب مکرر جرح اس نے اس قول کی یہ تشریح کی ہے کہ اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکور ہوں۔ ان میں سے ایک قول مبہم ہے تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اسی طرح گواہ نے بھی ۳۱ اگست کو جواب جرح اس اصل کو تسلیم کیا ہے کہ ”منکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرع کلام پر محل کیا جائے گا۔ چونکہ مختار مدعیہ کو یہ ابھی طرح معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متشابہ الہامات اور محل عبارات کے جو معنی اس نے خود گھڑے ہیں وہ آپ کے منشاء و تشریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ اور صرف نہیں بلکہ ان کے خلاف آپ کی بے شمار عبارتیں بھی موجود ہیں اس لیے اس نے حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں کے متناقض و متعارض ہونے پر بڑا اندر دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ہمارے متعلق آپ کے کلام میں تناقض موجود ہے۔ اور کوئی ایسا قول نہیں جس کے خلاف دوسرا قول بھی موجود نہ ہو۔ لیکن یہ اس کا سرسرا لٹا ہوا ہے اور اس سے اس کا مقصود یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متشابہ الہامات و محل اقوال کے جو غلط معنی اس نے گھڑے ہیں۔ وہ صحیح قرار پائیں۔ اور آپ کے جو اقوال اس کے ان گھڑے ہوئے غلط معنی کے خلاف پیش کئے جائیں وہ تناقض و متعارض متصور ہو کر نظر انداز ہو جائیں۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں درحقیقت کوئی تناقض و تضاد نہیں ہے آپ کا ہر قول اپنے محل میں چسپاں اور اپنے مقام پر بالکل درست ہے جیسا کہ اس بحث میں ظاہر ہو گا۔ اب میں مختار مدعیہ کے ایک ایک قول کو لیتا اور اس کا جواب دیتا ہوں۔

(۱)

### آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں!

مختار مدعیہ نے پہلا مغالطہ تو یہ دیا ہے کہ آخری نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ اور حضرت مرزا صاحب نے آپ کے آخری ہونے سے انکار کیا ہے لہذا آپ کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج۔ جانا چاہیے کہ قرآن مجید و احادیث کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جن معنوں کی رو سے آخری نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان

معنوں کے لحاظ سے آپ نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ہونے سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں: ”نوع انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن، اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شش کر دکر سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔“ اور فرماتے ہیں: ”نجات یافتہ کون ہے؟ وہ یقین رکھتا ہے کہ خدا پیچ ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیان فی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لیے مدد نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ نذر رہے مگر یہ گزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے (کشتی نوح ص ۱۱) اور نبی و دعویٰ سے کہتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ان معنی سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری شرعی نبی ہیں اور آپ کی ابتداء کے بغیر انسان کسی روحانی مقام پر فائز نہیں ہو سکتا کبھی انکار نہیں کیا اور حضورؐ کی یہ خصوصیت بحیثیت آخری نبی ہونے کے قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔

میں مختار مدعیہ کے اس مغالطہ کو کہ (حضرت) مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے سے انکار کیا ہے ظاہر کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود کا یہ ارشاد کرے

اول آدم آخر شاہ احمد است  
اے شک آنکس کہ بیند آخری !

اور یہ ارشاد کرے

احمد آخر زمان کو اولین را جا سنے فخر !  
آخری را مقتداؤ ملیاؤ کھنڈ و حصار

اور آپ کا یہ ارشاد ”ملک یعنی جبریل علیہ السلام آخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ظاہر ہوا کہ ملک کے اس فعل رمی شہب سے علت غائی رمی شیطاں ہے۔“ (آئینہ کلمات اسلام حاشیہ ص ۱۳۶) پیش نہیں کرتا۔ جو مختار مدعیہ کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ پہلا شعر براہین احمدیہ کا اور دوسرا آئینہ کلمات اسلام کا ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں ۱۹۰۳ء سے پہلے کی ہیں جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ نے کوئی کفریہ دعویٰ نہیں کیا تھے۔ یعنی براہین احمدیہ ص ۸۷ کی ہے اور آئینہ کلمات اسلام ۱۸۹۳ء کی ہے۔ بلکہ حقیقۃ الوحی کا حوالہ پیش کرتا ہوں جو ۱۹۰۳ء میں آپ کی وفات سے صرف ایک سال پہلے کی شائع شدہ کتاب ہے۔ اور جب کہ بقول مختار مدعیہ آپ تمام کفریہ دعوے کے کچے تھے۔ مختار مدعیہ کی مغالطہ اندازی عام و خاص سب پر اہم نشر ہو جائے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ”تمام نبیوں نے جو بنی اسرائیل میں آتے رہے۔ اس پیشگوئی کے یہی معنی سمجھے تھے کہ وہ آخر الزمان نبی بنی اسرائیل سے پیدا ہوگا۔ مگر وہ نبی بنی اسرائیل میں سے پیدا ہو گیا۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۹۴)

اور صفحہ ۶۶ پر فرماتے ہیں: ”سو تقویٰ کے دائرہ سے باہر قدم مت رکھو کیا جیسا کہ یہود نے اور ان کے نبیوں نے سمجھا تھا آخری نبی بنی اسرائیل میں سے آیا؟ یا الیاس نبی دوبارہ زمین پر آگیا؟ ہرگز نہیں بلکہ یہود نے دلوں جگہ غلطی کھائی۔“ اور فرماتے ہیں: ”اللہ وہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا، اور آدم کو پیدا کیا اور رسول اللہ بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو قائم الانبیاء و اواخر الرسل ہے۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۹۴)

یہ بیان کر دینے کے بعد کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مولا افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانا ہے، یہ کہیں تا بھی یہ محل نہ ہوگا کہ جس حدیث میں آخر الانبیاء آیا ہے وہ کوئی زیادہ قوی حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رائے ہے جسے امام احمد اور یحییٰ بن مبین اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی وغیرہ نے اسے منکوح الحدیث کہا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی تمام احادیث میں تامل ہے (میزان الاعتدال جلد اول) اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمان المحاربی کے متعلق ابن مبین نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں اور غیر معروف اور مجہول لوگوں سے روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا سچا تو ہے لیکن مجہول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام احادیث خراب ہو جاتی ہیں۔ اور دیکھیں نے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا، اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۸۱)

باوجودیکہ یہ روایت اتنی مضبوط نہیں ہے کہ یقینی طور پر صحیح مان لی جائے۔ تاہم اس کے معنی بالکل واضح ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اس کی تحریب میں ساعی ہوگا اپنے آپ کو آخر الانبیاء فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنی امت کو آخر الامم یعنی آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مستقل امت بنانے والا ہو۔ پس احمدیہ جماعت مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی خصوصیت کو تسلیم کرتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ کلمہ میں تو محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا ضروری ہے۔ اور محتار مدعیہ آخری نبی ہونے کے اقرار کو کلمہ کی جزویں داخل کر رہا ہے۔ حالانکہ نہ تو قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آخری نبی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور نہ کسی مشہور متواتر حدیث میں۔ بلکہ جس حدیث میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے وہ بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے جس پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ کیونکہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر باور نہ ہو تو تختہ مدعیہ اور گواہان مدعیہ اپنے مسلم عالم کا قول پڑھ لیں۔ مولوی خلیل احمد صاحب لکھتے ہیں: اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ ظنیات صحاح کا۔ چہ جائیکہ ضعات اور موضوعات کا۔ (البراہین القاطعہ ص ۱۹)

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر ایمان لانے کو ضروری مانا ہے۔ یہ ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ میں سے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ جو خصوصیات نہ تو قرآن مجید سے ثابت ہوں اور نہ کسی حدیث متواتر سے۔ بلکہ لوگوں نے اپنی طرف سے چند مفروضات گھڑ کر ان کا نام خصوصیات رکھ لیا ہوا ہے پر بھی ایمان لانا ضروری مومن میں سے شمار کیا جائے۔

## خاتم النبیین کے معنی !

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزو ثانی کی انکار کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ آپ خاتم النبیین کے معنی کے منکر ہیں۔ چونکہ خاتم النبیین کے معنی کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مفصل طور پر اپنے بیانیوں میں بحث کر دی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کو بصدق دل یقین کرتے ہیں اور اس کے جو معنی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور ائمہؓ اور لغت عرب کی رو سے ثابت ہوتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس مختار مدعیہ کا یہ ادعا کہ احمدی خاتم النبیین کے معنی کے منکر ہونے کی وجہ سے کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہیں لغو اور یہودہ ہے۔

## معراج جسمانی کا انکار

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کے کلمہ کی جزو ثانی سے منکر ہونے کی ایک وجہ یہ قرار دی ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں۔ اور تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ کو عرش تک معراج جسمانی ہوئی تھی، جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ دوسری معراجوں کا یہاں ذکر نہیں اور اگر کوئی اپنے لیے یا کسی اور کے لیے ویسی معراج مانے تو شرک فی الرسالۃ ہوگا اور مرزا صاحب نے ازالہ اہام میں لکھا ہے کہ یہ آنحضرت کا ایک کشف تھا۔ اور ایسے کشف میں خود مؤلف بھی صاحب تجربہ ہے۔ اس قول سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے لیے ایک نہیں بلکہ کئی معراج ثابت کئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج جسمانی کا انکار کیا ہے۔ اس لیے آپ کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے کیونکہ معراج نبوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے اور اس انکار کی وجہ سے کافر و مرتد ہوئے۔ لہذا مدعیہ کا نکاح فسخ ہونا چاہیے۔

مختار مدعیہ کے اس اعتراض میں تین باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی، اور کیا صحابہ اور ائمہ سلف صالحین اور تمام علماء اہل سنت معراج جسمانی کے قائل تھے۔

(۲) کیا پہلے انبیاء میں سے یا اولیاء امت میں سے کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معراج ہوئی۔

(۳) کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ لکھا ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی طرح معراج ہوئی۔

پہلی بات کے متعلق خود مختار مدعیہ نے سرسید احمد خان صاحب کو مسلمان سمجھتے ہوئے اور ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ

کافرو استعمال کرتے ہوئے جو بزرگانِ دینی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اقرار کیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ جسمانی کے منکر تھے اور اسے رویا مانتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی تفسیر میں صریح طور پر لکھا ہے۔

”اگر ہماری یہ رائے صحیح نہ ہو اور ابن عباس نے عینِ کالفظ رویا کے ساتھ اسی مقصد سے بولا ہے کہ رویا سے رؤیت یا تعین فی الیقظہ مراد ہے۔ تودہ بھی منکر اس گروہ کے ہوں گے جو معراج فی الیقظہ کے قائل ہوئے ہیں۔ مگر ہم اس گروہ میں ہیں جو واقعہ معراج کو حالتِ خواب میں تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک خواب میں ماننا لازم ہے (تفسیر سر سید ص ۱۸۱)“

جب مختار مدنیہ کے نزدیک سر سید معراجِ جسمانی کے منکر ہو کہ مسلمان ہی نہیں بلکہ ایک بزرگ مسلمان ہیں جو خطاب علیہ الرحمۃ کے مستحق ہیں۔ تودہ اسی بناء پر کسی اور کو دائرہ اسلام سے خارج اور کلمہ شہادتین کے منکر کس طرح قرار دے سکتا ہے۔ ہمیں تو اس تفریق و تخالف کی اس کے سوا اور کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ السلام نے جو کہ مسیح موعود اور مہدی موعود ہونے کا دعوے کیا ہے اور قدیم نوشتوں کی بنا پر ضروری تھا کہ اس زانہ کے مولوی حسد اور تعصب کی وجہ سے انہیں کلہر و مرہ قرار دیں۔

دوسری بات کے لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ ذہنی تخالف کے ایک مسلم عالم کی تحقیق بیان کر دوں۔ علامہ سید سلیمان ندوی مسرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۲۹۲ میں بذیل عنوان ”معراجِ جسمانی تھی یا روحانی، خواب تھا یا بیداری“ تحریر فرماتے ہیں۔

”اس سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت و ما جعلنا الرؤیا التي ادرينا الا فتنة للناس بنی اسرائیل ع ۶۔ کہ میں نے جو رویا دکھاوا (تجہ کو دکھایا اس کو ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا ہے۔

بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے۔ رویا عربی زبان میں ”دکھاوا“ کو کہتے ہیں۔ یعنی ”جو دیکھنے میں آئے“ اور عام طور سے اس کے معنی ”خواب“ کے ہیں۔ اس لیے جو ذہنی معراج کو خواب بتاتا ہے۔ وہ اس آیت کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ان کی تصریح ہے کہ رویا آنکھ کا دیکھنا تھا جو معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ محض خواب نہ تھا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں۔ ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ان روایتوں کے الفاظ یا تو خواب و بیداری دونوں پہلوؤں سے خاموش ہیں۔ یعنی ان میں مطلقاً اس کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہ خواب تھا یا بیداری۔ اور پایہ کہ ان میں خواب منام اور رویا کی تصریح ہے بخاری، مسلم اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت میں جو شریک کے واسطے سے ہے یہ تصریح تمام مذکورہ ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا۔ بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفة النبی و مقامات میں ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہیں۔



”سمعت عن انس بن مالك يقول ليلة أُسري برسول الله صلعم.....  
 حتى أتوا ليلة أخرى فيما يرى قلبه وتنام عينه ولا ينام قلبه وكذا ذلك  
 إلا نبياً تنام أعينهم ولا تنام قلوبهم“ (كتاب التوحيد)

انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لے جایا گیا (معراج) بیان کرتے ہوئے سنا۔۔۔  
 یہاں تک کہ ایک اور رات کو وہ (تین شخص) آئے اس حالت میں کہ آپ کا دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوئی ہوئی تھی لیکن  
 آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ اور اس طرح پیغمبروں کی آنکھیں سوئی ہیں مگر ان کے دل نہیں سوتے۔  
 اسی معنی کا دوسری حدیث جو باب صفۃ النبی صلم میں آئی ہے درج کی ہے پھر لکھتے ہیں:-  
 ”بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو سین تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات  
 بیان کر کے آخر میں حضرت انس کا یہ فقرہ روایت کیا ہے۔ فاستقیظ دھو فی المسجد الحرام : پھر آپ بیدار  
 ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ ”آپ مسجد حرام میں سوتے تھے“ اس کو  
 ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ ”شریک نے اس روایت کو گھٹا بڑھا دیا ہے۔ اور آگے پیچھے کر دیا ہے۔“ اس لیے  
 جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے شریک کی یہ تہا زیادت قبول نہ ہوتی مگر وہ اس بات میں تھا اور مفرد نہیں ہے۔ صحیحین میں ہے کہ  
 حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:-  
 بیننا انا عند البیت بین النائم والیقظان (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ وصیغ مسلم باب الاسراء) کہ میں کعبہ کے پاس خواب  
 بیداری کی درمیانی حالت میں تھا۔

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن جنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلم نے فرمایا بیننا انا فی  
 الحطیم مضطجعاً اسی اثناء میں کہ خانہ کعبہ کے مقام حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔

اس کے بعد ان روایتوں میں معراج کے واقعات مذکور ہیں۔ بیچ اور آخر میں بیداری کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ دلائل یہ قی ہیں  
 ایک روایت ہے جس میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے واسطے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلم نے فرمایا کہ ”میں عشاء کے  
 وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا۔ ایک آنے والا جبرائیلؑ آیا اور اس نے مجھے اکر اٹھایا اور میں اٹھا، اس کے بعد واقعہ معراج کی  
 تفصیل ہے۔ لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا۔ دروغ گو اور ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس میں جو منکر اور غرائب امور بیان کئے گئے  
 ہیں وہ ستراپانہ ہیں۔ ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر (سورہ اسراء) میں حضرت حسن بصری سے بھی اس قسم  
 کی روایت کی ہے کہ میں سورہ فاتحہ کبرائیل نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصری سے آگے نہیں  
 بڑھتا۔ بہر حال جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ صحیح روایتوں میں یا تو مطلق خواب و بیداری کی تفصیل نہیں اور یا خواب و بیداری

کی درمیانی حالت کی تصریح ہے۔

سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطے سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاذؓ سے دو روایتیں ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگوار معراج کو روحانی اور دنیائے صادقہ کہتے ہیں۔ (۲۹۶-۲۹۷) جو لوگ معراج کو بیداری کا واقعہ سمجھتے ہیں ان کے متعلق لکھتے ہیں وہ قرآن مجید کی کسی نص یا حدیث کے کسی صحیح متن سے اپنے دعویٰ کا ثبوت پیش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ زیادہ تر عقلی استدلال کا پہلو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر سے لے کر امام رازی تک سب نے یہی کہا ہے۔ اس فرقہ کے عقلی دلائل چار ہیں ۱۔

(۱) قرآن مجید میں ہے کہ سبحان الذی اسری بعبدہ ۴ پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد کو)۔ اس آیت سے ثبات ہوتا ہے کہ خدا اپنے "بندہ" کو لے گیا۔ بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ تنہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے۔

(۲) واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے، آپ نے دودھ کا پیالہ نوش فرمایا۔ سوار ہونا پیٹنا یہ سب جسم کے خواص ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔

(۳) اگر واقعہ معراج روح یا روحانیت کا اس کی تکذیب کیوں کرتے۔ انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے محال سے محال چیز بھی اس کو عالم خواب میں واقع بن کر نظر آتی ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ وما جعلنا الرؤیا الّتی اریناک الا فتنة للناس -

سو اس منشا پر معراج کو ہم نے لوگوں کے لیے معیار آزمائش بنایا ہے۔ اگر یہ عام خواب ہوتا تو یہ آزمائش ایمان کی کیا چیز تھی، اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے جسمانی اور واقعہ بیداری ہونے پر یہ دلائل حد درجہ کمزور اور بے بنیاد ہیں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ خبر و روح پر بندہ اور عبد کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ جسم انسانی تو سر لفظ اور ہر آن بکھر رہا ہے۔ اور خدا ہو رہا ہے۔ بندہ ازل اور عبد مطلق تو یہی جان بے جسم اور روح بے جسم ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت پاک نم کو یاد ہوگی یا ایتھا النفس المطمئنة

ار جعی الی ربک لا اضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

اس آیت میں دیکھو کہ نفس و جان و روح کو صاف بندہ اور عبد کہا گیا ہے (اسی طرح سورہ مدثر میں ہے ان تعد بہم فانہم عبادک اس آیت میں قیامت کے روز حضرت عیسیٰؑ اپنی امت کے متعلق عباد کا لفظ فرمائیں گے۔ حالانکہ اس دن مالک جس دن ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں آیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن بندے کی روح نکال کر فرشتے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں تو اگلے فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ پاک روح کون سی ہے۔ فیسقو لون فلان بن فلان وہ کہتے ہیں یہ فلاں بیٹا فلاں کا ہے۔ آخر کار جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں۔ فیسقون اللہ عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے

اس "بندہ" کے اعمال نامہ میں یہ لکھ دو کہ اس کی جگہ علیین میں ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۲۲)

اس میں بھی صرف روح کے لیے لفظ عید کا استعمال ہوا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب انسان خواب کا ذکر کرے تو صیغہ وہی استعمال کیا جاتا ہے جو روح مع الجسد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (شمس)

یہ کہنا کہ سوار ہونا اور دودھ پینا جسم کے خواص ہیں اس لیے معراج جسمانی تھی، سزا یا مقابلہ ہے یہ توجہ کہا جاسکتا ہے جب کوئی یہ کہے کہ براق اور دودھ بھی ہماری اس دنیا کی مادی سواری اور ایک جوہر سیال تھا۔ اگر یہی اعتراض کرنا ہے تو تم یہی کیوں نہیں کہتے کہ نفس آنا جانا، کہنا سننا بھی خواص جسمانی ہیں اس لیے یہ معراج جسمانی تھی۔ لیکن تم کو معلوم ہو کہ ہم جس عالم کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں نہ ہم ان پاؤں سے چلتے ہیں نہ ان آنکھوں سے دیکھتے ہیں نہ ان کانوں سے سنتے ہیں، نہ اس جسم سے سوار ہوتے ہیں، اور نہ اس منہ سے کھاتے اور پیئے ہیں۔۔۔ اسی طرح جس طرح آپ کا یہ سفر روحانی تھا، براق، دودھ اور معراج کے دیگر مناظر و مشاہد بھی روحانی تھے۔

تیسرا استدلال کہ اگر یہ خواب ہوتا تو کفار تکذیب کیوں کرتے، بھی صحیح نہیں۔ اس کے متعدد وجوہ ہیں۔

(۱) اگر آنحضرت صلیم، صحابہ اور مسلمان (نعموذ باللہ) اس رویا کو محض خواب و خیال کا رتبہ دیتے تو کفار کو تکذیب کی حاجت نہ تھی۔ مگر چونکہ ان کو معلوم تھا کہ محمد صلیم، جو کچھ اس عالم میں دیکھتے ہیں وہ اس کو واقع اور حقیقت جانتے ہیں اس لیے ان کو اعتراض تھا اور واقعات معراج میں سیر بیت المقدس کے سوا اور تمام باتیں دوسرے عالم کی تھیں، جن کے صدق و کذب اور حقی و بطلان کی کوئی صورت ان کے پاس نہ تھی اس بناء پر انہوں نے معراج کے تمام واقعات اور مناظر میں سے بیت المقدس کا حال پوچھا۔ اگر آپ اس کو (نعموذ باللہ) غلط بتاتے تو اور باتوں کو بھی وہ لوگوں میں اسی طرح غلط، باطل اور بے حقیقت ثابت کرتے۔

(۲) دوسرا سبب یہ تھا کہ قریش خدا کی عظمت و تقدس کو مانتے تھے۔ فرشتوں پر یقین رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیم وغیرہ پیغمبروں کی نیکی اور بڑائی بھی انہوں سے سنی تھی۔ اور اپنے خیال میں وہ آنحضرت صلیم کو نعموذ باللہ بھڑکا، کاذب اور دروغو، لاد مذہب اور بے دین جانتے تھے۔ اس لیے ان کے ذہن میں یہ بات بھی نہیں آسکتی تھی کہ ایسا آدمی ایسا مقدس، ایسا با عظمت، ایسا روحانی اور ایسا پاکیزہ خواب دیکھ سکتا ہے۔

(۳) اور اصل بات یہ ہے کہ یہ مشاہدہ جس کو خواب کہہ کر تعبیر کر رہے ہو حقیقت کی رو سے خواب نہ تھا بلکہ جسم سے منقطع ہو کر روح کی سیر تھی اور قریش کے لیے اس کا سمجھنا آسان نہ تھا آخری استدلال تو تمام تر طرفداران رویا کے حق میں ہے کہ خود خداوند تعالیٰ اس کو رویا سے تعبیر کرتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ هَمُّنَہُ جُودِیَا نَجْہُہُ کُودِہُ کَلْبَاہُ اس کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا۔ کسی چیز کو ایمان و اعتراف کی آزمائش کا معیار بنانے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ بظاہر اس پر ایمان لانا مشکل

اور حیرت انگیز ہی ہو۔ مدیترہ جاکر قبیلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہ ہو جانا ہے۔ یہ کوئی عجوبہ اور عقل کے خلاف چیز نہیں، تاہم اس کو بھی اللہ نے ایمان کی آزمائش کا معیار قرار دیتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ تمام کچھ بخنیاں اور لفظی نزاعیں اس لیے پیدا ہوئی ہیں کہ لوگوں نے رؤیا کی حقیقت پر غور نہیں کیا۔ وہ انبیاء کے رؤیا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے ورنہ اس کی حقیقت بالکل جدا گانہ ہے۔ یہ وہ ”رؤیا“ ہے جس میں گواہیں بند ہوتی ہیں مگر دل بیدار ہوتا ہے۔ کیا یہی عام رؤیا کی حقیقت ہے یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے مگر دراصل ہوشیاری۔ بلکہ مافوق ہشیاری ہے، بلکہ عام خواب اور اس میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار و اس ظاہری سے پہلے میں تغافل ہے تو دوسرے میں تغافل ہے۔ لیکن عالم ارواح اور کائنات ملکوت میں پہلے کو دخل نہیں تو دوسرے میں سراپا ہشیاری، ہیداری، حقیقت بینی، ہمسفری ناموس، سیر سمادات، الفاٹے ارواح، رویت حق سب کچھ ہے۔ اس لیے صحابہ یا راویوں میں سے جن لوگوں نے اس کو ”منام“ یا ”رؤیا“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ درحقیقت مجاز و استعارہ ہے۔ ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری و اس کے مادی قوانین طبعی کی رو سے جو چیزیں محال معلوم ہوتی ہیں وہ اس عالم میں محال نہیں ہیں۔ اس آیت پاک کو دما جعلنا الرؤیا التي ادیناک ہم نے جو رؤیا (معراج) تجھ کو دکھایا لوگ رؤیا کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے صحاح میں روایت ہے کہ یہ آیت معراج کے متعلق ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ یہ بھی اس روایت میں کہتے ہیں کہ یہ رؤیا ہے چشم تھا ۷

اصل الفاظ روایت کے بیان کر کے لکھتے ہیں:

”اس پر یہ لنوی بحث چھڑ گئی کہ رؤیا لغت میں ”آکھ کے دیکھنے“ کو نہیں کہتے۔ ذہنی مخالف کہتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغت عرب کا داتفاکار اور کون ہو سکتا ہے۔ جب وہ رؤیا کے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں راعی اور متبنی بعض شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اول تو راعی اور متبنی لغت کے لیے سند نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو ان کے شعر سے یہ سمجھنا کہ رؤیا کا لفظ رویت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی خواب اور خیالی دیدار اور دکھاوے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کا مطلب جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں، ایک بلیغ اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مشاہدات معراج کو ”رؤیا“ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ رؤیا کے معنی عام طور سے ”خواب“ کے ہیں جو محض تجیل بھی ہو سکتا ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لیے اور رؤیا یا معراج کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے انہوں نے ”رؤیا“ کو رؤیا سے عینی کہہ کر اس کی تفسیر کی۔ یعنی یہ معراج صرف ظاہری حیثیت سے آنکھ کا خواب تھا ورنہ درحقیقت وہ قلب کا مشاہدہ تھا۔ اور اسی حد تک واقعی اور قطعی تھا۔

۸۔ رؤیا کا لفظ لغتاً عالم خواب کے ساتھ مقصود ہے جس میں جد غریبی حرکت نہیں کرتا چنانچہ مفردات راغب میں جس کے متعلق مختار مدخلیہ نے بھی کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر قرآنی شکل الفاظ کے حل کرنے کے لیے اور کوئی لغت نہیں لکھا ہے کہ رؤیا وہ ہے جو خواب دیکھا جاتا ہے۔ لسان العرب میں ہے الرؤیا ما رؤیت،

جس حد تک ظاہری آنکھوں کا مشاہدہ ہو سکتا ہے (ص ۲۹۷ تا ص ۳۰۰)

پھر لکھتے ہیں: "حافظ ابن القيم نے زاد المعاد میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے وقد نقل ابن اسحاق عن عائشة ومعاوية انهما قالوا انما كان الاسرار بروحه ولم يفقد جسده ونقل عن الحسن البصري نحو ذلك الخ یعنی ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ و معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ معراج میں آپ کی روح بے جاں لگئی اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا (یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود تھا) اور حسن البصریؒ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے۔ لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج منام (خواب) تھا اور یہ کہنا کہ بذریعہ روح کے عقی جسم کے ساتھ نہ تھی ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔۔۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ صلعم کو آسمان پر چڑھایا گیا۔ ان میں دو فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و بدن دونوں کے ساتھ ہوئی۔ اور دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی اور بدن کھویا نہیں گیا (یعنی اس عالم سے) ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ خواب تھا۔ بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح کو معراج ہوئی" (ص ۳۰۰) پھر لکھتے ہیں۔

"علماء اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے۔ جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے اور محدث اور متکلم بھی یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، ارچہ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

۵ "داسرلی بہ سے لے کر والدہ علم تک (ترجمہ) آپ کو معراج میں مسجد اقصیٰ پہنچایا گیا پھر سدرۃ المنتقیٰ اور جہاں خدا نے چاہا، اور یہ تمام جسم مبارک کے لیے بیداری کی حالت میں ہوا لیکن اس مقام میں جو عالم مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے۔ اس لیے جسم پر روح کے احکام جاری ہوئے۔ اور روح پر معاملات روحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے۔ اور اس لیے ان واقعات میں سے ہر واقعہ کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی۔ اور اسی طرح کے واقعات حضرت (بقیہ حاشیہ) فی منام، کہ رویا کے معنی خواب میں دیکھنے کے ہیں۔ اور شہاب علی السقا جلد ۲ ص ۲۵۷ پر رویا کے معنی لکھے

ہیں ما یروی فی المنام من الاحلام مصدر یختص بذالك و يقال فی غیبرہ رویۃ بالتاء و رأی، کہ رویا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کے سوا میں رویت یا رأی استعمال ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہر جگہ خواب کے معنوں ہی میں آیا ہے۔ پارہ ۱۶ ص ۱۱ اور پارہ ۱۳ ص ۵ و پارہ ۲۳ ص ۷ و پارہ ۲۶ ص ۱۲ + ایک فاضل دیوبندی فرماتے ہیں الرویا یستعمل فی المنام ظاہرہ۔ کہ رویا خواب میں دیکھنے کے ساتھ مخصوص ہے (تہسیل البیان ص ۳۷ مصنف مولوی ذوالفقار علی دیوبندی) مجمع البحار میں ہے الرویا ما یرى فی المنام کہ وہ خواب میں دیکھا جاتا ہے اسے رویا کہتے ہیں۔ اور امام ابو محمد القاسم ابن علی الحریری نے رویا کو بمعنی رویت فی البقظ استعمال کرنا غلط بتایا ہے اور تنبی کے شعر پر اعتراض کیا ہے وقد انکرہ الحریری تبعاً لغیوہ و قالوا انما یقال رویاً فی المنام واما اللہ فی البقظہ فیقال رویتہ حریری کے سوا اور بہت سے علماء نے بھی اس استعمال سے انکار کیا ہے۔ اور رویا کو خواب ہی

حزقین اور مولیٰ علیہما السلام کے لیے ظاہر ہوئے تھے اور اولیاء امت کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو خدا کے نزدیک ان کے درجہ کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو روایا میں ان کو معلوم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے۔ خود احادیث صحیحہ اور معجزات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا اس پر فرستے نے کہا کہ تم نے فطرت کو اختیار کیا اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو تنہا ہی تمام امت مگر ہو جاتی اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کر گیا کیا ہے (ص ۳۰۶، ۳۰۷)

مذکورہ بالا عبارت سے امام ابن القیم اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا مذہب معلوم ہو گیا کہ معراج اس جسم غفیری کے ساتھ نہ تھا بلکہ روح کے ساتھ تھا۔ اور انہیں دونوں بزرگوں کو بمنزلہ شاہدین عادلین شہر کر ان کی عبارت کو مولوی ثناء اللہ صاحب تفسیر ثنائی جلد ۵ صفحہ ۲۶ میں نقل کر کے لکھتے ہیں واپس ان بزرگوں کے کلام سے جو اثبات ہوتا ہے پھر لکھتے ہیں: ”غالباً اس لئے کو اختیار کرنے کے وجوہات میں یہ بھی ایک وجہ ان بزرگوں کو پیش آئی ہوگی، کہ آسمانی سیر کی حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔ پھر اگر آپ اس جسم مطہر کے ساتھ تھے تو وہ بھی ایسے ہی ہونگے۔ حالانکہ ان کا اس جسم خالی کو چھوڑ دینا شہادت تو اتر کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے۔“

فافهم ولا تعجل

پھر لکھتے ہیں: ”بڑا غرض تو آسمانی سیر جسمانی پر تھا، جس کا حل شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہما نے کر دیا۔ کیونکہ ان حضرات کی تقریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ غفیری جسم آنحضرت صلعم کا آسمان پر نہیں گیا (صل ۲) اس عبارت سے مولوی ثناء اللہ صاحب کا مذہب معراج کے متعلق واضح ہے کہ جسم غفیری کے ساتھ معراج نہیں ہوا۔ لیکن صفحہ اول میں ملی حروف سے لکھتے ہیں: ”اسراء اور معراج دو واقعہ الگ الگ ہیں اور یہ دونوں بیداری میں مجسمہ الشریف ہوئے ہیں۔ پس اندامیں تو نکھ دیا کہ جسد کے ساتھ معراج ہوا تھا لیکن آخر میں جا کر انکار کر دیا اور کہا کہ میرا مذہب تو معراج کے متعلق وہی ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب اور حافظ ابن القیم کا ہے۔ یہ حال اس تمام بیان کا خلاصہ ہے۔ سلف صالحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو اس جسم غفیری سے تسلیم نہیں کیا۔“

اور علامہ زنجشیری نے بھی تفسیر کشف میں یہ اختلاف نقل کیا ہے: ”واختلفت فی انہ کان فی الیقظۃ ام فی المنام، فعن عائشۃؓ اتھا قالت واللہ ما فقد جسد رسول اللہ صلعم ولكن عرج بروحه، وعن معاویۃ انما عرج بروحه وعن الحسن کان فی المنام رویاں ۱۵ صلعم“ (بقیہ حاشیہ) سے محض مانا ہے اور جب بیداری میں ہو تو اسے رُبوبیت کہتے ہیں فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۲۷۷ پس روایا کا لفظ اگر کشف پر جو بیداری میں ہوتا ہے۔ بولا گیا ہے تو اس کا استعمال مجاز اُپ ہے۔

(کشاف ص ۵۸) یعنی معراج میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ بیداری میں تھا یا خواب میں۔ عائشہؓ سے تو یہی مروی ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا سیدہ آپ کا جسد شریف گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح کا عروج ہوا تھا، اور یہی مذہب حضرت معاویہؓ کا تھا۔ اور امام حسنؓ بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ خواب میں آپ نے رؤیا دیکھی تھی۔

اسی طرح خلیفہؓ سے مروی ہے کہ اس نے کہا ذالک رؤیا وانہ ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما اسری بروحہ وحکی هذا القول ایضاً عن عائشہ و معاویہ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۷) اس سے ثابت ہے کہ مذہبِ رضیؓ بھی جمائی معراج کے قائل نہ تھے۔

نوٹ :- حضرت عائشہؓ کی روایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ معراج کے وقت تو وہ چھوٹی تھیں تو ان کی شہادت کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک موجود تھا یا غائب چنانچہ دفع البعاج ص ۲۸ میں مختار مدعیہ ۲ مولوی مرتضیٰ حسن درمہنگی بھی حضرت عائشہؓ کا مذہب یہی لکھتے ہیں۔ ما فقد جسمہ اور صفحہ ۳۴ میں لکھتے ہیں جسم مبارک غائب نہیں ہوا اور روحانی اسراء ہوئی پھر وہی اعتراض کرتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی رات کے قصہ کی نسبت کیسے فرما سکتے ہیں کہ آپ کا جسم مبارک غائب تھا یا موجود۔ یہ اعتراض بھی قابل التفات نہیں ہے کیونکہ ما فقد بصیغۃ مجہول کننا صحت عینی شہادت پر ہی محمول نہیں ہو سکتا بلکہ سماع کی صورت میں بھی کہنا صحیح اور درست ہے۔ اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی ہو۔ چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں: ”فاذا لم تشأ هذا ذالک عائشہ دل علی انها حدثت عن غیرہا من الصحابة فقد یتھا من مراسلات الصحابة فهو صحیح ایضاً لکما علیہ المحدثون“ (الخطابی) یعنی اگر حضرت عائشہؓ نے خود نہیں دیکھا تو ضرور ہے کہ انہوں نے کسی اور سے روایت کی ہے، اور وہ صحابی ہو سکتا ہے۔ پس یہ حدیث مراسلات صحابہ میں سے تو بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ محدثین کا مذہب ہے (شہاب علی الشفاء جلد ۲ ص ۳۳) مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ معراج جس میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں وہ جمائی ہوا تھا۔ دوسرے معراجوں کے متعلق ہم نہیں کہتے۔ اور یہ قول بھی محققین کے نزدیک مردود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جو متعدد معراج مانتا ہے اس نے سخت ٹھوکر کھائی اور لٹوکا م کیا فقد ابعدا وغرب و هرب الی غیر مہرب ولم یتحصل علی مطلب (ابن کثیر جلد ۲ ص ۳۳) اور زاد الماد جلد اول میں اس قول کو باطل اور خط محض لکھا ہے نیز علامہ زرقانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ (شرح موانب جلد ۱ ص ۳۳)

بہر حال اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صحاحین میں سے اکابر صحابہ اور ائمہ نے معراج کو بغیر جسم مختصری کے مانا ہے۔ اور اسی امر کے قائلین میں سے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

مندرجہ ذیل ہیں :-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲)، حضرت معاویہؓ (۳)، خلیفہؓ (۴)، امام حسن بصریؒ (۵)، حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب (۷) اور سرسید کو خود مختار مدعیہ مان چکا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر تھے، اور مسلمان ہیں۔ اور مولوی ثناء اللہ کی مذکورہ بالا عبارات سے بھی ثابت ہے کہ معراج اس جسم عنصری کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر معراج کے واقعات پر بھی غور کیا جاوے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عالم ایمان کا واقعہ نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:-

(۱) آپؐ نے فرمایا فوج سقف بیعتی (مشکوٰۃ ص ۵۲) کہ فرشتہ چھت پھاڑ کر آپ کے پاس آیا اول تو فرشتہ کے آنے کے بلے چھت پھاٹنے کی ضرورت نہیں۔ نیز وہ بیٹھی ہوئی چھت صبح کو دیکھی نہیں گئی اور نہ کسی روایت میں ہی آیا ہے کہ وہ درست کی گئی۔

(۲) پھر تمام فوت شدہ انبیاء کی ملاقات کا ہونا اور آپ کی اقتداء میں نماز کا ادا کرنا سیر روحانی کے ہونے کی دلیل ہے۔

(۳) آپ کا سینہ آب زمزم سے دھو کر پاک کیا گیا۔ اور آپ کا قلب چیر کر ایمان اور حکمت سے بھر گیا۔ حالانکہ جسم عنصری میں نہ تو سینہ کے چیرے جانے کا کوئی نشان تھا، نہ دل کے چاک کئے جانے کا کوئی اثر۔

(۴) ایک سوئے کا طشت لایا گیا تو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا۔ غور کرو کیا ایمان اور حکمت مادی چیزیں ہیں جنہیں برتن میں لانے کی ضرورت پڑی۔

(۵) سدرۃ المنتقی کے پاس آپ نے دودھ باطنی اور دوظاہری دیکھے اما انطاہر ان، فاللہیل والفرات (مشکوٰۃ ص ۵۴) ظاہری، نیل اور فرات تھے، ملائکہ نیل اور فرات زمین پر ہیں نہ کہ آسمان پر۔

(۶) دودھ اور شراب کے دو پیالے جب پیش کئے گئے اور حضورؐ سرور عالم نے دودھ کو اختیار کیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دودھ اور شراب کی تمیز کر دی، کہ دودھ سے مراد فطرت اور شراب سے مراد متلات ہے۔

(۷) جب کفار نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کئے تو تمثیلاً بیت المقدس آپ کے سامنے لایا گیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۳)

(۸) سب ارواح کا پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ کے دائیں بائیں دیکھنا (مشکوٰۃ ص ۵۲) حالانکہ سب ارواح تو پہلے آسمان پر نہیں ہیں۔

(۹) وسمع فیہ صریح الاقلام (مشکوٰۃ ص ۵۲) قلموں کی آواز بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ جو امور اللہ تعالیٰ کے حضور لکھے جاتے ہیں وہ ہمارے جیسے قلم اور دواتوں سے نہیں لکھے جاتے۔

(۱۰) آپ جنت میں گئے تو آگے کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ دیکھا تو وہ بلالؓ تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۷)

اور پھر براق جس کا قد خنجر اور گردے کے درمیان تھا، منہٹائے نظر پر اس کا قدم پڑنا یہ سب امور ایسے ہیں جو بتاتے ہیں کہ یہ کشفی اور روحانی معاملہ تھا۔ اور کوئی نص شرعی ایسی نہیں جو ہمیں مجبور کرے کہ تمام واقعات ظاہر پر حمل کئے جائیں اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے ان تمام واقعات کی تعبیر اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھی ہے۔



اب جب کہ معلوم ہو گیا کہ متقدمین کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ آیا معراج جسم غصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ تو اگر کوئی شخص معراج جسم غصری کے ساتھ ہونے کا قائل نہ ہو تو اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بحیثیت حکم ہونے کے جو معراج کی حقیقت بیان کی ہے وہ اس امر میں قطعی اور فیصلہ کن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

”ایسا ہی ایک اور غلطی جو مسلمانوں کے درمیان پڑ گئی ہے۔ وہ معراج کے متعلق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلعم کو معراج ہوا تھا۔ مگر اس میں جو بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ وہ صرف ایک معمولی خواب تھا، سو یہ عقیدہ غلط ہے۔ اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ معراج میں آنحضرت صلعم اسی جسم غصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے سو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ بلکہ اصل بات اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج کشفی رنگ میں ایک نورانی وجود کے ساتھ ہوا تھا۔ وہ ایک وجود تھا مگر نورانی، اور ایک بیداری تھی مگر کشفی اور نورانی، جس کو اس ذیل کے لوگ نہیں سمجھ سکتے مگر وہی جن پر یہ کیفیت طاری ہوئی ہو، (تقریر احمدی اور غیر احمدی میں کیا فرق ہے ص ۱۳)

اسی طرح فرماتے ہیں: ”و اما معراج رسولنا صلعم فكان امرا اعجازيا من عالم اليقظة الروحانية اللطيفة الكاملة، فقد عرج رسول الله صلعم بحسبكم الى السماء وهو يقظان لا شك فيه ولا ريب، ولكن مع ذلك ما فقد جسمه من السرير كما شهد عليه بعض ازواجه رضي الله عنهن وكذا لك كثير من الصحابة“ (حماة البشرى ص ۳۷)

یعنی آنحضرت صلعم کا معراج ایک اعجازی امر تھا، اور ایک کامل لطیف بیداری کے عالم میں ہوا اور اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلعم اپنے جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں آسمان پر چڑھے لیکن باوجود اس کے آپ کا جسم مبارک آپ کی چارپائی سے علیحدہ نہیں ہوا، جیسا کہ آپ کی ایک بیوی نے اور بہت سے دیگر صحابہ نے اس امر کی شہادت دی ہے۔ پس آپ کا مذہب معراج کے بارہ میں وہی ہے جو سلف صالحین کا تھا کہ معراج کشف میں ہوا جس میں جسم غصری نہیں ہوتا بلکہ جسم نورانی ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ آیا ایسا معراج دیگر انبیاء و اولیاء میں سے بھی کسی کو ہوا۔ مولانا سلیمان ندوی صاحب فرماتے ہیں:-

”انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اور اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو بہرہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حرم خلوت گاہ قدس میں بارپا کو قاب تو سین (دو کنوں کا فاصلہ) سے بھی زیادہ نزدیک

نہ ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشائے آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوئی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ وکذا الذی ابراہیم ملکوت السموات والارض اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو زمین و آسمان کی بادشاہی دکھاتے ہیں۔ یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے۔ یہی اسراء اور معراج ہے۔

پھر اس کے بعد حضرت یعقوب کا معراج نکوبیٹ سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ ”حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوہ حق کا جو پرتو نظر آیا وہی ان کی معراج ہے۔ اور دیگر انبیاءؑ بنی اسرائیل کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے تورات کے صفحات معمور ہیں۔ عیسائیوں کا مجموعہ انجیل میں، یوحنا رسول کا مشفقہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اس میں آثار قیامت جزا و سزا اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے باطل مطابق ہیں۔ اور ان کو تمام مسلمان تسلیم کرتے ہیں۔ مجھوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سنا ہے جس میں زیادہ تر آنحضرت صلیع کے واقعات معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بیروان بدھ بھی نخل مکت کے سایہ میں بدھ کے مشاہدہ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔“

(سیرۃ النبی جلد ۴ ص ۲۴۱-۲۴۲)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیگر انبیاء کو بھی اسی طرح معراج ہوئی جس طرح آنحضرت صلیع کو فرق مراتب کا ہے۔ لیکن بعض کو قاب تو سین اودانی نامک بھی معراج ہوئی۔ امت محمدیہ کے اولیاء میں سے بھی بعض نے اسی معراج کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

گرچہ احمد و رشب معراج وصل	از حرم تا صوب اقصیٰ میروم
از زمین تا سدرہ و زسدرہ۔ بعرش	بر برق آسا میروم
از فلک بگذشت و از اس و ملک	از دنا سوئے تہائی میروم
قاب تو سین است اودانی حجاب	بلے حجب تا حق تھا لے میروم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۵۵)

اسی طرح صفحہ ۶۵ پر فرماتے ہیں،

گر عروج جاں معینے بایدت بر نہ ملک  
در رکاب خواجہ لولاک میباید شدن!

کیا مختار مدعیہ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی کہے گا کہ وہ کافر و مرتد تھے۔ اس لیے کہ وہ اپنے لیے آنحضرت صلیع جیسا معراج ثابت کر کے شرک فی الارسات کے مرتکب ہو کر کلمہ کے جزو ثانی کے منکر ہوئے۔  
تیسری بات کہ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلیع کے معراج کی طرح کئی معراجوں کا اپنے لیے دعویٰ کیا؟ سو

اسکا جواب یہ ہے کہ آپ نے اپنی کسی کتاب میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے آنحضرت صلعم کے معراج کی طرح معراج ہوئی۔ اور جس عبارت سے غلط استدلال کر کے مختار مدعیہ نے آپ پر یہ افتراء کیا ہے وہ عبارت یہ ہے:-

”سیر معراج اس جسم کثیف (عسری، خاکی، شمس) کے ساتھ نہیں تھا۔ بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجے کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کر سکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلعم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی، اور انتہائی لفظ پر مبنی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اپنی معراجی سیر میں معورہ عالم کی انتہائی نقطہ تک حوش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا، جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم کی بیداری ہی ہے۔ اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا۔ اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس کو سمجھنا ہوں۔ بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے۔ جو درحقیقت بیداری سے بہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے۔“ (ازالہ اوہام حاشیہ ص ۲۲)

مختار مدعیہ نے اس حوالہ کو ایسے طریق پر پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے کشفوں کے مقابلہ پر معراج کو استغفاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور یہ مختار مدعیہ کا دیدہ دلالت عدالت کو مقابلہ دینے کی کوشش کرنا ہے کیونکہ اس حوالہ کے خط کشیدہ الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرت صلعم کا معراج ایسا مانستے ہیں جس میں آپ کا ذاتی طور پر کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ آپ کا معراج عرش عظیم تک ہوا تھا۔

اور حضرت مسیح موعودؑ کے اس قول سے کہ اس قسم کے کشفوں میں خود مولف صاحب تجربہ ہے۔ یہ قطعاً مراد نہیں ہے کہ آپ کو ویسے معراج ہو ا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ آپ نے صرف یہ بتانے کے لیے کہ کشف کی حالت درحقیقت بیداری سے زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوئی ہے اپنے کشف کا ذکر کیا ہے۔ کہ میں بھی اس میں صاحب تجربہ ہوں۔ نہ یہ کہ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مجھے بھی آنحضرت صلعم کی طرح معراج ہوئی۔ نہ ایک بلکہ کئی، جیسا مختار مدعیہ سمجھتا ہے۔

(۴)

### معجزہ شق القمر!

صل ذاتی طور پر کی شرط میں نہ اس لیے لگا دی ہے کہ تا وہ اولیاء جو اتباع آنحضرت صلعم اپنے لیے معراج کو ثابت کرنے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ سمجھے جائیں۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

مروج جان معینے براوج او ادنیٰ

بجز متابعت مصلطہ انہ بنیم!

(دیوان خواجہ معین الدین چشتی ص ۴۵)

مختار مدعی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمہ کے جزئی ثانی کے قائل نہ ہونے کے ثبوت میں آپ کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے۔

لہ خسفت القمر المنیر وان لی  
غسا القمران المشرقان انشکر

کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنے لیے شق القمر کا معجزہ افزای طور پر ثابت کیا ہے۔ اور آنحضرت صلیم کے لیے کمزور کر کے دکھایا ہے اور اس سے آنحضرت صلیم کی توہین لازم آتی ہے۔ لہذا مرزا صاحب کا فرہوئے اور دائرہ اسلام سے خارج اور یہاں بہ تاویل نہیں چل سکتی کہ چاند گہن مراد ہے کیونکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت صلیم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا ہی نہیں۔

آخری حصہ کے جواب میں تو صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ جو شخص علم طبعیات سے اس درجہ ناواقف ہو۔ اور دورہ ارضیہ کے قانون سے اس قدر غافل ہو، اور باوجود ہر سال چاند گہن کا مشاہدہ کرنے کے یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلیم کے زمانہ میں کبھی چاند گہن ہوا نہیں، اس کو سمجھنا عقلمندوں کی قدرت سے باہر ہے۔ لیکن مختار مدعی کی کتب اسلامیہ اور تاریخ سے ناواقفیت ثابت کرنے کے لیے ایک حوالہ دے دینا بھی ضروری خیال کرتا ہوں تفسیر روح المعانی جس کے حوالے گواہان مدعیہ نے پیش کئے ہیں۔ اس میں لکھا ہے۔ اور لکھا بھی وہی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ ”ویدید کونہ لیلۃ البدن ما اخرجہ الطبرانی وابن مردویہ من طریق عکرمۃ عن ابن عباس قال کسفت القمر علی عهد رسول اللہ صلیم فقالوا سمعوا القمر فزلت اقتربت الساعة الی مستمرا (روح المعانی جلد ۸ ص ۲) اس بات کی تائید کہ شق القمر جو دسویں رات کو ہوا اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابی عباس سے بطریق عکرمہ طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلیم کے عہد میں چاند گہن ہوا تو انہوں نے کہا کہ چاند پر جادو چل گیا ہے تو سورۃ قمر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اس شعر میں تو آپ نے اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ آنحضرت صلیم کی صداقت کے لیے آسمان پر چاند کا نشان ظاہر ہوا اور میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے چاند اور سورج کا نشان اسے مخالف کیا پھر بھی تو میری صداقت کا انکار کرے گا اس شعر میں نہ تو کوئی ایسا لفظ پایا جاتا ہے جس سے آنحضرت صلیم کی توہین لازم آتی ہو اور نہ حضرت مسیح موعود کا افضل ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ آپ نے اس شعر سے ما قبل اس امر کی تصریح فرمادی ہے کہ میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اس لیے کہ میں آنحضرت صلیم کا روحانی فرزند ہوں چنانچہ آپ فرماتے ہیں

واری وث الث المال مالی محمد  
فما انا الا المذخر

اور میں محمد صلعم کے مال کا وارث بنایا گیا ہوں، پس اس کی آل برگزیدہ ہوں جس کو ورثہ پہنچے گا۔ اور فرماتے ہیں سے

فَلَا دَانَی خَلَقَ السَّمَاءَ لِأَجَلِهِ      لَّهِ مَثَلْنَا وَلَدَ الِی یَوْمَ یُحْشَرُ

وَاتَا وَرَثَتَنَا مَثَلًا وَلَدَ مَتَاعًا      فَاِی ثَبُوتٍ بَعْدَ ذَٰلِكَ یَحْضَرُ

مجھے اس کی قسم جس نے آسمان بنایا۔ البتہ تمہیں کہ اس کی اولاد نہ ہو، بلکہ ہمارے نبی صلعم کے لیے میری طرح اور بھی بیٹے ہیں اور قیامت تک ہونگے۔ اور ہم نے اولاد کی طرح وراثت پائی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سا ثبوت ہے۔ جو پیش کیا جائے۔

اس سے اگلے شعر میں چاند اور سورج گہن کا ذکر فرماتے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نشان بھی آپ کو آنحضرت صلعم کی اتباع سے ورثہ میں ملا ہے۔ اور اس کے بعد فرماتے ہیں سے

وَأَفِی لَظَلِّ ان یَخَالِفُ اَصْلَهُ

فَمَا فِیْهِ فِی وَجْهِ یُلُوحَ دِیْظَهْرُ

اور سایہ کیونکر اپنے اصل سے مخالف ہو سکتا ہے۔ پس وہ روشنی جو اس میں ہے۔ وہ مجھ میں چمک رہی ہے۔ لہذا آپ کے لیے جو نشان ظاہر ہوتے ہیں وہ آنحضرت صلعم کی برکت سے ہیں اگر روایتوں میں یہ خبر نہ ہوتی کہ چاند اور سورج کا گہن مہدی موعود کی صدفقت کی دلیل ہوگی۔ تو وہ نشان کیونکر ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی متعدد کتب میں اس پیشگوئی کا ذکر کر کے آنحضرت صلعم کی مدح و ثنا کی ہے۔ اور رد و دبیحا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے چنانچہ آپ کتاب نور الحق حصہ دوم میں فرماتے ہیں :-

”ترجمہ اشعار عربی تیسرے پر جان قربان ہوا اے بہتر مخلوقات ہم نے تیری خبر کا نور اندھیرے میں دیکھ لیا ہم نے سورج اور چاند کو دیکھ لیا جیسا کہ تو نے اشارہ کیا تھا۔ تجھ قیق دولو کو گرہن لگ گیا، نا خلقت منور ہو، ہمیں خدا تعالیٰ کی مدد تیرہ سو برس گزرنے کے بعد آئی (ص ۵۸) اور ہم بیٹیوں کی طرح وارث ہیں، اور بزرگوں کے تمام مال کے وارث ہو گئے ہیں۔ (ص ۵۹)

بخدا میں کافر نہیں، میری جان اس نبی پر قربان ہے جو صاحب مقام محمود ہے۔ اور میرا دل نبی صلعم نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ میں اپنے دل کو کسی کے لیے سراپسمہ دیکھتا ہوں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میرے دل کے لیے آرام ہے۔ اور میری جان کے لیے مثل طعام کے ہے۔ اور میرا دشمن بے شرفی سے ناخق بدگونی کر رہا ہے (ص ۵۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو کسوف خسوف کو آنحضرت صلعم کا فرایا ہوا نشان قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر آپ کا شکریہ سجالا تے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو موجب توہین آنحضرت صلعم قرار دیتا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں خسوف کا لفظ خرق اور شق کے معنوں میں آتا ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے رَخَفَ الثَّیْبُ خَرْقًا، وَخَرَقَ الثَّبُوتَ شَقًّا

اور تاج العروس میں اس استفعال کو مجاز قرار دیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ ومن المجاز خسف الشيء يخسف خسفاً اي اخرقه۔

حضرت مسیح موعودؑ نے شعر میں آنحضرت صلعم کے ذکر کے ساتھ تو خسف القمر فرمایا ہے۔ اور اپنے لیے غساق القمران اور غساق القمران کے معنی سورج اور چاند کا تاریک ہو جانا ہے۔ اور اردو ترجمہ میں خسوف کا لفظ ہی سمجھنے دیا۔ کیونکہ وہ دونوں صادق آتا ہے اور آنحضرت صلعم کے معجزہ شفق القمر کا ذکر آپ نے متعدد کتب میں کیا ہے۔ سرمہ چشمِ اربہ میں اس معجزہ کے ثبوت میں ایک لمبی محققانہ بحث کی ہے۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ ”ایسا ہی دوسرا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شفق القمر ہے۔۔۔۔۔ جو اسی الہی طاقت سے ظہور میں آیا تھا۔ کوئی دعا اس کے ساتھ شامل نہ تھی۔ کیونکہ وہ صرف انگلی کے اشارہ سے جو ایسی طاقت سے بھری ہوئی تھی وقوع میں آگیا تھا۔“ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۱۱) پھر آپ فرماتے ہیں ”ایسا ہی شفق القمر کا عالی شان معجزہ جو خدائی ہاتھ کو دکھلا رہا ہے قرآن شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارہ سے چاند ٹوٹ کر ہو گیا اور کفار نے اس معجزہ کو دیکھا۔ اس کے جواب میں یہ کہنا کہ ایسا وقوع میں آنا خلاف علم ہیئت ہے۔ یہ سراسر فضول باتیں ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے۔ اقتربت الساعة والنشأ القمر وان يردوا آية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر۔

یعنی قیامت نزدیک آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور کافروں نے یہ معجزہ دیکھا اور کہا کہ یہ پکا جادو ہے۔ جس کا آسمان تک اثر چلا گیا اب ظاہر ہے کہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ قرآن شریف تو اس کے ساتھ ان کافروں کو گواہ قرار دیتا ہے۔ جو سنت و دشمن تھے۔ اور کفر پر ہی مرے تھے۔ اب ظاہر ہے۔ اگر شفق القمر وقوع میں نہ آیا ہوتا تو کہ کے مخالفت لوگ اور جانی دشمن کیونکر خاموش بیٹھ سکتے تھے وہ بلاشبہ شور مچاتے کہ ہم پر یہ ہمت لگائی ہے۔ ہم نے تو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور عقل تجویز نہیں کر سکتی کہ وہ لوگ اس معجزہ کو سراسر جھوٹ اور افتراء خیال کر کے پھر بھی چپ رہنے۔ بالخصوص جب کہ ان کو آنحضرت صلعم نے اس واقعہ کا گواہ قرار دیا تھا اس حالت میں ان کا فرض تھا کہ اگر یہ واقعہ صحیح نہیں تھا تو اس کا رد کرتے نہ یہ کہ خاموش رہ کر اس واقعہ کی صحت پر مہر لگا دیتے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ظہور میں آیا۔“ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۲۲)

اور چشمہ معرفت ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں :-

”اگر شفق القمر ظہور میں نہ آیا ہوتا تو ان کا حق تھا کہ وہ کہتے کہ ہم نے تو کوئی نشانی نہیں دیکھا اور نہ اس کو جادو کہا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی امر ضرور ظہور میں آیا تھا جس کا نام شفق القمر رکھا گیا۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ایک عجیب قسم کا خسوف تھا جس کی قرآن شریف نے پہلے خبر دی تھی۔ اور یہ باتیں بطور پیشگیوں کے ہیں۔ اس صورت میں شفق کا لفظ محض استعارہ کے رنگ میں ہو گا۔ کیونکہ خسوف و کسوف میں جو حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ گویا وہ پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ایک استعارہ ہے۔“

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خسوف کا لفظ شق القمر کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا ہے۔ اور مراد شق القمر کا معجزہ ہے۔ جس کا یقینی اور قطعی ہونا آپ اپنی متعدد کتب میں ذکر فرما چکے ہیں۔  
شق القمر کے معجزہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس کا ذکر سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی بسیرۃ النبی جلد ۲ ص ۳۸۳ میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

”بعض عقل پرست مسلمانوں نے قرب قیامت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلعم کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔“

اس عبارت میں ان لوگوں کو بھی جو عہد نبوی میں شق القمر کے وقوع کے ہی قائل نہیں مسلمان کہا ہے۔ اور صفحہ ۳۸۷ میں کہتے ہیں، بعض متکلمین نے جن میں ایک ولی اللہ شاہ صاحب بھی ہیں لکھا ہے اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی ترجمان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شکاف نہیں ہوا تھا بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ سئل اهل مكة فراهم القمر فرقتين (صحیح مسلم) اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا، الغرض یہ واقع ہے کہ آنحضرت صلعم کی صداقت کے لیے شق القمر کا نشان کفار کے مطالبہ پر دکھایا گیا۔ اور یہ بھی واقع ہے کہ روایت میں مہدی معہود کی صداقت کا ایک نشان ماہ رمضان میں سورج چاند کا گہن قرار دیا گیا ہے۔ اور وہ گہن ۱۳۱ھ میں وقوع پذیر ہوا۔ پس یہ دو نشان ہیں۔ جو ظاہر ہوئے اور ان کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور انہی دونوں کا آپ نے اپنے شعرے

لہ خصف القمر المتيروان لي غسأ القمر ان المشرق ان انتكر  
میں ذکر کیا ہے۔ اور اس میں نہ تو معجزہ شق القمر کا استغفاف ہے نہ آنحضرت صلعم کی توہین

(۵)

اثرک اللہ علی کل شیئ

مختار عربیہ نے اس الہام کو خلاف منشا ظہم لے کر عداوت کو مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیے بھی کلمہ کی جزو ثانی کے منکر ہوئے۔

اس الہام کا اصل ترجمہ جو خود حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۹ میں کیا ہے یہ ہے۔ ”غلانے تجھے ہر ایک چیز میں سے چن لیا“ اب ظاہر ہے کہ اس الہام سے مراد صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں آپ کو ہر ایک چیز میں سے چن لیا ہے۔ اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء میں سے چن لیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے۔ وَاَتَاكُمْ مَا لَمْ يَوْتِ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ کہ تمہیں وہ کچھ دیا جو کسی کو جہانوں میں سے نہیں دیا اور فرمایا د ا فی فضلتکم علی العالمین کہ میں نے تمہیں تمام

جہانوں پر فضیلت دی اور اسی طرح عام بنی اسرائیل کے حق میں فرمایا ولقد اخترناھم علی علم علی العالمین (دخان ۲۷) یعنی ہم نے ان کو علم کے ساتھ جہان والوں میں سے چن لیا ہے۔ کیا مختار مدعیہ اس کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمدیہ پر بھی ان کو فضیلت دی گئی تھی تمام مفسرین ان آیات کی تفسیر میں عالمی ذمہ سمجھتے ہیں یعنی ان کے زمانہ کے عالم مراد لیتے ہیں۔ پس اگر مختار مدعیہ انصاف پسند یا تعصب سے خالی ہوتا تو بآسانی سمجھ سکتا تھا کہ اس الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی فضیلت نہیں نکلتی۔ کیونکہ اس الہام سے پہلے صفحہ ۸۳ پر یہ الہام درج ہے: ”پاک محمد مصطفیٰ امیوں کا سردار“ اور اس کے بعد صفحہ ۹۵ پر یہ الہام درج ہے: ”کل برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلنبارک من علم و تعلم بہ یوقم بکرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ پس بہت برکتوں والا ہے۔ جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔“ پہلے الہام سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سید الانبیاء ہونا ظاہر ہے۔ اور دوسرے الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استاد ہونا اور مسیح موعود کا شاگرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ثابت ہے اور درمیان میں الہام انزل اللہ علی کل شیء ہے۔ جس سے مختار مدعیہ یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ گویا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے ہی خلاف ہے۔ جس کا آپ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ اس الہام سے پہلے اور پچھلے الہام کے بھی خلاف ہے۔

(۶)

## آسمان سے کئی تخت اترے پتیرا تخت سب اوپر بچھا یا گیا

اس الہام سے بھی مختار مدعیہ نے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ گویا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضلیت کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ اسی قسم کے فقرات صوفیہ اور دوسروں کی کتابوں میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر ان کا مفہوم مختار مدعیہ کی طرز پر لیا جائے تو تمام صوفیاء و کرام اور اولیاء و اولیاء کی توہین کا مرکب ماننا پڑے گا چنانچہ ایسے ہی اقوال کو لے کر بعض سفہاء اور کم علم لوگوں نے بزرگان دین پر اعتراضات کئے ہیں۔ حالانکہ قائلین کا وہ منشاء نہ تھا جو معتزلیں نے اس سے پیدا کیا۔ چنانچہ مولوی محمد منظور صاحب نے اپنی کتاب ”سیف یمانی“ میں بزرگان دیوبند کے بعض ایسے فقرات کی تشریح لکھی ہے۔ جن کی بنا پر ہندوستان اور عرب کے علماء نے ان کے مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتوے دیا ہے چنانچہ مولوی صاحب مذکور اپنی کتاب ”سیف یمانی“ صفحہ ۲۰ میں رسالہ ”عقائد و بائیسہ دیوبندی“ مؤلف مولوی شہار احمد صاحب کانپوری سابق مفتی آگرہ کے ایک اعتراض کا جواب دینے کی غرض سے لکھتے ہیں: ”آپ (یعنی مفتی شہار احمد صاحب) نے تقویۃ الایمان سے حضرت شہید مرحوم (مولانا اسماعیل شہید) کی یہ عبارت نقل کی ہے: ”کہ ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے“ اس کے بعد آپ نے اپنی طرف سے یہ منطوق جاری کی ہے کہ ہر بڑے چھوٹے میں جناب رسول اللہ



صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرات انبیاء و اولیاء کرام داخل ہیں لہذا یہ ان تمام حضرات کی توہین ہے ۱

یہ عبارت کھڑک مولوی محمد منظور صاحب تقویۃ الایمان کے جملہ کا وہ مطلب بیان کرتے ہیں جو ان کے خیال میں صحیح

ہے۔ لکھتے ہیں: اس وقت ہمارے سامنے سلطان الاولیاء حضرت خواجه نظام الدین کے ملفوظات مسمیٰ بقوائد الفوائد ہیں اس کے صفحہ ۱۰ پر ہے ایمان کے تمام نشو و نما ہم خلقِ نژاد و ہم چنان ممانیکہ لپشک شتر، یعنی کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ساری مخلوق اس کے نزدیک اونٹ کی میٹھی کے برابر نہ ہو۔ اور حضرت شہاب الدین سہروردی کی عارف المعارف صفحہ ۵۴ پر ہے: لا یکمل ایمان امرأ حتی یکون الناس عندها کلابا بعد یعنی کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگ اس کے نزدیک میٹھنیوں کی طرح نہ ہوں۔ دریافتِ مطلب امر یہ ہے کہ آپ کی وہ منطق ان دونوں عبارتوں میں بھی جاری ہوتی ہے۔ یہاں نہیں۔ اگر نہیں تو وجہ فرق کیا ہے۔ کیا تمام مخلوق اور تمام لوگوں میں حضرت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام داخل نہیں۔ اور اگر جاری ہوتی ہے۔ تو کیا آسمان و دیات کے یہ دونوں آفتاب و ماہتاب بھی آپ کے نزدیک ایسے ہی کافر ہیں جیسے کہ حضرت شہید مروج۔ بَیِّنُوْا تَوْحِیْدًا ۱، پس باوجودیکہ شہید مروج کی عبارت میں ہر مخلوق اور خواجه نظام الدین صاحب کی عبارت میں ہمہ خلق کے الفاظ موجود ہیں لیکن پھر بھی علماء دیوبند تمام مخلوق مراد نہیں لیتے لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے الہام جس میں سب تخت یا کل یا تمام تختوں کے اترنے کا بھی ذکر نہیں بلکہ کئی تختوں کے اترنے کا ذکر ہے اس سے ابتداء آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے کل تخت مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ الہام بھی گذشتہ الہام کی طرح الہام ”پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردار“ (حقیقۃ الوحی ص ۱۳) اور الہام کل بوکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم قدبارک من علمہ و تعلمہ (حقیقۃ الہی ص ۱۵) کے درمیان صفحہ ۸۹ پر ہے۔ اس کے معنی اول و آخر کے الہامات کے خلاف کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ اس سے مراد اولیاء امت محمدیہ کے تخت ہیں۔ اور آپ کا درجہ ان سب سے بلند ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الاولیاء ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور رتبہ سب انبیاء سے بلند تر ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ بے شک آپ کو نبی کا خطاب دیا گیا ہے۔ لیکن یہ مستقل نبوت نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہ مرتبہ آپ کو نصیب ہوا ہے اس لیے ان تختوں سے مراد وہی تخت ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کالمین امت محمدیہ کو ملے۔ پس انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جیسے انہوں نے اپنے بزرگوں کے اقوال سے اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے توجیہات کیں۔ ایسے ہی انہیں چاہیے تھا کہ فریقین مخالف کے بزرگوں کے کلام پر اعتراض کرنے کے بجائے توجیہات کو قبول کرتے جو ان کی ان توجیہات سے جو انہوں نے اپنے بزرگوں کے کلام سے اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے کیں بہت ظاہر اور واضح تھیں اس طرح بیان پر ایک یہ ارشاد بھی موجود ہے۔

”قد می ہدای علی رقبۃ کل ولی“ (مقامات امام ربانی ص ۱۱) کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے چنانچہ اس کے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے استفسار کیا کہ ”پیران پیر صاحب کا قدم سب پیروں کی گردن پر ہے۔“

اس کی کوئی اصلیت طریقت و تصوف میں بھی ہے یا نہیں؟ مولوی صاحب نے یہ جواب دیا کہ پیران پیر کا قدم ہونا سب کی گردن پر اس سے مراد ان کی بزرگی اور بڑائی ہے۔ اس میں کیا حرج ہے جو ان سے بڑے ہیں ان کا قدم حضرت پیران پیر کی گردن پر ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۷۷ مطبوعہ جمعیۃ برقی پریس دہلی)

حضرت سید عبدالقادر کے قول میں تو کسی کا استثناء نہیں تھا لیکن مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے جواب سے ظاہر ہے کہ جس عبارت میں بظاہر کوئی استثناء نہ بھی ہو، تو بھی فاضل کے حالات اور اس کے گردہ کے دوسرے افراد کو مد نظر رکھ کر استثناء ہو سکتا ہے۔

(۷)

## اَنَا فِي مَا لَمْ يُوْتْ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی وہی نتیجہ نکالا ہے۔ جو نمبر ۵ و ۶ سے نکالا کہ اس میں حضرت مرزا صاحب نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ چیز دی ہے جو گذشتہ اور موجودہ زمانوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔ اور اس میں صریح توہین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ مختار مدعیہ کا اس الہام سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی آیت اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ اور آیت اَنَا کَھَمَ لَہُ یُوْتْ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِیْنَ سے یہ نتیجہ نکالے کہ نبی اسرائیل کو گذشتہ اور موجودہ تمام اقوام اور انبیاء پر فضیلت ہے اور ان کو وہ کچھ عطا ہوا جو غیر اسرائیلی انبیاء کو نصیب نہیں ہوا۔ لیکن جیسے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے ویسے ہی مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے توہین انبیاء یا توہین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ نکالنا غلط اور باطل۔ مختار مدعیہ نے یہ الہام حقیقتہً الوحی سے پیش کیا ہے اور حقیقتہً الوحی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

”اور مجھ کو وہ چیز دی جو اس زمانہ کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دی گئی۔“ (حقیقتہً الوحی ص ۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد لیتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ باوجود اس تشریح کے خلاف منشاءِ علم یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اس سے گذشتہ اور موجود زمانہ کے تمام لوگ مراد ہیں۔

(۸)

## علم میں مقابلہ

مختار مدعیہ نے ایک یہ بھی الزام قائم کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ ادہام میں لکھا ہے کہ دجال اور دجال وغیرہ کے متعلق جو پیشگوئیاں ہیں وہ آپ پر پورے طور پر منکشف نہیں ہوئیں۔ پس جس نے یہ کہا کہ آنحضور پر منکشف نہ ہوئیں اور مجھ پر ہوئیں تو ایسے شخص کا آنحضرت پر ایمان کیسا؟ جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے آنحضرت صلعم سے زیادہ علم دیا گیا ہے۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے جس حوالہ کی بنا پر اس نے یہ اعتراض کیا ہے اس میں تفاضل علمی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ اس قضیہ میں علمی نفیلت کا سوال ہی اٹھ سکتا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو لکھا ہے وہ احادیث کے بالکل مطابق ہے اور ائمہ اسلام کا بھی وہی مذہب ہے۔ عقائد کی کتب میں لکھا ہے: ”ان الذی صلی اللہ علیہ وسلم قد یجتهد فیكون خطا کما ذکرنا الاصولیون وکان الذی صلی اللہ علیہ وسلم یشاور الصحابة فیما لم یوح الیه وھم یراجعونہ فی ذلک.....“ ”وفی الحدیث ما حدثنک عن اللہ سبحانہ فھو حق وما قلت فیہ من قبل نفسی فانما انا بشر“ اخطی واصیب ہر اس صلوٰۃ کہ آنحضرت صلعم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی خطا ہو جاتا تھا۔ بیسیا کہ اصولیوں نے لکھا ہے اولیٰ امور میں اہلکے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو آپ صحابہ سے مشورہ لے لیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں وہ تو درست ہوتی ہے یعنی اس میں غلطی کا احتمال نہیں ہاں جو بات میں اس وحی الہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو میں انسان ہوں اجتہاد میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ اور شرح فتوح الغیب ص ۳۱ میں شیخ عبدالحی صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

”انبیاء و اجتہادات مے باشند و گاہے خطا و نیز مے افتد“ اور علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی انبیاء سے اجتہادی غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ”حضرت داؤد علیہ السلام سے جو بالاتفاق نبی ہیں اور معصوم ہیں اجتہاد میں غلطی ہوئی ہریتہ الشیعہ ص ۲۴۸

جو باتیں آئندہ زمانے سے تعلق رکھتی ہوں ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ انبیاء پر موعودان کا انکشاف کر دے۔ بلکہ ایسی پیشگوئیوں میں اکثر ابہام ہوتا ہے اور اس کی اصل حقیقت اور اصل مراد اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اس کا وقوع ہو۔ چنانچہ احادیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ جن کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ ادہام ص ۲۸۱ میں کیا ہے۔ جنہیں مختصر اعرص کرنا ہوں فرماتے ہیں: ”انبیاء سے بھی اجتہاد کے وقت امکان سہو و خطا ہے۔ مثلاً اس خواب کی بنا پر جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے جو بعض مومنوں کے لیے موجب ابتلاء کا ہوئی تھی آنحضرت صلعم نے اس امید پر کہ آپ کے سفر

میں طواف میسر آجائے گا۔ مدینہ منورہ سے مکہ منظر کا قصد کیا اور کئی دن تک منزل و منزل طے کر کے اس بلاد مبارک تک پہنچے مگر گنبد نے طواف خانہ کعبہ سے روک دیا اور اس وقت اس رویاؤ کی تعبیر ظہور میں نہ آئی اور رسول کریم کی خواب وحی میں داخل ہے۔ پس اس کے معنی سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ن بیویوں نے آپ کے روبرو ہاتھ ناپنے شروع کیے تھے تو آپ کو اس غلطی پر متنبہ نہیں کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فوت ہو گئے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی یہی رائے تھی کہ درحقیقت جس بیوی کے لیے ہاتھ میں وہی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ اس وجہ سے باوجود بچہ آپ کے روبرو ہاتھ ناپے گئے مگر آپ نے منع نہ فرمایا کہ یہ حرکت خلاف منشاء پیشگوئی ہے جیسا کہ فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۰۱ میں ایک روایت ہے۔ قلم ینکر علیہم۔

اسی طرح ابن صیاد کی نسبت صاف طور پر وحی نہیں کھلی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اول اول یہ خیال تھا کہ ابن صیاد ہی دجال ہے۔ (چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ عن نافع کان ابن عمر یقول واللہ ما اشدک ان مسیم الدجال ابن صیاد ابوداؤد (مشکوٰۃ) یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں ذرا شک نہیں اور بخاری اور مسلم میں محمد بن المنکدر سے روایت ہے کہ میں نے جابر بن عبد اللہ کو اس بات پر قسم کھاتے ہوئے سنا کہ ابن صیاد ہی الدجال ہے تو میں نے کہا کہ تم قسم کھاتے ہو تو انہوں نے جواب دیا انی سمعت عمر یحلف علی ذلک عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلہ ینکحہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ میں نے عمر کو اس بات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسم کھاتے ہوئے سنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ اے عمر تم غلط کہہ رہے ہو اور منظر اہل حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح میں علامہ مظاہر الدین فرماتے ہیں۔ حال اس (ابن صیاد) کا مبہم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایسا بات میں وحی نہیں اتری اور ایسا ہی نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔ حلف عمر نزد رسول خدا صلعم وغایت مبنی برظن اورست و سکوت آنحضرت صلعم بجهت ان بود کہ دی در الوقت متروک بود و حج الکرامہ (صفحہ ۴۱) ایسا ہی سورۃ روم کی پیشگوئی کے متعلق جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی تھی آنحضرت صلعم نے صاف فرمایا کہ بعض کا لفظ لغت عرب میں نو برس تک اطلاق پاتا ہے اور میں بخوبی مطلع نہیں کیا گیا کہ نو برس کی حد کے اندر کس سال تک یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔

ایسا ہی وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں۔ فذہب وھلی الی انھا الیمامة او ھجر فاذا ھی المدینۃ ینثرب (صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت صلعم نے اپنی اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکالنا چاہیے مولوی محمد حسین طالوی اشاعت السنۃ جلد ۱۰ کے صفحہ ۲۹۶ و ۲۹۷ پر مذکورہ بالا حدیث نقل کرتے ہیں۔

عن عائشۃ ان النبی صلعم قال لھا اریک فی المنام فی سرقۃ من حریر و یقول ھذا امراتک فا کشف عنها فاذا ھی انت فا قول ان یک ھذا امن عند اللہ یمضہ بخاری ص ۵۵

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ کی صورت قبل از نکاح مشاہدہ کرانی گئی اور کہا گیا کہ یہ تیری زوجہ ہوگی آنحضرت کو ربا وجود یکہ اصل الہام میں شک نہ تھا اور انبیاء کا الہام منافی ہی کیون نہ ہو ہمیشہ یقینی ہوا کرتا ہے اس الہام کی تفسیر و مراد سمجھنے میں اشتباہ واقع ہو گیا اور آپ نے یہ فرمایا کہ اگر بہ خدا کی طرف سے ہو۔ (یعنی بظاہر معنی کے اس صورت سے عائشہ صدیقہ ہی مراد ہے) تو خدا اس کو سچا کرے گا۔

جب ان دونوں الہاموں کے (جو متعلق بہ تبلیغ و تکلیف نہیں) معنی سمجھنے میں سید الملبین و خاتم المرسلین و خاتم النبیین کو شک و اشتباہ واقع ہوا اور الہام دوم کے معنی سمجھنے میں تو آپ کا خیال واقع کے بھی خلاف نکلا، اس قسم کی مثالیں پیش کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”ان تمام باتوں سے یقینی طور پر یہ اصول قائم ہوتا ہے کہ پیشگوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں انبیاء علیہم السلام بھی کبھی غلطی کھاتے ہیں۔ لیکن امور دنیویہ یا مادیہ میں اس خطا کی گنجائش نہیں کیونکہ ان کی تبلیغ میں منجانب اللہ بڑا اہتمام ہوتا ہے۔ اور وہ نبیوں کو عملی طور پر بھی سکھائے جاتے ہیں۔ غلطی کا احتمال صرف ایسی پیشگوئیوں میں ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی کسی خاص مصلحت کیوجہ سے مبہم اور محمل رکھنا چاہتا ہے اور مسائل دینیہ سے ان کا کچھ علاقہ نہیں ہوتا یہ ایک نہایت دقیق راز ہے۔ جسکے بیا د رکھنے سے معرفت صحیحہ مرتبہ نبوت کی حاصل ہوتی ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ابن مریم اور دجال کی حقیقت کا رد بوجہ نہ موجود ہونے کسی نوع کے موبہم و مشکف نہ ہوتی ہو اور نہ دجال کے شہربارے کے گدھے کی اصل حقیقت کھلی ہو اور نہ باجوج باجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو اور نہ دائرہ الارض کی ماہیت کا ہی ہی ظاہر فرمائی گئی اور صرف امثل قریبہ اور صورت منشاہدہ اور امور متشاککہ کے طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی فوی کے ممکن ہے اجمالی طور پر سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور ایسے امور میں اگر وقت ظہور کچھ جزئیات غیر معلوم ظاہر ہو جائیں تو شان نبوت میں کچھ جائے حرج نہیں“ (انزالہ ادہام ص ۲۸)

چونکہ بعض پیشگوئیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ جن کی کیفیت وقوع کا پتہ واقع ہونے پر لگتا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ تحریر فرمنا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دجال اور خرد دجال وغیرہ کی حقیقت موبہم و مشکف نہ ہوتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اب اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ان کشوف کی حقیقت ان پیشگوئیوں کے مصداق کے ظہور کے بعد ظاہر ہو گئی تو اس سے حضرت اقدس کے علم کا آنحضرت صلعم کے علم سے زیادہ ہونا ہرگز لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اگر یہی چیزیں آنحضرت کے وقت ظہور پذیر ہو جائیں تو سب سے پہلے آپ ہی پر ان کشوف کی حقیقت مشکف ہوتی ہاں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی فوی ممکن ہے۔ آپ کو سمجھا گیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور آپ جس قدر اپنی فراست سے غیب محض کو سمجھ سکتے تھے۔ اتنا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست اور فہم تمام امت کی مجموعی فراست اور فہم سے زیادہ ہے بلکہ ہمارے

جہاں اگر جلدی سے جوش میں نہ آجائیں تو مراد تو یہی مذہب ہے جس کو دلیل کے ساتھ پیش کر سکتا ہوں کہ تمام نبیوں کی فراست اور فہم آپ کی فراست اور فہم کے برابر نہیں مگر پھر بھی بعض پیشگوئیوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے ان کی اصل حقیقت سمجھنے میں غلطی کھائی ہے :۱ ازالہ اودام ص ۱۶۱ پس اگر پیشگوئیوں کو سمجھنے میں قبل از وقوع کسی شخص کو غلطی واقع ہو اور اس پر بعد از وقوع اس کی اصل کیفیت و وقوع کا انکشاف تام نہ ہو لیکن اس کی وفات کے بعد کسی پر حقیقت منکشف ہو جائے تو جس پر حقیقت منکشف ہوتی ہو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ اس شخص سے جس پر قبل از وقوع حقیقت منکشف نہیں ہوئی تھی علم میں زیادہ ہے کیونکہ اگر پیشگوئی کرنے والا شخص بھی اگر وقوع کے وقت زندہ ہوتا تو وہ اس سے پہلے ہی سمجھ لیتا تعجب کی بات ہے کہ یہ اعتراف ان اشخاص نے کیا ہے جن کے مقتداء اور پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ لکھ چکے ہیں۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ حفظ الایمان ص ۱ مولفہ مولوی انور علی خاں زید آبادیہ کہنا صریح گالی نہیں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اتنا ہی علم غیب دیا گیا ہے۔ جتنا کہ ہر پاگل اور چوپائے کو حاصل ہے اور لکھتے ہیں۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فرغ عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے براہین قاطعہ مولفہ خلیل احمد انہوئی مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۱۵۱ اس میں ابلیس لعین کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر کے شیطان ملعون کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتلایا ہے کیا اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفیق نہیں ہے اور یہ عبارت سوء ادبی کی مشعر نہیں ہے۔

(۹)

## انافتحنا لك فتحا مبينا

نخار مدعیر نے خطبہ الہامیہ ص ۹۲ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مبین کا وقت ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ میں گزر گیا۔ اور دوسری فتح باقی رہی کہ پہلے غلبہ سے بہت بڑی اور زیادہ ظاہر ہے۔ اور مقدر تھا کہ اس وقت مسیح موعود کا وقت ہو اور اس کی طرف خدا تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ سبوح النبی اسری الخ (آیۃ) اور اس نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نعوذ باللہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت کی فتح مبین کو استخفاف کی نظر سے دیکھا ہے اور اپنی فتح کو بتلایا ہے۔ حالانکہ یہ نتیجہ نکالنا سراسر باطل اور خلاف منشاء متکلم ہے۔ جس فتح مبین کی طرف آپ نے مذکورہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے خبر دی تھی اور بزرگان امت مجاہد بھی یہی مانتے چلے آتے ہیں۔ اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت یسوع موعود اور مہدی کے زمانے میں اسلام کو دوسرے مذاہب پر ایسی فتح اور غلبہ حاصل ہوگا جو پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوا بلکہ ان کا تو یہ بھی عقیدہ ہے کہ مسیح اور مہدی دیگر مذاہب والوں سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہ کریں گے اور جو مسلمان نہیں ہوگا اُسے تلوار کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور دنیا میں سوائے مذہب اسلام کے اور کوئی مذہب نہ ہوگا اگرچہ ہمارے نزدیک دین کے مقابلہ میں جبر کرنا مذہب اسلام کی رو سے جائز نہیں ہے لیکن اتنا ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اسلام دلائل قاہرہ اور بیحد باہرہ کی رو سے تمام اویان پر غالب آئے گا اور جن ممالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت نہ ہوتی تھی وہاں بھی شمس اسلامی طلوع کرے گا اور ظلمات میں زندگی بسر کرنے والوں کو بھی اپنی شمعوں سے نورانی بنائے گا۔ حتیٰ کہ آہستہ آہستہ کرمعمورہ کے لوگ اسلام کو اختیار کریں گے اور دنیا میں دیگر مذاہب کے پیرو اتنی قلیل تعداد میں رہ جائیں گے کہ وہ معدوم کے حکم میں ہوں گے۔ چنانچہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتدا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب منصب امامت ص ۷۶ میں لکھتے ہیں: **قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ارْسَل رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ طَافِرًا رَاسِتًا** کہ ابتدائے ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ و اتمام آل از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید۔

اور فرماتے ہیں: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ ظُلْمِ الْيَهُودِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِكُمْ فِي الْبَلَاءِ** اور فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ ظُلْمِ الْيَهُودِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِكُمْ فِي الْبَلَاءِ** کہ شہداء تا اینکه بواسطہ امام مہدی اتمام خواہد رسید۔

کیا یہاں بھی مختار مدعیہ مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے کیونکہ انہوں نے ظہور دین کی ابتداء تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی لیکن کامل غلبہ اور اتمام ظہور دین مہدی کی طرف منسوب کیا اور اس طرح کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ ظُلْمِ الْيَهُودِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِكُمْ فِي الْبَلَاءِ** کے حکم کے مطابق تمام لوگوں تک تبلیغ رسالت متعلق نہیں ہوئی بلکہ تبلیغ رسالت بھی مہدی کے ذریعہ سے پوری ہوگی جس کے کھلے ہوئے معنی یہ ہیں کہ اسلام کی اشاعت اور غلبہ کی حالت شروع میں ہلال کی مانند تھی پھر خلفاء کے ذریعے سے ترقی پکڑتی گئی۔ بیان تک کہ مہدی موعود کے زمانہ میں اپنے کمال کو پہنچ جائے گی اور بدر کی حالت کے مشابہ ہوگی اگر مختار مدعیہ یہ سمجھ لیتا کہ نبی کے اتباع کے ذریعے جو فتوحات اور دین کو ترقیات حاصل ہوتی ہیں وہ دراصل اسی نبی کی طرف منسوب ہوتی ہیں، اور اس میں اس نبی کی توہین نہیں بلکہ مکرم اور اعزاز ہوتا ہے تو وہ یہ اعتراض نہ کرتا بلکہ سمجھتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امتی کے ہاتھ پر ان فتوحات کا حاصل ہونا آنحضرت ہی کی فتح ہے کیونکہ آنحضرت کے وقت میں جو فتح حاصل ہوتی وہ بھی اسلام کی فتح تھی۔ اور مسیح موعود کے زمانہ میں جو فتح مقدر ہے وہ بھی اسلام ہی کی فتح ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ پس آپ کے دین کی فتح آپ کی ہی فتح ہے جو آپ کے ایک روحانی

قرنہ مذکے ہاتھ پر ہوگی۔ اور اس میں آپ کی کوئی توہین نہیں پنا چہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس عبارت کے آگے ص ۲ پر فرماتے ہیں۔

اور چونکہ مسیح موعود نبی کریم کے وجود کا آئینہ اور برکات کی اشاعت اور تمام دہنوں پر اسلام کے غلبہ سے آنجناب کے امر کا تمام کرنے والا تھا لہذا نبی کریم نے اس کی کوشش کو پسند کیا جیسا کہ باپ بیٹوں کی کوشش کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور وصیت فرمائی کہ آنجناب کا سلام اس کو پہنچایا جائے اور اس سلام سے یہ اشارہ ہے کہ سلامتی اور ملندی مسیح کے شامل حال ہوگی۔  
 مختار مدعیہ ان فتوحات کو جو آنحضرت صلیم کے بعد آپ کے خلفاء کے ذریعہ حاصل ہیں تسلیم کرتا ہے اور اس سے آنحضرت کی کوئی ہتک نہیں سمجھتا لیکن حضرت مسیح موعود کے زمانہ کی فتوحات سے وہ آنحضرت کی ہتک ٹکالنا چاہتا ہے۔ اور اس کا سبب تعصب کے سوا اور کچھ نہیں۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل دس الہامات کا ذکر کیا ہے۔

- (۱) هو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔
- (۲) انا اعطیتک الکوثر۔
- (۳) عسی ان یبعثک ربک مقاماً محموداً۔
- (۴) ما ارسلنک الا رحمة للعالمین۔
- (۵) قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ۔
- (۶) ما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی۔
- (۷) ما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی۔
- (۸) ما کان اللہ لیغذہم و انت فیہم۔
- (۹) سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً۔
- (۱۰) لولاک لما خلقت الافلاک۔

ان الہامات کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ان میں جن مقامات اور مراتب کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلیم کی خصوصیات ہیں اور جو ان خصوصیات کا انکار کرے اس کا آنحضرت صلیم پر ایمان کیا؟ وہ اگر نہ مرتبہ بھی کمالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو قابل قبول نہیں۔

سوال تمام اور کا جواب گوہ مدعا علیہ کے بیان میں مفصل مذکور ہے۔ اور اس میں ائمہ اور اکابر اولیاء امت محمدیہ



کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے کہ اگر کسی پرانے آیات کا اتفاق ہو جن میں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے۔ تو بطریق اعتبار یہ مطلب نکالا جائے گا۔ اگر وہ مرتبہ یا مقام بطریق وراثت جس لائق کہ ہم یہی علی حسب المنزلات اس کو نصیب ہوگا اور اس مردنی وغیرہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال میں شریک سمجھا جائے گا۔ اس لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

ان صفحات میں اس امر کا تاہید میں کہ مقام محمود وغیرہ مراتب میں اولیاء اللہ کو حصہ تہ اور اولیاء امت بھی بطریق وراثت ان میں آپ کے شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک خالہ مولانا عبدالمعلی صاحب بحر العلوم کا اور ایک شیخ اشیر شاہ شہاب الدین سہروردی کا اور ایک شیخ عبدالرزاق صاحب قاشانی کا اور ایک سید عبدالقادر جیلانی اور ایک خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا ہے اور آیات قرآن کریم کے الہام ہونے کے حوازیہ ایک خالہ ثبات الہام والبیعۃ کتاب کا جو مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی کی تصنیف ہے اور ایک خالہ فتوح الغیب کا اور ایک مقامات امام ربانی مجدد الف ثانی کا ایک علم الکتاب کا کیا ہے جن کے جواب میں ۱۱ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف ایک خالہ علم الکتاب کا ہی پیش کیا تھا کہ ان پر آیات اتری ہیں اور مصنف کتاب خود اقرار ہی کر یہ اقتباس نہیں نہ کہ الہام اور گواہ مدعا علیہ نے بجا جواب جرح ۱۱ مارچ یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ اقتباس کسی کے کلام کو اپنے کلام میں لانے کو کہتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ مختار مدعیہ کو قرآن مجید کی آیات سے دلچسپی نہیں ہے ورنہ وہ یہ کہنے کی جرات نہ کرتا کہ علم الکتاب کے حوالے کے سوا آیات قرآنی کے نزول کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا گیا کیونکہ فتوح الغیب کے حوالہ میں جو جملہ انک البیوم لدینا مکین امین ہے اور مقامات امام ربانی کے حوالہ میں انا مبشرون بغلامنا اسماء اور ثبات الہام والبیعۃ ص ۱۲ و ص ۱۳ کے حوالہ میں جو عربی کلام درج ہے۔ وہ سب آیات قرآنی ہیں بنی کا اولیاء اللہ پر نازل ہوتے کا جواز تسلیم کیا گیا ہے اور وہ اولیاء اللہ کو الہام ہوئی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کی طرف جو اقتباس کی تعریف منسوب کی ہے۔ اس میں دیدہ دانستہ خیانت سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے اقتباس کا یہ مطلب کسی کے کلام کو اپنی کلام میں لانا بیان کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اقتباس الہام کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔

دیکھو جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اس قید کے بڑھانے کی وجہ یہ تھی کہ خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ نے جو آیات اقتباس کی ہیں خود اپنی طرف سے نہیں بلکہ بذریعہ الہام خاص آپ کے قلب پر القا کی گئی ہیں۔ چنانچہ علم الکتاب کی عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ و امر فی فی قلبی بالانہام الخاص کہ خداوند تعالیٰ نے میرے دل میں الہام خاص کے ساتھ حکم کیا اور الہام خاص کی تعریف انہوں نے یہ بیان کی ہے۔

”الہام خاص آنست کہ اوسمانہ بربندگان خاص در حالت قرب مع اللہ بایر قلوب ایشان بیدخل فکر و اندیشہ

دے توسط عواس دیگر ہائے رحمان سے انداز و در زانی نفوس ایشان کلمات، بے حدائی خود میسر آید۔۔۔ بعض اوقات، بواسطت ملائکہ آواز و صوت، ہم پیغام خود حتی سمانہ یا دلیا و توحش سے رساندہیں را آواز سرودش نیزے خواندہ احساس اس سرودش نا، گوشن ظاہر ہم کردہ می شود اکثر ترجمہ گوش اطن سے نشود۔ ہر جا کہ دلیا و لفظ الہام را بحال خود بیان کردہ اند مراد از آن ہیں الہام خاص است علم الکتاب صلی جب الہام خاص کی تعریفیہ علوم ہوگی تو اب ہر انسان بخوبی سمجھ کا ہے۔ کہ جن آیات قرآنیہ کے متعلق خواجہ علیہ الرحمۃ نے امر فی قلبی بالالہام الخاص کہا ہے۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ خدا نے ان آیات کو آپ کے دل میں الہام کیا ہے اس عبارت کے بعض فقرات خود دلالت کر رہے ہیں کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے ان سے یہ باتیں کی ہیں چنانچہ اسی عبارت کے بعض فقرات کا ترجمہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے پکارا اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور اے خدا کی آیت میں تیری عبودیت کا شاہد ہوں تو میری الوہیت کا شاہد بن، رب نسک تو میرا عباد و مرا اور میرے رسول کا مقبول ہے پس جس نے تیری اطاعت کی اس نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی الی آخر المکالمۃ اسی طرح دوسری جگہ جو صلی سے درج کی گئی ہے اس کے بھی ابتدائی لکھا ہے۔ وقال بالالہام الشاہد کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام شافی کے ذریعہ کہا کہ یہ میری کتاب لے جا۔۔۔ اور اپنے قریبی خاندان کے لوگوں کو ڈرا اور اس عبارت میں فرماتے ہیں صلی وادی لا اقول الا ما امرنی بہ ربی اور میں سوائے اس کے جو میرا رب مجھے حکم دیتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔

و دلفتن القی اللہ علی قلبی صلی آیات بیدات معانی لست احفظ القرآن۔

اور خداوند تعالیٰ نے میرے قلب میں کھلی کھلی آیات اللہ کی ہیں۔ حالانکہ میں قرآن کا حافظ نہیں ہوں۔ لفظ القابو اس عبارت میں استعمال کیا گیا ہے اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہ الہام خاص یا از اقسام وحی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وحی کے لیے ہی القابو کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جیسے فرمایا۔ ویلقى الروح من امرہ علی من یشاء من عباده کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے کلام القابو کرتا ہے۔ اور یہ بات کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کا اطلاق نہیں کیا جائے گا تو یہ ایک صوفیہ کی اصطلاح ہے جیسے گواہ مانے اپنے بیان میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں کہ فرق مراتب کے لحاظ سے یہ اصطلاح قرار پائی گئی ہے کہ انبیاء کی وحی کو وحی کہتے ہیں اور اولیاء کی وحی کو الہام اور اس کی تفصیل مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت میں اچھی طرح کی ہے اور گواہان مرعا علیہ نے اپنے بیانات میں صفائی کے ساتھ پیش کر دیا۔

## هو الذی ادسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیتظہرہ علی الدین کلہ

یہ فرمانِ عید کی آیت ہے جس میں دینِ اسلامی کے دیگر ادیان پر غلبہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور یہی آیت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بذریعہ الہام نازل ہوتی تا ظاہر ہو کہ اس کا لعلِ علیہ کادقت آگیا ہے اور اس کے سامان بھی آپ کو عطا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:-

”وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا اس نے دو امر کے ساتھ اس کو بھیجا ہے کہ ایک تو یہ کہ اس کو نعمتِ ہدایت سے مشرف فرمایا ہے۔ یعنی اپنی راہ کی شناخت کے لیے روحانی آنکھیں اس کو عطا کی ہیں۔ اور علم لدنی سے ممتاز فرمایا ہے۔ اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے اور اس طرح پر الہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا اس حق کی بجا آوری کے لیے آپ اس کی تائید کی ہے اور اس لیے اس کا نام مہدی رکھا دوسرا امر جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے۔ وہ دینِ الحق کے ساتھ روحانی بیماروں کو اچھا کرنا ہے۔ یعنی شریعت کے صدماتِ مشکلات اور معصلات حل کر کے دلوں سے شبہات دور کرنا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسیٰ رکھا۔۔۔۔۔ کیونکہ جب اس کو یہ خدمت سپرد ہے کہ وہ اسلام کی خوبی اور فوقیت ہر ایک پہلو سے تمام مذاہب پر ثابت کر دے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ علم محاسن و عیوب مذاہب اس کو دیا جائے اور انفاختِ حجج اور انفاختِ خصم میں ایک ملکہ خارقِ عادت اس کو عطا ہو اور ہر ایک پابندِ مذہب کو اس کے قباح پر متنبہ کر سکے اور ہر ایک پہلو سے اسلام کی خوبی ثابت کر سکے اور ہر ایک طور سے روحانی بیماروں کا علاج کر سکے (اربعین ص ۱۱۱)

سراجِ منیر ص ۳۶ میں آپ اس الہام کی تشریح میں فرماتے ہیں:- ”یعنی خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے ان پر ظلم ہو اور خدا ان کی مدد کرے گا یہ آیت قرآنی الہامی پیرایہ میں اس عاجز کے حق میں ہے اور رسول سے مراد مامور اور فرستادہ ہے جو دینِ اسلام کی تائید کے لیے ظاہر ہوا۔ اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لیے کہ اس کے ہاتھ سے دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشنے اور ابتداء میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر میں فتح ہوگی اور یہ دین مامور کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور دوسری تمام ملتیں و لائلِ بنیہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی دیکھو یہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئی ہے اور یہ وہی پیشگوئی ہے۔ جو ابتداء سے اکثر علما و کتبے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے حق میں ہے اور اس کے وقت میں بلوری ہوگی اور براہین احمدیہ میں سترہ برس مسیح موعود کے دعویٰ سے پہلے درج ہے۔ تا خدا ان لوگوں کو شرمندہ کرے کہ

جو اس عاجز کے دعویٰ کو انسان کا افترا خیال کرتے ہیں! پس اس آیت کا حضرت مسیح موعود اور مہدی پر الہام ہونا قابل اعتراض بات نہیں ہے کیونکہ اس آیت کے متعلق تفسیروں میں بھی مذکور ہے کہ اس آیت کا حقیقی مصداق اور اظہار الدین علی المخالفین مسیح موعود اور مہدی موعود کے وقت میں ہو گا۔ چنانچہ مولانا اسماعیل صاحب شہید منصب امامت میں فرماتے ہیں:۔

قال الله تعالى هو الذي ارسل رسوله يالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله  
ظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین و زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بونوع آمدہ و اتمام آن از دست حضرت مہدی واقع خواہد گردید۔ منصب امامت ص ۵۷۔

چونکہ حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا ہے۔ اور اس آیت میں جس غلبہ کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا کمال اور اتمام مسیح موعود اور مہدی کے ناتہ میں وقوع پذیر ہوتا تھا۔ اس لیے اس آیت کا آپ پر الہام نازل ہونا جائز اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۱۲)

## اَنَا اعطيتُ الكوثر !

فخار مدعیہ نے اس الہام کی بنیاد پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حوض کوثر جس کی توصیف احادیث میں آتی ہے جسے آنحضرت معلّم نے اپنے لیے مخصوص قرار دیا ہے مرزا صاحب نے اپنے لیے تجویز کیا مختار مدعیہ کا مقصد اگر عدالت کو مغالطہ دینا نہ ہوتا تو وہ ضرور ایسے اعتراضات سے اجتناب کرتا کیونکہ خود مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حوض کوثر دیا ہے۔ بلکہ آپ نے تحقیقہ الٰہی میں کوثر سے مراد کثرت لی ہے اور اسی الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

”ہم نے کثرت سے تجھے دیا“

چنانچہ یہ الہام براہین احمدیہ میں بھی موجود ہے جب کہ آپ کو یہ مولوی مسلمان سمجھتے تھے اور خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ کا یہ لکھ کر دیا ہے کہ اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں اس اعتراض کا مندرجہ ذیل جواب دیا: اور آیت نمبر ۱ کا مخاطب قرآن میں تو وہ (مولف براہین احمدیہ شمس) آنحضرت ہی کو سمجھتے ہیں۔ اور کوثر سے اس آیت میں حوض کوثر میدان محشر جس کا آنحضرت معلّم کو وعدہ دیا ہے اور یہ وعدہ آنحضرت کے سوا کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔ چہ جائے ولی) مراد خداوندی سمجھتے ہیں۔ اور جب انہیں الفاظ سے خدا تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا تو انہیں (نہ آیت قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھ کر کوثر سے وہ معارف کثیرہ (جو خدا نے ان کو عطا فرماتے ہیں) مراد خداوندی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بصفہ ۵۵ کتاب ان الفاظ ملہم کا ترجمہ وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

”ہم نے تجھے معارف کثیرہ عطا فرمائے ہیں۔ اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قرآنی دے“ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتم ص ۵۸ میں بھی اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے۔  
 ”ہم نے تجھے بہت سے خفائی اور معارف اور برکات بخشے ہیں“

(۳)

## عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

مختار مدعیہ نے اس الہام سے بھی عدالت کو یہ مغالطہ دینا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت قرآنی کا اپنے آپ کو مصداق ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ مختار مدعیہ نے دافع البلاء صفحہ ۶ کا حوالہ دیا ہے۔ اور صفحہ ۸ پر جو اس کا ترجمہ درج ہے وہ دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ جس پر درحقیقت کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہے۔

”وہ دقت قریب ہے کہ میں ایسے مقام پر تجھے کھڑا کر دوں گا کہ دنیا بیتی حمد و ثناء کرے گی“  
 حضرت اقدسؑ نے اس کے یہ معنی کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ و گواہان مدعیہ کے مسلم پیشوا شیخ عبدالرزاق قاشانی نے تو مہدی مہمود کے لیے بھی مقام محمود تجویز کیا ہے۔ چنانچہ شرح فصوص الحکم میں تحریر فرماتے ہیں: ”فذلہ المقام المحمود“ (شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ص ۵۵) کہ مہدی کے لیے بھی مقام محمود ہے۔

شیخ اشیر شاہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں: ”وہو المقام المحمود الذی لا یشار کہ فیہ لہ من الانبیاء والرسول“۔  
 ”الاولیاء امتہ“ (مدیہ مجددیہ ص ۵۷) اور مقام محمود میں آنحضرت صلیم کا انبیاء اور رسولوں سے کوئی شریک اور وارث نہیں ہوتا۔ مگر وہ اولیاء جو کہ آپ کی امت سے ہوں۔

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مقام محمود میں انبیاء و مسلمین سابق تو آپ کے شریک نہیں ہو سکتے۔ مگر آپ کی امت کے اولیاء و شریک ہیں۔ کیا مختار مدعیہ ان بزرگوں کو بھی آنحضرت صلیم کی خصوصیات کا منکر قرار دے کر کلمہ کا منکر و کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرائے گا۔

(۴)

## وما ارسلناک رحمۃ للعالمین

اسی الہام سے بھی مختار مدعیہ نے وہی مغالطہ دینا چاہا ہے۔ جو پہلے الہاموں سے گویا حضرت مرزا صاحبؑ نے آنحضرت صلیم کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب کر کے کلمہ کی جزو قرآنی کا انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ صریح کذب ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ قرآنی آیت کا مصداق آنحضرت صلیم کو ہی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ چشمہ معرفت میں فرماتے ہیں :-

”پھر دوسری جگہ فرمایا: وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔ یعنی ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لیے تجھے نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جائے پس جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلیم تمام دنیا کے لیے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لیے رحمت ہیں۔ اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے۔ نہ کہ کسی خاص قوم سے“ (مضمون مطبوعہ چشمہ معرفت ص ۱۷)

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور مہدی مہود ہونے کا ہے۔ اور پہلے علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مہدی نبی رسول کریم صلیم کی طرح رحمتہ للعالمین ہو گا۔ چنانچہ علامہ سید محمد شریف محمد بن رسول حسینی برزنجی ثم الممد فی اپنی کتاب ارشادہ لا شرائط الساعۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۶۸ میں لکھتے ہیں:

فالْمَهْدَى رَحْمَةُ اللَّهِ كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ وَالْمَهْدَى يَقْفُو أَثَرَهُ وَلَا يَخْطِئُ فَلَا يَدِينُ إِلَّا بِكُونِ رَحْمَةٍ بِمَهْدَى خَدَاتِهَا لِي رَحْمَتٍ هِيَ۔ جیسا کہ رسول کریم صلیم خدا کی رحمت تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور مہدی آنحضرت صلیم کے نقش قدم پر چلے گا اور خطا نہیں کرے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ بھی رحمت ہو۔ اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے توجہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے مسلم مقتدا اور پیشوا ہیں۔ علماء اسلام کو بھی رحمتہ للعالمین میں شریک سمجھا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”لفظ رحمة للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء و دیگر علماء ربانین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب میں اعلیٰ ہیں۔ لہذا اگر دوسرے کے لیے اس لفظ کو تبادلِ بول دے تو جائز ہے۔ فقط بندہ رشید احمد (فتویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۷)

اب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے حق میں جو ان کا مقتدا ہے۔ اور خاتم الاکابر اور خاتم المحدثین ہے۔ دیکھو مرتبہ شیخ الہند محمود حسن بدوات مولوی رشید احمد صاحب کا زور مرتد اور کلمہ کی جزغالی کے شکر ہونے کا فتویٰ دے گا۔ کیونکہ مختار مدعیہ جس بات کو آنحضرت صلیم کی صفت خاصہ بتاتا ہے۔ اس کے سب سے بڑے مقتدا نے اس کے متعلق صاف الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ لفظ رحمتہ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔ افسوس کہ مختار مدعیہ کو اپنے گھر کا بھی پتہ نہیں ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا الہام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین لازم نہیں آتی۔ اور نہ آپ کی وہ خصوصیت جو قرآنی آیت میں مذکور ہے۔ زائل ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کے مصداق آنحضرت صلیم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ہوئے ہیں۔ اور جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں۔ وہ بلا ریب حسب مراتب رحمتہ للعالمین ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے آپ نے اس الہام کا یہ ترجمہ کیا ہے: ”اور ہم نے دنیا پر رحمت کرنے

کے لیے تجھے بھیجا ہے۔ (الرعیین ۳: ۲۵) اور دوسرا ترجمہ یہ کیا ہے۔ میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ مناسب لوگوں کے لیے رحمت کا سامان پیش کروں۔ (البشریٰ جلد ۱ ص ۳)

(۵)

## قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی يحبکم الله

مختار معنی کے اس الہام پر اعتراض کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں لیکن اس الہام میں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ کہ وہ آپ کی پیروی کریں۔ کیونکہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہرگز محبت کے درجہ تک پہنچے ہیں۔ اس لیے آپ کی پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے جیسا کہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ نے علم الکتاب صفحہ ۶۱ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ فمن اطاعک فقد اطاع الله والرسول کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا اور رسول کی اطاعت کی۔ اور مولوی محمد حسین ثبانی اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں اس الہام کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ اس آیت کے معنی "قرآن میں وہ (مؤلف برائیں) ایسی سمجھتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت کے خطاب میں ہے۔ اور اس میں آنحضرت کا اتباع امت پر لازم کیا گیا ہے۔ اور جب ان ہی الفاظ سے خدا نے ان کو مخاطب کیا تو ان الفاظ میں (قرآن میں) وہ اپنے آپ کو مخاطب سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اتباع سے اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۴۰ کتاب ان الفاظ کا ترجمہ ان الفاظ سے فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم خدا سے محبت رکھنے ہو تو میری پیروی کرو یعنی اتباع رسول مقبول کرو تا خدا تم سے بھی محبت کرے (اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۲۱۹)

پس اصل بات یہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے فرمان۔

یک قدم دوری ازاں عالی جناب نژد ما کفر است و خیر ان و تناب

کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں اس لیے آپ کی پیروی عین عین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے چنانچہ فرمایا ہے یا کہ مؤلف کو محض برکت متابعت حضرت خیر البشر و افضل الرسل یہ منصب عطا ہوا ہے۔ (اشاعت السنۃ جلد ۱ حاشیہ صفحہ ۲۲۰)

نیز فرماتے ہیں۔ سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لیے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولا خیر الانبیاء و خیر الوری حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲) اور اس الہام میں مولویوں کی تکفیر کا رد بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نشان آسمانی بار دوم صفحہ ۳۵ میں اس الہام کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔ اور ایک طرف مولوی لوگ فتوے پڑھتے لکھ رہے ہیں کہ

اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ اور ایک طرف خدا تعالیٰ اپنے اس الہام پر مؤثر و زور دے رہا ہے، یعنی مخالفین کو اس الہام میں جواب دیا گیا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق اور اس کا شیدائی ہے اس لیے اس کی پیروی اور اس کی تقلید انسان کو خدا کا محبوب بنا دیتی ہے۔

(۶)

## مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی

مختار مدعیہ نے اس الہام پر جو اعتراض کیا ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے۔ کہ قرآن مجید میں یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی حق میں ہے اور جس واقعہ کی طرف آیت قرآنی میں اشارہ ہے اس الہام میں اس واقعہ کی طرف ہی اشارہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

”ہمارے سید و مولیٰ سید الرسل حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں ایک سنگریزوں کی مٹھی کفار پر چلائی اور وہ مٹھی کسی دعا کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خود اپنی روحانی طاقت سے چلائی مگر اس مٹھی نے خدائی طاقت دکھائی۔ اور مخالف کی فوج پر ایسا خارق عادت اس کا اثر پڑا کہ کوئی ان میں سے ایسا نہ رہا کہ جس کی آنکھ پر اس کا اثر نہ پھنپھا ہو اور وہ سب اندھوں کی طرح ہو گئے اور ایسی سرسبکی اور پریشانی ان میں پیدا ہو گئی کہ مدہوشوں کی طرح بھاگنا شروع کیا۔ اسی معجزہ کی طرف اللہ جل شانہ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی یعنی جب تو نے اس مٹھی کو پھینکا تو نے نہیں پھینکا۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکا یعنی درپردہ الہی طاقت کام کر گئی۔ انسانی طاقت کا یہ کام نہ تھا۔ (آئینہ کلمات اسلام ص ۶۷) اور اپنے الہام کی بے شریک فرمائی ہے۔

۳۱ مئی ۱۹۰۷ء مارمیت اور میت و لکن اللہ رمی (تشریح) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا اس سے اشارہ ان اشتہارات کی طرف معلوم ہوتا ہے جو حال میں شائع ہو رہے ہیں۔ (البشری جلد ۲ صفحہ ۹ بحوالہ بدر جلد ۱ صفحہ ۱) پس یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کو اپنی طرف منسوب کر لیا بالکل غلط اور محض بہتان ہے۔

(۷)

## وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی !

مختار مدعیہ کا اس الہام پر بھی وہی اعتراض ہے جو پہلے الہاموں پر کیا ہے۔ اس لیے ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید کی آیت کے مصداق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام سے یہ مراد ہے کہ آپ کے الہامات خدا کی طرف سے ہیں چنانچہ آپ الہام کا ترجمہ اس سے پہلے دو الہاموں کے ساتھ



یہ کہتے ہیں: پس تم قرآن کو چھوڑ کر کس حدیث پر چلو گے۔ ہم نے اس بندہ پر رحمت نازل کی ہے۔ اور یہ اپنی طرف سے نہیں بولتا بلکہ جو کچھ تم سننے ہو یہ خدا کی وحی ہے (الرابعین جلد ۳ صفحہ ۳) اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین لازم نہیں آتی۔ بلکہ آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی اولاد روحانی آپ کے نقش قدم پر چل کر اور آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر ایسے مقام پر پہنچتی ہے۔ اور عالی شان مرتبہ پاتی ہے جس میں ان کی وحی شیطان دخیل اور خواہشات نفسانی سے بالکل منزہ کی جاتی ہے۔ اور یہ مقام علی قدر مراتب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولیاء کو ملتا رہا ہے۔ چنانچہ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "الہام خاص آنست کہ او سبمانہ، بر بندگان خاص در حالت قرب مع اللہ با قلوب الیشاں بے دخل فکر و اندیشہ دے تو وسط حواس دیگر بالقائے رحمانی سے اندازہ و درنائی نفوس الیشاں کلمات بے صدائے خود میسر آید۔ لیکن اولیاء را این حالت دائم مینشود و پیچ گاہ خود در میان نمے باشند و آئینہ وار مرتبہ ما بین طوق عن الہوی سے گرد نہ وہمہ کلمات چنین اشخاص الہامات الہی است ذاتی از مشاہدہ و آگاہی ببعض اوقات بوساطت ملائکہ یا از صوت ہم پیغام خود حق سبحانہ با اولیاء خویش سے رساند و اس را آواز سروش نیز سے خوانند و احساس اس صلائے سروش گاہ بگوئی ظاہری ہم کردہ مینشود و اکثر ہمہ گوش باطن سے شنود" (علم الکتاب ص ۷۷) یہ جب مقام حسب مراتب پہلے اولیاء کو ملتا رہا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس مقام کے فائز ہونے پر اعتراض کیا معنی؟ اس کو کلمہ کے خلاف بتانا؟

(۸)

## وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

اس الہام پر مفتار مدعیہ کے اعتراض کا جواب بھی وہی ہے۔ کہ قرآن مجید میں خطاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے اور قرآن مجید کی آیت میں اور معنی ہیں اور اس الہام میں اور معنی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام یہ ہے۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ اِنَّهُ اَوْى الْقُرْبِيَّةَ لَوْلَا الْاَكْرَامُ لَهْلَكَ الْمَقَامُ (دافع البلاء صفحہ ۶) اور اس کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ "خدا ایسا نہیں کہ قادیان کے لگوں کو عذاب دے حالانکہ تو ان میں رہتا ہے وہ اس گاؤں کو طاعون کی دست برد اور اس کی تباہی سے بچائے گا۔ اگر تیرا پاس مجھے نہ ہوتا۔ اور تیرا اکرام نہ نظر نہ ہوتا تو میں اس گاؤں کو ہلاک کر دیتا" (دافع البلاء صفحہ ۷)

پس آیت قرآن مجید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور اس الہام سے قادیان کے باشندے مراد ہیں۔

(۹)

## سبحان الذی اسرّی بعدہ

مختار مدعیہ کے اس اعتراض کا بھی یہی جواب ہے کہ قرآن مجید میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ مختص ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور ہے۔ چنانچہ آپ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت سیر کرایا۔ یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے۔ معرفت اور یقین تک لہذا فی طور پر پہنچایا، (البشری جلد ۱ صفحہ ۲۸)

اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۵ پر اس کی تشریح میں فرماتے ہیں: ایک ہی رات میں سیر کرانے سے مفقید ہے کہ اس کی تمام تکمیل ایک ہی رات میں کر دی اور صرف چار پہر میں اس کے سلوک کو کمال تک پہنچایا۔ پس آنحضرت صلعم کا اسراء اور رنگ کا ہے۔ جس کا آیت قرآن میں ذکر ہے۔ اور اس الہام میں جس اسراء کا ذکر ہے۔ وہ اور قسم کا ہے۔

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے متعلق بھی اہل کتب کے کلام سے کھل جو کمالات اوروں کو سلاہ سال میں پیش آتے ہیں۔ حضرت کو آنا فانا البیر محبوبی و مرادی حاصل ہوئے، سو انجمی امام ربانی مولفہ محمد حسین ابی قدوة الراغبین حضرت مولانا مولوی شیخ قادر بخش صاحب مطبوعہ لاہور صلا

(۱۰)

## لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس الہام کو بھی مختار مدعیہ نے قابل اعتراض ٹھہرایا ہے۔ مالا محکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح میں فرما دیا ہے۔

”ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائکہ کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے۔“ (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان آسمانوں سے مراد روحانی آسمان لیتے ہیں جو ہر عظیم الشان مصلح کے وقت پیدا ہونے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل مصداق لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود ہی ہے کیونکہ آپ نوع انسانی کے جو کہ اشرف انواع مخلوقات ہے۔ اکل اور اعلیٰ فرد ہیں۔ جس پر تمام کمالات انسانی کا خاتمہ ہے۔ لیکن ظلی طور پر جو اپنے اندر آنحضرت صلعم کے کمال رکھتا ہے وہ بھی لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكُ کا ظلی طور پر مصداق ہو

جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قتل المؤمن اعظم عند اللہ من زوال الدنیا  
نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۶۵) اور ابن ماجہ میں یہ حدیث ان الفاظ سے آئی ہے۔ قال لزوال الدنیا اھون علی اللہ  
من قتل مؤمن بغير الحق اس کی شرح میں علامہ سندری یہ قول درج کرتے ہیں۔

” المراد بالمؤمن الکامل الذی یکون عارفاً باللہ تعالیٰ وصفاتہ فانہ المقصود  
من خلق العالم لکونہ مظهرًا لآیات اللہ واسرارہ وما سواہ فی هذا العالم الحیث  
من السموات والارض مقصود لاجلہ وخلق لیكون مسکنًا لہ ومحلا لتفکرة ونصار  
ذوالہ اعظم من زوال التابع“ ابن ماجہ جلد ۲ مصری حاشیہ صفحہ ۷۰

کہ حدیث میں مؤمن سے کامل مومن مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہو۔ کیونکہ پیدائش عالم سے وہ  
ہی مقصود ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اسرار کا مظہر ہے۔ اور اس کے علاوہ جو عالم محسوسات میں زمین و آسمان  
ہیں اس کی خاطر ان کے بنانے کا مقصد کیا گیا اور اسی سببہ پیدا کئے گئے کہ تادم کامل مومن کا جائے سکونت اور محل تفکروں  
لہذا کامل مومن کا زوال اعظم ہے۔ تاہم کے زوال سے۔

پس مذکورہ بالا الہام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث اور مذکورہ بالا شرح کی روشنی میں کسی قسم کا کوئی  
اغراض وارد نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ کہ دنیا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ مختار مدعیہ تو اس امر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دے کر اس میں کسی  
ادراک کا اپنے آپ کو شریک بنانا خواہ وہ ظلی طور پر ہی کیوں نہ ہو کفر اور ارتداد قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے مسلم مقتدا و پیشوا  
و خاتم المحدثین جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سرسے سے اس حدیث کی صحت ہی کے قائل نہیں ہیں چنانچہ اسکے  
منتعلق ایک سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ اول ما خلق اللہ نور سی اور لولاک لہما  
خلقت الانوارک صحیح حدیثیں ہیں یا وضعی اکو وضعی بتاتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۴۰ پر لکھتے ہیں یہ حدیثیں  
کتب صحاح میں موجود نہیں مگر شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اول ما خلق اللہ نور سی کو نقل کیا ہے کہ اس کی کچھ اصل  
ہے۔ فقط اس سے ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک نہ تو یہ حدیث صحاح میں ہے اور نہ اس کی کچھ  
اصل ہے۔ سب کیا مختار مدعیہ مولوی رشید احمد صاحب کو جو حدیث لولاک کی صحت ہی کے منکر ہیں اور اس کو وضعی اور  
بے اصل سمجھتے ہیں کلمہ کی جزئی ثانی کا منکر قرار دے کر ان پر کفر اور ارتداد کا فتویٰ دے گا؟

## عجینیت کا دعویٰ محمد رسول اللہ والذین معہ اشدداء علی الکفار

مختار مدعیہ نے حقیقت النبوة صفحہ ۲۶۲ سے مذکورہ بالا الہام پیش کر کے کہا ہے کہ (حضرت) مرزا صاحب نے صفات میں شرکت پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آنحضور کی ذات میں بھی شرکت کا دعویٰ کیا ہے۔ اور عین محمد ہونے کا دعویٰ کیا۔ ملاحظہ ہو حقیقت النبوة صفحہ ۲۶۲ کہ اس وحی میں میرا نام مہر رکھا گیا۔ اور رسول بھی۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے درہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کو سرسری نظر سے دیکھنے والا بھی جانتا ہے کہ آپ نے کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ میں جمہانی لحاظ سے وہی محمد ہوں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے آئے تھے۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ میں ظلی اور بروری طور پر وہی محمد ہوں۔ میں ان کا خادم ہوں اور وہ میرے مخدوم ہیں۔ اور میں آپ کا ظل ہوں اور آپ اصل ہیں یعنی میں آپ کی خدمت نہ اگر دی اور آپ کی اتباع میں اس قدر فنا ہوا ہوں کہ گویا میرا وجود آپ کے وجود سے بطاظر روحانیت علیحدہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک غلطی کے ازالہ میں ہی مصرح ہے جس کا حوالہ مختار مدعیہ نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے مانعہ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مستحکم ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔ اور فرماتے ہیں: خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے۔ اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی وجود قرار دیا ہے۔ پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ مکمل اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ اور چونکہ میں ظلی طور پر محمد ہوں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طور سے خاتم نبیین کی جہر نہیں ٹوٹی (حقیقت النبوة صفحہ ۲۶۵)

گواہ ملے اپنے بیان میں اس سوال کا جواب مفصل دے دیا ہے۔ اور علماء سلف کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کے رنگ میں رنگین ہو کر دینی کو اٹھا دیتا ہے۔ تو اس وقت اتحاد محب و محبوب ہوتا ہے۔ اور اس مشابہت نامہ کی وجہ سے اس کو محبوب کا نام دیا جاتا ان کے اتحاد کی دلیل ہوتا ہے چنانچہ مقامات امام ربانی صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے: حقیقت محمدی یہ مقام محبت و محبوبیت ممتاز ذاتیہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اس مقام میں تابع کو اپنے مقبوع سے ایسی مشابہت و مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ گویا متبوعات درمیان سے اٹھ گئی اور امتیاز تابع و مقبوع نائل ہو جاتا ہے۔ اور ایسا متوہم ہوتا ہے۔ کہ گویا تابع و مقبوع ہر دو ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ ہر آم خوش یک کند

ایک بستر نہیں مگر تابع اپنے میں لطیفی اپنے مقبول کا جانتا ہے۔  
 اور مہدی کے متعلق تو لکھا ہے کہ اس کا باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔ (شرح فصوص الحکم مکتوبہ مصر ص ۵۲ تا ۵۳) اور  
 اسی طرح مولانا عبد العلی صاحب بحر العلوم نے لکھا ہے :-  
 ”بایزید چون قطب وقت بود عین رسول علیہ السلام بود۔ چرکہ قطب نے باشد مگر بقطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دہر کر قطب  
 کسی بود عین آنکس است“ (مثنوی دفتر چہام حاشیہ ص ۱۵۱)  
 اب کیا مختار مدعی بحر العلوم مولانا عبد العلی صاحب کو بھی جو بایزید بسطامی رحمہ اللہ کو عین محمد کہہ رہے ہیں کا فروز تدار و دائرہ  
 اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دینے کی جرأت کرے گا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ ص ۱۱۳ تا ۱۱۶)

(۱۲)

### شعر

مختار مدعی نے عینیت کا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر تریاق القلوب سے پیش کیا ہے۔

منم میسج زمان و منم کلیم خدا  
 منم محمد و احمد کہ محبتا باشد

اور اس شعر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس شعر سے نہ تو عینیت کا دعویٰ ثابت ہوتا ہے۔ اور  
 نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی توہین۔ کیونکہ اس شعر میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے۔ کہ میں مسیح بھی ہوں۔ اور  
 خدا تعالیٰ مجھ سے کلام بھی کرتا ہے اور بردی طور پر میں محمد و احمد بھی ہوں جیسا کہ آپ نے دوسرے مقامات میں تشریح  
 فرمائی ہے۔ کہ محمد و احمد کا نام خدا کی طرف سے مجھ کو بردی طور پر عطا کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں۔ چنانچہ اسی قصیدہ میں آپ فرماتے ہیں :-

پناہ بیضیہ اسلام آں جواں مرد لیست

کہ خوں بدل نہ پئے دین مصطفیٰ باشد !

بروئے یار کہ ہرگز نہ رتبے خواہم !

مگر اعانت اسلام مدعا باشد ! (تریاق القلوب ص ۳۵)

چنانچہ اس کی تائید تریاق القلوب صفحہ ۷ سے بھی ہوتی ہے۔ جہاں آپ فرماتے ہیں :-

”اے تمام وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو۔ اور اے تمام وہ انسانی رگو جو مشرق اور مغرب میں آباد ہو۔ میں پورے نور  
 کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے۔“

جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والا نبی اور جلال و تقدس کے تخت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے۔ کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔ اور براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۸۹ میں فرماتے ہیں یہ ایسا ہی براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا۔ اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قائم نبوت ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے۔ پس قائل کی تشریحات کے خلاف اس کے قول کی تشریح کرنا کسی طرح جائز اور قابل قبول نہیں ہے۔

### حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

یہ سب الہامات جو مختار مدعیہ نے بطور اعتراض پیش کیے ہیں اور ان سے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنی طرف منسوب کیا ہے جو کلمہ کی جزو ثانی سے انکار کو مستلزم ہیں۔ ان سب کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ میں جس میں یہ الہامات درج ہیں یہی شبہ پیش کر کے جواب رقم فرمایا ہے۔

”اس جگہ یہ دوسرے دل میں نہیں لانا چاہیے کہ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی آل رسول مقبول کے اسماویہ صفات یا معاملہ میں شریک ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت کے کمالات قدسیہ سے شریک و مساوی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو؟ آنحضرت کے کمالات سے کچھ نسبت ہو مگر اسے طالب حق ارشاد اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخفی نہیں کو لازم و لا جواب کرتی رہیں۔ اس طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے اشتہار کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصطفیٰ شیشہ کی طرح پکا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے غم کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ مجانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرتبہ تمام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کمال ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے۔ اور حقیقی اور کمال طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ در صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۳

اور فرماتے ہیں: ان کلمات کا حاصل مطلب مطلقاً اور برکات الہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کمال مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے

سب لمبیلی ہیں۔ اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہامات میں کی جائے۔ وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے۔ اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لیتا ہے۔ اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف و احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت و خوبی سے۔ (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ ص ۴۸۶ تا ۴۸۹)

اور آپ اپنے الہام کل برکتہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم و تعلم کی تشریح میں فرماتے ہیں:

”یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پرہیزگار الہام کشف و غیر نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے۔“ (ازالہ اوہام ص ۲۴۲)

اور فرماتے ہیں: خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے وظائف سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور بہت سے اسرار مخفیہ سے الملاح بحثی ہے۔ اور بہت سے حقائق و معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے۔ اور بارہا بتلادیا ہے کہ یہ سب علیات و غیبات اور یہ سب تفضلات و احسانات اور یہ سب تملطاف و توجہات اور یہ سب انعامات و انبیات اور یہ سب مکالمات و مخاطبات ہیں متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلعم ہیں۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد  
و گرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(براہین احمدیہ ص ۵۴)

آپ کی متعدد تصدیقات سے ظاہر ہے کہ آپ پر ان انعامات کا نزول بہرکت متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مخدوم اور مقبول ہیں اور آپ ان کے خادم اور تابع ہیں۔

## دوسرا جواب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے الہامات اپنی کتاب اربعین نمبر ۱۲ اور انجام آقہم میں تحریر فرما کر مخالفین کو مباہلہ اور بالمقابل دعا کرنے کے لیے دعوت دی ہے چنانچہ الہام الامراض و السماء معك كما هو معي۔ اربعین ص ۱  
ص ۱ و انجام آقہم ص ۱ میں۔ اور انت منی بمنزلۃ توحید و تفردی اربعین ص ۱ و انجام آقہم ص ۱ اور انت اسمی الاعلیٰ اربعین ص ۱ و انجام آقہم ص ۱ اور انت منی بمنزلۃ لا یعلمہا الخلق اربعین ص ۱ و انجام آقہم ص ۱ اور کان اللہ نزل من السماء انجام آقہم ص ۱ اور انتا فتخلك فتحا مبینا اربعین ص ۱ و انجام آقہم ص ۱ اور هو الذی ارسل رسولہ بالہدای و دین الحق لیظہرک علی الدین کلہ

اربعین ۲ ص اور انجام آتھم ۵ ص اور انا اعطيناك الكوثر  
اربعین ۲ ص و انجام آتھم ۵ ص

وما ارسلناك الا رحمة للعالمین اربعین ۲ ص اور  
قل انكنتم تحبون الله اربعین ۲ ص و انجام آتھم  
۵ ص اور

سبحان الذي اسرى بعبدہ انجام آتھم ۵ ص اور  
ما ينطق عن الهوى - (اربعین ۲ ص میں مندرج ہیں)

اور ان تمام الہامات پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

”انجام آتھم میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الہامات مع دیگر الہامات کے لکھ کر مولویوں کو مباہلہ کے لیے بلایا ہے۔ اور جن لوگوں کو دعوت مباہلہ دی گئی ہے ان میں سے چوتھے نمبر پر دیوبندیوں کے مقتدی خاتم المحدثین مولوی رشید احمد گنگوہی کا ذکر ہے۔ اور مباہلہ کا طریق بھی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔“

”کناریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچہ کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میران مباہلہ میں حاضر ہوں گا اور دعا کروں گا کہ یا الہا اگر یہ الہامات میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افترا ہے۔ اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنالیا ہے یا اگر شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آجائے۔“

”نابھری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنے سے بچ جائیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تیرے بندے فتنہ اور ضلالت میں پڑیں۔ اور ایسے مقتری کا مزہ ہی بہتر ہے۔ لیکن اسے خدائے عظیم و خیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے مومنین باتیں ہیں۔ تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دکھ کی مار میں مبتلا کر کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مغلوب اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا کر کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دو دن فرقتی کہیں۔ آمین۔“

ایسا ہی فرقتی تانی کی جماعت میں سے ہر شخص جو مباہلہ کے لیے حاضر ہو جناب الہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدا ہے  
و خیر ہم اسی شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے، درحقیقت کذاب اور مضری اور کافر جانتے ہیں۔ پس اگر یہ شخص درحقیقت  
کذاب اور مضری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افترا ہے۔ تو اس آیت  
پر یہ احسان کر کہ اس مقتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا لوگ اس کے فتنے سے امن میں آجائیں۔ اور اگر یہ فتنہ





اس کے بعد میں اسی رسالہ کو جس میں میرے الہامات درج ہیں ہاتھ میں لے کر مندرجہ ذیل الفاظ میں دعا کروں گا۔  
 ”کہ اے خدا اگر یہ تیرا کلام نہیں ہے۔ اور میں تیرے نزدیک کا ذب اور مقری اور دجال ہوں۔ جس نے امت محمدیہ میں  
 فتنہ ڈالا ہے۔ اور تیرا غضب میرے پر ہے۔ تو میں تیری جنابت کے نزع سے دعا کرتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے ایک سال کے  
 اندر زندوں میں سے میرا نام کاٹ ڈال۔ اور میرا تمام کاروبار درہم برہم کر دے۔ اور دنیا میں سے میرا نشان مٹا ڈال۔  
 اور اگر میں تیری طرف سے ہوں۔ اور میں تیرے فضل کا مورد ہوں۔ تو اسے فادہ کریم اسی سال میں میری جماعت کو ایک فوق  
 العادت ترقی دے اور فوق العادت برکات شامل حال فرما۔ اور میری عمر میں برکت بخش اور آسمانی تائیدات نازل کر۔ اور  
 جب دعا ہو چکے تو تمام مخالفت جو حاضر ہوں آئیں کہیں۔“  
 اسے نرگوا اور قوم کے مشائخ اور علماء عصر میں آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اس درخواست کو ضرور قبول  
 فرمائیں۔ کیونکہ اس دعا کا نفع نقصان کل میری ذات تک محدود ہے۔ مخالفین پر اس کا کچھ اثر نہیں۔“  
 مگر علماء اسی طریق پر فیصلہ کرنے کے لیے بھی تیار نہ ہوئے اور اپنے فرار سے ثابت کر دیا کہ وہ الہامات جن پر فخر و مدیہ  
 نے اعتراضات کئے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

## تیسرا جواب

براہین احمدیہ جب شائع ہوئی اس پر مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریپلو لکھا اور مطالب خلاصہ کتاب جس میں ایک عنوان  
 مولف الہامات بھی ہے لکھ کر ان الفاظ میں اس کتاب پر اپنی احمدیہ کی تعریف کی۔ اور یہ عبارتیں میں صرف اس امر کے اثبات  
 کے لیے پیش کرتا ہو کہ جو الہامات براہین احمدیہ میں درج ہیں قابل اعتراض نہیں کتاب کی توثیق مقصود ہے۔  
 یہ اس کتاب کا خلاصہ مطالب ہے اب ہم اس پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔  
 ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی  
 اور آئندہ کی خبر نہیں۔ بعد اللہ یحیٰ بعد ذلک امر اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلبی و لسانی و حالی و ذالی  
 نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ  
 سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتاویں جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہم  
 سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہے ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصاف اسلام کی نشان دہی کریں جنہوں  
 نے اسلام کی نصرت، مالی و جانی و قلبی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے  
 مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس اگر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے  
 اس تجربہ و مشاہدہ کا اتمام نہیں ہو گا اور بھی چکھا دیا ہو۔ (اشاعت السنہ، جلد ۱، صفحہ ۷۷)

مولف براہین احمدیہ کے الہامات پر ایک دو مولویوں نے اعتراض کئے تھے۔ جن کا مولوی محمد حسین بٹالوی نے مفصل اور

اور مدلل جواب دیا اور کہا کہ ایسے الہامات کا ہونا جائز ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ الہامات بھی مندرج ہیں۔ جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ البشریٰ میں بحوالہ براہین احمدیہ یہ الہامات درج ہیں ۷

(۱) الارض والسماء معك كما هو معي۔ (البشری ص ۱۸)

(۲) قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے مذہب کی باتیں ہیں۔ (براہین احمدیہ)

(۳) دینا عاج۔ (البشری ص ۲۳)

(۴) انت مني بمنزلة لا يعلمها الخلق۔ ص ۴۶

(۵) كان الله نزل من السماء به الهام ص ۱۸۸۸ کا ہے البشری جلد ۱ ص ۶

(۶) انا فتحنا لك فتحاً مبيناً۔ (البشری ص ۱۳ اور ص ۳۷)

(۷) هو الذي ارسل رسوله بالهدى۔ (البشری ص ۱۲)

(۸) انا اعطيناك الكوثر۔ (البشری ص ۳۸)

(۹) عسى ان يبعثك ربك مقاماً محموداً۔ (البشری ص ۱۲ تاریخ نزول الہام ص ۱۸۸۸)

(۱۰) وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ (البشری ص ۳۰)

(۱۱) قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔ (البشری ص ۱۲)

(۱۲) وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى۔ (البشری ص ۱۲)

(۱۳) وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔ (البشری ص ۱۳ اور ص ۳۶)

(۱۴) سبحان الذي اسرى بعيداً۔ (البشری ص ۲۸)

(۱۵) محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار۔ (البشری ص ۳۷)

بلکہ ان کے علاوہ براہین احمدیہ میں اور الہامات بھی اس قبیل سے ہیں۔ جیسے انک علی صراط مستقیم۔

فاصدع بما تؤمر (البشری ص ۲۷) انذار عشیرتک الاقربین

ونا فتدلی فكان قاب قوسین او ادنیٰ (ص ۲۸) انک الیوم لدنیا

مکین امین (ص ۲۷) واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ (ص ۳۳)

الم نشرح لك صدرك (ص ۲۷) بیت الفکر بیت الذکر ومن دخله کان ا منا (ص ۲۷)

وغیرہ ہیں۔ لیکن اس وقت ان الہامات کے متعلق علماؤ نے یہ تسلیم کر لیا کہ امت محمدیہ کے ایک فرد پر ان الہامات کا نزول ہو سکتا

ہے۔ اور ایسا ہونا قابل اعتراض نہیں ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۷ نے ازالہ ادہام کی ایک عبارت کے متعلق عدالت کے سوال

کے جواب میں ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء یہ تسلیم کیا ہے۔ یہ کہ جب تک مرزا صاحب نے یہ عبارت لکھی تھی اس وقت تک مرزا صاحب

مسلمان تھے، بس گواہ مدعیہؑ ازالہ ادہام کی تالیف کے زمانہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسلمان ہونا تسلیم کرتا ہے۔ اور مختار مدعیہؑ نے بھی دس اکتوبر کو بحث کرتے ہوئے یہ کہا ہے ”وہ کفریات جو حقیقت الوحی سے پیش کی ہیں۔ اگر وہ اس وقت دینی خواجہ غلام فرید صاحب کے وقت موجود تھیں تو یہ شہادت صحیح ہے۔“

چونکہ ہم نے ان الہامات کا جو مختار مدعیہؑ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کفر ثابت کرنے کے لیے پیش کی ہیں۔ براہین احمدیہ اور ان کتب سے ثابت کر دیا ہے۔ جو خواجہ صاحب کی زندگی میں شائع ہوئیں۔ لہذا گواہ مدعیہؑ اور مختار مدعیہؑ کے اقراروں کی بنا پر یہ الہامات قابل اعتراض نہیں ہیں۔

ہوئے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں  
ذلیخاتے کیا خود پاک دامن ماہ کنال کا

### ملائکہ

مختار مدعیہؑ نے ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ملائکہ کو ارواح کو اکبانتے میں شریعت دالے ملائکہ کو جن کے متعلق قرآن مجید میں عباد مکرمون وارد ہے نہیں مانتے کیونکہ عید کا لفظ ذوالعقول پر اطلاق پاتا ہے۔ لہذا جو شخص ملائکہ کو ارواح کو اکبانتے اور ان کے وجود فی الخارج کا منکر ہو اس کا ملائکہ پر ایمان کیا؟ اور وہ کیسے مومن کہلا سکتا ہے۔ مگر یہ بھی مختار مدعیہؑ کا ایک صریح منالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں فرشتوں پر ایمان لانے کا ذکر بڑی کثرت سے آیا ہے آپ فرماتے ہیں:

(۱) از ملائک راز خبر باغے معاد  
آن ہم از حضرت احدیت است !  
آنچه گفت آن مرسل رب العباد  
منکر آن مستحق لعنت است

(سراج منیر)

(۲) تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار (برائین حصہ پنجم)

(۳) اے میرے مولا ثواب فرج ملائک کو اتار (برائین حصہ پنجم)

(۴) ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حتیٰ حشر اجداد حق اور جنت حق اور دوزخ حق ہے (ایام الصلح صفحہ ۸۶)

(۵) واعتقد ان لله ملائكة مقربین لكل واحد منهم مقام معلوم آمنہ کمالات اسلام ص ۳۴۴

یعنی میں اعتقاد رکھتا ہوں کہ خدا کے مقرب فرشتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین مقام ہے۔

(۶) فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ

کے ارادہ سے باہر مانا پڑتا ہے۔ اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کر رہے ہیں پس جب کہ یہ قانون مزدوری اور مسلم ہے۔ تو پھر جبرئیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے۔ (حاشیہ معرفت ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۰۸ء) اور عجیب بات ہے کہ مختار مدعیہ نے جس کتاب توضیح مرام سے فرشتوں کا انکار نکالا ہے۔ اس میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:

”قرآن شریف نے جس طرز سے ملائک کا حال بیان کیا ہے۔ وہ نہایت سیدھی اور قریب قیاس راہ ہے اور جزاس کے ماننے سے کچھ بن نہیں پڑتا۔ (توضیح مرام ص ۳ طبع دوم)

اور فرماتے ہیں: ”وما منّا الا له مقام معلوم وانا لحن الصّافون۔“  
”فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک درجہ بھی آگے پیچھے نہیں ہونے جب کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وما منّا الا له مقام معلوم وانا لحن الصّافون (توضیح مرام ص ۳۲)

اور فرماتے ہیں:

”ملائک کو اس معنی سے ملائک کہتے ہیں کہ وہ ملائک ابرام سعادہ اور ملائک اجسام الارض ہیں یعنی ان کے قیام اور بقا کے لیے ارجح کی طرح ہیں۔ اور نیز اس معنی سے بھی ملائک کہتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔ (توضیح مرام ص ۳۳)  
اور ملائک کو روح کی طرح کہنے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ برکتیں کہ فی الواقعہ وہ روح ہیں اور ان کا علیحدہ کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ روح کی طرح سے مراد یہ ہے کہ ملائک کو ان نورانی اور روشن ستاروں سے ایک جھول اگتہ تعلق ہے جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:-

”پس اس میں کچھ شک نہیں کہ بوجہ مناسبت۔ ذری و نفوس طیبہ ان روشن اور نورانی ستاروں سے تعلق رکھتے ہوں گے کہ جو آسمانوں میں پائے جاتے ہیں۔ مگر اس تعلق کو ایسا نہیں سمجھنا چاہیے کہ جیسے زمین کا ہر ایک جاندار اپنے شانہ جان رکھتا ہے۔ بلکہ ان نفوس طیبہ کو بوجہ مناسبت اپنی نورانیت اور روشنی کے جو روحانی طور پر انہیں حاصل ہے۔ روشن ستاروں کے ساتھ ایک جھول اگتہ تعلق ہے۔ اور ایسا شدید تعلق ہے کہ اگر ان نفوس طیبہ کا ان ستاروں سے الگ ہونا فرض کیا جائے تو پھر ان کے تمام قوی میں فرق پڑ جائے گا۔“

انہیں نفوس کے پوشیدہ ہاتھ کے زور سے تمام ستارے اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں اور جیسے خدا تعالیٰ تمام عالم کے لیے بطور جان کے ہے ایسے ہی (مگر اس جگہ تشبیہ کامل مراد نہیں ہے) وہ نفوس نورانیہ کو اکب اور سیارات کے لیے جان کا ہی حکم رکھتے ہیں۔ (توضیح مرام ص ۳۴ و ص ۳۵)

اور توضیح مرام صفحہ ۶۸ پر جو آپ نے فرمایا ہے۔ ”مثلاً جبرئیل جو ایک عظیم الشان فرشتہ ہے اور آسمان کے ایک

نہایت روشن نیر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کو کئی قسم کی خدائیں پسر دہیں بنی ہیں سے ایک دہی کرنا بھی ہے۔ تو یہاں بھی تعلق سے آپ کی مراد ایسا ہی تعلق ہے۔ جو فرشتوں کو دوسرے اجسام سے ہے۔ چنانچہ آپ توضیح مرام صفحہ ۸۳ میں فرماتے ہیں۔ ”نیسرا کام جبرئیل کا یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی کلام کا ظہور ہو تو ہوا کی طرح موج میں آکر اس کلام کو دل کے کانون تک پہنچاتا ہے۔ یاد دہنی کے پیرا یہ میں افزودہ ہو کر اس کو نظر کے سامنے کر دیتا ہے۔ یا حرارۃ مخرقہ کے پیرا یہ میں تیزی پیدا کر کے زبان کو الہامی الفاظ کی طرف چلا آتا ہے۔“

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام سورج نہیں ہے۔ بلکہ سورج کے علاوہ ایک اور وجود ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں آپ فرماتے ہیں۔

”خدا تعالیٰ نے فرشتوں کا نام مدبریات و مقدمات امر رکھا ہے۔ اور ہر ایک عرض اور جو ہر کے حدوث و قیام کا دہی موجب ہیں۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو بھی دہی اٹھائے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ان کل فتنی لہما علیہما حافظ سے کلی طور پر فرشتوں کا نظریہ ہر ایک چیز پر نبات ہوتا ہے۔ اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کے بعض مقامات میں رمی شہب کا فاعل فرشتوں کو ٹھہرایا اور بعض دوسرے مقامات میں اس رمی شہب کا فاعل ستاروں کو ٹھہرایا کیونکہ فرشتے ستاروں میں اپنا اثر ڈالتے ہیں جیسا کہ جان بدن میں اپنا اثر ڈالتی ہے۔ ملائکہ کو اجرام سماوی بلکہ بعض فرشتوں کو جو عنصریوں ہیں۔ عناصر اور اجرام سماوی سے ایسا شدید تعلق ہے۔ جیسا کہ ارواح کو قوالب کے ساتھ ہے۔ یہ تو پس ہے کہ قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ آسمان پر ایک مستقل وجود رکھتے ہیں مگر کیا یہ دوسری بات بھی اسی کتاب عزیز کی رو سے سچی ثابت نہیں ہونی کہ ملائکہ کا تعلق ہر ایک اجرام سماوی سے ایک حافظانہ تعلق ہے اور ہر ایک ستارہ اپنے بقا اور قیام اور صدور افعال میں ملائکہ کی تابعدار محتاج ہے۔ انوس کہ یہ لوگ جو اپنے نفس مولوی کہلاتے ہیں بوں تو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لیے بڑے سرگرم ہیں مگر قرآن کریم فی تعین مبارکہ حلیہ کو تدبر اور تعمق کی نظر سے نہیں دیکھتے پھر جی کے سمجھنے میں کیونکہ کامیاب ہوں۔

(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ ص ۱۳، ص ۱۴۵)

اور فرماتے ہیں۔

”واضح ہو کہ یہ خیال کہ فرشتے کیوں نظر نہیں آتے بالکل عجیب ہے۔ فرشتے خدا تعالیٰ کی طرح ایک نہایت لطیف وجود رکھتے ہیں۔ پھر کس طرح ان آنکھوں سے نظر آریں۔ (آئینہ کمالات اسلام ص ۱۴۵)

ان تمام مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک فرشتے دراصل کوآب کی ارواح کا نام نہیں ہے۔ اور ان کے لیے روح یا جان کا لفظ جو استعمال کیا ہے۔ تو وہ صرف اس لیے استعمال کیا ہے۔ تا ستاروں کے ساتھ ان کا شدید تعلق ظاہر ہو۔ اور ان میں جو تغیرات ہوتے ہیں وہ سب فرشتوں کے ذریعہ ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی آیت والہ المشتقت السماء فہی یومئذ واہیہ والملك علی

ادجائنها و يحمل عرش دبك فوقهم يومئذ شمائنية (کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں کہ ”در حقیقت آسمان کی بقا و بقاء و عرش اور دج کے ہے یعنی ملائک کے جو آسمان اور آسمانی اجرام کے لیے بطور ردوں کے ہیں۔ اور جیسے روح بدن کی محافظ ہوتی ہے۔ اور بدن پر تصرف رکھتی ہے۔ اسی طرح ملائک آسمان اور آسمانی اجرام پر تصرف رکھتے ہیں۔ اسی طرح ملائک سمادی انہیں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور انہی کے ذریعہ سے صدور انزال کو اکب ہے۔ پھر جب وہ ملائک جان کی طرح اس قالب سے نکل جائیں گے۔ تو آسمان کا نظام ان کے نکلنے سے درہم برہم ہو جائے گا۔ جیسے جان کے نکل جانے سے قالب کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

اور شیخ محمد الدین ابن العربی نے فوہات مکتبہ باب ۶۰ میں سورج اور چاند ستاروں کو فرشتوں کی سواریاں قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ فرشتہ کے لیے ایک ستارہ ہے جو اس کی سواری ہے۔ اور اس میں وہ خدا کی تسبیح کرتا ہے۔ (البواقیت جلد ۲ صفحہ ۵۵)

اب میں اس اعتراض کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں بھی دے دینا چاہتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں ”ومن اعتزاضاتهم انهم قالوا ان هذا الرجل يحسب الملائكة ارواح الشمس والقمر والنجوم۔ اما الجواب۔ فاعلموا انهم قد اخطاوا في هذا والله يعلم اني لا اجد ارواح النجوم ملائكة بل اعلم من ربي ان الملائكة مدبرات للشمس والقمر والنجوم وكل ما في السماء والارض وقل قال الله تعالى وان كل نفس لهما عليها حافظ وقال والمدبرات امرا ومثل تلك الايات كثير في القرآن فطوبى للمتدبرين۔ (حماة البشرى ص ۵)

”یعنی مخالفین کا یہ اعتراض بھی ہے کہ یہ شخص ملائکہ کو سورج اور چاند اور ستاروں کی ارواح خیال کر لے ہے۔ جواباً واضح ہو کہ انہوں نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور اللہ جانتا ہے۔ کہ میں ستاروں کی ارواح کو قرار نہیں دیتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ علم دیا گیا ہے کہ ملائکہ سورج اور چاند اور ستاروں اور ہر اس چیز کے جو آسمان و زمین میں ہے۔ مدبر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وان كل نفس لهما عليها حافظ والمدبرات امرا اور ایسی آیات قرآن مجید میں بہت ہیں۔ پس سادات ہے نوکر کرنے والوں کے لیے“

اور مدبر علیہ کے اس سوال کا جو اس نے توضیح مرام کی عبارت کی بنا پر کیا ہے۔ اور جس کا میں نے ابھی جواب دیا ہے۔ حضرت اقدس خود بھی جواب دے چکے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب ”ازالہ اوہام“ میں مختار مدبر علیہ کے ہم رنگ مولویوں کا پہلے سوال درج کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب تحریر فرماتے ہیں“

(سوال) ملائک اور جبرئیل علیہ السلام کے وجود سے انکار کیا ہے۔ اور ان کو توضیح مرام میں کو اکب کی قوتیں ٹھہرایا ہے

”جواب“ یہ آپ کا دھوکا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ عاجز ملائک اور جبرئیل کے وجود کو اسی طرح مانتا ہے۔ جس طرح قرآن اور حدیث میں وارد ہے۔ اور جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی رو سے ملائک کے اجرام سماوی سے قائمہ تعلقات پائے جاتے ہیں۔ یا جو کام خاص طور پر انہیں سپرد ہو رہا ہے اس کی تشریح رسالہ توفیح مرام میں ہے۔

۵۔ جو بحث نوی سخن اہل دل گو کہ خطا است  
سخن شناس نہ دہرا خطا اینجا است

(ازالہ اوہام حصہ اول طبع سوئم ۱۳۷۱ھ)

اب جائے انصاف ہے کہ حضرت اقدس نے توفیح مرام کی عبارت کے متعلق اپنی قطعی و یقینی مراد اس قدر صراحت و وضاحت سے ظاہر فرمادی ہے۔ لیکن باوجود اس کے اس قطعی اور یقینی مراد کو چھوڑ کر عدالت اور سپیک کو متاملہ دینے کے لیے آپ کی عبارت توفیح مرام کلمے معنی لیے جاتے ہیں جو قطعی و یقینی طور پر غلط ہیں اور پھر اپنے ان خود تراشیدہ لغو و باطل معنی کی بناء پر کفر کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ مجھے اس وقت مختار مدعیہ کی جو گواہ مدعیہ ۲ بھی ہے۔ اور ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند بھی یہ چکا ہے ایک عبارت یاد آگئی جو اس نے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے لیے لکھی تھی۔ میں حسب ضرورت موقع صرف ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اس کو پیش کر دینا مناسب وقت سمجھتا ہوں کہ حقیقتاً وہ اسی موقع کے لیے ہے نہ اس موقع کے واسطے جہاں وہ پیش کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے دھوکہ دینے کے واسطے قطعی و یقینی مراد ہے اعراض فرمایا جاتا ہے اور جو قطعی اور یقینی غلط معنی ہیں۔ وہی مراد لے کر قطعی اور یقینی تکفیر فرمائی جاتی ہے۔ اسے چودھویں صدی واجب نیرے علماء ایسے ہی تو دجال کیسے ہونگے۔ (السحاب المدرا حصہ ۴)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے بارہ میں مختار مدعیہ کے نزدیک سرسید کا جج کو انہوں نے علیہ الرحمۃ کہا ہے مذہب بھی بیان کر دیا جاوے۔ وہ فرماتے ہیں :-

”قرآن مجید سے فرشتوں کا ایسا وجود جیسا کہ مسلمانوں نے اعتقاد کر رکھا ہے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ برخلاف اس کے پایا جاتا ہے۔ ۲۔ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان کا اصل وجود نہیں ہو سکتا بلکہ خدا کی بے انتہا قدرتوں کے ظہور کو اور ان قویٰ کو جو خدا نے اپنی تمام مخلوق میں مختلف قسم کے پیدا کیے ہیں۔ ملک یا ملکہ کہا ہے جن میں سے ایک شیطان یا ابلیس بھی ہے۔ (تفسیر سرسید جلد ۱ ص ۴۹)

اور لکھتے ہیں :-

”اصل یہ ہے کہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ انسان کی فطرت کو اور اس کے جذبات کو بتلاتا ہے۔ اور جو قویٰ بہیمیہ اس میں ہیں ان کی برائی یا ان کی دشمنی سے اس کو آگاہ کرتا ہے۔ مگر یہ ایک نہایت دقیق و راز تھا۔ جو عام لوگوں کی اور ادنیٰ چرانے والوں کے لیے قسماً یا خدا اور فرشتوں کے مباحثہ کے طور پر اس فطرت کو بیان کیا ہے۔ تاکہ ہر کوئی خواہ اس کو فطرت کا راز سمجھے خواہ فرشتوں اور خدا کا مباحثہ۔ خواہ شیطان اور خدا کا ہنگامہ۔ اصل مقصد حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔



(تفسیر سر سید ص ۵۳)

اب یہ امر خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔ کہ مختار مدعیہ فرشتوں کے متعلق وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو میں حضرت افدس کی تحریروں سے ادھر دکھا چکا ہوں حضرت افدس پر تو کفر کا فتویٰ دیتا ہے۔ اور سر سید احمد خاں کو فرشتوں کی بات باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے چل بھی میں نے ان کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ ان کو الفاظ ”رحمۃ اللہ علیہ“ کا مستحق قرار دیتا ہے۔

(۲)

## نزول ملک

شاید مدعیہ اب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نزول ملک کے متعلق یہ اعتراض کیا ہے کہ آپ جبرئیل کے زمین پر نزول اور ملک الموت کے بذات خود زمین پر اتر کر قبض ارواح کرنے کے قائل نہیں ہیں اور جبرئیل کے نزول کو جو شروع میں وارد ہے اس کی تاثیر کا نزول منستے ہیں۔ اور جو صورت جبرئیل کی دیکھنے میں آتی ہے۔ اس کو جبرئیل کا عکس بتانے ہیں۔

”اما الجواب“ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نزول جبرئیل و ملک الموت کی اصل حقیقت نہایت مدلل طور پر توجیح مرام میں بیان فرمادی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”اس جگہ اس بات کا بیان کر دیتا ہے موقع نہ ہو گا۔ کہ جو کچھ ہم نے روح القدس اور روح الامین و نبیہ کی تعبیر کی ہے۔ یہ درحقیقت ان عقائد سے جو اہل اسلام ملک کی نسبت رکھتے ہیں۔ منافی نہیں ہے۔ کیونکہ محققین اہل اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملک اپنے شخص وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیردوں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بہ زوال بہ بدایت باطل ہے۔ کیونکہ اگر ایسی ضرور ہوتا کہ ملک اپنی اپنی خدمات کی بجائے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اتر کر تے تو پھر ان سے کوئی کام انجام پذیر ہونا بغایت درجہ محال تھا۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سینکڑوں ہزار ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے۔ جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں۔ اگر ہر ایک کے لیے اسباب کا محتاج ہو کر اور پیردوں سے چل کر اس کے ملک اور خیر اور گھر میں جاوے اور پھر اتنی مشقت کے بعد جان نکالنے کا موقع ملے تو ایک سیکنڈ میں اتنی بڑی کارگزاری کے لیے تو کئی مہینے کی مہلت بھی کافی نہیں ہو سکتی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کر کے ایک طرفۃ العین کے یا اس کے کم مرصہ میں تمام جہاں گھوم کر چلا آوے ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصل مقامات سے جو ان کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔ ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَمَا مِنَّا اِلَّا لِمَا مَعْلُومٌ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاحِبُونَ (سورہ صافات جزء ۳۴) توجیح مرام ص ۲۹ تا ۳۲

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس عبارت میں جو حضرت عزرائیل وغیرہ فرشتوں کے نزول کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ وہ سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ کہ تمام فرشتے اپنے مقام معلوم میں موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے مستقر سے ادھر ادھر نہیں توڑا اور حضرت جبرئیل کا انبیاء کے پاس آنا صرف تمثیلی رنگ میں تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔  
 یا قی الہک احیاء فی مثل صلصلة الجرس فیفصم عنی وقد وعدت ما قال  
 وهو اشد علی ویتمثل لی الہک احباً نارجل فی کل منی فاعی ما یقول۔  
 (بخاری جلد ۲ ص ۱۲۱ باب ذکر الملائکۃ ۶۰)

کفرشتہ کبھی تو گھنٹی کی آواز کے تمثیل میں آتا ہے۔ اور یہ صورت مجھ پر سخت ہوتی ہے۔ اور بعض دفعہ وہ انسانی تمثیل میں آتا ہے۔ تو وہ مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو میں اس کی بات کو یاد رکھتا ہوں۔  
 اس سے بھی ثابت ہے کہ جبرئیل کا نزول تمثیلی طور پر ہی ہوتا ہے۔ خود آنحضرت صلعم نے بھی جبرئیل کے نزول کو تمثیلی رنگ میں ہی بتایا ہے۔ اور اسی طرح حضرت مریم کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے فتمثل لہا بئیسوسیا۔ یعنی وہ روح القدس فرشتہ حضرت مریم کے لیے انسانی صورت میں تمثیل ہو کر ظاہر ہوا۔  
 اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کتاب ”مدارج النبوة“ مؤلفہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی سے جبرئیل کے تمثیلی نزول کا ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

”مذاً لعل شیخ بزرگ عبدالحق محدث کو جزائے خیر دیوے کیونکہ انہوں نے بصدر دل قبول کر لیا۔ کہ جبرئیل بذات خود نازل نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک تمثیلی وجود انبیاء علیہم السلام کو دکھائی دیتا ہے۔ اور جبرئیل اپنے مقام آسمان میں ثابت اور برقرار ہے۔ یہ دہی عقیدہ ہے۔ جو اس عاجز کا ہے جس پر حال کے کور باطن نام کے علماء کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ افسوس کہ یہ بھی خیال نہیں کرنے کہ اس بات پر تمام مفسرین نے اتفاق کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اپنے حقیقی وجود کے ساتھ صرف دومرتبہ آنحضرت صلعم کو دکھائی دیا ہے۔“

”اور ایک کچھ بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے۔ کہ اگر وہ اپنے اصل اور حقیقی وجود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو خود یہ غیر ممکن تھا کیونکہ ان کا حقیقی وجود تو مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ اور ان کے بارز آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کہ اور مدینہ میں کیونکہ سما سکتے تھے۔“ (الآئینہ کمالات اسلام ص ۱۲)

اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آیت ولقد راہ بالافق المبین۔ اور آیت ولقد راہ نزولہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

فقال انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا انما هو جبرئيل لمرارة على صورته التي خلق عليها غير هاتين المدينتين رايته

مذهباً من السماء ساداً عظم خلقه بين السماء والارض - (مسلم جلد ۱ ص ۴۲)  
اس میں حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا ہے۔

لہذا میں اس امت کا سب سے پہلا فرد ہوں جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا کو دیکھنے کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا بلکہ جبریل کو دیکھا تھا میں نے اسے حقیقی صورت میں جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے سوائے ان دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے اسے آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا۔ اور اس کے عظیم الشان وجود سے زمین سے آسمان تک تمام افق بھرا ہوا تھا۔

اور بخاری میں ہے۔ اِنَّهٗ راي جبريلَ ولهٗ ستاۃ جناح (بخاری ذکر الملائکہ جلد ۲ ص ۱۲۴)  
یعنی آپ نے جبریل کو دیکھا کہ اس کے چھ ستوپر تھے۔

ان احادیث سے ظاہر ہے کہ جبریل وغیرہ ملائکہ اپنی حقیقی صورت میں نازل نہیں ہو کرتے۔ بلکہ ان کا زمین پر آنا بصورت انسانی متغی رنگ میں ہوتا ہے۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں صرف دو ہی بار دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے جب کہ وہ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

علاوہ ان کے اور علما و ائمہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام مثالی طور پر دکھائی دیتے تھے۔ اور غور نہیں اترتے تھے۔ چنانچہ ”روح المعانی“ میں لکھا ہے۔ ”کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کا دکھائی دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض نے نزول جبریل کے متعلق کہا ہے۔“

ان جبریل علیہ السلام مع ظہودہ بین یدی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی صورۃ دحیۃ الکلبی او غیرہ لما یفارق سدرۃ المنتہی - (روح المعانی جلد ۷ ص ۶)

یعنی جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دحیہ کلبی وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہی سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتے۔

یہ ہے قرآن شریف اور احادیث اور اکابر بزرگان اسلام کے بیان کی رو سے نزول جبریل کی حقیقت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مسلک بھی اسی کے مطابق ہے۔ ایسی حالت میں اس عقیدہ کے متعلق حضرت اقدس پر اعتراف کرنا ان سب بزرگان دین پر جو یہی مسلک رکھتے ہیں اعتراض کرنا ہے۔ بلکہ حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ عذا اسمہ وجل شائعہ - کی ذات پاک پر بھی کیونکہ حدیث و قرآن سے بھی جبریل علیہ السلام کا نزول بطور متثل ہی ثابت ہوتا ہے۔ نہ اس کے خلاف۔ گواہ مدعیہ نے جبریل کے متغی نزول کو خلاف نزول وارد شرع تو فرادیا۔ مگر نہ تو وہ کوئی حدیث یا آیت ایسی پیش کر سکا ہے جس سے جبریل و ملک الموت کا ذاتی نزول ثابت ہوتا اور نہ اس نے ان دلائل میں سے جو متغی نزول کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے پیش کی ہیں کوئی دلیل توڑ کر دکھائی ہے۔ ایسی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے

متعلق یہ کہہ دینا کہ آپ ملائکہ کے نزول وارد سندھ کو نہیں مانتے لغو و باطل ہونے کے لحاظ سے قطعاً قابل التفات نہیں ملائکہ اور جبرئیل کا نزول وارد شریعتی ہے جو قرآن وحدیث ادر اقوال اکابر امت سے ظاہر ہے۔ اور وہی حضرت اقدس مانتے ہیں

(۳)

## نجوم کی تاثیر

اور شاہد مدعیہ سب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ ”مزارع صاحب اس وجہ سے بھی مسلمان نہیں ہیں کہ وہ نجوم کی تاثیر کے قائل ہیں، چنانچہ توفیح مرام ص ۵۵ میں لکھتے ہیں یہ کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ نجوم کی تاثیر ہے۔“ اما الجواب۔ توفیح مرام کے صفحہ ۵ پر یہ عبارت نہیں ہے البتہ صفحہ ۳۸ پر آپ فرماتے ہیں۔

”آج کل کہیں کہیں اس امر میں اختلاف نہیں کیا کہ جس قدر آسمانوں میں سیارات اور کوکب پائے جاتے ہیں۔ وہ کائنات الارض کی تکمیل و نہایت کے لیے ہمیشہ کام میں مشغول ہیں۔ غرض یہ نہایت عجیب ہوتی اور ثبوت کے چرخ پر چڑھی ہوئی صداقت ہے کہ تمام نباتات اور بہاوت اور حیوانات پر آسمانی کوکب کا دن رات اثر پڑ رہا ہے۔ اور جاہل سے جاہل ایک دہقان بھی اس قدر نوسرور یقین رکھتا ہوگا کہ جاندی روشنی پھلوں کو موڈا کرنے کے لیے اور سورج کی دھوپ ان کے پکانے کے لیے اور شیریں کرنے کے لیے اور بعض ہوا میں کمزرت پھیل آنے کے لیے بلاشبہ موثر ہیں“ (توفیح مرام ص ۳۸) (۳۹)

اس زمین میں نجوم کی تاثیر کا انکار کرنا تو تجربہ اور مشاہدہ کو غلط اور باطل ٹھہرانا ہے۔ اور یہ ایسی واضح بات ہے۔ کہ جس کا انکار کیا۔ کم فہم آدمی بھی نہیں کر سکتا چنانچہ عقائد کی کتاب ”نمبر ۱۱“ میں لکھا ہے۔

”اما القول بان الكواكب اسباب وعلامات بتسخير الواجب تعالى فلا كفر بل قد اعترف به المحققون كالامام الغزالي و صاحب الفتاوى (دہری) مطبوعہ میرٹھ ص ۱۹۲“  
یعنی ”یہ کہنا کہ ستارے اللہ تعالیٰ کے مسخر کرنے کی وجہ سے بعض چیزوں کے حدوث یا تغیر کے لیے ذرائع اور علامات ہیں تو یہ کفر نہیں ہے بلکہ محققین نے اس امر کا اعتراف کیا ہے جیسے امام غزالی اور شیخ فی الدین ابن عربی صاحب فتاویٰ مکیہ نے۔“

اور اسی کی کتاب کے حاشیہ ص ۲۲۸ میں لکھا ہے۔

”قد صرح الشیخ الاکبر فی الفتوحات فی مواضع کثیرة بان حركات الافلاك

والکواكب و اوضاعها موثرات و علامات یا ذن الحق سبحانه فی العناصر و قال

لو عرفت الجہال المکنون لهذه العلوم فی قولہ ”والنجوم مستحرات بامرہ لما قالوا شیئاً عما قالوا۔“

یعنی ”شیخ اکبر نے فتوحات کے بہت سے مقامات پر تصریح کی ہے کہ آسمانوں اور ستاروں کے حرکات اور اوضاع

اللہ تعالیٰ کے اذن سے غما میں موثر ہیں یا بطور علامات کے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اس علم سے جاہل اور نیک لوگ جانتے کہ نجوم بھی اللہ تعالیٰ کے زیر علم خدات میں لگے ہوئے ہیں تو جو اعتراض وہ کرتے ہیں نہ کرتے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی "حجۃ اللہ البالغہ" جلد ۲ ص ۱۷۱ میں فرماتے ہیں۔

جس کا اثر جہ یہ ہے۔

مذکورہ انواع اور نجوم میں کسی حقیقت کا پایا جانا بعید امر نہیں ہے اور شریعت میں اس کو شغل بنالینے سے منع کیا گیا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ بعض تاثیرات قویہ ہیمیات اور اولیات میں سے ہیں۔ جیسے فصلوں کا اختلاف سورج اور چاند کے اختلافات کی وجہ سے ہے۔ اور این اور تاثیرات۔ اور بعض ایسی تاثیرات ہیں جو نجوم اور حدس اور حدس سے معلوم ہوتی ہیں۔ پس جیسا کہ ہر ایک نوع کے لیے گرمی اور سردی خشکی اور رطوبت کے لحاظ سے جو امراض کے دفعیہ کے لیے وقت ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مخصوص طبائع میں اسی طرح افلاک اور کواکب کی طبائع اور خواص ہیں جیسے سورج کی حرارت اور چاند کی رطوبت۔ پس جب کوئی ستارہ اپنے محل میں آتا ہے تو اس وقت اس کی قوت زمین میں ظاہر ہوتی ہے۔ کیا تجھے علم نہیں کہ عورت عورتوں کے عادات اور اخلاق سے ایک ایسے سبب کی وجہ سے مختص ہوتی ہے۔ جو اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ادراک کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مرد کی طبیعت میں ایک بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ برات اور جمہوریت وغیرہ صفات سے مختص ہو گیا ہے۔ پس تجھے اس امر کا بھی انکار نہیں کرنا چاہیے کہ زہرہ اور مریخ کے قوی کے زمین پر حلول کرنے کے وقت ان پوشیدہ طبائع مذکورہ کی طرح تاثیر ہو۔

پس بقول شاہ ولی اللہ صاحب حدیث میں مطلقاً نجوم کی تاثیر سے انکار نہیں کیا گیا بلکہ اس امر سے منع کیا گیا ہے کہ حقیقی طور پر نجوم اور انواع موثر سمجھے جائیں۔ اور خیال کیا جائے کہ نجوم ہی ان اشیاء کے حصول کی حقیقی علت اور سبب ہیں چنانچہ شاہ مدعیہ نے جس کتاب سے یہ اعتراض کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی میں اس امر کی تردید فرمادی ہے کہ نجوم حقیقی طور پر موثر نہیں ہیں بلکہ حقیقی موثر اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے آپ فرماتے ہیں۔

یحسبون الشمس والقمر والنجوم مؤثرات بذاتہم ولا مؤثر الاھو (توضیح مرام ص ۷۷)

یعنی "لوگ سورج اور چاند اور نجوم کو موثر بالذات خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت سوائے ذات باری کے کوئی موثر بالذات نہیں۔ اس شاہ مدعیہ کا اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ہی نہیں بلکہ تمام محققین امت پر ہے۔ اور اس کے اعتراض کو صحیح ماننے کی صورت میں مشاہدات اور تجارب صحیحہ کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

(۴)

## ”پاک تثلیث“

اور اس شاہد مدعبہ عیب نے ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے روح القدس اور روح الامین سب انسانوں کی صفتیں بتائی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ ”پاک تثلیث“ ہے۔ جو خدا کی محبت اور آدمی کی محبت کے ملنے سے بطور نتیجہ پیدا ہوتی ہے۔

شاہد مدعبہ کا یہ الزام کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ لکھا ہے کہ روح القدس اور روح الامین سب انسان کی صفتیں ہیں بالکل غلط ہے آپ فرماتے ہیں۔

”اوپر کی طرف سے مراد وہ اعلیٰ درجہ کی محبت ہے قوی ایمان سے ملی ہوتی ہے۔ جو اول بندہ کے دل میں باہا الہی پیدا ہو کر رب قدیر کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور پھر ان دونوں محبتوں کے ملنے سے جو درحقیقت مراد راہ کا علم رکھتی ہیں۔ ایک مستحکم رشتہ اور ایک شدید مواصلت خالق اور مخلوق میں پیدا ہو کر الہی محبت کی چمکنے والی آگ سے جو مخلوق کو بہیم مثال محبت کو کچڑ لیتی ہے۔ ایک تیسری چیز پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام روح القدس ہے۔ (توضیح مرام ص ۲۱) (اس کے لیے تفصیل ملاحظہ ہو توضیح مرام ص ۲۶)

اور شاہد مدعبہ کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب تثلیث کے قائل ہیں عدالت کو مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں تثلیث سے عیسائیوں کی تثلیث (یعنی تین خدا ہونا) مراد نہیں لی۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں۔

”اور یہی پاک تثلیث ہے۔ جو اس درجہ محبت کے لیے ضروری ہے جس کو ناپاک طبعیتوں نے مشرکانہ طور پر سمجھ لیا ہے اور ذرہ امکان کو جو ہا لکتہ الذات اور بالملۃ الحقیقۃ ہے۔ حضرت اعلیٰ واجب الوجود کے ساتھ برابر بڑھرا لیا ہے۔“ (توضیح مرام ص ۲۲)

”پس اس میں تو عیسائیوں کی تثلیث کی تردید ہے۔ نہ کہ اس کا اقرار۔ جس طرہ پر حضرت اقدس نے لفظ تثلیث کا استعمال فرمایا ہے۔ وہ بالکل بر محل اور درست ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاہد مخنار و گواہان مدعیہ اس کو کسی طرح بھی قابل استعمال نہیں جانتے اور اگر یہ بات ہے تو صدر جب کی لغویت ہے کیونکہ اس طرح تو ثانی اشنین (سورہ توبہ) کا استعمال بھی جائز نہیں ہوتا چاہیے۔ کیونکہ فرقہ ثنائیہ دو خداؤں کا قائل ہے۔ اور اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (لا تخذوا الٰہین اشنین) (نحلہ ۲۲)

کہ تم دو خداست بناؤ۔ اور پھر اس وجہ سے انوار مطہرہ پاک جوڑے کا لفظ بھی نہیں بولنا چاہیے۔ اور مومنوں

کے لیے من یکفر بالظانوت میں کفر کے لفظ کا استعمال بھی جائز نہیں ہونا چاہیے تھا۔ انانوں سے مومنوں کی لفظ کفر میں مشابہت نہ ہو جائے۔ پس لفظی اشتراک کی وجہ سے عقیدہ ثابت نہیں ہو جاتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کے تشلیش عقیدہ کی تردید اپنی متعدد کتب میں کی ہے۔ اور ملکہ وکٹوریہ کو اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔

”اس نے (یعنی خدا نے) میرے پر ظاہر کیا ہے کہ وہ اکیلا ہے اور غیر متغیر اور قادر اور غیر محدود خدا ہے۔ جس کی مانند اور کوئی نہیں۔“ (تحفہ فیض ص ۱۷ طبع سوم)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر مخالفین کا یہ الزام کہ آپ نبوذا لہ عیسائیوں والی تثلیث کے قائل ہیں باوجود ملائکہ کے منا میں محض کذب صریح و انتہائی قبیح ہے۔

## قرآن مجید کی باتیں

(۱)

### قرآن شریف خدا کی کتاب میرے منہ کی باتیں ہیں

(حقیقۃ الوحی ص ۸۴)

غیر، مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی کتب پر ایمان نہیں ہے۔ حضرت اقدس پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے۔

”قرآن خدا کی کتاب ہے اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے۔ کہ مرزا صاحب نے قرآن مجید کو اپنے منہ کی باتیں قرار دیا ہے۔ تو لایب انہوں نے پاک قرآن کی توہین کی۔ لیکن یہ بھی منجملہ مختار مدعیہ کے بہت سے غلطوں کے ایک کا وہ منظر ہے۔ کیونکہ جس جملہ کے متعلق اس نے یہ یقین دلانا چاہا ہے۔ کہ وہ مسیح موعود کا قول ہے۔ وہ درحقیقت حسنہ کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا الہام ہے اور مختار مدعیہ نے اس کو حقیقۃ الوحی کے مجموعہ الہامات میں سے نقل بھی کیا ہے۔ اور اس مقام پر یہ اپنے سابقہ الہاموں کے ساتھ اس طرح درج ہے۔

”نہایت سے سب کام درست، کو دے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدعیہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔“ (حقیقۃ الوحی ص ۸۵)

اور یہ مجموعہ الہامات سننے سے شروع ہو کر ص ۸۵ تک چلا گیا ہے۔ اور اس مجموعہ الہامات سے پہلے ص ۸۴

میں حضرت مسیح موعودؑ نے تخریر فرمایا ہے۔

”اب ہم وہ الہامات بطور نمونہ ذیل میں لکھتے ہیں اور اس کے بعد آپ نے مجموعہ الہامات شروع کیا ہے اور ص ۱۹۴ پر الہام مذکورہ درج فرمایا ہے۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ یہ الہام ہے۔ تو اس میں ”میرے منہ“ سے حضرت اقدس کا منہ مراد نہیں ہو سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا منہ مراد ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ یعنی خدا کے منہ کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اختلاف ضامائر کی مثالیں جابجا قرآن شریف میں موجود ہیں نمونہ کے طور پر سورۃ فاتحہ ہی دیکھ لی جاوے کہ الحمد للہ رب العالمین میں تو غائب کا صیغہ رکھا گیا ہے۔ اور یا ایاک نعبد میں مخاطب کا۔

غرض جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ یہ حضرت اقدس کا قول نہیں بلکہ الہام الہی ہے۔ صرف اس امر کے علم سے کہ یہ الہام ہے اس پر وہ اعتراض نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جو کیا گیا ہے۔ اور مجموعہ الہامات کے اندر اس کے موجود ہونے سے اس کا الہام ہونا بخوبی ظاہر تھا۔ لیکن بات یہاں تک پہنچ کر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس سے متعلق حضرت اقدس سے سوال بھی کیا گیا ہے کہ اس الہام میں میرے منہ کی باتوں سے کس کے منہ کی باتیں مراد ہیں۔ اور ”میرے“ کی تفسیر کسی طرف پھرتی ہے۔ تو آپ نے اس کا یہ جواب دیا کہ۔

”مدانی منہ کی باتیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے منہ کی باتیں اس طرح کی ضامائر کے اختلاف کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔“  
(ملاحظہ ہو اخبار بدر جولائی ۱۹۰۵ء)

مگر اب یہ ہم مختار مدعیہ نے اس پر اعتراض کرتے میں کوئی تاویل نہیں کیا ہے۔ ایک تو یہ الہام تھا اس لیے منہ سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہو سکتا تھا۔ نہ کسی اور کا۔ دوسرے ملہم نے ایک سوال کے جواب میں اس کی تفسیر یہ بھی فرمادی تھی کہ یہ الہام میں جو ”میرے منہ“ کے الفاظ ہیں ان سے خدا تعالیٰ کا منہ مراد ہے۔ ایسے صاف لکھے ہوئے معنوں کی موجودگی میں اور پھر اس قدر تفسیر یہ کر دے جانے کی حالت میں خلاف منشاء متکلم معنی لے کر ان پر رائے زنی کرنا جتنی قابل نفرت حرکت ہے میں اس کے متعلق خود کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ مختار مدعیہ عدا کی رائے پیش کیے دیتا ہوں وہ کہتا ہے۔

”اگر ایسے صاف لکھے ہوئے مضامین پر بھی اختیار ہے کہ جس کا جی چاہے عبارت کا مطلب کہہ دے اور فتویٰ دے دے تو اب مسلمانی تو دینا میں رہنے کی نہیں۔ مگر اس کا نتیجہ بجز ذلت و رسوائی کچھ نہیں ہے۔ کوئی شخص کسی کے کہنے سے کافر نہیں ہو سکتا۔“  
(السماعی المدرار ص ۲۸)



## فبایٰ حدیث بعدہ یؤمنون

فقہاء مدعیہ نے عدالت کو ایک یہ منالطہ دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی وحی کو قرآنی وحی کی طرح مانتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ تورات و انجیل اور قرآن پر“ اور فرماتے ہیں :  
 ”ہم جو قرآن منزه اشش دانم !“

اور یہ امر قرآن مجید کی آیت فبایٰ حدیث بعدہ یؤمنون کے صریح خلاف ہے فقہاء مدعیہ نے آیت تو پیش کر دی مگر اس کا مطلب نہ سمجھ سکا اگر مطلب سمجھتا تو یہ آیت کبھی پیش ہی نہ کرتا۔ کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ قرآن مجید کو چھوڑ کر وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ یعنی قرآن مجید کے مخالف کسی چیز پر ایمان لانا جائز نہیں ہے۔ اور اگر آیت کا یہ مطلب نہ لیا جاوے تو اعاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی غیر متکو اور قدسی احادیث وغیرہ سب کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی قرآن مجید کے بالکل موافق ہے۔ اور اس کا کوئی کلمہ بھی قرآنی تعلیم کے معارض نہیں ہے۔ اور آپ کی وحی کے قرآن کی طرح منزه ہونے سے یہ مراد ہے کہ جیسے قرآنی وحی شیطانی دخل سے پاک ہے ویسے ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی بھی شیطانی دخل سے پاک ہے۔ نہ کہ دونوں دنیاں مرتبہ میں بھی برابر ہیں کیونکہ یہاں تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے اور شیطانی دخل سے پاک ہونے کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہ انا و احینا الیک کما و احینا الی نوح (الصلوات) میں بھی تشبیہ مرتبہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہونے کے لحاظ سے ہے۔ یعنی اس آیت شریفہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو حضرت نوح اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی وحی کے مانند فرمایا ہے تو یہ فرمایا اس لیے نہیں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی دوسرے انبیاء کی وحی مرتبہ میں برابر تھی بلکہ صرف اس لیے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور دوسرے انبیاء کی وحی اللہ کی طرف سے ہونے میں برابر تھیں۔ نہ کہ مرتبہ کے لحاظ سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا تمام انبیاء کی وحی سے بمقام افضل جو اظہار ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ”مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسے کہ تورات و انجیل اور قرآن پر“ یہی مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں سب برابر ہیں۔ مرتبہ میں برابر ہی کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت اقدس کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اپنی وحی اور قرآنی وحی کو درجہ و مرتبہ میں ایک قرار دیا ہے۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کوئی آیت شریفہ مندرجہ بالا سے یہ نتیجہ نکالے کہ اس میں حضرت نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کو درجہ و مرتبہ میں برابر بتایا ہے۔“

علاوہ ازیں حضرت مسیح موعود نے نہ ایک جگہ بلکہ جا بجا اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ قرآنی دینی تمام وجوہوں سے افضل اور برتر ہے۔ اور کوئی دینی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۛ

”خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن مجید کی مثل لا سکتے ہیں قرآن کریم سراپا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خبایاں ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک دینی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی دینی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی دینی ہو۔۔۔ اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی ۛ (الہدیٰ ص ۱۳۱)

اور فرماتے ہیں۔

”سو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور ارفع مرتبہ دینی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں مقام تک نہیں پہنچ سکتے جس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت نامہ ہے۔ (توضیح مرام ص ۲۳۳)

چونکہ تفصیل مسئلہ دینی میں آئی ہے۔ اس لیے انہیں دو حوالوں پر اکتفا کرنا ہوں اور یہ دو بھی جو مرتبہ رکھتے ہیں ہر منصف مزاج اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

(۳۱)

## تحدی

فختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ اپنے قصیدہ اعجاز احمدی کو بطور تحدی پیش کیا ہے۔ اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹل پیج پر آیت کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہ اس کی مثل کوئی نہیں لا سکتا۔ لہذا اس سے قرآن مجید کی توہین لازم آتی ہے۔

تعب ہے کہ فختار مدعیہ تو اس سے توہین قرآن مجید نکال رہا ہے۔ مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ارشاد فرماتے ہیں۔

”ہمارا تو یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے اس انشاء پر دازی کی ہمیں طاقت ملی ہے نا خائن قرآنی کو اس پیرا بہ میں بھی دینا پر ظاہر کریں۔ اور وہ بلاغت جو ایک بے ہودہ اور لغو طور پر اسلام میں رائج ہو گئی تھی۔ اس کو کلام الہی کا خادم بنایا جائے۔“ (نزول المسیح ص ۵۹)

اور جب آپ کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ آپ کو عربی انشاء پر دازی کا معجزہ جس میں آپ تمام دنیا کے آدمیوں پر غالب رہے۔ اور عرب و عجم میں کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اس لیے عطا ہوا تھا کہ آپ متفائق قرآنی کو اس

پیرایہ میں بھی فضا پڑھا کر دیں۔ اور وہ بلاغت جو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی تھی اور جس کا رواج اسلام میں لغو اور بے ہودہ طور پر رہ گیا تھا۔ کلام الہی یعنی قرآن شریف کی قدام بنائی جائے۔ اور اس سے قرآن شریف کی خدمت لی جائے۔ نوغناار مدعیہ کا اعجاز احمدی کی اس تحدی پر کہ اس کا کوئی جواب نہیں لاسکتا یہ اعتراض کہ اس سے قرآن شریف کی ہتک لازم آتی ہے۔ بالکل باطل ثابت ہو کر قطعاً ناقابل التفات ہو گیا۔

اور خطبہ الہامیہ کے ٹائٹیل پیج پر جو آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ ”اس میں نئے معارف اور خفاتی بیان کیے گئے ہیں اور میری طرح فی السہیہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت میں کوئی نہیں بول سکتا اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان ہے کیونکہ یہ معارف اور اس کتاب کا ایک حصہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا گیا ہے۔“ اگر اس کے نشان ہوں گے غناار مدعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی توحید لازم آتی ہے۔ تو اس لحاظ سے خود قرآن مجید کو بھی اپنی توحید کا منکب ماننا پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان فی خلق السموات و الارض - الی - آیات لقوم یوتنون -

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں اور کشتیوں اور ہواؤں اور بادلوں میں یقین کرنے والی قوم کے لیے آیات ہیں۔ اور اسی طرح فرمایا ”فی الارض آیات للمذہبین“ فی انفسکم افلا تبصرون کہ زمیں میں بھی یقین کرنے والوں کے لیے بہت سی آیات اور نشانات ہیں۔ اور خود تمہاری جانوں میں بھی نشانات ہیں۔ پس کسی چیز کے آیت اور نشان ہونے سے قرآن مجید کی توحید لازم نہیں آتی۔ اور تنبیہ اعجازیہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ۔

”میرے پیارے قادر! اور دلوں کے اسرار کے گواہ! میری مدد کر اور ایسا کر کہ یہ تیرا نشان دنیا میں چکے اور کوئی مخالف میعاد مقررہ میں قادر نہ ہو اسے میرے پیارے ایسا ہی کر“ (اعجاز احمدی ص ۲۹)

اور صفحہ ۷۳ پر تصریح فرمادی کہ چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوں۔ اور صادق ہوں۔ اس لیے وہ مدت مقررہ میں قصیدہ نہیں بنا سکیں گے۔

”کیونکہ خدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کدے گا۔ اور صفحہ ۹۰ پر آپ نے یہ تحریر فرمادیا۔

”اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں تاریخ کے دن کی شام تک ختم ہو جائے گی انہوں نے اس قصیدہ اور اردو معنون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست نابود ہو گیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری جماعت کو چاہیے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر دیں۔

لیکن مخالفین مدت معینہ میں کوئی جواب نہ لکھ سکے اور ان کے قلم ٹوٹ گئے اور حضرت مسیح موعود کی صداقت

پر یہ چمکتا ہوا نشان قیامت کے دن تک باقی رہ گیا اور یہ یاد رہے کہ قرآن کریم کی تحدی اور اس تحدی میں فرق ہے۔ قرآن مجید میں کسی مہلت کا ذکر نہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود کی تحدی میں مہلت کا ذکر ہے۔ یعنی اس مہلت کے اندازہ خدا تعالیٰ مولویوں اور عالموں کے دلوں اور عقلموں پر ایسا تصرف کرے گا کہ وہ اس کتاب کے مقابلہ میں کچھ نہ کچھ لکھ سکیں۔ اور یہ امر یقینی خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ایک نشان ہے اور بحوالہ الہدی ص ۳۶ میں ذکر کر چکا ہوں کہ۔

”خدا کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کریں کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں۔ قرآن کریم سراپا معجزہ ہے۔ جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم ہرگز جمع نہیں کر سکتا۔“ اور فرماتے ہیں:-

”کَلِمَاتٍ مِنْ كَمَالِ بِلَاغَتِي فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللَّهِ الْقُرْآنِ (لُجَّةُ النُّورِ) یعنی جو کچھ میں نے بیان میں کمالِ بلاغت سے کہا ہے۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن کے بعد ہے یعنی اس کے مرتبہ پر نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا لفظ آیت اور قصیدہ العجاذیر کے مقابلہ میں دلیا قصیدہ بنانے کے لیے تحدی سے قرآن مجید کی توہین نکالنا سراسر مغالطہ ہے۔

(۴)

## کیا قرآن گالیوں سے پُر ہے؟

مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ و الف کا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ آپ نے قرآن کو گالیوں سے پرانا ہے اور یہ لکھا ہے کہ۔

”پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم گالیوں سے چُر ہے۔“ اور اس قول سے قرآن مجید کی صریح توہین لازم آتی ہے لیکن یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت اقدس کی منقولہ بلا عبادت بتا رہی ہے کہ اس کا پہلی عبارت سے تعلق ہے۔

اور چونکہ یہ عبارت پہلی عبارت کے ساتھ ملا کر پڑھی جائے تو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا اس لیے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ نے عمدتاً پہلی عبارت چھوڑ دی ہے۔ اور یہ نام تمام عبارت اس میں سے قطع کر کے اعتراض بے جا کے شوق کو پورا کرنے کی ایک نہایت ہی غیر صحیح راہ پیدا کی ہے۔ اب میں اصل عبارت پیش کرتا ہوں تا حقیقت الامر کا انکشاف ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

” اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ لیتے ہیں۔ اور ان دو مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اس کی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہو کر رہتی ہے۔ دشنام دہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب اور شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے۔ جو خلاف واقع اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے۔ اور اگر ہر ایک سخت اور آزار دہ تقریر کو محض بوجہ اس کے مرارت اور تلخی اور ایذا رسانی کے دشنام کے مفہوم میں داخل کر سکتے ہیں۔ تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے کیونکہ جو کچھ بتوں کی ذلت اور بت پرستوں کی حقارت اور ان کے بارہوں میں لعنت و ملامت کے سخت الفاظ قرآن شریف میں استعمال کیے گئے ہیں یہ ہرگز ایسے نہیں ہیں جن کے سنے سے بت پرستوں کے دل خوش ہوتے ہوں۔ بلکہ بلاشبہ ان الفاظ نے ان کے غصہ کی حالت کی بہت تحریک کی ہوگی۔ کیا خدا تعالیٰ کا کفار مکہ کو مخاطب کر کے یہ فرمانا کہ انکم دما تعبدون من دون اللہ حصص جہنم معترض کے من گھڑت قاعدہ کے موافق گالی میں دخل نہیں ہے کیا خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں کفار کو ”شر البریہ“ قرار دینا اور تمام زویل اور پلید مخلوقات سے انہیں بدتر ظاہر کرنا یہ معترض کے خیال کی رو سے دشنام دہی میں داخل نہیں ہوگا؟ کیا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں و اعقل علیہم ہی فرمایا کیا مومنوں کی علامات میں اشتداد علی الکفار نہیں لکھا گیا کیا حضرت مسیح کا یہودیوں کے معزز فقیہوں اور فریسیوں کو سولا اور کتے کے نام سے پکارنا اور گلیل کے عالی مرتبہ فرمانروا ہیرودیس کا لونبرٹی نام رکھنا اور معزز سردار کا ہمنوں اور فقیہوں کو کنجری کے ساتھ مثال دینا اور یہودیوں کے بزرگ معتدلوں کو جو قیصری گورنمنٹ میں اعلیٰ درجہ کے عزت دار۔ اور قیصری درباروں میں کرسی نشین تھے۔ ان کو کریہ اور نہایت دل آزار اور خلاف تہذیب لفظوں سے یاد کرنا کہ انہم حواضر اسے ہو۔ حرامکار ہو۔ شریر ہو۔ بد ذات ہو۔ بے ایمان ہو۔ احمق ہو۔ ریاکار ہو۔ شیطان ہو۔ جہنمی ہو۔ تم سانپ ہو۔ سانپوں کے بچے ہو کیا یہ سب الفاظ معترض کی رائے کے موافق فاش اور گندی گالیاں نہیں ہیں؟ اس سے ظاہر ہے کہ معترض کا اعتراض نہ صرف مجھ پر اور میری کتابوں پر بلکہ درحقیقت معترض نے خدا تعالیٰ کی ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر نہایت حد درجہ کے بے شرے دل کے ساتھ کیا ہے“

(ازالہ ادھام بارہم ۱۸۷۸ء)

اس عبارت میں بتایا گیا ہے کہ دشنام دہی سب و شتم اور چیز ہے اور بیان و امر واقعہ اور چیز۔ اور میرے دونوں کافرق ظاہر کر کے بتایا گیا ہے کہ اگر بیان واقعہ کو محض اس کی تلخی کے سبب جو حق گوئی میں لازمی ہے۔ دشنام دہی میں داخل کر لیا جائے تو پھر اقرار کرنا پڑے گا کہ سارا قرآن گالیوں سے پر ہے۔ کیونکہ بیان واقعہ مع اپنی تلخی اور ایذا رسانی کے قرآن شریف میں بھی باجما موجود ہے۔ اور پھر ایسے بیان واقعہ کی متعدد مثالیں بھی



قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں میچ ہیں۔ (رکعتی نوح ص ۱۱)  
اور فرماتے ہیں :-

”کہ میچ شریعت بعد اونیست و نہ میچ کتاب ناسخ کتاب و شریعت اوست و ہیچکس بدل  
کلمہ اونیست دمیچ بارشے ہچو باران اونیست دہر کہ بمقدار یک ذرہ از قرآن خارج باشند  
پس ادا از ایمان خارج شد“  
(مواہب الرحمن ص ۶۷)  
القصاص فرماتے ہیں :-

ز عشاق و فرقان و بیغیریم - بدیچ مدیم و بدیں بگذریم !

(۵)

## بشارت احمدؑ !

فخار مدعیہ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد مندرجہ انوار خلافت ص ۷۷  
پر کہ آیت مبشر ابرہسول یاتی من بعدی اسمہ احمدؑ میں احمدؑ سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اور  
حضرت عیسیٰ کی یہ بشارت اپنے منیل یعنی مسیح محمدی کے حق میں تھی۔ یہ اعتراض کیا ہے۔  
”کہ چونکہ مرزا محمود احمد صاحب نے اس آیت میں احمدؑ سے حضرت مرزا صاحب مراد لی ہے۔ لہذا وہ اس  
آیت قرآنیہ کے منکر ہوئے“

فخار مدعیہ کا یہ استدلال نہایت ہی عجیب و غریب ہے کیونکہ قرآن شریف میں ایک ذکر شدہ پیشگوئی  
کا مصداق بیان کرنے سے آیت کا انکار لازم آئے گی تو کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ یہ استدلال اتنا محیر العقول  
ہے کہ فاضل جہان ہائیکورٹ مدراس بھی اس پر اظہار تعجب کیے بغیر نہیں رہ سکے ہیں۔

غرض استدلال مذکور سوا اس کے کہ اہل نظر کو غمخواری دیر کے لیے تفریح نامطبوع کا کام دے اور وہ اس  
پر اظہار تعجب کر لیں۔ اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور صحت سے تو اس کو دوری کا تعلق بھی نہیں ہے۔  
کیونکہ آیت و مبشر ابرہسول یاتی من بعدی اسمہ احمدؑ میں ایک ایسے رسول کے آنے کی پیشگوئی ہے۔  
جس کا نام احمدؑ ہو۔ اب اگر اس احمدؑ کی تعیین کی جائے کہ احمدؑ سے فلاں وجود مراد ہے اور وہ تعیین صحیح نہ  
ہو تو اس سے عرف یہ ثابت ہو گا کہ اسم احمدؑ کی جو تعیین کی گئی ہے وہ غلط کی گئی ہے۔ نہ یہ کہ جس آیت میں  
احمدؑ کے آنے کی پیشگوئی تھی غلط تعیین کرنے والے نے اس آیت کا انکار کر دیا ہے۔ اور کون نہیں جانتا  
کہ کسی مذکور فی الخیر کی تعیین میں غلطی ہو جانی اور بات ہے۔ اور اس خبر کا انکار اور بات ہے۔

فخار مدعیہ نے یہ ذمہ نشین کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ گویا حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے یہ بات  
 اسمہ احمد، والی پیشگوئی کا مصداق بہر حال و بہر لحاظ حضرت مسیح موعودؑ ہی کو قرار دیا ہے۔ حضرت سید الانبیاء  
 صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اعتبار اور کسی لحاظ سے بھی نہیں۔ لیکن یہ فخار مدعیہ کا سراسر منہ لٹکا ہے۔ اور اگرچہ یہی صحیح  
 ہوتا تو بھی حضرت خلیفۃ المسیحؑ کی تعیین اسم احمد از روئے دلائل صحیح ثابت نہ ہو سکتے کی حالت میں اس کا نام تعیین  
 کی غلطی ہی رکھا جاسکتا تھا نہ کہ آیت کا انکار لیکن حقیقت الحال یہ ہے کہ جس طرح فخار مدعیہ کی وہ پہلی بات کہ  
 حضرت خلیفۃ المسیحؑ کے بیان سے آیت کا انکار لازم آتا ہے غلط اور باطل تھی۔ اسی طرح اس کی یہ دوسری بات  
 بھی کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی لحاظ سے بھی آیت موصوفہ کا مصداق قرار نہیں دیا۔ غلط اور باطل ہے  
 کیونکہ آپ نے اس آیت کے دو مصداق فرار دیئے ہیں۔ ایک بلحاظ اسم ذاتی کے۔ اسم وصفی کے لحاظ سے تو آنحضرت  
 صلعم کو مصداق بتایا ہے۔ کہ احمد آپ کا اسم وصفی تھا۔ اور اسم ذات کے لحاظ سے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام  
 کو کہ احمد آپ کا اسم ذات تھا۔

چنانچہ اسم وصفی کے لحاظ سے حضور انور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصداق اول آیت موصوفہ ہونے کی  
 آیت حضرت خلیفۃ المسیحؑ الثانی امیرہ الشہداء العزیز کا ارشاد یہ ہے۔

”جس قدر پیشگوئیاں آپ کی امت کی نسبت ہیں۔ ان کے پہلے منظر تو آنحضرت صلعم ہی ہیں آپ احمد  
 نہ ہونے تو مسیح موعودؑ کیونکر احمدؑ کہلا سکتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو تو کچھ ملا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے طفیل ملا ہے۔ اگر ایک صفت کی نفی آنحضرت صلعم سے کی جائے تو ساتھ ہی اس صفت کی نفی حضرت مسیح  
 موعودؑ سے بھی ہو جائے گی۔ کیونکہ جو چیز چشم میں نہیں ہے۔ وہ کلاس میں کہاں سے آسکتی ہے پس  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمدؑ تھے اور بلحاظ وصفی، اس پیشگوئی کے اول منظر وہی تھے۔

(القول الفصل ص ۲)

اور آپ انوار خلافت میں فرماتے ہیں۔

”یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کو احمدؑ کہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہا نہیں اور  
 اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلعم احمدؑ تھے۔ آپ احمدؑ تھے۔ اور ضرور تھے بلکہ احمدؑ آپ کی صفت تھی۔  
 نہ کہ آپ کا نام اور جو شخص کہے کہ احمدؑ آپ کی صفت نہیں تھی وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت  
 ہے۔ اور اگر آپ احمدؑ نہ ہوتے تو حضرت مسیح موعودؑ احمدؑ ہو ہی کیونکر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ نے جو کچھ حاصل کیا ہے  
 وہ آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہی شاگردی میں حاصل کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے یہ کہنا درست نہیں  
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمدؑ تھا۔“ ص ۱۱



ان عبارتوں میں نہایت صراحت کے ساتھ قرار کیا گیا ہے۔ کہ بلحاظ اسم وصفی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے۔ اور ضرور احمد تھے۔ ایسے کہ اگر حضور احمد نہ ہوتے تو مسیح موعود بھی احمد نہیں ہو سکتے تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی پیشگوئی اسم احمد کا مصداق اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لیکن حضور کا اسم ذات احمد نہ تھا۔ اور جن عبارتوں میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ اسم ذات اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہ تھا۔ بلکہ محمد تھا۔۔۔ کسی جگہ بھی قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد نام سے یاد نہیں کیا گیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد ہوتا اور جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ والدہ کو الہام کے ذریعے سے یہ نام بتایا گیا ہوتا۔ تو قرآن کریم میں جو وحی الہی ہے۔ اول تو احمد نام ہی آتا۔ اور اگر محمد بھی آتا تو احمد بعض مقامات پر ضرور آتا۔ وہ عجیب الہی نام نہ تھا۔ کہ قرآن کریم اس نام سے ایک دفعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارتا۔ ہر جگہ محمد ہی کے نام سے پکارتا ہے۔ جیسا کہ آیت ما محمد الا رسول اور آیت محمد رسول اللہ والذین معہ اور آیت ہما نزل علی محمد اور آیت ما کان محمد اباً احدا من رجالکم سے ظاہر ہے۔ (شمس)

دوسری دلیل آپ کا نام احمد نہ ہونے کی یہ ہے۔ کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔ کلمہ شہادت جس پر اسلام کا دار و مدار ہے۔ اس میں بھی محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو کلمہ شہادت کی کوئی روایت تو یہ بھی ہوتی۔ کہ اشہد ان احمد رسول اللہ بخیرۃ اذان میں بھی بیاں گ بند محمد رسول اللہ کہہ کر آپ کی رسالت کا اعلان کیا جاتا ہے کبھی احمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ بخیر میں بھی محمد ہی آنحضرت کا نام آتا ہے۔ اور درود اللہ صل علی محمد میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد نام لے کر ہی یاد کیا جاتا ہے اور اس نام کے رسول پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں بھیجی جاتی ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی نقیص موجود ہیں ان سب میں اپنے دستخط کی جگہ محمد نام کی ہی ہر لگائی ہے۔ ایک خط میں بھی احمد اپنا نام تحریر نہیں فرمایا (ہر نقل کو جو ایک عیسائی بادشاہ تھا۔ جب آپ نے خط لکھا تو اس پر بھی آپ نے محمد نام کی ہی ہر لگائی۔ حالانکہ اسے یہ بتانے کے لیے کہ میں مسیح علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں احمد نام کی ہر لگنا زیادہ مناسب تھا۔ شمس) اگر آپ کا نام احمد ہوتا تو ہر صحابہ کرام کی گفتگو میں احادیث میں مذکور ہیں لیکن ایک دفعہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد کہہ کر پکارا ہو۔ اور نہ ان کی آپس کی گفتگو ہی میں یہ

نام آتا ہے نہ تاریخ سے ثابت ہے کہ آپ کا نام احمد رکھا گیا تھا۔ بلکہ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ آپ کے مخالف جس قدر تھے جن میں خود آپ کے رشتہ دار اور چچا بھی شامل تھے سب آپ کو محمد نام سے پکارتے تھے۔ یا شرات سے مذم کہہ کر پکارتے تھے۔ کہ وہ بھی محمد کے وزن پر ہے۔ غرض جس قدر بھی غور کریں اور فکر کریں آپ کا نام قرآن کریم سے احادیث سے کلمہ سے اذان سے تکبیر سے درود سے آپ کے خطوط سے معابدات سے تاریخ سے صحابہ کے اقوال سے محمد ہی معلوم ہوتا ہے نہ کہ احمد پھر اس قدر دلائل کے ہوتے ہوئے کیونکہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا نام احمد تھا۔  
(انوار خلافت صفحہ ۲۱ تا ۲۳)

اور فرماتے ہیں :-

”آیت مبشّرۃ رسول یا قی من بعدی اسمہ احمد میں ایک ایسے رسول کی پیشگوئی ہے جس کا نام احمد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت احمد مطلق نام احمد نہ تھا۔ اور دوسرے جو نشان اس کے بتائے گئے ہیں۔ وہ اس زمانہ میں پورے ہوئے۔ اور مسیح موعود پر پورے ہوئے ہیں۔ اور آپ کا نام احمد تھا۔ اور آپ احمد کے نام پر ہی بیعت لیا کرتے تھے۔ اور خدا نے بھی آپ کا نام احمد رکھا تھا۔ اور آپ نے اپنے نام کا یہی حصہ اپنی اولاد کے ناموں سے ملا۔ اس لیے سب باتوں پر غور کرتے ہوئے وہ شخص جس کی نسبت خبر دی گئی تھی۔ مسیح موعود ہی ہیں، ہاں اس لحاظ سے کہ آپ کے کل کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیے ہوئے تھے۔ اولین مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دینا ضروری ہے۔ مگر اس لیے کہ آپ صفت احمدیت کے سب سے بڑے مظہر تھے۔ اس لیے آپ کا نام احمد تھا۔ کیونکہ درحقیقت آپ کا نام احمد نہ تھا۔“  
(القول الفصل ص ۲۹)

اور فرماتے ہیں :-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم احمد تھے۔ اور سب سے بڑے احمد تھے۔ کیونکہ آپ سے بڑا کوئی مظہر صفت احمدیت کا نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا نام احمد نہ تھا۔ اور اسمہ احمد کا مصداق (بمجاہ اسم ذات احمد ہونے کے) مسیح موعود ہے۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ پیشگوئی بوجہ آقا اور استاد ہونے کے اشارہ کرتی ہے۔“  
(القول الفصل ص ۳۱)

اور فرماتے ہیں ”انوار خلافت ص ۱۱ میں“

”کسی شخص کا پیشگوئی کا مصداق ہونا دلائل سے معلوم ہوتا ہے۔ اور جب دلائل اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کسی وجہ سے ہتک نہیں ہوئی؟ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہیں آپ کی ہتک نہیں ہے۔ کیونکہ نام

کا بغیر نام کی صفات کے ہونا کچھ نام نہ نہیں رکھتا جب تک کسی میں اس نام کے مطابق اوصاف نہ پائے جاتے ہوں۔ نام کوئی قابل عزت بات نہیں دیکھو بعض لوگوں کا نام عبدالرحمن اور عبدالرحیم ہوتا ہے۔ لیکن وہ کا۔ علیہ السلام کے کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض کا نام نیک اور ضریف ہوتا ہے لیکن دراصل وہ بد اور بد وضع ہوتے ہیں۔ تو ماں باپ کا رکھا ہوا نام کوئی عزت کی شے نہیں ہو جاتا۔ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہیں کہ رسول اللہ میں احمد کی صفت نہیں پائی جاتی تو یہ آپ کی بیچک ہے لیکن یہ کہنا کہ آپ کا نام احمد نہیں ہرگز آپ کی ہتک کرنا نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ یہ امر دافقہ کہلائے گا۔ پس جب کہ نام فضیلت کا ذریعہ نہیں ہوتا بلکہ کام فضیلت کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ تو پھر آپ کا نام احمد نہ ماننے میں آپ کی ہتک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہ ہوتا۔ بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہتک کسی طرح ہو سکتی ہے۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد بھی نہ ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا تو کیا اس میں آپ کی ہتک ہو جاتی اور کیا آپ کے ہر کام میں کمی آ جاتی آپ کا نام جو کچھ بھی ہوتا وہی بابرکت ہوتا اور اس نام پر دنیا اسی طرح فدا ہوتی جس طرح آپ کے محمد نام پر فدا ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ آپ کے نام پر فدا نہیں ہوتے بلکہ درحقیقت آپ کے کام پر فدا ہوتے ہیں۔ پس اگر یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد نہیں، اس احمد کی صفات آپ میں پائی جاتی ہیں۔ تو پھر نادان ہے وہ جو یہ کہے کہ ایسا کہنے سے آپ کی ہتک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جو احمد کی خبر دی گئی ہے۔ اس کے متعلق میں نے وہ آیات پڑھ دی ہیں۔ جن میں احمد کا ذکر ہے۔ اور اب میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بتانا ہوں کہ آیات میں احمد کا اصل مصداق (اس لحاظ سے کہ آپ کا اسم ذات احمد تھا) حضرت مسیح موعود ہی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (نام کے لحاظ سے احمد کا مصداق نہیں کیونکہ آپ کا نام احمد نہیں بلکہ محمد تھا) صرف صفت احمدیت کی وجہ سے اس کے مصداق ہیں۔ ورنہ جس احمد نام کے انسان کے متعلق خبر ہے وہ حضرت مسیح موعود ہی ہیں۔ (الذرائع خلافت ص ۲۰)

اور فرماتے ہیں :-

”جب کہ واقعات سے ثابت ہو گیا کہ احمد سے مراد (اسم ذات کے لحاظ سے) آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم (یعنی حضرت مسیح موعود) ہے تو پھر بھی ہٹ دھرمی سے کام لینا شیوہ مومنانہ نہیں۔ (الذرائع خلافت ص ۲۱)

اور فرماتے ہیں :-

”اس پیشگفتی (من بعدی اسمہ احمد) کے آپ ہی مصداق ہیں اور اگر کسی دوسری جگہ پر آپ (حضرت مسیح موعود علیہ السلام) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس آیت کا مصداق قرار دیا ہے۔ تو اس کے یہی معنی ہیں کہ بوجہ اس کے کہ کل فیضان جو حضرت مسیح موعود کو پہنچا ہے۔ آپ ہی سے پہنچا ہے اس

بیسے جو خبر آپ کی نسبت دی گئی ہے۔ اس کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرور ہیں۔ کہ جو خبر یاں  
 اصل میں ہوں اصل میں ضرور ہونی چاہئیں۔ عکس کی خبر دینے والا ساتھ ہی اصل کی خبر بھی دیتا ہے۔ پس اس آیت  
 میں ضمنی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی خبر دی گئی ہے اور اس بیان سے یہ واجب نہیں آتا کہ اس پیشگوئی  
 کے مصداق حضرت مسیح موعود نہ ہوں۔ اس کے اصل مصداق حضرت مسیح موعود ہیں۔ اور اس لحاظ سے کہ آپ کے  
 سب کمالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیے ہوئے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پیشگوئی اس  
 میں سے نکل آتی ہے ۛ (انوار خلافت ص ۳۸)

ان عبارتوں میں نہایت تفصیل و تشریح سے ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذات احمد  
 نہیں بلکہ محمد ہی تھا۔ ہاں بلحاظ صفات آپ ضرور احمد تھے۔ اور بلحاظ اسم وصفی آپ کا ایک نام احمد بھی بنا جیسے  
 کہ علہ عاف و عاشور نبی التوبہ و نبی الرحمتہ وغیرہ بہت سے نام بھی بلحاظ وصف ہی تھے نہ بلحاظ ذات۔ اور آپ کی  
 پیشگوئی من بعدی اسمہ احمد کے مصداق بھی بلحاظ اسم وصفی تھے نہ کہ بلحاظ اسم ذات۔ کیونکہ آپ کا اسم ذات

علہ۔ اس موقع پر یہ شبہ پیدا کیا جاسکتا ہے کہ بخاری شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسماء  
 محمد۔ احمد۔ حاجی، حاشر۔ غائب۔ بیان فرمائے ہیں۔ لہذا یہ سب آپ کے نام ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی  
 زبان میں اسماء بمعنی صفات آتا ہے جیسا قرآن شریف میں ہے۔ لہذا اسماء الحسنی یعنی سب اچھے نام  
 خدا تالے کے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات تو صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ۔ باقی سب صفاتی نام ہیں پس  
 حدیث میں بھی آپ نے اپنے صفات بیان فرمائے ہیں ورنہ ماننا چاہیے کہ حاجی حاشر۔ عاف سب آپ کے نام ہی  
 حالانکہ تمام مسلمان تیرہ سو برس سے اتنے چلے آتے ہیں کہ یہ آپ کے صفات ہیں نام نہیں تھے  
 اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس حدیث میں بلاشبہ محمد بھی بطور صفت ہی آتا ہے بطور نام نہیں آیا۔ ہاں قرآن کریم  
 اور دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کا نام محمد ہی تھا۔ اور اس امر کا ثبوت کہ اس حدیث میں بطور صفت آیا ہے۔ یہ  
 ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحدیث بالنعمت کے طور پر فرمایا ہے کہ میرے یہ نام ہیں اب ظاہر  
 ہے کہ صرف یہ امر تو کسی تعریف کے لائق نہیں ہو سکتا کہ فلاں فلاں میرے نام ہیں اور کیا آنحضرت صلعم جیسے عظیم الشان  
 انسان کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ آپ خالی نام پر فخر کریں گے۔ معاذ اللہ من ذلک حقیقتہ الامریس ہے  
 کہ آپ نے اس حدیث میں اپنے صفات ہی بیان فرمائے ہیں کہ خدا تالے نے مجھے محمد بنایا ہے۔ یعنی خود میری  
 تعریف کی ہے۔ اور مجھے احمد بنایا ہے یعنی سب سے بڑھ کر خدا کی تعریف کرنے والا۔ اور دیگر صفات حسنہ سے  
 منصف کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھنا چاہیے ”انوار رحمت“ کہ اس میں تمام خدشات و دسارس کا نہایت قوی دلائل سے  
 قلع قمع کر دیا گیا ہے ۛ

محمدؐ تھا نہ کہ احمدؑ اور اسم ذات کے لحاظ سے اس پیشگوئی کے مصداق حضرت مسیح موعودؑ ہیں کیونکہ آپؐ کا اسم ذات احمدؑ تھا۔ اور اس مدعا کے ثبوت میں حضرت خلیفۃ المسیحؒ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ”انوار خلافت“ کے صفحہ ۱۸ سے لے کر ۵۲ تک نہایت قوی اور زبردست دلائل کا دریا بہا دیا ہے۔

اور اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ جو شخص اپنے امام کو اس آیت کا مورد و مصداق ٹھہراتا ہے۔ وہ یقیناً اس آیت پر صدق دل سے ایمان لاتا ہے۔ ورنہ وہ اپنے امام کے صدق پر اس آیت سے استدلال نہ کرتا۔ اور نیز اگر مخالفان مدعیہ کو مشکک آیت ہونے کا فتویٰ دینے کا بہت ہی شوق تھا تو انہیں چاہیے تھا کہ پہلے ان مفسرین اور نبرگوں کے بھی جنہوں نے آیت ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و دین الحق لیبظہرہ علی الدین کلہ۔ میں مسیح موعودؑ اور مہدیؑ کو بھی آنحضرتؐ صلعم کے ساتھ شامل بتایا تھے۔ منکریت ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے پھر دوسری طرف توجہ کرنے کا خیال دل میں لاتے۔

(۶)

## قرآن مجید اور احادیث اور وحی مسیح موعودؑ

منتار مدعیہ نے اعجاز احمدی صفحہ ۳۰ اور صفحہ ۵۷ کے حوالوں کی بنا پر حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کے خلاف ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے۔ کہ آپؑ نے حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دینے کے قابل قرار دے کر حدیثوں کی سخت ترمیم کی ہے۔ اور اپنی وحی کو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں پر ترجیح دی ہے اور یہ بھی حدیثوں کی ترمیم ہے۔

لیکن منتار مدعیہ کا یہ بھی ایک مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ اس اعتراض سے اس نے یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ نے صحیح احادیث کی بابت یہ فرمایا ہے۔ کہ ہم وہ ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اور حضرت مسیح موعودؑ نے صحیح احادیث کی بابت ہرگز یہ نہیں فرمایا جیسا کہ علاوہ اور بے شمار حوالوں کے خود منتار مدعیہ کے پیش کردہ حوالوں سے بھی ظاہر ہے۔

منتار مدعیہ کا پیش کیا ہوا پہلا حوالہ یہ ہے۔

”میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی ہے۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے معارض نہیں۔ اور دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔“

(اعجاز احمدی ص ۳)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کلام ان حدیثوں کی بابت ہے جو آپ کے دعویٰ کے متعلق ہیں اور ان کی آپ نے دلائل نہیں بنادیں ہیں۔ ایک دہ جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور ان کے متعلق آپ نے صاف فرمایا ہے کہ ہم انہیں تاہدی طور پر پیش کرتے ہیں۔ یعنی ہم انہیں قبول کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس قسم کے مقابلے میں دوسری قسم انہی حدیثوں کی ہوگی جو مخالف قرآن ہیں۔ اور اسی قسم کی حدیثوں کے متعلق حضرت مسیح موعود نے یہ فرمایا ہے۔ کہ دوسری حدیثوں کو ہم ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وحی جیسا کہ آگے بیان ہوگا قرآن کے بالکل مطابق ہے۔

پس مختار مدعیہ کے پیش کیے ہوئے اس حوالے سے بخوبی ظاہر ہے کہ ردی میں پھینک دینے کا ارشاد ان حدیثوں کے لیے گزرتا نہیں ہے جو مطابق قرآن ہوں بلکہ ان کے لیے ہے جو مخالف قرآن ہوں۔ (۲) دوسرا حوالہ مختار مدعیہ نے یہ پیش کیا ہے۔

”اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ہر ایک گوہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے۔ ہم نے اس سے لیا کہ وہ وحی قدیم اور حادہ لاشرک ہے اور تم لوگ مردوں سے طاعت کرتے ہو“

(اعجاز احمدی ص ۵۵)

جواب:- نظر بر حوالہ اڈل جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان احادیث کے متعلق جو قرآن کے مطابق ہیں اور آپ کی وحی کی (جو قرآن مجید کے موافق ہے) معارض نہیں فرمایا ہے کہ انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور اپنی تاہدی میں پیش کرتے ہیں۔ اور جو حدیثیں قرآن مجید کے مخالف ہیں انہیں ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اس حوالہ میں بھی انہی حدیثوں کا ذکر ہے جو خلاف قرآن ہے لیکن اس پر بس نہیں بلکہ جہاں سے مختار مدعیہ نے یہ حوالہ لیا ہے۔ جو درحقیقت ایک عربی شعر کا ترجمہ ہے وہیں یہ بھی موجود تھا کہ یہ خلاف قرآن حدیثوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ”اے گمراہ کہنے والے! کیا تو قرآن کی شان سے انکار کرتا ہے۔ اور بجز قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے“

(اعجاز احمدی ص ۵۶)

اور اسی صفحہ میں فرماتے ہیں

”پس اسے مخالفو! نقلوں کے ساتھ خوش نہ ہو جاؤ اور بہتری نقلیں اور حدیثیں ہیں۔ جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں اس کے بعد ہی فرماتے ہیں

”اور خدا تعالیٰ کی وحی کے بعد نقل کی کیا حقیقت ہے پس ہم خدا کی وحی کے بعد کسی حدیث کو مان لیں۔ یہ تعلیم آیت فبای حدیث بعد اللہ و آیاتہ یومنون کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد ص ۵۷ کے شروع ہی میں جو شعر ہے اس کا ترجمہ یہ فرمایا ہے۔ ”اور حدیثیں تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور ہر ایک گوہ اپنی حدیثوں سے خوش ہو رہا ہے“ اور یہ وہ مضمون ہے جو مختار مدعیہ کے دوسرے حوالے کا پہلا جز ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ و دشمنوں میں مولوی محمد حسین بٹالوی کا ذکر فرماتے ہیں۔ ”کیا تو میرے پاس اس اتنے والا کا ذکر کرتا ہے۔ جس کو تو نے نہیں دیکھا۔ اور ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے جس کا تخریب لختیناس کر دیا۔ پھر دشمنوں میں اس بیان کے بعد کہ ظن کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔ اور میں تیری طرح ظنون میں گرفتار نہیں ہوں فرماتے ہیں۔“

”ہم نے اس سے لیا کہ وہ جی وقیوم اور واحد لا شریک ہے اور تم لوگ مردوں سے روایت کرتے ہو۔“  
پچھلے شخصیں آپ نے ایک مخالف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے گمراہ کرنے والے! کیا تو قرآن کی نشان سے انکار کرتا ہے درجہ قرآن ہمارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس مضمون سے ظاہر تھا کہ یہ خطاب ایک ایسے مخالف کو ہے جو قرآن شریف سے بھاگتا اور مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تردید میں کچھ ایسی حدیثیں پیش کرتا تھا جو خلاف ”قرآن“ تھیں۔ کیونکہ اگر وہ موافق قرآن ہو تو قرآن شریف سے گریز کر کے کیوں حدیث کی جاتیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اسی پر اکتفاء نہ فرما کر صاف الفاظ میں ظاہر فرما دیا کہ اسی موقع پر ذکر کس قسم کی حدیثوں کا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔  
”بہتیری نقلیں اور حدیثیں ہیں۔ جو دھوکہ باز نے بنائی ہیں۔“ ص ۵۶

اور پھر اس سے بھی زیادہ مخالف مذکور کو مخاطب کر کے یہاں تک فرمایا۔ کہ کیا تو میرے سامنے ایسی حدیثیں پیش کرتا ہے۔ جن کا تخریب نے ستیاناس کر دیا۔ اب ہر منصف مزاج و حق پسند کے لیے یہ امر قابل توجہ ہے کہ باوجود اس صراحت کے ساتھ یہ ظاہر کر دیئے جانے کہ اس موقع پر خلاف قرآن حدیثوں کا ذکر ہے۔ نہ کہ مطابق قرآن کا۔ لیکن غبار مدعی نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کر کے اور ان سب اشارے جو اس امر کو ظاہر کر رہے تھے۔ منہ پھیر کر صفحہ ۵۷ کے پہلے شعر کا اور پھر پچ کے شعر چھوڑ کر ساتویں شعر کا ترجمہ نقل کر کے یہ دکھانا چاہا کہ گویا حضرت اقدس نے صحیح احادیث کو مدی کی طرح پھینک دیتے کی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادق اور کاذب کی امتیازی علامت یہ فرمائی کہ صادق شخص اپنے اقوال اور اپنے افعال میں صادقوں سے مشابہت رکھتا ہے اور کاذب اپنے اعتراضات اور اپنی تحریکات اور اعمال میں کاذبوں کا ہم رنگ ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت قل ما کنت بدعا من الرسل اور آیت ما یقال لك الا ما قد قبل للرسل من قبلک اور آیت تشا بہت قلوبہم وغیرہ آیات سے ظاہر ہے۔ اب دیکھ لو کہ مختار مدعی نے حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کے اس قول پر کہ ”ہم نے اس سے لیا کہ وہ جی وقیوم اور واحد لا شریک ہے۔ اور تم مردوں سے روایت کرتے ہو“ اعتراض کیا ہے۔ اور یہی قول آپ سے قبل اولیاء اللہ کی جماعت کا ایک ممتاز فرد اپنے منکرین کے جواب میں کہہ چکا ہے چنانچہ ابیو اقیقہ والجاہر جلد ۱ صفحہ ۲ میں لکھا ہے۔“

وقد کان الشیخ ابو یزید بسطامی ۱۰۰۰ یقول لعلماء زمانہ

(خطاباً للمنكرين عليه وفي الصفحة ص ۲) في الجزء الثاني) قد اخذتم علمكم

ميتاً عن مبيت و اخذنا علمنا من الی الذی لا يموت

یعنی ابوبکر صدیقؓ اپنے زمانہ کے منکرین مولویوں کو مخاطب کر کے کہتے تھے تم نے اپنا علم مردوں سے حاصل کیا ہے۔ اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم پایا ہے جو کبھی نہیں مرتا کیا یہ وہی قول نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے اور جن پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔

یہاں اس امر کا ظاہر کر دینا نامناسب نہیں ہے کہ مختاران مدعیہ کے بیشتر اعتراضات کی بنا قطع و برید عبارت پر ہے۔ وہ اچھے خاصہ مضمونوں اور عبارتوں میں سے بعض ایسے جملے قطع کر کے جن کے معنی اپنی ملحد عبارت سے علیحدہ ہونے پر خراب ہو جائیں پیش کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی دکھایا جا چکا ہے اور اس اعتراض کے حوالہ کے متعلق بھی دکھایا گیا ہے اور حوالہ نمبر اول میں مختار مدعیہ نے بتی عبارت پیش کی ہے۔ اگرچہ وہی اظہار حقیقت الامر کے لیے کافی ہے۔ تاہم اس موقع سے چند اور حوالے بھی پیش کرنا مولیٰ۔ جن کے دیکھ لینے کے بعد کسی حذارتی اور شریف الطبع انسان کے یٹھے یہ موقع نہیں ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کر سکے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہم صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

مختار مدعیہ نے جس مضمون کے صفحہ ۳۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ پر صحیح حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دینے کا بہتان باندھا ہے۔ اسی مضمون کے صفحہ ۲۶ ۲۸ میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

علاوہ اس کے ان حدیثوں میں اس نہ رتناقص ہے کہ اگر ایک حدیث کے برخلاف دوسری حدیث تلاش کر دو تو فی الفور مل جائے گی۔ پس اس سے قرآن شریف کے بیانات کو چھوڑنا اور ایسی متناقض حدیثوں کے لیے ایمان ضائع کرنا کسی ابلہ کا کام ہے۔ نہ عقلمند کا۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ ان حدیثوں کو چھوڑ دینے کے لیے فرما رہے ہیں جو قرآن شریف کے خلاف ہوں اور فرماتے ہیں۔

”مناسب ہے کہ حدیث کے لیے قرآن کو چھوڑا جائے ورنہ ایمان ہاتھ سے جائے گا۔ (اعجاز احمدی ص ۲۵) اور فرماتے ہیں۔

”ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں سے وہ قبول کرو جو قرآن کے متنافی و معارض نہ ہوں تاہلک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی ص ۲۵)



یہ اس مضمون کے حوالجات میں جس کے صفحہ ۳۰ سے ایک حوالہ نقل کر کے مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کو صحیح احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے کا مدعی قرار دینا چاہتا تھا۔ لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس باطل کارروائی کا جواب پہلے ہی حضرت مسیح موعودؑ کے قلم حق رتم سے نکھرایا اور وہ بھی اس شان سے کہ گویا آپ مخالف کا یہ اعتراض دیکھ رہے ہیں کہ مرزا صاحب نے احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ سب کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لائق ٹھہرایا ہے اور اس اعتراض کے جواب میں آپ فرماتے ہیں: ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام حدیثوں کو ردی کی طرح پھینک دو بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ان میں وہ قبول کرو جو قرآن کے منافی و معارض نہ ہوں تا ہلاک نہ ہو جاؤ۔ (اعجاز احمدی ص ۲۸)

مرزا صاحب کی اتنی ہی تحریر قابل لحاظ ہے۔ جو ان پر اعتراض کرنے کے لیے پیش کی جائے۔ اور جس سے ان کی تکفیر کی جائے باقی تحریروں کے دیکھنے کی مطلق ضرورت نہیں کیونکہ ان کی تجویریں متضاد ہوتی ہیں۔ کہیں کچھ اور کہیں کچھ۔ اب حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتیں اور مختار مدعیہ کے اعتراضات عدالت کے سامنے ہیں۔ اور ان سے اچھی طرح فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی عبارتوں میں تناقض و تعارض ہے یا مختار مدعیہ کے خیالات میں۔ اگرچہ منقولہ بالا حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہی حدیث رد کر دینے کے لائق ہے جو مخالف قرآن ہو کیونکہ مخالف قرآن حدیث درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔ لیکن انہیں پر بس نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری کتب میں بھی یہ مضمون بڑی کثرت اور بڑی صفائی سے موجود ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۱۱

”جو حدیث قرآن اور سنت کے مخالف نہ ہو اس کو بسر و چشم قبول کیا جائے اور جہاں قرآن و سنت سے کسی حدیث کو متعارض پائیں تو اس کو چھوڑ دیں“ (ریویو بر مباحثہ مولوی محمد حسین جکڑالوی) اور فرماتے ہیں:-

”ہاں اگر ایک ایسی حدیث ہو جو صحیح بخاری کی مخالف ہو تو وہ حدیث قبول کے لائق نہیں ہوگی کیونکہ اس کے قبول کرنے سے قرآن کو اور ان تمام احادیث کو جو قرآن کے موافق ہیں رد کرنا پڑتا ہے۔ اور یہی جانتا ہوں کہ کوئی پرہیزگار اس برجواہت نہیں کرے گا۔ کہ اس حدیث پر عقیدہ رکھے کہ وہ قرآن و سنت کے برخلاف ہو اور ایسی حدیثوں کے مخالف ہو جو قرآن کے مطابق ہیں۔ (دکشتی نوح صفحہ ۵۸)

اور فرماتے ہیں:-

”لیکن اگر کوئی ایسی حدیث ہو جو قرآن کریم کے بائیں کردہ قصص کے صریح مخالف ہے تو اس کی تطبیق

کے لیے فکر و شاید وہ تناقض تمہاری غلطی ہو اور اگر کسی طرح وہ تناقض دور نہ ہو تو ایسی حدیث کو پھینک دو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نہیں ہے۔  
(کشتی نوح) ص ۵۴

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاں کہیں بھی حدیث کو چھوڑنے، رد کرنے اور پھینک دینے کے لیے لکھا ہے وہ اس کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن ہو اور جو باوجود سعی بلیغ کے بھی موافق نہ ہو سکے اور ایسی حدیث باریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی طرح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن شریف میں کچھ اور فرمایا ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف کچھ اور فرمادیں۔ حاشا وکلا اور ایسی مخالف قرآن حدیثوں کو رد کرنے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی اکابر علماء اہل سنت والجماعت بلکہ مسلم بزرگان دیوبند بھی بارہا لکھ چکے ہیں اور انہیں سے بعض کے اقوال حدیث "فاخر ضوہ ہے۔ کتاب اللہ" کے عنوان کے ماتحت درج کیے جائیں گے۔

پس خوب یاد رکھو کہ جن احادیث کے رد کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز احمدی" میں ارشاد فرمایا ہے۔ وہ وہی حدیثیں ہیں جو مولوی محمد حسین ثالوی وغیرہ قرآن مجید کے خلاف آپ کے دعویٰ مہر دیت و مسیحیت کو باطل ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔ جن کا نقلی ہونا سب کو مسلم ہے۔ اور ان میں سے اکثر اکابر علماء امت کے نزدیک موضوع ہیں۔ چنانچہ ان حدیثوں کی مثال آپ نے تحفہ گوڑو دیہ میں ذکر کی ہے۔

آپ فرماتے ہیں ا۔

"لوگ اپنے دلوں میں پہلے ہی ٹھہرا لیتے ہیں کہ جو کچھ مہدی اور مسیح کی نسبت حدیثیں لکھی ہیں اور جس طرح ان کے معنی کیے گئے ہیں وہ سب صیح اور واجب الاعتقاد ہیں اس لیے جب وہ لوگ اس فرضی نقشہ سے جو قرآن شریف سے بھی مخالف ہے مجھے مطابق نہیں پاتے تو وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کاذب ہے۔

مثلاً وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیح موعود ایک ایسی قوم یا جوج ماجوج کے وقت آنا چاہیے جن کے لیے درختوں کی طرح قد ہوں گے اور اس قدر لمبے کان ہوں گے کہ ان کو بستر کی طرح بچھا کر ان پر سو دیں گے۔ اور نیز کہ مسیح آسمان سے فرشتوں کے ساتھ اترنا چاہیے بیت المقدس کے منارہ کے پاس مشرقی طرف اور دجال عجیب المخلقت اس سے پہلے موجود چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں سب خدائی کی باتیں ہوں۔ مینہ برسانے اور کھیتیاں اگانے اور مردوں کے زندہ کرنے اس کے گرجے کا سرائتا بڑا ہونا ہو کہ دونوں کانوں کا فاصلہ تین سو ہاتھ

کے قریب ہوا اور دجال کی پیشانی پر کاڑ لکھا ہوا ہو۔

اور مہدی ایسا چاہیے کہ جس کی تصدیق کے لیے آسمان سے زور زور سے آواز آوے کہ یہ خلیفہ۔  
 اللہ المہدی ہے۔ اور وہ آواز تمام مشرق و مغرب تک پہنچ جاوے اور مکہ سے اس کے لیے  
 ایک خزانہ نکلے اور وہ عیسائیوں سے لڑے اور عیسائی بادشاہ اس کے پاس پکڑے آویں۔ اور  
 تمام زمین کو کفار کے خون سے پر کر دیوے اور ان کی تمام دولت لوٹ لے اور اس قدر قاتل  
 اور خون ریز ہو کہ جب سے دنیا کی بنیاد پڑی ہو ایسا خون آدنی کوئی نہ گذرا ہو۔ اور اس قدر اپنے  
 تابعوں میں مال تقسیم کرے کہ لوگوں کو مال رکھنے کے لیے کوئی جگہ نہ رہے۔۔۔۔۔ قبول کر لینے تک  
 (تحفہ کوثر و دیہ ص ۴۲۲)

پس ایسی روایات جو بعض ترغیظ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے اور بعض من کل الوجہ قرآن مجید اور  
 آپ کی وحی کے جو قرآن مجید کے موافق ہے۔ مخالف ہیں انہیں ردی کی طرح پھینکنے کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا  
 ہے کیونکہ وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں بلکہ ذخیرہ موعظات ہیں۔  
 اگرچہ مذکورہ بالا تمام بیان سے یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام موافق قرآن احادیث کو مانتے  
 ہیں۔ لیکن اب اس امر کے متعلق چند متعلقات جو الحجرات بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کیا یہ سچ ہے کہ حدیثیں ایسی  
 ہی مدی اور لغو ہیں۔ جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے سمجھا ہے معاذ اللہ ہرگز نہیں۔ (حکم ربانی کا ریویو ص ۱)  
 اور فرماتے ہیں۔۔۔

احادیث نبویہ مرفوعہ منقولہ ایسی خبریں ہیں کہ ان کو ردی اور لغو سمجھا جائے۔ ص ۱  
 اور فرماتے ہیں۔

احادیث کا انکار ایک طوسے قرآن شریف کا انکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں، میں  
 قد ان کنھتھم یحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ کہ خدا تعالیٰ کی محبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے وابستہ ہے  
 تو پھر آنجناب کے علی غرضوں کے دریا منت کے لیے جن پر اتباع موقوف ہے حدیث بھی ایک ذریعہ ہے۔ پس جو شخص  
 حدیث کو بھی پس پڑتا ہے وہ طریق اتباع کو بھی چھوڑتا ہے۔ ص ۱  
 اور فرماتے ہیں:-

جو حدیث قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو اس کو بر جو چشم قبول کیا جائے۔ ص ۵  
 اور فرماتے ہیں:-

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض و مخالف قرآن و سنت نہ ہو تو خواہ کیسی

ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو وہ اس پر عمل کریں گا حدیث  
اور کشتی نوح میں آپ فرماتے ہیں۔

(۱) - حدیث کی قدر نہ کرنا گویا ایک عضو اسلام کا لٹ دینا ہے حدیث

۲) بہر حال احادیث کی قدر کرنا اور ان سے فائدہ اٹھاؤ کہ وہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اور جب تک  
قرآن اور سنت ان کی تکذیب نہ کرے تم بھی ان کی تکذیب نہ کرو بلکہ چاہیے کہ احادیث نبویہ پر ایسے کارہند  
ہوں کہ کوئی حرکت نہ کر دے اور نہ کوئی سکون اور نہ کوئی فعل اور نہ ترک فعل مگر اس کی تابید میں تمہارے پاس  
کوئی حدیث ہو حدیث ۵۸۔

(۳) - اگر کوئی حدیث ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت رکھتی ہے تو اس حدیث کو قبول کر لو کیونکہ قرآن اس کا  
مصدق ہے۔ اور اگر کوئی ایسی حدیث ہے جو کسی پیشگوئی پر مشتمل ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ ضعیف  
ہے۔ اور تمہارے زمانہ میں یا پہلے اس سے اس حدیث کی پیشگوئی سچی نکلی ہے تو اس حدیث کو سچی سمجھو حدیث ۵۹  
(۴) اگر ایک حدیث ضعیف درجہ کی بھی ہو بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور ایسی احادیث کے مخالف نہیں جو قرآن  
کے موافق ہیں تو اس حدیث پر عمل کرو حدیث ۵۹۔

اب دیکھنا چاہیے کہ اس سے زیادہ حدیث کو ماننے اور اس کی قدر و عظمت کرنے کی اور کون سی سورت ہو  
سکتی ہے احادیث صحیحہ مرفوعہ منسلکہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ حضرت اقدس تو ایک ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی  
ماننے اور اس پر عمل کرنے کی اتنی شہیدہ تاکید فرما رہے ہیں کہ کوئی حرکت و سکون اور کوئی فعل یا ترک فعل ایسا نہیں  
ہونا چاہیے جس کے متعلق تمہارے پاس حدیث نہ ہو یعنی تم اپنے تمام کاموں میں حدیث کو دستور العمل بناؤ مگر اس  
شرط سے کہ وہ حدیث قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سنت ثابتہ کے خلاف نہ ہو اور آپ نے یہاں تک فرمادیا  
ہے کہ

کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبی کی حدیث کو  
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس حدیث کو

ان حوالجات سے یہ امر بڑی وضاحت سے ظاہر ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں احادیث  
کو ردی کی طرح پھینک دینے کے لیے لکھا ہے جو مخالف قرآن اور مخالف سنت ثابتہ و احادیث صحیحہ ہونے کی وجہ  
سے اس قابل ہیں کہ ردی کی طرح پھینک دی جائیں معلوم نہیں کہ ایسی حدیثوں کے ردی کی طرح پھینک دیے جانے کے  
خلاف قرآن ہونے کی حالت میں وہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ایسی حدیثیں ردی کی طرح پھینک دی جائیں  
اور یا کہ (لنؤذ بالثمد قرآن شریف سے دست کشی کی جائے اور اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ جو شخص خلاف قرآن

مدریوں کو ردی کی طرح پھینک دینا نہیں چاہتا وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف ہے جس سے (نمود باللہ) قرآن شریف ردی کی طرح پھینک دیا جائے۔

مختار ان مدعیہ نے تو سراسر منالطہ کی راہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو احادیث صحیحہ کا ردی کی طرح پھینک دینے والا ثابت کرنا چاہتا اور نہ صرف حضرت اقدس کو ہی بلکہ آپ کے ساتھ علامہ ابن خلدون جنہوں نے عہدی کی احادیث کو مجروح اور ضعیف ٹھہرا ہے۔ اور دیگر محققین کو بھی لیکن آپ خود خیر سے قرآن شریف کے ردی کی طرح پھینک دیجئے دالے ٹھہر گئے اور اس مصرع کے پورے مصداق ثابت ہوئے ہیں۔

میں اقوام ان کو دیتا تھا قصور اپنا کھل آیا۔

چونکہ مختار ان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف قرآن احادیث کو ردی کی طرح پھینک دینے والے قول میں بڑے قصور سے بخت کی ہے۔ حتیٰ کہ من جلد وجہ کفر کے ایک یہ بھی وجہ کفر قرار دی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود بہت بڑے عامل بالمحدیث ہوں اس لیے یہ دیکھ لینا نہایت ضروری ہوگا کہ وہ صحیح الثبوت کہاں تک حدیث پھیل کرنے والے ہیں۔ اور اس کے متعلق ہم سب سے پہلے نماز کی حدیثوں کو لیتے ہیں۔

کیا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے اور رفع یدین کرنے۔ آمین بالجہر کہنے اور وتر کی ایک اور تراویح کی آٹھ رکعات پڑھنے کے متعلق احادیث موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں اور ضرور ہیں۔ تو کیا دیوبندی حضرات امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھتے ہیں؟ اور کیا وہ رفع یدین کرتے ہیں؟ کیا وہ آمین بالجہر کہتے ہیں؟ کیا وہ وتر کی ایک رکعت اور تراویح کی آٹھ رکعات ادا کرتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو کیا وہ ان سب حدیثوں کو جو صحیح نہیں کہ خلاف قرآن شریف نہیں ہیں۔ بلکہ صحیح بخاری میں آئی ہیں ردی کی طرح پھینک دینے والے ہوئے یا کوئی کسر باقی رہ گئی؟

اس طرح حدیث لوطان موسیٰ و عیسیٰ جبین لما یسعھا الذابتاعی اور حدیث مالکہ تخافون

من موت بینکم کل خلین فیمن بعث فاضلہ فیکہ (البیہ الاما خیار ص ۴۲)

جی سے وفات مسیح ثابت ہوتی ہے۔ کیا دیوبندی مولویوں نے وفات حضرت مسیحؑ کا مکر ان کو صحیح تسلیم کیا؟ اگر نہیں تو وہ ان احادیث کو ردی کی طرح پھینکنے والے ہوئے یا نہیں؟ پھر حدیث قاع رضوۃ علی کتاب اللہ یعنی جو روایت ہو اسے قرآن مجید پر عرض کرد۔ جو اس کے موافق ہو لے اور جو منافی ہو اسے چھوڑ دو؟ کیا مختار ان مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے سد پر اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا یا نہیں۔ اس طرح حدیثیں ہیں۔ جنہیں مختار ان مدعیہ نے صریح طور پر عدالت کے سد پر اس حدیث کو ردی کی طرح پھینکا نہیں۔ اس طرح اور حدیثیں ہیں جنہیں مختار ان مدعیہ اور گواہان مدعیہ ردی سمجھ کر قابل عمل خیال نہیں کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے عدالت میں اپنے آپ کو عامل بالمحدیث اور تمام احادیث کو صحیح ماننے والے ظاہر کرتے ہیں

راہ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی دہی کو احادیث پر ترجیح دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حدیث کے رد کر دینے کے متعلق جہاں کہیں فرمایا ہے تو وہ قرآن شریف کے خلاف ہونے کی سند مرط کے ساتھ فرمایا ہے اور اساتذہ ہی اپنی دہی کا جو ذکر کیا اپنے منصب علم و عدل کے اظہار کے لیے اور اس غرض سے کہا ہے کہ معلوم ہو کہ آپ کو مخالف قرآن دہی ہونے کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ اپنی دہی کو از اول تا آخر تمام و کمال مطابق قرآن شریف جانتے ہیں۔ اور کسی امر میں سر مو بھی غلط نہیں جانتے۔ اب پہلے میں وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے امر مذکورہ میں اپنی دہی کو اپنے عہدہ منصب کے اظہار کی غرض سے شامل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ بعض چالاک مولوی کہتے ہیں کہ اگر کوئی آسمان سے اترے اور یہ کہے کہ فلاں فلاں حدیث جو تم جانتے ہو صحیح نہیں ہے۔ تو ہم بھی قبول نہ کریں گے۔ اور اسے ہند پر ملانچے ماریں گے اس کا جواب یہی ہے کہ ہاں حضرات آپ کے وجود پر یہی امید ہے مگر ہم با ادب عرض کرتے ہیں کہ پھر وہ حکم کا لفظ جو مسیح موعودؑ کی نسبت صحیح بخاری میں آیا ہے۔ اس کے ذرا معنی تو کریں ہم تو اب تک یہی سمجھتے تھے کہ حکم اس کو کہتے ہیں کہ اختلاف رفع کرنے کے لیے اس کا حکم قبول کیا جائے اور اس کا فیصلہ گواہ ہزار حدیث کو بھی موضوع قرار دے ناحق سمجھا جائے۔ جو شخص خدا کی طرف سے آئے گا وہ آپ کے طمانچے کھانے کو نہیں آئے گا۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے خود راہ نکالے گا۔ جس شخص کو خدا نے کشف اور الہام عطا کیا اور بڑے بڑے نشان اس کا ہتھ پر ظاہر فرمائے۔ اور قرآن کے مطابق ایک راہ اس کو دکھلا دی تو پھر وہ بعض ظنی حدیثوں کے لیے اس روشن یقینی راہ کو کیوں چھوڑ دے گا۔ اور کیا اس پر واجب نہیں ہے۔ کہ جو کچھ خدا نے اس کو دیا ہے۔ اس پر عمل کرے۔ اور اگر خدا کی پاک دہی سے حدیثوں کا کوئی مضمون مخالف یا ہے اور اپنی دہی کو قرآن کے مطابق یا ہے اور بعض حدیثوں کو بھی اس کے مؤید دیکھے تو ایسی حدیثوں کو چھوڑ دے۔ ان حدیثوں کو قبول کرے جو قرآن کے مطابق ہیں۔ اور اس کی دہی کے مخالف نہیں (اعجاز احمدی ص ۲۹۰) میں اس موقع پر اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔ کہ وحی الہی جب کہ اس کا وحی الہی ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو۔ تو وہ حدیث پر ترجیح ہے یا نہیں اور جب ہمارے مخالفین کے وہ مسیح جو ان کے خیال میں آسمان پر تشریف رکھتے ہیں۔ دنیا میں نازل ہونگے۔ اللہ ان کو وحی ہوگی تو یحیثیت کلام الہی ہونے کے وہ حدیثوں پر ترجیح ہوگی یا نہیں ہوگی۔ بلکہ موقعہ کے لحاظ سے صرف اتنا بیان کر دیتا ہوں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ صرف ان احادیث کے متعلق لکھا ہے جو قرآن شریف کے بھی خلاف ہوں اور احادیث صحیحہ کے بھی۔ یہ عرض کر دینے کے بعد میں حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ بالا طریق فیصلہ حدیث کی طرف عدالت کو توجہ دلانا ہوں کہ کیا یہ طریق فیصلہ پکا نہیں رہا۔ کہ میں ایک حدیث کے صادق اور راستباز انسان کے دل و دماغ کا نتیجہ ہوں اور کیا اس کا لفظ لفظ ظاہر نہیں کر رہا ہے۔

کہ میں کسی منصوبہ باز اور دنیا ساز کے مناسب حال نہیں ہوں۔

اس کے بعد سب وہ حوالہ بیان کرتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی دینی قرآنی دینی سے سرمومخالف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”وکل ما فہمت من موهبات القرآن ادا لہمت من اللہ الرحمن فقیلہ علی شریطۃ الصحت والصواب والصمت وقد کشف علی افہیحہ خالص یوافق اشریعتہ لا یریب فیہ ولا یس ولا شک ولا شبہۃ الی والرسول الکریم“  
 رائیہ نہ کلمات اسلام صاف یعنی جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف تفہیم ہوئی ہے یا الہامات نازل ہوئے ہیں ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے کہ وہ سب صحیح اور درست ہیں اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھنے اور مجھے میرے کشفانیہ ظاہر کیا گیا ہے کہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن حکیم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک و شبہ نہیں اور بغرض محال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا۔ وہی کی طرح پھینک دیتے اور وہی معنی مراد لیتے جو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ سلم کی مراد تھی۔“

اور فرماتے ہیں :- ”وان القرآن مقدم علی کل شیء ووحی الحکمہ مقدم علی احادیث ظنیۃ بشرط ان لتطابق القرآن وحیہ مطابقتہ تامۃ بشرط ان تكون الاحادیث غیر مطابقتہ للقرآن ولو جد فی قصصہا مخالفتہ لقصص صفت مطہرہ“ (مواہب الرحمن ص ۶۷)  
 یعنی قرآن مجید ہر ایک چیز پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی حدیثوں پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن مجید کے ساتھ مطابقت تام رکھتی ہو اور بشرطیکہ احادیث قرآن مجید کے غیر مطابق ہوں اور قرآن مجید کے قصص کے برخلاف ان احادیث میں قصص مذکور ہوں۔

ان دونوں حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دینی قرآن مجید کے موافق ہے۔ اس لیے اس کے معارض جو ظنی حدیثیں ہوں گی وہ قرآن مجید کے بھی معارض ہوں گی اس لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ اور ردی کی طرح پھینکنے کے قابل ہیں۔ لیکن احادیث صحیحہ کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں ہمارا عقیدہ اور ہمارا مذہب بقول حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہی ہے جو آپ نے فرمایا :-

اقتدائے قول اور درجہ ایمان ماست

ہرچہ زو ثبات شود ایمان ماست

## حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اجماع احمدی میں فرمایا ہے کہ جو روایت قرآن مجید کے خلاف ہے اسے ایم رری کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اور وہی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

”تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذا مروی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافق فاقبلوہ وما خالف فرددوہ“ کہ یعنی میرے بعد کثرت سے تمہارے پاس حدیثیں پہنچیں گی پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث میری طرف منسوب کر کے بیان کی جائے۔ تو تم اس کو کتاب اللہ پر عرض کر دو پس جو کتاب اللہ کے موافق ہو۔ اسے قبول کر لو۔ اور جو اس کے مخالف ہو۔ اسے رد کر دو۔

لیکن اس حدیث پر مختار مدعیہ نے یہ جرح کی ہے :-

(۱) - کہ یہ حدیث توضع تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتابیں ہیں۔ کسی حدیث کی کتاب سے نقل نہیں کی گئی۔ اور جن کی کتابوں سے نقل کی گئی ہے۔ وہ محدث نہیں ہیں :-

(۲) - فوائد المجموعہ میں علامہ شوکانی نے کہا ہے۔ وضعۃ الزخادقہ کہ یہ بے دینوں کی حدیث ہے اور یہی بات یحییٰ بن معین اور علامہ ذہبی کہتے ہیں۔ اور علامہ شوکانی نے کہا ہے کہ مفہوم کے لحاظ سے اس آیت کو ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا درکرتی ہے۔

(۳) گواہ مدعا علیہ ما کا یہ کہنا کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب مخرج نجیۃ الفکر میں ایسا لکھا ہے محض اتہام ہے۔ اور محض مخالف دینے کی کوشش دی گئی ہے۔ اور صحیح مسلم جو صحیح بخاری کے ہم پایہ کتاب ہے۔ اس میں عبد اللہ بن مبارک کا قول ہے کہ اسناد جوین سے ہے۔ اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا کہ دینا لہذا بلا سند حدیث معتبر نہیں ہو سکتی۔

پہلی بات کا جواب ۱-

مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کر کے کہ چونکہ یہ حدیث توضع تلویح اور اصول شاشی سے پیش کی گئی ہے۔ اور وہ اصول فقہ کی کتاب ہے۔ اس لیے قابل تسلیم نہیں ہے۔ فقہ حنفیہ کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اصول جن پر فقہ حنفی مبنی ہے۔ وہ ایسی حدیثوں سے بھی وضع کئے گئے ہیں جو غیر معتبر اور وضعی ہیں کیا کوئی سچا حنفی اس خطرناک اعتراض کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو گا ہرگز نہیں !



اب دیکھنا یہ ہے کہ جہاں کتب میں یہ حدیث آئی ہے۔ آیا ان کے مؤلفوں نے یہ حدیث وضع کر لی ہے۔ یا وہ فی الواقع اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ بھی اسی امر کے متعلق بجز اس کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کہ انہوں نے صحیح سمجھ کر یہ حدیث اصول فقہ کی کتابوں میں درج کی ہے اور صحیح قرار دے کر صحابہ کرام کے کلام سے اس کی تائید کی ہے۔ چنانچہ علامہ محمد فیض الحسن ابن علامہ فخر الحسن صاحب گلوہی اصول شاشی میں یہ حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں۔

”دتحقیق ذلك فيما روى عن علي ابن ابی طالب انه قال كانت السوادة على ثلاثة اقسام۔ الى قلها المعنى وجب عرض الجز على الكتاب والسنة المشهورة“ (اصول شاشی مطبوعہ مطبعہ نائی کا پورہ ص ۷۶)

یعنی اس حدیث کی حقیقت اس سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ جو علی ابن ابی طالب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا راوی میں قسم تھی۔ ایک مومن مخلص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رہے۔ اور آپ کے کلام کے معانی کو سمجھا۔ دوسرا اعرابی جو اپنے قبیلہ سے آیا۔ اور اس نے سنا جو معنا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی حقیقت تک نہ پہنچا اور اپنے قبیلہ میں واپس آکر آپ کے الفاظ سے صواب دوسرے الفاظ میں آپ کی بات بیان کی۔ اور معنی بدل گئے۔ لیکن اس کا خیال یہی رہا کہ مطلب میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا۔ تیسرا منافق جس کا خفاق غیر معروف تھا۔ تو اس نے افہام کو رکھ کر باتیں روایت کیں جو اس نے سنی نہ تھیں۔ اور لوگوں نے اس سے سن کر اور اسے مومن مخلص سمجھ کر وہ روایت آگے بیان کی۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں میں شہرت پا گئی۔ پس اس وجہ سے روایت کا کتاب اللہ اور سنت مشہورہ پر عرض کرنا واجب ہو گیا۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حدیث کسی محدث نے بیان نہیں کی۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ تلویح میں یہ روایت امام بخاری کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ کہ انہوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں بھی بیان کی ہے۔ اور تلویح کے حاشیہ فرزی میں لکھا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔

”کہ صاحب تلویح نے صاحب اکشاف کے اس جواب کو رد کیا ہے۔ جو اس نے حدیث کے ضعیف ہونے کا دیا تھا۔ کہ چونکہ امام ابو عبد اللہ البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ اور وہ اس فن میں نہایت بلند پایہ اور اس صفت کا امام ہے۔ پس اس کا اس حدیث کو بیان کرنا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے۔ اور اس کے بعد دوسرے کے طعن کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اور صاحب تلویح کے رد کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ امام بخاری نے جو حدیثیں اپنی صحیح میں ذکر کی ہیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس کا اس نے اثبات کیا ہے۔ اور ایک قسم وہ ہے جسے اس نے محض استشہاد اور تائید کے لیے ذکر کیا ہے۔ پہلی قسم تو بالکل صحیح ہے۔ بخلاف دوسری قسم کی۔ فرزی کہتا ہے کہ اس تردید کا یہ جواب ہو سکتا ہے۔ کہ یہ رد اس وقت تام کہلا

سکتا ہے۔ جب کہ اسی حدیث کی تائید میں دوسری حدیث موجود نہ ہوتی۔ جو محمد بن جبریمؒ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ما حد شتم عن ما تنكرون فلا تصدقوا فانی لا اقول الا لکنو وانما يعرف ذلك بالعرض علی الكتاب“

یعنی اگر میری طرف سے کوئی ایسی بات جو تمہارے نزدیک منکر ہے بیان کی جائے تو تم اس کی تصدیق نہ کرو کیونکہ میں منکر بات نہیں کہتا اور کسی بات کا منکر ہونا کتاب پر عرض کرنے سے ہی معلوم ہوگا (شرح التوضیح علی التنبیخ ص ۲۶۱)

اور اس حدیث کی تائید ایک اور صورت سے بھی ہو سکتی ہے جو امام بیہقی نے پوری سند کے ساتھ مدخل میں نکالی ہے چنانچہ علامہ وحید الزمان صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں۔

”اخرج البيهقي في المدخل باسناد ٤٥٠ عن ابي جعفر من رسول الله صلى الله عليه وسلم انه دعا اليه يهودا بن حنانيا حتى كذبوا على عيسى فصعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فخطب الناس وقال ان الحديث سيفشوقا اناكم عني يوافق القرآن فهو عني وما اناكم عني يخالف القرآن فليس عني“

(اشراف الابصار في تخریج احادیث الانوار مطبوعہ مصطفائی دہلی ص ۲۶)

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر ان سے سوال کیا۔ تو انہوں نے باتیں کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بعض جھوٹ باتیں منسوب کیں تو آپ منبر پر چڑھے اور لوگوں میں یہ خطبہ کیا۔ اور فرمایا کہ غضرب بہت باتیں پھیل جائیں گی۔ پس جو بات تمہارے پاس میری طرف سے قرآن مجید کے موافق پہنچے۔ تو وہ مجھ سے ہوگی اور جو مخالف قرآن پہنچے۔ تو وہ مجھ سے نہیں ہوگی۔ پس بیہقی کی وہ حدیث بھی حدیث متنازعہ فیہ کی موید ہے جس سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

علاوہ ان کے اور بھی بہت سی احادیث اور روایات اس قسم کی پائی باقی ہیں جن سے اس حدیث کی تائید ہوتی ہے اور اس حدیث کے معانی اور مفہوم کی مقوی اور عمدہ ہیں۔ مثلاً دارقطنی میں ہے۔ کلا ہی لا ینسخ کلامہ اللہ (مشکوٰۃ ص ۳۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا کلام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ناسخ نہیں۔ پس جو حدیث بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کے مخالف معنی اور اس کی ناسخ ہوگی۔ وہ یقیناً حدیث مذکور کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہ ہوگا۔

اس طرح بخاری کی حدیث اوصی کتاب اللہ بخاری جلد ۲ ص ۶۵ » ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل قضاء اللہ احق“ بخاری جلد ۲ ص ۵۸ اور حدیث ما عندنا شیخ الا کتاب اللہ اور حدیث

انی ترکت فیکہ ما ان تمسکتہ بلم لن تفضلوا کتاب اللہ و سنتی، اور حدیث ترکت فیکہ امرین لن تفضلوا ما تمسکتہ بہما کتاب اللہ و سنت رسولہ مشکوٰۃ ص ۳۱ اور مذکور ہر امر کے لیے کتاب اللہ کو حکم اور کسوٹی قرار دیتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث یقیناً صحیح ہے۔ اور اس کو موضوع کہنا لغو و باطل۔

## دوسری بات کا جواب

اول: تو اس حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث زنادقہ اور دجالہ کی مختصر عمر ہو، یہ نہیں سکتی کیونکہ اس حدیث میں زندیقانہ اور لھذا نہ ردش کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ اور یہ ثبوت ہے۔ اس امر کا کہ یہ حدیث زنادقہ کی وضع کی ہوئی نہیں ہے۔

دوم: اگر اس حدیث کے مفہوم اور معانی پر غور کیا جاوے تو بھی صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممنوع نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں ایک ایسا اصل بتایا گیا ہے کہ اگر اسے مدنظر رکھا جائے تو امت محمدیہ کا اکثر حصہ تباہی و بربادی سے بچ جاتا۔ محض اس اصل کو ترک کر دینے کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی۔ اور روایات اور فقہ کی کتابوں پر دار و مدار سمجھ لیا گیا۔

در اصل اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فتنہ سے آگاہ کر دیا تھا جو احادیث موضوعہ سے پیدا ہونے والا تھا۔ جس سے بچنے کے لیے سرور کائنات نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب احادیث کثرت سے ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ فرمودہ نبوی کون سا ہے۔ تو اس وقت اس اصل کو مدنظر رکھنا۔ کہ جو احادیث قرآن کریم کے موافق ہوں۔ انہیں قبول کر لینا اور جو احادیث قرآن کریم کے مخالف ہوں انہیں رد کر دینا۔ یہ اعلیٰ مفہوم ہے اس حدیث کا۔ کیا اس پاکیزہ و مفید مفہوم کی موجودگی میں یہ خیال کئے جانے کی گنجائش ہے کہ یہ حدیث موضوع اور زنادقہ کی اختراع ہو سکتی ہے؟

سوم: بہت سی ادراہ حدیث اور روایات اس حدیث کے مضمون کی تائید کر رہی ہیں۔ جن میں سے بعض ادراہ بیان کی جا چکی ہیں۔

چہارم: کسی امام کے ایک حدیث کو ممنوع کہہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ فی الواقعہ بھی ممنوع ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اسے اس حدیث کی سند یا صحت کا علم نہ ہوا ہو۔ اور اس لیے اس نے اس کو ممنوع کہا ہو۔ اور جبے علم ہوا۔ اس نے صحیح کہا مثلاً حدیث ”لولاک لما خلقت الافلاک“ جس کے متعلق مختار مدنی نے یہ کہا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیات میں سے ہے۔ جس میں آپ کا کوئی

شریک نہیں اس کے متعلق منعانی تے کہا ہے کہ موضوع ہے۔ (ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶)  
 اور گواہان کے مسلم متقدم انگلوہی صاحب بھی اس کی کوئی اصل پائے جانے کے منکر ہیں اور حدیث طلب العلم  
 فیض علی اکل مسلم کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے۔ وهو باطل لا اصل لہ کہ یہ حدیث باطل اور بے اصل ہے۔ حالانکہ  
 یہ عینی اور ابن عدی نے انس سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ (فوائد المجموعہ ص ۹۶)

پس صرف کسی کے اس قول کی بنا پر کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ کوئی حدیث موضوع نہیں قرار دی جاسکتی بلکہ  
 موضوع قرار دینے والوں کے دلائل پر غور کر لینے کے بعد اس کی صحت یا عدم صحت کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔  
 چنانچہ ممتاز عرفیہ حدیث پر رد قسم کی جرح کی گئی ہے ۱

### مختار مدعیہ کی پہلی جرح

یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث سے اور اسے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید ابن ربیعہ مجہول  
 ہے۔ اور اس کا ابوالاشعث سے سماع معروف نہیں ہے۔ یہ حدیث منقطع ہوگی۔

جواب :- اس جرح کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بہت ہی کم راوی ایسے ہیں جن کے متعلق امر حدیث میں اختلاف  
 نہ ہوا ہو۔ اگر ایک کہتا ہے کہ فلاں راوی نہایت راست بان ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ وہ مشرک الحدیث ہے  
 اور تیسرا کہتا ہے کہ وہ سچی الحفظ ہے چوتھا کہتا ہے کہ وہ وضاع ہے۔ خود حدیثیں بنا لیتا ہے۔ غرض کہ  
 روایت کے متعلق کثرت سے اختلاف ہے۔ پس جب کسی راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کے متعلق اختلاف  
 ہے۔ تو وہ حدیث اس وقت نہیں چھوڑنی چاہیے۔ جب تک کہ حدیث کا مفہوم بھی اس کے چھڑوانے پر مجبور نہ  
 کرے۔ چنانچہ یزید ابن ربیعہ کے متعلق بھی متقدمین میں اختلاف ہوا ہے۔ ابو سعید نے کہا ہے:-

”کان یزید ابن ربیعہ فقیہا غیر متہم صانک علیہ اذ ادرك بالاشعث و لیکن اختی

علیہ سوء الحفظ والوہم۔

یزید بن ربیعہ فقیہ تھا۔ اس پر کوئی اتہام نہیں لگایا جاسکتا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس امر کا انکار کریں کہ اس نے  
 ابوالاشعث کو پایا۔ البتہ مجھے اس پر سوء حفظ اور وہم کا ڈر ہے۔

اور ابن عدی نے کہا ہے۔ ”ادجوانہ لا یاس بہ“ مجھے تو یہی امید ہے کہ اس میں کسی قسم کا جرح  
 نہیں ملے میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۶۷)

اور مولوی محمد رفیع الحسن اور حافظ مولوی نور الحسن صاحب کہتے ہیں۔ ”خان قلت سے الی غیرہ تک  
 ”یعنی اگر نو کہے کہ اس حدیث میں محدثین نے طعن کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث یزید بن ربیعہ نے ابوالاشعث

سے اور اس نے ثوبان سے روایت کی ہے۔ اور یزید بن ربیع مجہول ہے۔ اور ابو الاشعث سے اس کا سماع غیر معروف ہے۔ تو یہ حدیث منقطع ہوگی۔ جس سے حجت کچھ نہ درست نہیں ہو سکتا تو اس طعن کا جواب یہ ہے کہ امام محمد بن اسماعیل البخاری نے یہ حدیث اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔ اور وہ محدثین کے امام ہیں۔ پس یہ ان کا حدیث لانا ہی اس کی صحت کی کافی دلیل ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی کے طعن پر التفات نہیں کیا جاسکتا۔  
(عمدة المحاشی بر حاشیہ اصول شاشی مطبوعہ نامی کا پورہ ص ۶۷)

اور تلویح کے حاشیہ فزی میں یہ لکھا ہے۔ کہ چونکہ اس حدیث کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے جو محمد بن جریر مطہر سے مروی ہے اس لیے یہ حدیث صحیح ہے۔ جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہے۔

### مختار مدعیہ کی دوسری جرح

علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔ اس حدیث میں خود اس کا رد موجود ہے۔ کیونکہ جب ہم نے اسے کتاب الشہ پر عرض کیا تو اسے کتاب الشہ کی آیت مآتا کہ الرسول فخذ ولا دما نہنا کم عنفا تنہو کے مخالف پایا اور خطاب نے کہا ہے کہ اسے حدیث ادتیت الکتاب ومثلہ معہ رد کرتی ہے اور فیروز آبادی نے بھی حدیث یعنی ادتیت الکتاب ومثلہ معہ کو لے کر اسے موضوع ٹھہرایا ہے۔

جواب ۱۔ مولوی وحید الزمان حیدر آبادی نے اشواق الابصار فی تخریج احادیث الاثر ان احوال کو

درج کر کے لکھا ہے۔ و فیہ ما فیہ یعنی یہ جواب بہت کمزور ہے۔ چنانچہ حاشیہ پر وہ اس کی تخریج میں لکھتے ہیں۔

”اشارۃ الی ان هذا القول یجری فیما سکت الکتاب عنہ واما اذا خالفہ کما هو المراد ہفتا لعدم الموافقة فردا واجب۔“

یعنی علامہ شوکانی نے جو آیت پیش کی ہے۔ کہ رسول جو تمہارے پاس لائے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔ اور حدیث کہ مجھے قرآن اور اس کی مثل دیا گیا ہے۔ تو اس سے مراد وہ قول یا وہ باتیں ہیں جن کے بارہ میں قرآن مجید ساکت ہے۔ اور لیکن اگر کوئی قول قرآن کے مخالف ہو جیسا کہ حدیث میں عدم موافقت بالقرآن سے مراد ہے تو ایسے قول کا رد کرنا واجب ہے۔

جب علامہ شوکانی وغیرہ کو حدیث اذ امر دی لکھ عنی حدیث فاعرضوا علی کتاب اللہ کی آیت مآتا کہ الرسول فخذ ولا اور حدیث ادتیت القرآن ومثلہ سے مطابقت معلوم نہ ہوئی تو اسے موضوع ٹھہرا دیا۔ حالانکہ آیت میں یہ کہیں نہیں لکھا تھا کہ جو بات رسول قرآن مجید کے مخالف لائے تو اسے لے لو

اور نہ ہی حدیث میں یہ تھا کہ جو قرآن کی مثل آنحضرت صلیم کو دیا گیا ہے وہ قرآن مجید کے مخالف ہے بلکہ حدیث اذانہ دہی لکم عنی" اس آیت اور حدیث کی تفسیر کر رہی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کا موضوع اقوال سے جو افتراء کر کے آپ کی طرف منسوب کیے گئے ہوں معلوم کرنا مشکل ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ آنحضرت صلیم کا قول وہی ہو گا جو قرآن مجید کے مخالف نہ ہو اور اگر کوئی مخالف یا دو توفیقاً سمجھ لو وہ قول افتراء کے طور پر آپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ چنانچہ شرح التوضیح علی التفتیح ص ۲۲۳ میں اذانہ دہی لکم عنی حدیث کو ذکر کر کے لکھا ہے۔

”قد دل هذا الحديث على ان كل حديث يخالف كتاب الله فانه ليس بجديد  
الرسول صلى الله عليه وسلم وانما هو مفتوى“ کہ اس حدیث کا مدلول یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو تو وہ رسول اللہ کی حدیث نہیں۔ بلکہ وہ محض افتراء ہے۔ جو آپ پر کیا گیا ہے۔  
پنجم ۱۔ یہ حدیث مسلم اکابر اللہ نے صحیح تسلیم کی ہے اور اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھا ہے۔ چنانچہ نور الانوار میں لکھا ہے۔

”وتمسك الشافعي أيضاً في عدم جواز نسخ الكتاب بالسنة نقوله عليه السلام  
اذ انا دعي لكم عنی حدیث قاعروضه على كتاب الله تعالى فماد افقه فاقبلوه  
والا فردوا فكيف ينسخ بها۔ (نور الانوار مطبوعه مصلحان ص ۱۷۷)

(۱) اور امام شافعی نے کتاب کے سنت سے منسوخ نہ ہونے پر آنحضرت صلیم کی اس حدیث سے بھی دلیل بکھولی ہے کہ جب تمہارے پاس میری طرف سے کوئی روایت بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر عرض کرو۔ اگر اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس سنت کے ساتھ کتاب اللہ کس طرح منسوخ ہو سکتی ہے۔  
(۲) اسی طرح تفسیر قادری میں زیر آیت اقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين لکھا ہے۔

”تیسرے میں شیخ محمد بن اسم طوسی قدس سرہ سے منقول ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی کہ جو کچھ مجھ سے روایت کی جائے۔ تو اسے قرآن شریف پر پیش کرو اگر موافق ہو تو وہ روایت مجھ سے ہے۔ تو میں نے اس حدیث کو کہ  
من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر۔ چاہا کہ کسی آیت سے موافق کر دوں اور تیس برس تک میں نے فکر کی یہاں تک کہ یہ آیت پائی کہ اقيموا الصلوة ولا تكونوا من المشركين۔

بہت صاف بات ہے کہ اگر حدیث اذانہ دہی لکم عنی حدیث موضوع ہوتی تو یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک جلیل القدر امام اس پر عمل کر کے حدیث من ترك الصلوة متعمداً کی محنت قرآن کریم سے معلوم کرنے کے لیے تیس برس تک کوشش کرتے رہے۔ کیا شیخ محمد بن اسم طوسی قدس سرہ جیسے رفیع المرتبت

امام لاجن کی جلالت شان محتاج بیان نہیں ہے۔ زنادقہ کی گھڑی ہوئی حدیث پر عمل کرنے میں طویل زمانہ مٹانے کو دنیا عقل انسانی تسلیم کر سکتی ہے۔ برگزین اور عقل و انصاف سے واسطہ رکھنے والوں کو یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ کہ دراصل امام موصوف اس حدیث کو نہایت صیح اور درست سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے انجناب نے مدت دراز تک اس کے مطابق عمل کر کے بحر تلاش میں غواہی جاری رکھی اور بالآخر گہر مقصود حاصل کر لیا۔

(۳) اور علامہ جیونہ اپنی تفسیر احمدی کے مقدمہ میں جو زمانہ اور رنگ زیب رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصنیف فرمائی تھی آیت ما فرطنا فی الكتاب من شیء وغیرہ کا ذکر فرماتے ہیں :-

”وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا بلغکم عنی حدیث فاعرضوه علی کتاب اللہ فان وافقه فاقبلوه والا فردوه۔ فقئ القرآن تصدیق کل حدیث و مردعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (التفسیر الاحمدی ص ۳۲ مفہوم مطبع پنجابی لاہور)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہیں میری طرف سے کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ پر پیش کر دے اگر اس کے موافق ہو تو اسے قبول کر لو ورنہ اسے رد کر دو۔ پس قرآن مجید میں ہر ایک اس حدیث کی جوا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ تصدیق موجود ہے۔

ششم :- جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے قرآن مجید کے مخالفت ہے انہوں نے صریح غلطی کی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس حدیث کی تصدیق و تائید کرنے والی آیات کثرت سے موجود ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی شان میں فرماتا ہے :-

”فیہا کتب قیمۃ۔ لا یتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ۔ ان ہذا

القرآن یمہدی للتی ہی اقوام۔ وانه لحق الیقین۔ حکمۃ بالغۃ تنبیاً

کلیل شیء۔ انزل الکتاب بالحق والبعیزان۔ ہدی للناس ونبیات من الہدی والفقوان۔ انہ بقول فضل لا یرب فیہ ال آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کی کئی خصوصیات بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ نہ وہ تمام صدائقوں پر مشتمل ہے۔ اور باطل کسی طور سے بھی اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا۔ وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ بتلاتا ہے۔ وہ حق الیقین ہے۔ اس میں ظن اور شک کی جگہ نہیں۔ وہ کلمۃ بالغہ ہے۔ اس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔ وہ حق ہے اور میزان حق ہے یعنی آپ بھی سچا ہے اور سچ کی شناخت کے لیے محکم بھی ہے۔ وہ لوگوں کے لیے مروت ہے۔ ہدایتوں کی اس میں تفصیل ہے۔ اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے۔ وہ قول الفصل ہے۔ اس میں کچھ بھی شک نہیں۔

پس جس کتاب کی یہ خصوصیات ہوں وہ کیوں احادیث کی صحت کا معیار نہ ٹھہرے۔ اور اپنی خصوصیات کی

وجہ سے اللہ فرماتا ہے۔ قباہی حدیث بعد اللہ واکیانہ یومنون اور اقبای حدیث بعدہ یومنون  
یعنی تم بعد اللہ اور اس کی آیات کے کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔ اس آیت میں صریح اسبات کی طرف اشارہ  
ہے کہ اگر قرآن کریم کسی امر کی نسبت قطعی اور یقینی فیصلہ دے یہاں تک کہ اس فیصلہ میں کسی طور تک باقی  
نہ رہ جائے اور منشاء ابھی طرح کھل جاوے تو میر بعد اس کے کسی ایسی حدیث پر ایمان لانا جو صریح اس کے خلاف  
بڑی ہوشیاری کا کام نہیں چنانچہ مشکوٰۃ سنن میں ایک حدیث ترمذی اور دارمی سے منقول ہے جس سے متنازعہ  
فیہ امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

”عن الحارث الاعور قال صرحت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث قد خلت علی علی  
فاخبرته فقال او قد فعلوها۔ قلت نعم۔ قال اما فی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول  
الا انہما ستكون فتنۃ قلت ما الخرج یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیہ قباہ ما قبلکم وخبیر ما بعدکم  
وحکم ما بینکم ہوا الفصل لیس بالہزل من ترک من جبار قصمہ اللہ ومن ابتغی الهدی فی غیرہ  
اضلہ اللہ وھو حبیل اللہ التین من قال بہ صدق ومن عمل بہ اجز ومن حکم بہ عدل  
ومن دعا الیہ ہدی الی صراط مستقیم (۱۰۱) الترمذی والداری (۱)

یعنی حارث اعور نے کہا کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور حدیثوں میں فحش کر رہے تھے۔ گدرا سو  
میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو خیر ذکر حدیثوں میں کیوں لگ گئے ہیں حضرت علیؑ کے پاس گیا اور آپ کو خبر دی آپ  
نے مجھ سے فرمایا۔ یقیناً سمجھ کر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے۔ غریب ایک فتنہ ہوگا  
یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں ہوں گی اور اختلاف میں پڑ جائیں گے اور کچھ کچھ سمجھ بھیں گے۔ تب میں نے عرض کی  
کہ اس فتنہ سے کیونکر بچائی ہوگی۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی اس میں تم سے پہلوں کی  
خبر موجود ہے۔ اور آنے والے لوگوں کی بھی خبر ہے۔ جو تم میں تنازعات پیدا ہوں ان کا اس میں فیصلہ موجود ہے اور  
وہ قول فصل ہے۔ ہزل نہیں۔ جو شخص اس کے غیر میں ہدایت ڈھونڈے گا۔ اور اس کو حکم نہیں بنائے گا۔ خدا تعالیٰ  
اس کو گمراہ کر دے گا۔ وہ حبیل اللہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی اسے سچ کہا اور جس نے اس  
پر عمل کیا وہ مایوس ہے۔ اور جو اس کی رو سے حکم بنا اس نے عدالت کی اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے  
راہ راست کی طرف بلایا۔

پس اس حدیث میں صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اختلافیات کے فتنہ کے وقت جو شخص قرآن مجید کو حکم اور  
معیار اور میزان قرار دے گا وہ بچ جائے گا۔ اور جو شخص اسے حکم نہیں بنائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا یہ حدیث  
بآواز بلند بکار رہی ہے کہ امدیث وغیرہ میں جس قدر اختلاف باہمی پائے جاتے ہیں ان کا تصفیہ قرآن کریم کے



کی رو سے کرنا چاہیے اور یہی مفہوم حدیث اذا روی لکم عنی حدیث کا بھی ہے پس چونکہ یہ حدیث اپنے مفہوم اور معانی کی رو سے قرآن مجید اور دوسری احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہے اس لیے اس کو موضوع قرار دینا لغو و باطل ہے۔

منفتم :- صحابہ اور ان کے بعد دوسرے اکابر امت کا تعالیٰ بھی اس حدیث کی صحت ثبات کرتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بہت سی احادیث جو صحابہ میں رائج تھیں قرآن مجید کے مخالف ہونے کی وجہ سے رد کر دی ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ہشام نے اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت عائشہؓ کے پاس ذکر آیا کہ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ان المیت یعذب فی قبرہ بکاء اھلہ کہ میت کو اس کی قبر میں اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو فرمایا تھا کہ ”انہ لیعذب بخطیئۃ و ذنبہ وان اھلہ لیلیکون علیہ الاثم“ کہ اس میت کو تو اپنے مقوروں اور گنہوں کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اس کے اہل اب اس پر روتے ہیں۔ دوسری روایات میں ہے کہ یہی بات غلط ثابت کرنے کے لیے حضرت عائشہؓ نے آیت لا تمزس واذرۃ و نرس اخوئی اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت واللہ اضحک وایکی پڑھی۔

د بخاری جلد ۱۵ اچھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی مانند ہے جو آپؐ نے اس کنوئیں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ جس میں بدر کے مشرکین مقتول ڈالے گئے تھے کہ ان سے جو میں کہتا ہوں سنتے ہیں اور اس وقت بھی آپؐ کا وہ مطلب نہیں تھا جو لیا گیا بلکہ آپؐ نے فرمایا تھا

انھم الان لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق ثم قرأ انک لا تسمع الموتی وما انت

بسمیع من فی القبور۔ (بخاری جلد ۳، ص ۵۰)

کہ وہ اب ضرور جانتے ہیں کہ جو میں ان سے کہتا تھا وہ حق ہے پھر حضرت عائشہؓ نے یہ آیت پڑھی کہ نورودوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ ان کو جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اسی طرح مسروقؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ ادا دینا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ تیرے اس قول سے میرے دماغ کھٹکے ہو گئے ہیں۔ غور سے سمجھا۔ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس نے وہ تیرے سامنے بیان کیں۔ اس نے جھوٹ بولا۔

من حدثک ان محمد اصری اللہ علیہ وسلم رأى ربہ فقد کذب۔ ثم قرأت لا تدركہ الابصار وھو یدرک الایمان وھو اللطیف الخیر وما کان لبشر ان یشیرن بکلمہ اللہ وحیاً ومن ورائہ حجاب۔ ومن حدثک انہ یعلم ما فی غفائک کذب ثم قرأت وما تدری نفس ما ذکر تکسب غداً۔ ومن حدثک انہ کم ثقیلاً فقد کذب ثم قرأت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الا یت وکنہ رای جبرئیل علیہ السلام فی صورتہ مرتین (بخاری جلد ۳ ص ۱۲)

یعنی جس نے تجربہ سے نہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ خدا تعالیٰ کو دیکھنا آیت لا تدركه الابصار اور آیت وما کان بشراً کے خلاف ہے اور اگر تجھے کوئی بتائے کہ جو کل ہونے والا ہے۔ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برائے ہیں تو اس نے بھی جھوٹ بولا۔ کیونکہ یہ آیت لا تدركه الابصار، اذا تکسب کے مخالف ہے۔ اور اگر تجھے کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی میں سے کچھ چھپا لیا ہے تو اس نے بھی جھوٹ بولا کیونکہ ایسا کہنا آیت یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک کے خلاف ہے اور سورہ نجم کی آیت ولقد راہ بالافق المبین اور آیت ولقد راہ نزلاً اخری سے جبرئیل کو اس کی اصلی صورت میں دوسرے دیکھنا مراد ہے۔ حضرت عائشہؓ کے تعلق سے بھی کہ وہ احادیث کو قرآن مجید سے رو کر دیتی تھیں صاف ظاہر ہے کہ حدیث اذاری کلم عنی بالصلیح ہے۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب کنگوہی بھی حضرت عائشہؓ کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا کہ وہ کہتی تھی کہ مطلقہ ثلاث کو نفقہ دینا نہیں ملتا آپ نے فرمایا کہ ہم کتاب و سنت کو ایک عورت کے قول و روایت سے رو نہیں کر سکتے۔ معلوم نہیں کہ اس کو یاد رہا یا بھول گئی۔ اور حضرت عائشہؓ نے سکتی نہ دینے کی وجہ فاس بیان کر دی جس کو فاطمہ نہ سمجھی تھی اور حضرت عائشہؓ کو جب خبر ملی کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عمر اہل بیت کے رونے سے میت کو معذب ہزار روایت کرتے ہیں۔ تو آیت قرآن سے جو نقل ماعدہ کلبہ کے ہے۔ ولا تزدوا زورا و زرا اخری سے رو کیا اور کہا کہ قرآن تم کو بس ہے۔

(۲) - اس طرح ابن سعد اور طبرانی نے مقنع تمیمی سے روایت کی ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے عرض کی کہ لوگ اس طرح آپ کی حدیث میں خوض کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اتنے اونچے اٹھا لیے کہ مجھ کو آپ کے بغلوں کی سیفیدی نظر آنے لگی اور یوں دعا کی ”اللہم لا تجعل لہما ان یکذبوا علی“ کہ اے خدا میں ان کے لیے یہ جائز نہیں قرار دیتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ باندھیں۔ مقنع نے کہا۔

فلما احدث بحديث عنه عليه السلام الاحديث نطق به كتاب اوجرت به سنة يكذب عليه في حياته فكيف بعد مماته، (موضوعات کبیر ص ۶)

یعنی میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد آپ کی طرف کوئی حدیث بیان نہیں کی مگر وہی جو منقول کتاب اللہ کے مطابق ہو یا اس پر سنت جاری ہو یعنی سنت سے ثابت ہو آپ کی زندگی میں آپ پر جھوٹ باندھا جاتا ہے تو آپ کی وفات کے بعد کیا حالت ہوگی۔

(۱) امام ملا علی قاریؒ موضوعات میں لکھتے ہیں:

”الکريم حبيب الله ولو كان فسقاً اذ انجیل عدد الله ولو كان راهبا لا اصل له بل الفقرة الاولى موضوعة لمعازفتها بنص قوله تعالى ان الله يحب التوابين والله لا يحب الظالمين والفا سق اما من الظالمين او الكافرين“ (موضوعات کبیر ص ۶)

یعنی اس حدیث کا پہلا ٹکڑا ”الکریم حبیب اللہ ولو کان فاسقاً“ اس لیے موضوع ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قل ان اللہ یحب التوابین اور واللہ لا یحب الظالمین کے معارض ہے کیونکہ فاسق یا ظالم ہو گا یا کافر۔  
(۱) - اس طرح فوائد مجموعہ شوکانی میں لکھا ہے۔

”حدیث مامات النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی قرأ وکتب قال الطبرانی منکر معارض للکتاب العزیز“  
(فوائد مجموعہ ص ۱۱۶)

یعنی یہ حدیث کہ آنحضرت صلعم فوت نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ پڑھ لکھ لیتے تھے طبرانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث بوجہ معارض ہونے قرآن مجید کے منکر یعنی غیر صحیح ہے، ایسے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طریق عمل اور اس کے ہوتے ہوئے حدیث اذ اللہ کی حکم عینی کی صحت کے خلاف کسی کی لب کشائی بجوئے نے ارزد یہ ہے حدیثوں کے متعلق گذشتہ اماموں کا روشن اور نورانی طریق عمل اگرچہ بات نہایت صاف اور مطلب بالکل واضح ہو چکا ہے اور انہ روئے انصاف گنجائش چون درجہ کی مطلق باقی نہیں رہی ہے۔ تاہم میں اس پر اکتفا نہ کر کے گراہان مدعیہ و مختاران مدعیہ کی ذہنیت کی رعایت سے چند حوالہ اور پیش کرتا ہوں۔ اور حوالے بھی ایسے جو میرے مدعا کو مختاران مدعیہ کی نظر میں روشن سے روشن تر اور مختاران مدعیہ کو حیران و ششدر بنا دینے والے ہی نہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کر دینے والے ہیں کہ مختاران مدعیہ حالات باندھوں خانہ سے بھی کتنے ناواقف اور بے خبر ہیں۔ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا اور امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب تانوی بانی دارالعلوم دیوبند اپنی مشہور عالم کتاب ہدیتہ الشیعہ میں فرماتے ہیں کہ اہلسنت ”کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر کوئی نکلے تو نہبا ورنہ موانع مثل مشہور کالائز بون بریش نادئاس کو دواپلوں کے سرمارنے، ان اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راویوں کا قصور ہے۔“  
(ہدیتہ الشیعہ ص ۱۱۶)

حالانکہ حضرت اقدس کا یہ قول نبی کریم صلعم کی سچی حدیثوں کے متعلق ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ ان کے متعلق تھا۔ جو علی سے حدیثیں خیال کی جاتی تھیں اور درحقیقت حضور کی حدیثیں نہیں تھیں بلکہ جعلی اور موضوع تھیں اور مفروضہ طور پر آنحضرت صلعم کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے حدیثیں کہلاتی تھیں۔ اب میں نے اس قسم کی حدیثوں کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب کا بھی ایک ایسا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ جس میں وہ ایسی حدیثوں کو جو خلاف قرآن ہوں راویوں کے سرمارنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کو کالائز بون بھی ٹھہراتے ہیں۔ کیا مختاران مدعیہ مولوی صاحب کو بھی احادیث رسول اللہ صلعم کی ردی کی ٹوگری میں ڈال دینے سے بھی زیادہ بے وقفی کرنے یعنی لوگوں کے سرمار دینے والا قرار دے کر کافر و مرتد ٹھہرائیں گے۔

اور مولوی محمد قاسم صاحب بجا ب سرسید احمد خان تصفیۃ العقائد صفحہ ۱۱۶ فرماتے ہیں ”واقعی مخالف

کلام اللہ کسی محدث کا قول معتبر ہو گا نہ کسی فحش کا بلکہ خود حدیث اگر مخالف کلام اللہ ہو تو موضوع سمجھی جائے گی۔ مگر مخالف و توافق کا سمجھنا ہم جیسوں کا کام نہیں اس کے لیے تین مصلوں کی ضرورت ہے ایک تو علم یقینی۔ معانی قرآن دوسرے علم یقینی معانی قول مخالف تیسرے علم یقینی اختلاف جس کو یہ منسوب خدا عطا کرے اس کے بڑے نصیب "یہ یاد رکھنا چاہیے کہ علامہ صاحب کے قول "ہم جیسوں سے" ان کے نزدیک مختار مدعیہ نبی کے دینی بزرگ سرسید رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ مراد میں نہ اپنے جیسے لوگ اور نہ اپنے بزرگوں اور اسنادوں جیسے۔ کیونکہ آپ بدیۃ الشیعہ میں یہ اقرار فرما چکے ہیں۔ کہ اہل سنت ان حدیثوں کو جو مخالف کلام اللہ ہوں راویوں کے سمراتے ہیں اور اس قول کے مطابق ایسے لوگ جو مخالف قرآن احادیث کو راویوں کے سمرارنے والے ہوں ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں ہر شخص کا یہ کام نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

دوسری غلط نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ بفضل تعالیٰ ان میوب سے پاک ہیں۔ بلکہ جیسے کسوٹی پر جاذبی سونے کو لگا کر کھوتا رکھ لینے ہیں۔ سنی کلام اللہ پر روایات کو مطابق کر کے صیح و ضعیف کو دریافت کریتے ہیں۔ (بدیۃ الشیعہ ص ۱۹۰)

اور فرماتے ہیں نہ۔

"جہن صورت میں کلام اللہ میں رحمان و رحیم ہو اور اس کے تمارے نزدیک یہی معنی ہوں کہ ان میں ہرگز کبھی درج ہوتا ہی نہیں۔ تو موافق قاعدہ اصول کے ان روایات کا اعتبار نہ ہو گا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں (بدیۃ الشیعہ ص ۱۹۰)

روایات صحیحہ اس قول میں احادیث ہیں

کیا مختار ان مدعیہ کے لیے اپنے اس مسلمہ امام کی یہ صراحت موجود ہوتے ہوئے بھی حدیث اذاردی لکم معنی کے متعلق یہ کہنے کی از روئے انصاف کوئی گنجائش ہے کہ یہ حدیث بجا طعن و مفہوم کے بھی قرآن مجید کے خلاف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

## تیسری بات کا جواب

مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا یہ قول کہ حدیث بلا سند بھی معتبر ہو سکتی ہے۔ اور اصول حدیث کی کتاب شرح منجبتہ الفکر میں ایسا لکھا ہے۔ محض اتمام ہے۔ عدالت کو صریح مغالطہ دینا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ کے جواب اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شرح منجبتہ الفکر کی عبارت دکھا دی تھی اور اس کا ترجمہ یہ ہے "کہ حدیث مشہور کا اطلاق ایک تو اس پر ہوتا ہے۔ ہم لکھ چکے ہیں۔ اور جو حدیث نہ بالذیل پر چڑھی ہوئی ہو اس کو بھی مشہور کہتے ہیں اور یہ تشریف ان حدیثوں کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے ایک سند پائی جاتی ہو اور جس کی کوئی سند نہ ہو"

چنانچہ حاشیہ میں اس کی مثال جس کی کوئی سند نہیں پائی جاتی (ولولک لما خلقت الافلاک لکھی ہے جسے مختار مدعیہ بھی آنحضرت صلیم کی خصوصیات میں سے تسلیم کرتا ہے اور اس کی سند نہ ہونے کی وجہ سے صنعانی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶)

اور اس طرح حدیث علماء امتی کا بنیاد غی اسرائیل جسے امام ربانی جمعہ العارف ثانی نے مکتوبات جلد ۱ ص ۲۶ میں جو مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اور ان کے مقتداؤں کو بھی علم ہے۔ اس کی بھی کوئی سند نہیں پائی جاتی چنانچہ فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۶ اور موضوعات کبیرہ ص ۱۱۶ اور المصنوعات فی احادیث الموضوع ص ۱۱۶ میں ابن حجر اور زرکشی اور دبیری اور مستطانی کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے اور اس طرح حدیث اختلاف امتی رحمتہ کے متعلق موضوعات کبیرہ ص ۱۱۶ میں لکھا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے حالانکہ دیوبندیوں کے مسلک بزرگ مولوی قلیلی احمد بن فیضی نے البراہین القاطعہ ص ۱۱۶ میں جو مولوی رشید احمد صاحب کی تصدیق ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب نے لطائف قاسمیہ مطبوعہ مجتبائی ص ۱۱۶ میں اس حدیث کو صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔

اس طرح البراہین القاطعہ ص ۱۱۶ میں اس حدیث کو جس کا ترجمہ یہ ہے ”وہ کہ حجر کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔“ صحیح قرار دے کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق بھی لکھا ہے۔ لا اعلم خلع جدار ی ہذا قال ابن حجر لا اصل لہ (فوائد المجموعہ ص ۱۱۶) کہ ابن حجر نے کہا یہ حدیث بے اصل ہے۔

پس مذکورہ بالا احادیث جن کی کوئی سند نہیں پائی جاتی ائمہ اور اکابر امت میں صحیح تسلیم کی گئی ہیں۔ اور زبان زد خلائق ہیں۔ اور مشہور کی قسم میں داخل ہیں اور بلا سند معتبر ہیں اہل عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق اسناد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث اس حد تک قبولیت کا درجہ پا چکی ہو کہ اس کے لیے سند کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی گئی ہو اور وہ بلا سند مشہور ہو گئی ہو۔ تو وہ حدیث بھی اس حدیث کی طرح جس کی سند بیان کی گئی ہے۔ معتبر سمجھی جائے گی۔ جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہے کہ باوجود ان کی سندوں کے نہ ہونے کے اکابر ائمہ اور جلیلہ علماء انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

## دوسرے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے تمام پیرو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور حضرت اقدس کی کتابوں میں متعدد جگہ ایمان بالرسول کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ آپ حقیقۃً صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں ۛ اللہ ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں بنایا۔ اور آدم کو پیدا کیا۔ اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں۔ اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے ۛ

اور فرماتے ہیں ۛ

خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ امنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ و البعث بعد الموت و اشہد ان لا الہ الا اللہ و وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمدا عبدا و رسولہ - (زالہ اوہام ص ۷)

اور اسی طرح اپنے مضمون لمحۃ چشمہ معرفت آیت امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ جس میں تمام ایمانیات کا ذکر ہے کو تحریر کیا ہے اور اپنی مقدمہ کتب میں ایمان بالرسول کا اظہار کیا ہے جیسا کہ گواہانِ مدعا علیہ کے بیانون سے واضح ہے۔ اس کے بعد مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعودؑ پر انبیاء اور امت محمدیہ وغیرہ کی توہین کے الزامات لگائے ہیں۔ جن کا جواب عنوان توہین کے ذیل میں آئے گا۔ شلاء اللہ تعالیٰ اسے درست میں اس اعتراض کو لیتا ہوں۔ جو مختار مدعیہ نے ۛ اکٹوبر کی بحث میں پیش کیا ہے۔ اور ۱۰ اکتوبر کی بحث میں بھی کہ مرزا صاحب نے کرشن ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح میں کہا ہے کہ کرشن کو نبی ماننا خلاف قرآن نہیں، اعتراض مختار مدعیہ کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ ایک غیر نبی بلکہ ایک کافر کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنا کفر ہے اور پھر اس کے مثیل ہونے کا دعویٰ کفر مذکور ہے۔

جواب :- اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ تو کسی کافر یا مومن غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل فرمایا ہے۔ اور نہ کسی کافر کے مثیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

پہلے میں اس امر پر نظر کرتا ہوں کہ آیا سری کرشن جی کافر تھے۔ یا مومن اور نبی۔ اور اس کے لیے قرآن شریف کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نبی ہونا خلاف قرآن نہیں۔ بلکہ بالکل مطابق قرآن ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وان من امة الا خلاقیہا نذیر) (پطع ۱۵) یعنی دنیا میں کوئی

امت ایسی نہیں ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ اور فرمایا ہے متھم من قصصنا علیک ومنھم من لم نقص علیک (پہا - ۲۶) یعنی (اے بنی کریم) ہم نے بعض رسول کا ذکر تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔ ان آیتوں میں سے ایک آیت میں تو یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ قرآن شریف میں کل نبیوں کا ذکر نہیں صرف بعض کا ہے اور بعض نبی ایسے بھی ہیں۔ جن کا قرآن شریف میں کچھ ذکر نہیں آیا۔ اور ایک آیت میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا کی طرف سے ڈرانے والے یعنی نبی آئے ہیں۔ اور جب ہر قوم میں نبیوں کا آنا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ تو اس میں کیا شک ہے۔ کہ ہندو بھی ایک بہت بڑی قوم ہے۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ بڑی قوم میں کوئی نبی نہ بھیجا گیا ہو۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ مذہب کے لفظ سے نبی مراد ہونا ضروری نہیں، عالم وغیرہ بھی مراد ہو سکتے ہیں تو اس کا یہ جواب ہے کہ جس آیت میں یہ لفظ مذہب آیا ہے۔ اس سے پہلے اس لفظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مخاطب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ ان انت الانذیرانا ولسناک بالحق بشیرا وندیرا وان من امة الا اخلا فیما نذیر یعنی تو ایک نذیر ہے اور ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر و نذیر کر کے بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں ہے۔ مگر ہماری طرف سے اس میں ایک نذیر گزرا ہے۔“

سیاق کلام بتا رہا ہے کہ اس آیت میں نذیر سے مراد نبی ہی ہے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولقد بعثنا فی کل امة رسولا (پہا - ۲۱) یعنی ہم نے ہر امت میں اپنا رسول ضرور بھیجا ہے۔ اور اس سے لفظ نذیر کی اچھی طرح تشریح ہو گئی۔ اور ظاہر ہو گیا کہ ہر امت میں خدا کا نبی و رسول ضرور آیا ہے۔ پھر قرآن مجید اور صحف انبیاء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جھوٹے نبی کا ذکر دنیا میں زیادہ مدت تک قائم نہیں رکھا جاتا۔ بلکہ جلد منقطع کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی نام پورا نہیں رہتا۔ چنانچہ مولوی شناع اللہ امرتسری نے بھی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

نظام عالم میں جہاں اور قوانین ہیں یہ بھی ہے۔ کہ کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی، بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ خدا نے کسی جھوٹے نبی کو سرسبز نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی امت کا نبوت مخالف بھی نہیں بتا سکے (مقدمہ تفسیر ثنائی جلد ۱ ص ۱۷) پس ہندوستان کا ایک بڑا ملک اور ہندو قوم کا ایک بڑی قوم ہونا اور سری کرشن جس کا ہزاروں سالوں سے اس ملک اور قوم میں اعلیٰ درجہ کا برگزیدہ اور خدا رسیدہ سمجھا جانا اور غیر معمولی عزت و عظمت سے دیکھا جانا بتاتا رہا ہے۔ کہ درحقیقت وہ خدا کے نبی تھے۔ ورنہ ایک جھوٹے کے لیے خدا کی عزت اتنی دیر پا عزت کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ حتیٰ پسند طابع کے لیے تو یہ بیان نہایت تسلی بخش بیان ہے۔ کہ جب قرآن شریف سے

سری کرشن جی کا نبی ہونا پایا جاتا ہے۔ تو ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ ایک نبی کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہوا پھر اس کا کفر سے تعلق لیکن جو لوگ باوجود اس کے مقبول اور قابل قبول ہونے کے اس کو مقبول نہ کریں ان پر بڑے بڑے علماء و فضلاء بلکہ اولیاء و ائمہ تک کو کافر و مرتد ماننا پڑے گا۔ یہ کیونکہ انہوں نے حضرت کرشن جی کو نبی مانا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ بعض حضرات نے انہیں آیتوں سے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے۔ اور طرہ یہ کہ مختار ان مدعیہ کے مقتداؤں اور پیشواؤں نے اس معاملہ میں دوسروں سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب تانوتوی فرماتے ہیں۔

ادل تو قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ **وَانْ مِنْ اُمَّةٍ اَخْلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ** جس کے یہ معنی ہیں کہ کوئی اُمت یعنی گروہ عظیم اٹھ نہیں ہے۔ جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گذرا ہو۔ پھر کیوں کہ کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک عریض و طویل ولایت ہے۔ کوئی ہادی نہ پہنچا ہو کیا تعجب ہے کہ ہندو صاحبان جن کو اڈار کہتے ہیں۔ یہ اپنے زمانے کے نبی یا ولی یا نائب نبی ہوں۔ دوسرے قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔ **مَنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْهِمْ وَمَنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصِصْ عَلَيْهِمْ** جس کا حاصل یہ ہوا کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے۔ اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔ سو کیا عجیب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہیں میں سے ہوں۔ جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا۔ (مباحثہ شاہجہانپور مابین مولوی محمد قاسم و پنڈت دیا نند و منشی اندر من دہادی اسکاٹ ولسن صاحبان منعقدہ ۱۲۹۵ھ مطبوعہ مجتہبی دہلی ۱۳۲۳ء)

(۲) اسی طرح مولوی محمد علی صاحب کانپوری ثم نوگیری اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل یزدانی مطبوعہ مطبع منبع فیض شاہجہانی میں اپنے پیر حضرت قدوة الکملہ داسوۃ الفضلا ہادی مراحل شریعت و طریقت و واقف اسرار حقیقت و معرفت محیطہ جلال کرام و مرجع خواص و عوام قطب دوران غوث زمان مولانا فضل الرحمان صاحب کا ارشاد لکھتے ہیں۔

ایک روز بعد عصر بخاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر آیا۔ صاحب زادہ صاحب احمد میاں نے فرمایا کہ کہنیا کی سولہ ہزار روپیاں تھیں۔ ارشاد ہوا کہ حضرت کے پیشتر یہ لوگ مسلمان تھے، فقیر کہتا ہے کہ بعض اور حضرات نفتشند یہ تھے بھی ایسا ہی کچھ کہا ہے چنانچہ قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ اس شخص کی خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں۔ جس نے دیکھا تھا کہ ایک جھگل آگ سے بھرا ہوا ہے اور کنھیا اس کے بیچ میں ہے۔ اور درجندہ اس کے کنارہ پر ایک شخص نے اس کی تعبیر میں بیان کیا۔ کہ یہ لوگ کافروں کے سردار ہیں۔ اس لیے جہنم کی آگ میں جلتے ہیں۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ اس کی تعبیر دوسری ہے۔ جتنے لوگ گزر گئے ہیں۔ ان میں سے کسی خاص شخص پر کفر کا حکم کرنا بغیر ثبوت شرعی جائز



نہیں ہے۔ اور ان دو لوگوں کا حال نہ قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث میں اور قرآن مجید میں آپکا ہے۔ کہ ہر قریبہ میں ہدایت کرنے والا گذرا ہے۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ ہندو میں کوئی ہادی گذرا ہو گا۔ اس تقدیر ہو سکتا ہے۔ کہ لوگ اپنے عہد میں دلی ہوں یا نبی اور راجندر نسبت سلوکی تعلیم کرتا ہے۔ اور کشن نسبت جذبی چونکہ کنھیا میں ذوق شوق کا غلبہ تھا۔ اس لیے وہ عشق و محبت کی آگ میں جلتا ہوا نظر آیا اور راجندر پر سلوک غالب تھا۔ جذب کو طے کر چکا تھا۔ اس وجہ سے وہ اس آگ کے کنارے نظر آیا۔ حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ نے اس تعبیر کو پسند کیا۔ اور خوش ہوئے : ارشاد رحمانی فضل یزدانی (ص ۴۷۷)

ان عبارتوں میں جن صاحبوں نے سری کشن جی اور سری راجندر جی کے مومن اور ولی ہونے اور نبی ہونے کا خیال ظاہر کیا ہے۔ یہ سب مفتاحان مدعیہ کے مسلم بزرگ ہیں۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب نے تو کشن جی اور راجندر جی کی نبوت پر انہی آیتوں سے روشنی ڈالی ہے۔ جو میں نے ابتدائے بیان میں اس غرض سے پیش کی ہیں :

اب کیا مختار مدعیہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیوبندیوں کے دوسرے مسلم بزرگ اور مختار مدعیہ کے قبلہ و کعبہ مولوی محمد علی صاحب کاپوری ثم مونگیری سابق ناظم ندوۃ العلماء اور شہرہ آفاق بزرگ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی اور قیوم دوران حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ اور حضرت حاجی محمد افضل قدس سرہ وغیر انبیاء کا زمرہ انبیاء میں داخل کرنے والا قرار دے کر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دے گا۔

یہ بیان نامکمل رہ جائے گا۔ اگر میں اس موقع پر ان سب حضرات کے مقتدا پیشوا امام ربانی حضرت الشیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد فیضی و رشاد بھی نہ سنا دوں۔ راجناب فرماتے ہیں :-  
دورانم سابقہ کہ ملاحظہ سے کند کہ کم بقعہ سے یا بد کہ در آنجا بعثت پیغمبر شدہ باشد حتی کہ در زمین ہند کہ دور ازیں معاملہ سینا یا زینر سے یا بد کہ از اہل ہند پیغمبران مبعوث شدہ اند دعوت یہ مانع جل شانہ فرمودہ اند و بعضی بلاد ہند محسوس میگردد کہ انوار انبیاء و اولیائے مشرک و در رنگ مشعلہا فرود آند۔۔۔۔۔ ایجا کہ نہ اندیشے سوال نہ کند کہ اگر در زمین ہند انبیاء مبعوث سے مشرک نہ ہر آئینہ جز بعثت ایشان غیر مایمیر سید بلکہ آن جز ازہمت تو فردا عی بنوا تر منقول میگشت۔ ویس فلیس۔ زیر کہ گویم کہ دعوت این پیغمبران مبعوث عام نبود بلکہ دعوت بعضی مخصوص بیک قوم بودہ بعضی دعوت بیک قریہ دیا بیک بلکہ بود و تو اندو کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ یا در قریہ شخص را بایں دولت مشرف ساختہ باشد و آن شخص آن قوم یا اہل آن قریہ را دعوت معرفت مانع ملی شانہ کردہ باشد و منع از عبادت غیر او تعالیٰ نمودہ۔۔۔ الفاظ رسالت و نبوت و پیغمبری از لغات عرب و فارس آمدہ بواسطہ

اتحاد دعوت پیغمبر علیہ وسلم علی آلہ وعلیٰ جمیع الانبیاء الصلوٰۃ والتسلیمات وایں الفاظ در لغت ہند بود تا انبیاء مبعوثہ ہند  
را یعنی یار رسول یا پیغمبر گویند و باین اسامی ایشان را یاد کنند۔۔۔۔۔ اگر انبیاء در ہند مبعوث نہ شدہ باشند وہم زبان  
ایشان بایشان دعوت نکر دہ باشند ہر آئینہ حکم اینہا حکم شاہی جبل بود با وجود تردد دعویٰ الوہیت بدوزخ نہ در آئید و  
عذاب مخلد ایشان نہ آئید و ہذا مما لا یرتضیہ العقل السليم ولا یسعہ الکشف الصبح فانما نشاہ بعض مردہم فی وسط الحجیم  
مکتوبات جلد اول ص ۲۸۵ ۲۸۶ مکتوب ۲۵۹)

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں اور ہندوستان کے بعض  
شہروں کے اندر شرک کی تائیدیوں میں انبیاء کے انوار مشعل کی طرح روشن معلوم ہوتے ہیں اور اس جگہ کوئی کونہ  
اندیشہ یہ سوال نہ کرے کہ اگر ہند میں انبیاء مبعوث ہوئے ہوتے تو ہم کو بھی اس کی خبر ہوتی۔ کیونکہ خبر نہ ہونے کی وجہ  
یہ ہے کہ ہند میں جو انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ ان کی دعوت عام نہیں تھی۔ بعض ایک مخصوص قوم کے لیے تھے۔ اور  
بعض ایک گادوں کے لیے اور بعض ایک شہر کے لیے اور وہ نبی اور رسول اور پیغمبر کے نام سے مشہور نہیں ہوئے  
کیونکہ یہ الفاظ عربی و فارسی کے تھے۔ ہندوستان کی زبان کے نہیں تھے۔ اور اگر یہ پایا جائے کہ ہندوستان  
میں انبیاء مبعوث نہیں ہوئے اور اہل ہند کو ان کی زبان میں دعوت نہیں دی گئی تو پھر یہاں کے لوگ بھی انہیں  
لوگوں کے حکم میں ہوں گے۔ جو بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر رہتے والے ہوں۔ اور جنہیں کسی رسول کی دعوت نہ  
پہنچی ہو۔ تو اسی صورت میں یہاں جو سرکش اور مدعی الوہیت وغیرہ گذرے ہیں۔ چاہیے کہ انہیں جہنم کا عذاب نہ  
ہو۔ اور یہ وہ بات ہے جس کو قبول کرنے کے لیے عقل سلیم تیار نہیں ہے۔ اور کشف صحیح بھی اس کو رد کرتا ہے  
اور اس کی تائید نہیں کرتا ہے کیونکہ ہم کشفائان کے بعض سرکشوں کو دوزخ میں پڑا ہوا مشاہدہ کرتے ہیں۔

اس عبارت میں بڑی مہارت و وضاحت اور بڑے شد و مد سے ہندوستان میں نبیوں اور رسولوں کا آنا  
بیان کیا گیا ہے۔ اور ان لوگوں کو جو اس میں کلام کریں مثلاً یہ کہ ہم کو ان کی آمد کیوں معلوم نہ ہوئی کم سمجھ  
اور کم فہم قرار دے کر یہاں کے انبیاء کی آمد معلوم نہ ہو سکنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ یہاں کے انبیاء رسول اور  
نبی اور پیغمبروں کے نام سے مشہور نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ الفاظ ان کی زبان کے نہیں ہیں۔ اور چونکہ وہ ان  
ناموں کی بجائے اور ناموں سے مشہور ہوئے اس لیے ان کا نبی و رسول ہونا عام طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اور  
پھر بتایا ہے کہ ہندوستان میں نبیوں کا نہ آنا ایسی بات ہے جس کو عقل سلیم کبھی طرح قبول نہیں کر سکتی کیونکہ  
جہاں نبی نہ آیا ہو وہاں کے نافرمان باشندے دوزخ میں نہیں ڈالے جاسکتے۔ حالانکہ یہاں کے نافرمان و سرکش  
باشندوں کا دوزخ میں پڑا ہوا ہونا کشف صحیح کے ذریعہ ہمارے مشاہدے میں آ رہا ہے۔

اب کیا گزشتہ اصحاب کے ساتھ مختار مدعیہ حضرت مجدد الف ثانی پر بھی یہی فتویٰ لکائے گا کہ وہ



سے زیادہ اور بدرجہا۔ زیادہ۔ کیوں کہ ان میں سے بعض نے تو صرف کرشن جی اور بعض نے نام نہیں لیے ہندوستان میں تہیوں کا آنا بتا دیا۔ مگر حضرت خواجہ صاحب نے تو اس پر بس نہ کر کے تمام اقداروں اور تمام رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی بتایا۔ اور وید کو آسمانی کتاب پیر کلام کو چار دیواری ہند سے نکال کر ایران تک پہنچایا اور زردشت کا بھی نبی ہونا ظاہر فرمایا۔

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو یہ مان لیا جائے۔ کہ مختار مدعیہ کا حضرت اقدس مرزا صاحب پر یہ الزام لگانا کہ آپ ایک غیر نبی یعنی کرشن جی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے کی وجہ سے (نعمو باللہ) کافر ہیں، قطعاً لغو و باطل ہے۔ اور کسی لحاظ سے بھی قابل التفات نہیں۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ بکثرت علماء و فضلاء اور اولیاء ہو حضرت رام چندری اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول اور ہنود کے تمام اقداروں اور رشیوں کو اپنے اپنے وقت کا نبی و رسول مانتے ہیں۔ اور جن میں سے صرف بعض کے نام میں نے درج کر دیئے ہیں۔ یہ سب کے سب (نعمو باللہ) ثم نعمو باللہ) مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ اور میں ایک آن کے واسطے بھی یہ فرض نہیں کر سکتا کہ کوئی مسلمان ان علماء اور اولیاء کو جن کے نام میں نے لکھے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے ہندوستان کے تمام اقداروں اور رشیوں کو علی العموم اور بالخصوص حضرت رام چندری اور حضرت کرشن جی کو خدا کا نبی و رسول مانا ہے۔ کافر مان لے گا۔ اور مختار مدعیہ کو اپنے بزرگوں کے کافر قرار دینے کے بعد بھی مسلمان ہی سمجھنے گا۔

اس موقع سے بغیر اس امر پر غور کیے ہوئے گزر جانا مناسب نہ ہو گا۔ کہ اگرچہ حضرت رام چندری اور کرشن جی کو نبی و رسول تو اور بزرگوں نے بھی مانا اور بتایا ہے۔ لیکن حضرت خواجہ صاحب نے جس حقیقی پوش و خروش اور جلیبے شد و مد سے ان کے نبی و رسول ہونے کی شہادت دی ہے۔ کہ کسی اور بزرگ میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ انجناب نے یہ کام ایک خاص ارادہ الہی کے ماتحت ہی کیا ہے۔ چونکہ خدا کے علم میں تھا۔ کہ ریاست بہاولپور میں عدالت کے روبرو بحث پیش آئے گی کہ سری رام چندری اور سری کرشن جی کو نبی کہنے والا ایک غیر نبی کو زمرہ انبیاء میں داخل کرنے اور بھراپنے آپ کو اس کی مثل قرار دینے کی وجہ سے کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اس لیے اس نے بلحاظ ردمانیت اس سرزمین کے سب سے بڑے انسان سے یہ شہادت قلم بند کرادی کہ رام چندری اور سری کرشن جی نبی ہیں۔ تاوقت پر یہ شہادت پیش ہو کر اس سر زمین کے ہر چھوٹے بڑے پر حجت تمام ہونے کا موجب رہے۔ اور اکابر کی شہادتوں کا یہاں والوں پر اتنا اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ جتنا کہ یہاں کے ایک فرد وحید حضرت خواجہ غلام فرید صاحب قدس سرہ جیسے مسلم مقدس بزرگ کا خواجہ صاحب سے اللہ تعالیٰ نے یہ شہادت اس لیے دلوائی ہے۔ تا اس کے مامور پر جو الزام ریاست بہاولپور میں عائد کیا جائے گا۔ اس کا لغو و باطل ہونا اس کی زمین کے ایک مسلم مقدس کے ذریعہ ظاہر فرمادے۔ لیکن

آئی جب کہ یہ ارادہ الہی و قویٰ میں آچکا ہے۔ ہر شخص کے سامنے ہے۔ مبارک وہ جو اس پر غور کریں۔

بیان مندرجہ بالا سے سری کرشن جی کی نبوت معقول و منقول دو طور بقول پر اس طرح ثابت ہوتی ہے۔ کہ گنجائش کلام باقی نہیں رہتی۔ لیکن اگر یہ دوسرے پیش کیا جائے۔ کہ جب سری رام چند راجی اور سری کرشن جی کی قوم یعنی ہندو ان کی طرف چوری زنا اور دعویٰ الوہیت وغیرہ امور جو نشان نبوت کے بالکل منافی ہیں۔ منسوب کر رہے ہیں۔ تو پھر ان کو نبی ماننا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اور ایسی حالت میں ان کے مثیل ہونے کا دعویٰ جو ایک نہایت خراب حال مدعی الوہیت کے مثیل ہونے کا دعویٰ ہوا کیونکہ جائز ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے۔ کہ ان کو نبی ماننا اسی طرح درست ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت لوط و حضرت یوسف و حضرت داؤد و حضرت سلیمان اور حضرت مسیح کو نبی ماننا درست ہے۔ حالانکہ ان سب نبیوں کی قوموں نے ان کی طرف ویسی ہی لغویات منسوب کی ہیں۔ جیسی کہ ہنود نے سری راجندر راجی اور سری کرشن جی کی طرف منسوب کی ہیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر اور جس طرح ان انبیاء علیہم السلام کی قوموں کا ان کی طرف لغویات منسوب کرنا غلط تھا۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ان لغویات سے مبرا و منزہ تھے۔ اسی طرح سری راجندر راجی اور سری کرشن جی ان لغویات سے جو ان کی قوم نے ان کی طرف منسوب کیں بری ہیں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو کرشن جی کے مثیل ہونے کا دعویٰ قابل اعتراض نہ رہا۔ میں اس کو ایک مثال کے ذریعہ سے اور زیادہ واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ تمام دیوبندی حضرات کے مسلم مقتدا اور ان کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے پیر مولوی رشید احمد صاحب کو اس زلنے کا میسا اور ماہ کنگان یعنی اس زمانے کا یوسف لکھا ہے۔ جیسا کہ وہ مرقیہ میں فراتے ہیں۔

میسما کے زمان پہنچا فلک پر چھوڑ کر سب کو

پھپھا چاہ لحد میں دائے قسمت ماہ کنگان

کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فوت ہو کر زیر زمین دفن ہو گئے۔ مجھے اس موقع پر یہ کہنا نہیں آتا کہ ان پر چلے جانے سے زیر زمین دفن ہونا بھی مراد ہوا کرتا ہے۔ اور مسیح علیہ السلام بھی مولوی رشید احمد صاحب کی طرح زیر زمین دفن ہو کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ میسما کی قوم یعنی عیسائی قوم میسما کی طرف شرا بخواری اور دعویٰ انبیت والوہیت وغیرہ بہت سے خراب امور منسوب کر رہے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب کو میسما کے زمان لکھا تو کیوں لکھا۔ اس غرض سے جو بانی عیدانی میسما کے بانی ہیں۔ ان کے مولوی محمد حسن وہ بانی مولوی رشید احمد صاحب بھی مانتے تھے۔ ہرگز نہیں بلکہ مولوی محمود حسن صاحب ان باتوں کو جو عیسائی میسما کی طرف منسوب کرتے ہیں، غلط سمجھتے تھے۔ اور دعویٰ انبیت والوہیت وغیرہ تمام خراب امور سے پاک جانتے تھے۔ اور ان کے نبی و رسول ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ اور میسما کی انہیں صفات کے لحاظ سے جو وہ خود مانتے تھے۔ انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو میسما کہا تھا۔ یہی اور بالکل یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ ہنود جو باتیں حضرت کرشن جی کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام انہیں صحیح نہیں جانتے۔

اور دعویٰ الہییت وغیرہ امور جو ان کی طرف منسوب کئے جا رہے ہیں، اور جو شان نبوت کے خلاف ہیں حضرت اقدس ان سب سے سری کرشن جی کی ذات کو بری جانتے ہیں۔ اور انہیں خدا کا نبی اور رسول یقین کرتے ہیں۔ اور آپ کا مثیل کرشن ہونے کا دعویٰ کرشن جی کی ان صفات کو ملحوظ رکھ کر سچے جنہیں آپ صحیح جانتے اور جانتے تھے، نہ ان خراب امور کے لحاظ سے جو ہندوان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔

اگرچہ اس مثال سے یہ بات بالکل صحت ہو گئی ہے کہ کرشن جی کی طرف ان کی قوم یعنی ہندوؤں کا خلاف شان نبوت کچھ اور منسوب کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ حضرت مسیح وغیرہ انبیاء کی قوموں کا ان کی طرف خلاف شان نبوت بہت سے امور سے منسوب کر دیا۔ لیکن زیادہ اطمینان کے لیے میں اپنے اس بیان پر تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا مولانا محمد قاسم صاحب کی شہادت بھی پیش کئے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔

”رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء یا اولیاء ہونے تو دعویٰ خدائی نہ کرنے۔ ادھر افعال ناشائستہ مثل زناچوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے۔ حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندوان دونوں باتوں کے معتقد ہیں۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ یہ دونوں باتیں بے شک اس سے سرزد ہوتی ہیں۔ سو اس شبہ کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہے۔ اور دلائل عقل و نقل اس کے مخالف ہیں۔ ایسے ہی کیا عجیب ہے۔ سری کرشن اور سری راجندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو۔۔۔۔۔ علی ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داؤد علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود و نصاریٰ تہمت نذرانچوری اور زنا کاری لگاتے ہیں۔ اور ہم انکو ان عیوب سے بری سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی کیا عجیب ہے۔ کہ سری کرشن اور سری راجندر بھی عیوب مذکورہ سے ہمراہ ہوں۔ اور وہ ان کے ذمے یہ تہمت زنا و سرقت لگا دی ہو۔“

(مباحثہ شاہجہان پور ص ۳۱، ۳۲)

## قیامت کے متعلق

### علم قیامت صرف خدا کو ہے۔

فخرا مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے۔ کہ آپ نے قیامت کے متعلق جس عقیدہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کیونکہ آپ نے یکچہر سیا لکھٹ کے صدمہ پر فرمایا ہے :-  
 ”بیہ صبح نہیں ہے۔ جو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کا کسی کو علم نہیں۔“  
 جواب :-

اگر مختار مدعیہ کا مقصد مدعا لفظ اندازی نہ ہو تا تو وہ یہ اعتراض کبھی نہ کرتا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اتنا صاف ہے کہ علم قرآن و علم حدیث سے نہایت قلیل مس رکھنے والا شخص اس کی صحت کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔  
 چنانچہ مختار مدعیہ نے جو فقرہ نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی حضرت اقدس فرماتے ہیں۔  
 ”پھر آدم سے اخیر تک سات ہزار سال کیونکہ مقرر کر دیئے جائیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی خدا تعالیٰ کی کتابوں میں مسیح طور پر فکر نہیں کیا۔“

اور قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم سات ہزار سال ہے۔ اور ایسا ہی پہلی تمام کتابیں باتفاق یہی کہتی ہیں۔ اور آیت ان یوما عند ربك كاللحاف سنة ما تعدون سے یہی نکلتا ہے اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں اور جبکہ ان میں بھی بیان کیا کہ سورہ النعم کے اواخر میں بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پیچ میں ظاہر ہوئے تھے۔ اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتہ ہے۔۔۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں۔ اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور حدیث صمیم میں کہے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہونگے۔ کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں

زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں۔ اور ادنیٰ بیکار ہو جائیں گے۔ سوہم دیکھتے ہیں۔ کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانہ میں پوری ہو گئیں۔ اور اونٹوں کی جگہ بیل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی۔ سوہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے۔ اور خود مدت ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے آیت اقربت الساعۃ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے۔ بلکہ تمام نبی آخر زمانہ کی علامتیں لکھنے آئے ہیں۔ اور انہیں میں بھی لکھی ہیں پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ (لیکچر سببا لکھوٹ ص ۹۸)

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول کا مطلب جس پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے۔ یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ قیامت کا کسی وجہ سے بھی کسی کو علم نہیں بلکہ علامات و آثار قیامت کے ذریعہ سے ایک قسم کا علم حاصل ہوتا ہے۔ اور اس علم کے متعلق اس حدیث میں بھی جسے گواہ مدعیہ ۳ بجواب جرح ۲۴۔ اگست کو صحیح تسلیم کر چکا ہے۔ لکھا ہے، جبرئیل نے قیامت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا اس کے متعلق مسئول کو مسائل سے زیادہ علم نہیں ہے تب جبرئیل نے علامات ساعت یعنی قیامت کی نشانیوں کے متعلق سوال کیا تو آپ نے جواب میں علامات قیامت بیان فرمائیں۔ اور خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح کا نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ جیسا کہ گواہ ۳۹ اگست کو بجواب جرح تسلیم کر چکا ہے۔

پس قیامت کے متعلق جس قسم کے علم ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے۔ وہ فریق ثانی کو بھی مسلم ہے۔ اور قرآن مجید و حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ہاں اس گھڑی کا کس کو علم نہیں جس پر قیامت قائم ہوگی۔



## عقیدہ

### اوتار و تناسخ

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ بھی کیا ہے۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ اوتار اور تناسخ کے قائل ہیں چنانچہ لیکچر سیالکوٹ میں لکھتے ہیں: ”اسی طرح میں ہندوؤں کے لیے بطور اوتار کے ہوں“ اور کتاب البرہ ص ۷۷ میں لکھا ہے ”خدا تیرے اندر اتر آیا“ یعنی اوتار۔ اور تناسخ کا عقیدہ اسی سے ثابت ہے۔ کہ آپ نے لکھا ہے کہ میں کرشن ہوں۔ چنانچہ اپنا الہام پیش کیا ہے ”میں سے دور گویا تیری ہما گیتی میں لکھی گئی ہے“ اور اسی طرح کہا ہے

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں ۛ  
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اور تناسخ کی تعریف یہ ہے کہ ایک روح دوسرے جسم میں جلی جائے۔ اوتار اور تناسخ کا عقیدہ بالاتفاق کفریہ عقیدہ ہے۔  
جواب :-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہ عقیدہ اوتار کے جو ہندوؤں میں رائج ہے قائل ہیں۔ اور نہ تناسخ کے اور مختار مدعیہ نے اپنا ادعا باطل ثابت کرنے کے لیے جو عبارت لیکچر سیالکوٹ سے پیش کی ہے۔ اس کے آگے اوتار کی تشریح حضرت مسیح موعود نے نبی لکھی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-  
واضح ہو کہ راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے۔ درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں پائی نہیں جاتی اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا۔ جس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے روح القدس اترتا تھا۔ وہ خدا کی طرف تہمت اور باقبال تھا۔ جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا۔ وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا۔ جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا۔ وہ خدا کی محبت سے پڑھا۔ ادنیٰ کی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں اس کا بدو یعنی اوتار

پیدا کرے سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۳۲)

کیا مختار مدعیہ پر وہ حکایت لفظ بلفظ صادق نہیں آتی؟ محمولوی محمد قاسم صاحب نے لکھی ہے کہ کسی بانو نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صاحب ہمیں بتلاؤ۔ ہم نے تو آج تک یہ بات نہیں سنی۔ اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قربان جانیے۔ بڑی آسام کی بات نکل آئی بانو نے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے۔ لَا تَقْرَءُوا الصَّلَاةَ یعنی نماز کے پاس نہ بیٹھو اس نے کہا صاحب اس کے بعد واہم سکالر لی جی تو ہے۔ یعنی نشے کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ ساری آیت کے معنی پر عمل کرنا چاہیے۔ بانو نے کہا باا سارے کلام پر کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے۔ جو اتنا بھی عمل ہو جائے (مدنیۃ الشیعہ ص ۱۰)

سو شاید مختار مدعیہ نے بھی یہ طریقہ عمل اختیار کیا ہے۔ ایک عبارت لے کر اعتراض کر دیتا ہے۔ اور اس کی تشریح اور توضیح کو جو اسی جگہ درج ہوتی ہے۔ چھوڑ دیتا ہے۔  
نبیؐ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں  
کیا عجب ہے کہ جس کو ہندو صاحب اذکار کہتے ہیں وہ اپنے زمانہ کے نبی یا ولی یعنی نائب ولی ہوں۔۔۔۔۔  
۔۔۔۔۔ رہی یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اذکار انبیاء یا اولیاء ہوتے تو دعویٰ خدائی نہ کرتے۔  
اس کے جواب میں لکھتے ہیں:-

”سو جبے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعویٰ خدائی نصاریٰ نے منسوب کر دیا ہو۔ کیا عجب ہے کہ سرکارش اور سرب راچندر کی طرف بھی یہ دعویٰ بدروغ منسوب کر دیا ہو؟“

(مباحثہ شاہ جہاں پور ص ۳۱)

اور نواب صدیقی حسن خان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں:-  
”بالجملہ اذکار ہندو مظاہر حق گشتہ باشند خواہ از افراد بشرا باشند یا از شیردہای وغیرہ مثل عصائے موسیٰ و ناقہ حضرت صالح علیہما السلام، لیکن عوام ایں فرقہ سبب تصور فہم در میان ظاہر و منظر فرقی نکرده ہندو امیہود ساختہ و در ضلالت افتادند و ہمیں است مال فرقہ ہائے بیچار از مسلمان مثل تعمیر سازان و مجاوران قبور جلالیان و مداریان و اللہ اعلم (درج الکرامہ ص ۹۵)“

پس اذکار سے مراد خدا تعالیٰ لینا نہ ٹال کی منشا کے ہی طرح خلاف ہے بلکہ علماء نے بھی اذکار کی جو حقیقت بیان کی ہے۔ اس کے بھی خلاف کرنا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب کہ اذکار کی تشریح اور تفسیر ”نبی“ کے لفظ سے کر دی تو اس کے بعد کسی نیک نیت انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اس سے مراد خدا لے کر آپ کی

طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرے۔

اور جو وہ کتاب البریہ کا پیش کیا ہے۔ کہ ”خدا تیرے اندر اتر آیا“ تو اس کا جواب بھی اسی جگہ موجود ہے کیونکہ اس سے پہلا الہامی فقرہ یہ ہے ”میں نے ارادہ کیا کہ اپنا جانشین بناؤں تو میں نے آدم کو یعنی تجھے پیدا کیا۔ اور اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے۔ خدا تجھے ترک نہیں کرے گا اور نہ چھوڑے گا جب تک کہ پاک اور پلید میں فرق نہ کرے۔ پھر اس کے اگلے الہاموں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حق میں فرستادہ اور نفیر وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں۔ نیز ان الہامات اور کثوف کا ذکر کر کے آپ عیسائیوں پر حجت قائم کرتے ہیں کہ ایسے کلمات سے کوئی خدا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ خدا تعالیٰ کے تقرب اور محبت کے اظہار پر دلالت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

”یسوع ابن مریم خدا نہیں ہے۔ یہ کلمات جو اس کے منہ سے نکلے اہل اللہ کے منہ سے نکلا کرتے ہیں۔ مگر ان سے کوئی خدا نہیں بن سکتا۔ اٹھو اور توبہ کرو کہ وقت آگیا ہے!! اس خدا کو پوچھو جس پر نوریت اور قرآن کا اتفاق ہے یسوع بن مریم ایک عاجز بندہ تھا۔ اس کو نبی سمجھو جس کو خدا نے بھیجا تھا۔ اگر اب بھی کوئی عیسائی نہ مانے تو یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس پر پوری ہو چکی ہے“ (کتاب البریہ ص ۱۷۸)

پس خدا کے اتر آنے سے مراد قطعاً وہ نہیں ہے جو فتنہ مدعیہ نے لی ہے۔ کیونکہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عقیدہ کے برخلاف ہونے کے علاوہ سابق و سابق کے بالکل متناقض ہے۔

اور خدا کے اتر آنے کا محاورہ حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے جس سے مراد نزول رحمت اور اللہ تعالیٰ کی توجہ لی گئی ہے۔ چنانچہ امام محمد طاہر فرماتے ہیں ”ینزل کل لیلۃ الی سماء الدنیا المنزول والضعوف والحرکات من صفات الاجسام واللہ یتعالی عن خلک والعباد تنزل الرحمة والاسطاف الالہیۃ وقربہا من العباد وقت التہجد۔“

کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ اور نزول اور صعود اور حرکات اجسام کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ان صفات سے متصف ہو اس لیے خدا تعالیٰ کے نزول سے مراد نزول رحمت اور اللطاف خداوندی اور مصلحت کا تعجب کے وقت بندوں کے قریب ہونا ہے۔

پس جب احادیث میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہری طور پر اترنا نہیں سمجھا گیا۔ کیونکہ ظاہری مراد قرآن مجید کی دوسری آیات اور احادیث کے منافی ہے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں خدا تعالیٰ کے اترنے سے ظاہر طور پر اترنا مراد لینا جو آپ کے دوسرے الہامات اور اقوال اور عقائد کے مریخ خلاف ہے کیونکہ جگہ جائز ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

”جب ایک انسان بچے دل سے خدا سے محبت کرتا ہے۔ اور تمام دنیا پر اس کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور غیر اللہ کی عظمت اور وجاہت اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بلکہ سب کو ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی بدتر سمجھتا ہے۔ تب خدا جو اس کے دل کو دیکھتا ہے۔ ایک بھاری تھیلی کے ساتھ اس پر نازل ہوتا ہے اور جس طرح ایک صاف آئینہ میں جو آفتاب کے مقابل پر رکھا گیا ہے۔ آفتاب کا عکس ایسے پورے طور پر پڑتا ہے۔ کہ مجازاً دواستعارہ کے رنگ میں کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہی آفتاب جو آسمان پر ہے۔ اس آئینہ میں بھی موجود ہے۔ ایسا ہی خدا ایسے دل پر اترتا ہے اور اس کے دل کو اپنا عرش بنالیتا ہے۔ یہی وہ امر ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے۔

(حقیقۃ الوحی ص ۶۲)

پس خدا کے اترنے سے مراد خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہے۔ اور حکم تخلیق ایا خلق اللہ تعالیٰ کے صفات کو جذب کر کے اس کے رنگ میں رنگین ہونا ہے نہ یہ کہ حقیقۃً خدا تعالیٰ کا نزول۔ چنانچہ اس کے مطابق امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں :-

”مدیریت قدسی لایسعی ارضی ولا سماوی وکن لیسعی قلب عبدی المؤمن مخصوص بقلب بندہ وحن است کہ معاملہ او از سائر ناس جدا است کہ بفناء بقا مشرف گشته است واز حصول دارستہ بحضور پیوستہ است۔ آنجا اگر گنجائش است باعتبار حضور است نہ باعتبار حصول ہے

در کدام آئینہ در آید (مکتوبات احمدیہ جلد ۲ ص ۷۷)

اسی طرح سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب کے مقالہ ۲۶ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”لا تکتشف البرقع والقناع عن وجهك حتى تخرج من المخلوق. الى ان قال. لا يبقى فيك ارادة غير ارادة ربك فتمتلي بوبك فلا يكون بغير ربك في قلبك مكان ولا مدخل وجعلت بواب قلبك واعطيت سيف التوحيد والعظمة والجبروت فكل من رآيته دفأ من ساحة صدره الى باب قلبك انددت راسه من كاهله“

یعنی اے انسان تو اپنے چہرے پر سے برقع اور روپوش مت اٹھایاں تک کہ تو مخلوقات سے باہر نکل جائے یہاں تک کہ تجھ میں تیرے رب کے ارادہ کے سوا اور کوئی ارادہ نہ رہے پس تو اپنے رب سے بھر جائے گا پس تیرے رب کے سوا تیرے قلب میں اور کسی کا نہ مکان ہوگا اور نہ داخل ہونے کی جگہ اور تجھے تیرے دل کا دربان بنایا جائے گا۔ اور تجھے توحید اور عظمت اور جبروت کی تلوار دی جائے گی پس ہر وہ شخص جسے تو دیکھتا ہے کہ وہ تیرے سینہ کے صحن سے تیرے دل میں آنا چاہتا ہے۔ تو اس تلوار سے اس کا سر اس کے شانہ سے علیحدہ کر دے گا۔ یعنی ہے

غیر حق ہر ذرہ کا مقصود تست  
تینخ لابر کش کہ آں معبود تست

پس یہی معنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام آدہن یعنی خدا ترسے اندر اتر آیا کے ہیں نہ کچھ اور۔ اور سید عبدالقادر جیلانی نے صرف خدا کے اتر آنے پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ امتلاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بھر جانے کے ہیں۔ یعنی بندہ خدا کے ساتھ بھر جاتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تمام کتابوں میں کسی جگہ بھی تناسخ کے مسئلہ کو صحیح نہیں قرار دیا بلکہ جا بجا اس کی تردید کی ہے۔

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ تناسخ ثابت کرنے کے لیے لیکچر سیا لکھٹ کا حوالہ دیا ہے کہ آپ نے اس میں اپنے آپ کو کرشن قرار دے کر تناسخ کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی کے آگے تناسخ کی تردید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ اپنے کرشن ہونے کے متعلق الہام ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

اب میں بحیثیت کرشن ہونے کے آریہ صاحبوں کو ان کی چند غلطیوں پر تنبیہ کرنا ہوں۔ ایک تو وہی ہے۔ جس کا ذکر میں پہلے بھی کر آیا ہوں۔ کہ یہ طریقی اور یہ عقیدہ صحیح نہیں۔ کہ رعوں اور ذات عالم کو جن کو پر کرنی یا پر مانو بھی کہتے ہیں۔ غیر مخلوق اور اتاوی سمجھا جائے۔۔۔ پھر اس غلطی نے ایک اور غلطی میں آریہ صاحبوں کو بھینسا دیا ہے۔ جس میں ان کا خود نقصان ہے۔ جیسا کہ پہلی غلطی میں ہمیشہ کا نقصان ہے۔ اور وہ یہ کہ آریہ صاحبوں نے ملتی کو میعاد دی ٹھہرا دیا ہے۔ اور تناسخ ہمیشہ کے لیے گلے کا ہار قرار دیا گیا ہے۔ جس سے کبھی نجات نہیں یہ بخل اور تنگدلی خدائے رحیم و کریم کی طرف منسوب کرنا عقل تسلیم تجویز نہیں کر سکتی۔ (لیکچر سیا لکھٹ ص ۳۵، ۳۶) پھر اس کے بعد ص ۳۷ سے لے کر ص ۳۸ تک تناسخ کی تردید میں دلائل تحریر فرمائے ہیں۔

عقیدہ تناسخ کی اس قدر پر زور تردید کے ہوتے ہوئے کیا کوئی دیا مندر شخص یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ لیکچر سیا لکھٹ کا مختلف عقیدہ تناسخ کو صحیح ماننا ہے۔ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!

پھر اس سے بھی عجب تر تملیض یہ ہے۔ کہ مختار مدعیہ نے تناسخ کی تعریف ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر سے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ میں کبھی آدم پہل کبھی ہوئی ہوں کبھی یعقوب ہوں، اور نیز ابراہیم ہوں کہا ہے کہ اس سے ثابت ہوا۔ کہ مرزا صاحب عقیدہ تناسخ کو صحیح مانتے تھے۔ حالانکہ وہ خود تناسخ کی یہ تعریف کرتا ہے کہ ایک روح کا دوسرے جسم میں چلے جانا۔ لیکن اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا استدلال

صحیح ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں ایک روح نہیں ہوگی بلکہ کئی ارواح ہوں گی۔ اور یہ بات عقیدہ تناسخ رکھنے والوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں کہ کئی ارواح ایک جسم میں داخل ہو جائیں۔ بلکہ اس شعر کا مطلب یہاں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو بہت سے نبیوں کے نام دیئے جانے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے خود تحریر بیان فرمایا ہے۔ یہ ہے۔ ”سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہوگا۔“ تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۷۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو زیر عنوان ”تو ہیں“

## بحث متعلق وحی

اس موضوع پر بحث کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے۔ کہ گواہانِ مدعیہ نے مطلق ادعاء وحی کو بھی کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ گواہ مس نے اپنے بیان میں لکھ دیا ہے۔ کہ ادعاء وحی کفر ہے۔ اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو۔ اور اگر کوئی شخص مطلق وحی کا دعویٰ کرے۔ خواہ نبوت کا مدعی نہ بھی ہو۔ تب بھی کافر ہے۔ اگر بنی آدم میں وحی پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور غیروں کے لیے کشف، الہام یا وحی لغوی ہو سکتی ہے۔ اگر وحی کی تعریف یہی ہے۔ کہ فرشتہ بھیجا جائے کہ فلاں سے جا کر یہ کہہ دو۔ اور اپنی تائید میں شہر شفا کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔

لیکن باوجود اس کے مختارِ مدعیہ نے عدالت کو منالطہ دینے کے لیے یہ صریح غلط بیانی کی۔ کہ گواہانِ مدعیہ نے صرف وحی رسالت کو بند قرار دیا ہے۔ مگر گواہ مس کا بیان مختارِ مدعیہ کے اس دعویٰ کو باطل ثابت کرتا ہے۔ ”نیز گواہ مس نے ۲۱ رگسٹ کو بحجاب جرح تسلیم کیا ہے کہ آیت ما کان للبشر میں جو طرق وحی بیان کئے گئے ہیں۔ وہ امت محمدیہ پر بند ہیں۔ اور گواہ نمبر ۱۴ د ب نے مطلق وحی کے بقا سے کہہ کر انکار کیا ہے۔ کہ وحی ہمیں ہو سکتی کیونکہ نبوت اور وحی لازمی چیز ہے۔ اور اگر دوسری وحی آ سکتی ہو۔ تو ممکن ہو جائے گا۔ کہ قرآن شریف کا کوئی حکم منسوخ ہو جائے“

اس بحث میں مندرجہ ذیل امور تفتیح طلب ہیں۔

- (۱) کیا وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔
- (۲) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی خیر بشریٰ مسدود ہے۔

- (۳)۔ کیا قرآن مجید سے بقا و وحی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔  
 (۴)۔ کیا احادیث سے بقا و وحی غیر تشریحی پر کوئی دلیل نہیں ہے۔  
 (۵)۔ کیا بقائے وحی غیر تشریحی عقیدہ سلف صالح کے خلاف ہے۔  
 (۶)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ہر قوم کی وحی بند ہے۔  
 (۷)۔ کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتے ہیں۔

(۱)

### وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں

مختار گواہانِ مدعیہ کا یہ دعویٰ کہ وحی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے باطل ہے۔

پہلی آیت :- مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يَقُولَ إِيَّاكَ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنَ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يَرْسُلَ رَسُولًا  
 قَبْلِي بِذَنِّهِ مَا يَشَاءُ - ۴۲ : ۵۱

(شوریٰ) اس آیت میں لفظ بشر جو نبی اور غیر نبی دونوں پر یکساں اطلاق پاتا ہے۔ استعمال کر کے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ نزولِ وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن مختار مدعیہ اس آیت میں بشر سے مراد نبی لیتا ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو بشر کو انبیاء کے ساتھ مخصوص کرے۔ اور فتوحاتِ مکہ جلد ۲ ص ۱۶۳ میں اس آیت کو ذکر کر کے یہ لکھا ہے۔ کہ ان تمام طرق سے اولیاء امت کو بھی وحی ہوتی ہے۔ اور نبی اور ولی کی وحی میں فرق یہ ہے کہ ولی پر شریعت دالی وحی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آگے ذکر ہوگا۔

پس مختار مدعیہ کا بشر سے صرف انبیاء و مراد لینا قرآن مجید کے ایک لفظ کی غرض سے کو باطل ثابت کرنے کے علاوہ ان امر کی بھی مخالفت کرتا ہے جنہوں نے اولیاء پر آیت میں مذکورہ طرق سے وحی کا ہونا تسلیم کیا ہے۔  
 (۸)۔ رَاوَحِينَا اِلٰی مَدْيَنَ اِنْ اَرَضَعِبِهْ فَادْخُفْتَ عَلَيْهِ فَاَلْقِيَهْ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي اِنَّا رَادُّوهُ اِلَيْكَ دَجَا اَعْلَوْهٖ مِنَ الْمَلٰٓئِكِیْنِ رَقَمَصَّ )  
 یہ ایک یقینی اور قطعی وحی ہے۔ جو بکری عظیم الشان غیب کی خبروں پر مشتمل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس وحی کی غفلت ایک دوسری آیت میں یوں فرمائی ہے۔

وَلَقَدْ مَنَعْنَا عَلِيكَ مَرَّةً اٰخَرٰی اِذَا وَحَيْنَا اِلٰی اَمْكٍ مَّا یُوحٰی (طہ ۲)

یعنی اے موسیٰ ہم نے تجھ پر ایک اور بھی احسان کیا ہے۔ جب ہم نے تیری ماں کی طرف ایک خاص شاندار وحی کی تھی۔ مختار مدعیہ نے اس آیت کے متعلق کہا ہے کہ اس میں بھی وحی نبوت کا ذکر نہیں ہے۔ گواہ مدعا علیہ کا مقصود اس آیت سے غیر انبیاء پر وحی کا نزول ثابت کرنا تھا۔ سو وہ مختار مدعیہ نے تسلیم کر لیا ہے۔

(۳) "وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّخَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ إِنَّهُ كُنْتُ تَقِيًّا۔ قَالَ إِنَّا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ (مریم ع)  
اس آیت میں صاف طور پر مذکور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں تمثیل ہو کر حضرت مریم کے پاس آئے۔ اور ان کے سوال کرنے پر جواب دیا کہ میں خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ تاہم یہیں ایک تڑکے کی شدت دوں۔ جو تمہیں دیا جائے گا۔

(۴) وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ الْبَيْتَ لَكَ بِكَلِمَةٍ مِنْ رَبِّكَ فَاسْمِعِي عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَجِیْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ الْمُقْرَبِينَ (آل عمران ع)  
اس آیت میں فرشتوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش اور ان کے نام و نبوت اور ان کی خبریں کی جو درحقیقت زبردست پیشگوئیاں تھیں۔ حضرت مریم کو بتا دی گئی ہے۔

(۵) وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى الْعَالَمِينَ يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (آل عمران ع)  
اس آیت میں حضرت مریم کو کئی فرشتوں نے خدا تعالیٰ کا پیغام دیا ہے۔ اور پھر فرمانبرداری اور نماز کے لیے حکم دیا۔

(۶) وَإِذْ آمُرُتُ أَنْ أَقَامَةَ فَنَفَخْتُ فِيهَا سُبْحًا يَسْمَعُ أَسْمَاءُ سَمِعَتْ بِمَرَضٍ فَتَوَبَّتْ بِرَبِّهَا إِنَّ سَمْعًا لَمَتَّعْنَاهَا مِنْ قَبْلُ وَفِي الْآخِرَةِ لَمُسَكِينًا فَاقْبَرُوهَا زَكَاةً وَسَبِيحًا لِلَّهِ الْمُسَبِّحِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ تَمَتَّعْتُمْ مِنْهَا فَمَا يَذَّكَّرُ عَنْهَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ (سجدة ع)  
اس آیت سے بھی صاف طور پر عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حضرت سارہ سے کلام کیا۔ جس میں عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ جو ان کی زندگی اور زندگی کے بعد سے تعلق رکھتی تھی۔

(۷) قُلْنَا يَا ذَا الْقُرْنَيْنِ ائْتِنَا نَقَاصًا وَنَافَعًا لِمَا كُنَّا نَعْمَدُ بِهِ وَرَبِّهِمْ نَقَاصًا وَنَافَعًا لِمَا كُنَّا نَعْمَدُ بِهِ (سجدة ع)  
اس آیت میں ذوالقرنین سے مکالمہ کا ذکر ہے۔ جو نبی نہ تھا۔ اور ایسی یقینی اور قطعی مکالمہ کا ذکر ہے۔ جس



میں ایک قوم کو عذاب دینے یا اس سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اسی کے مطابق ذوالقرنین نے اس قوم کے متعلق اعلان بھی کر دیا۔ قال اما من ظلم فسوف نعذبه ثم يرد الى ربه فيعذبه عند ابائنا واما من امن وعمل صالحا فله جزا الحسنى ويستقل له من امرنا يسرا (تکھف) یعنی ظالموں کو سزا دیں گے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کے پاس جائیں گے۔ تو وہ بھی انہیں دردناک عذاب دے گا۔ لیکن نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو اچھا بدلہ ملے گا۔ مختار مدعیہ نے کیا روایتوں کی بحث میں کہا کہ ذوالقرنین کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ وہ نبی تھا۔ لیکن (صحیح) قول یہی ہے۔ کہ وہ نبی نہ تھا۔ اور اس کے لیے اس نے ابن جریر اور ابن کثیر اور تفسیر کبیر کا حوالہ دیا تھا۔ حالانکہ ابن جریر اور ابن کثیر میں ذوالقرنین کے نبی ہونے کے متعلق کوئی قول مذکور نہیں ہے۔ البتہ تفسیر کبیر میں دو قول لکھے ہیں۔ مجھے یہاں مرث اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ مختار مدعیہ مغالطہ دینے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں ان تفسیروں کے نام لکھوانے سے جس میں کہ اس کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا خدا نہیں جھگڑتا۔ ان مذکورہ بالا آیات سے مندرجہ ذیل امر ثابت ہوئے۔

(۱) وحی انبیاء علیہم السلام سے مخصوص نہیں۔ بلکہ غیر نبی کو بھی وحی ہوتی ہے۔

(۲) جن طرق سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے کلام کرتا ہے۔ انہیں طریقوں سے غیر انبیاء یعنی اولیاء وغیرہ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۳) فرشتوں کا نزول بھی غیر انبیاء پر ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اپنی بات فرشتوں کے ذریعہ سے ان کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ آیت ۶۵ سے ظاہر ہے۔

(۴) بعض اوقات غیر انبیاء پر بھی ایسی وحی ہو جاتی ہے۔ جس میں امر و نہی پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۵) غیر انبیاء کو وحی بھی بعض وقت غیب کی خبر پر مشتمل ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیت ۱۷۱ سے ظاہر ہے۔

(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد با وحی غیر بشری مسدود نہیں ہوئے۔

گو اہل وقت و مکان مدعیہ نے ایک آیت یا حدیث بھی ایسی پیش نہیں کی جس سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الہی کا بند

ہو جائے انابت ہوتا ہے۔ ہاں ایسی آیتیں پیش کر دی ہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہونے کا ذکر ان کو نظر نہیں آیا۔ اور ان سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی مسدود ہے۔ حالانکہ کسی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول وحی کا ذکر نہ ہونا اور بات ہے۔ اور باب نزول وحی کے مسدود ہونے کا ذکر وہ بات ہے ذکر نزول وحی نہ ہونے سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب نزول وحی مسدود ہے ایسی آیتیں پیش کرنا جن میں نزول وحی کا ذکر نہیں۔ یہ یقین دلانے کی کوشش کہ ان سے باب نزول وحی مسدود ثابت ہوتا ہے۔ صریح غلط ہے۔ چنانچہ گواہ سند نے آیت والذین یؤمنون بما نزل الیک وما نزل من قبلک وبالاخرة ھو یقون سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہوتی تو اس آیت شریعت میں اس کا ذکر بھی ضرور کیا جاتا۔ لیکن چونکہ کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل نہیں ہو سکتی۔

۱) اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عدم ذکر عدم ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ یعنی اگر اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے بعد کوئی وحی نازل ہونے والی نہیں ہے۔

۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جس وحی کا ذکر ہے۔ اس وحی میں تشریحی وحی اور شریعت سابقہ میں قدرے تغیر و تبدل کرنے والی وحی بھی شامل ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کاں ہو جانے کی وجہ سے شریعت والی وحی کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی کا ذکر نہیں فرمایا گیا تا کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی شریعت والی یا شریعت سابقہ میں ترمیم کرنے والی وحی نازل ہو سکتی ہے چنانچہ اس قسم کی ایک دوسری آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک الا یتنبی علی ما تقدم من انزلنا من قبلک نے اس امر کی تشریح کی ہے۔ امام عبد الوہاب شعرائی بحوالہ فتوحات مکیہ اپنی کتاب البیواقیۃ والحوار جلد ۲ ص ۶۷ میں لکھتے ہیں انہ لم یحی لنا خیر الھی ان یحد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی تشویر ابداء۔

۳) انما لنا وحی الالہام قال تعالیٰ ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک۔ یعنی ہمارے پاس کوئی خبر الہی نہیں آئی۔ جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی تشریحی ہوگی۔ بلکہ اب وحی الہام ہوگی۔ جب کہ آیت ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک سے ظاہر ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ تمام اکابر علمائے سلف کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیح موعود پر وحی ہوگی۔ اور یہی

بات حدیث سے بھی ثابت ہے کہ مسیح موعود پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوگی چنانچہ علامہ ابن حجر اہمیتی سے جب پوچھا گیا کہ آخری زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ تو ان پر وحی ہوگی۔ اس کا جواب انہوں نے یہ دیا۔ نعم یوحی الیہ علیہ السلام کما فی حدیث اہمیتی ان کی طرف وحی ہوگی جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ (روح المعانی جلد ۷ ص ۱۶۵)

بس اکابر علمائے سلف کے عقیدے اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت والذین یؤمنون بما انزل الیہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریفی وحی کا امکان ہے۔

۴۔ جو تھا جواب ہے :- کہ آیت والذین یؤمنون بما انزل الیہ میں اگر مطلق وحی مراد لی جاتی تو تشریفی غیر تشریفی دونوں کو شامل ہے۔ تو آخرتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنے والی وحی جو آپ کے بعد آنے والی نبوت رسالت کو مستلزم ہے۔ مراد لینا بالکل قرین قیاس ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کی وجوہ میں فرق کرنے کے لیے اسلوب کلام کو بدل کر یعنی مایئزل من بعدک کی جگہ بالآخرت فرمایا ہے۔ تا یہ امر متین ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نازل ہونے والی وحی ایسی وحی نہیں ہے جو حاصل شریعت یا شریعت محمدیہ میں کچھ ترمیم کرنے والی ہو۔

اور گواہ مدعیہ سب نے یہ آیت پیش کی ہے۔ قولوا اٰمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراہیم واسماعیل واسحاق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ واما اوتی النبیون من رجبھم لافترق بین احد منهم و نحن لمسلون اور اس سے بھی وہی استدلال کیا۔ جو پہلے آیت سے کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس آیت میں بھی کہیں یہ ذکر نہیں کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کے مابقی و مالمقی میں اہل کتاب کو ایمان کی طرف بلا یا ہے۔ اور اس امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ جیسے ہم تمام نبیوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حق تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان سے جو مکالمہ الہیہ ہوا۔ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی طرح تم بھی اس کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے۔ اور جو اس پر اترا ہے۔ تسلیم کرو۔ اس آیت سے وحی آئندہ کی نفی نکالنا اسی طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے نکالنا غلط تھا۔ اور پہلی آیت کے استدلال کے غلط ہونے کے متعلق جو جواب دیئے گئے ہیں اس آیت کے استدلال کو بھی غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں

اور اسی گواہ نے آیت الم تر الی الذین یقولون انھم اٰمنا وما انزل الیہ وما انزل من قبلک یریدون ان یتھامکوا الی الطاغوت وقد امرنا ان یکفر و یدعون الی سکران و عمن کے بھی یہی استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی مسدود ہے۔ حالانکہ اس میں بھی قطعاً اس بات

کا ذکر نہیں ہے۔ کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ جو باوجود اس دعا کہ قرآن مجید اور پہلی کتب الہیہ پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے مطابق فیصلہ کرنے کی جگہ طاغوت یعنی کفار کا فیصلہ چاہتے ہیں۔ اور یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو وحی بھی قرآن مجید و احادیث کے مصدق و موعود شخص پر نازل ہوگی۔ وہ اس کلام کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔ مخالف نہ ہونے کی وجہ سے بجا انزالہ الیک میں شامل بھی جائے گی۔ یہ بات بڑی دلچسپی سے دیکھے جانے کے لائق ہے۔ کہ مختار ان مدعیہ کو حضرت مسیح موعود کی وحی کو بھی منزل من اللہ ماننے کو تیار نہیں اور ان کے خاتم المؤمنین مولوی رشید احمد صاحب گلوہی مجتہدین کے اجتہادات کو بھی منزل من اللہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

کتاب اللہ منزل من اللہ تعالیٰ ہے اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہے۔ اور مقتضا ط مجتہدین علیہم الرحمۃ کے بھی منزل من اللہ تعالیٰ ہیں۔ کیونکہ جو کچھ اشارات و دلائل نفوس سے مستخرج ہیں۔ وہ عین حکم نص کا ہوتا ہے۔ سبیل الرشاد ص ۳۶

دلالت اور اسی گواہ مدعیہ میں نے یہ آیت بھی پیش کی ہے۔ و ما ادرسلنا قبلك من المرسلین الا انهم لیاکلون الطعام (پاکہ ۸۷) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسل بھیجے۔ وہ ضرور کھانا کھاتے تھے۔ اور اس سے بھی انقطاع نزول وحی پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ اس آیت سے وحی کے انقطاع کا وہم بھی نہیں گذر سکتا۔ کیونکہ کفار جو یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول کیسے ہو سکتے ہیں جب کہ وہ کھانا کھا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اعتراض کو یوں رد کیا کہ دیکھو پہلے جس قدر رسول آئے وہ بھی تو کھانا کھایا کرتے تھے۔ پس ان آیات میں سے کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔

(۳)

### دلائل بقائے وحی غیر تشریعی از روئے قرآن شریف

گواہان مدعا علیہ نے فریق مخالف کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لیے کہ آئندہ وحی نہیں ہوگی قرآن کریم سے مندرجہ ذیل آیات پیش کی ہیں:-  
پہلی آیت:-

دفع الدرجات ذوالعرش یلقی الروح من امره علی من یشاء من عباده لیتزید من التلاق (سورہ مؤمن)۔  
اس آیت میں تین باتیں نزول وحی کا موجب قرار دی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فیئ درجات اور ذوالعرش ہونا۔  
اور اس کے بندوں کا اپنا جانا تیسرا ضرورتاً انداز۔

پس جب کہ یہ تینوں باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی موجود رہیں تو باب نزول وحی کا محدود اور  
وحی کا مفقود ہونا کیا معنی۔ اور روح کے معنی ذراہ جبرئیل کے ہیں۔ خواہ معانی آیت اور حین الیدیع روحاً من امرنا  
کلام الہی کے لیں۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں بالکل واضح ہے۔ آئندہ زمانہ میں بھی کلام الہی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ  
تفسیر جلالین میں اس آیت میں الروح کے معنی وحی کے کئے ہیں اور امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ذیل میں  
لکھا ہے۔ والصحیح ان المراد بالروح الوحی یعنی یہی ہے کہ مراد روح سے وحی ہے۔ تفسیر سیر بعد  
۳

اور شیخ محمد الدین ابن عربی اس آیت کو لکھ کر فرماتے ہیں قال تعالیٰ یلقی الروح من امره علی من یشاء  
من عباده فجاء من وحی نکرۃ فینزلہ یوم التلاق فجاءه بآلیس بشرع ولا حکم بل بالانذار فقد  
یکون الولی بشیراً ونبیاً وذا لکن لا یکون مشرعاً فان الرسالۃ والنبوۃ بالتشریع قد  
انقطعت فلا رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نبی ای لا شرع ولا شریعۃ وقد علمنا  
ان عیسی علیہ السلام ینزل ولا ید مع کو نہ رسولاً ولکن لا یقول یشرع بل یحکم فینا  
بشرعنا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱۷)

الحاصل اس عبارت کا یہ ہے کہ اس آیت میں شریعت یا احکام کے نزول کا ذکر نہیں۔ بلکہ انداز کا ذکر ہے۔ اور  
ولی بھی کبھی بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ لیکن شرع یعنی شارع نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسالت اور نبوت نشر و تبیین رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گئی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی وقت نزول باوجود رسول ہونے کے ہماری ہی شرع  
کے ساتھ حکم کریں گے۔

پس اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی منقطع نہیں ہوئی۔ بلکہ  
جاری ہے۔ اور اب کوئی رسول یا نبی بھی ہو۔ تو صرف تبخیر و امتداد۔ کی وحی اس پر ہو سکتی ہے۔ شرعی وحی نہیں  
ہو سکتی۔ چنانچہ شیخ بکر کے نزدیک مسیح علیہ السلام بھی باوجود رسول ہونے کے نئی شریعت نہیں لائے گے۔ بلکہ شریعت  
محمدیہ کے تابع ہوں گے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس میں صرف یہ بنایا ہے کہ دہشتہ کا وحی الہی سے کہ اتنا اللہ کی نذر انتخاب  
پھر سے نہ کسی دنیوی ماہ و جان پر۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ نزول وحی منقطع ہے۔ کیونکہ اللہ

تعالیٰ کی یہ صفت انتخاب پہلے موجود تھی اب بھی موجود ہے، جیسا کہ لفظی صیغہ مفارغ سے تراسترا رنجہ دی پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر ہے۔

دوسری آیت :-

يُنْزِلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِنَّ أَنْذَرُوا أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (سجۃ)  
اس آیت میں سے اہم نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کلام دے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجتا ہے۔ اور بھیجا کرے گا۔ پس اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت مستمرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کا اقطاع نہیں ہے۔ کیونکہ وحی کے فرشتوں کے نزول کے جو بواعث آیت میں مذکور ہیں۔ وہ اکفرت کے بعد میں بھی پائے جاتے ہیں :

تیسری آیت :-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أَحِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (لقمہ ۲۳)  
اس آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے خاص طور پر یہ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ پکارنے والے کی پکار کا کیا جواب دے گا۔ اگر کوئی بحث میں مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے۔ کہ اس آیت میں احیب کے معنی ہیں۔ میں قبول کرتا ہوں۔ کلام کرنے کے نہیں ورنہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ ہر ایک سے کلام کرتا ہے۔ لیکن اگر مختار مدعیہ۔ مہمنوں کو صحیح تسلیم کیا جائے تو پھر ماننا پڑے گا۔ کہ وہ ہر ایک کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے بہر حال مختار مدعیہ یہ کہے گا کہ جس شخص کی دعا لائق قبول ہے۔ اسے قبول کرتا ہے۔ اسی طرح ہمارا یہ جواب ہے۔ کہ جسے خدا تعالیٰ بذریعہ کلام جواب دینا چاہے اسے جواب دیتا ہے۔ اور یہ معنی تفسیر ابن جریر میں بھی لکھے ہیں۔

الوجہ : الاخوان یکون معناه احیب دعوۃ الداع اذا دعان ان شئت فیکون ذلک (ابن جریر ص ۱۸)  
یعنی ایک وجہ اس آیت کے معنی کی یہ ہے۔ کہ میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ یعنی اگر میں چاہوں تو ایسا ہوتا ہے۔  
چوتھی آیت :-

ان الذین قالوا آذنبنا الله ثم استقاموا آنزله علیہم الملائکۃ الاتھا فوا واولا تحذروا  
البشر وابلجنة التي كنتم توعدون نحن اولیاءکم فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة (رحمۃ السجدة ۴)  
یہ آیت بھی صاف طور پر بیان کر رہی ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے رستے میں استقامت دکھائیں گے انہیں پختہ ایمانداروں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نشتے بشارتیں سنایا کریں گے۔ چنانچہ روح المعانی جلد ۷ ص ۶۷ میں لکھا ہے۔

والاخبار طافحة بروية الصحابة للملك وسماهم كلامه وكفى وليا لما نحن فيه قوله سبحانه  
ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا فتزل عليهم الملائكة اكلًا تَخَاضُوا وَتَخْزَنُوا وَالْبُشْرُ بِالْجَنَّةِ  
التي كنتم تعدون الآية قال فيها نزول الملائكة على غير الانبياء في الدنيا وتكليمه اياها -

صحابہ کے فرشتوں کو دیکھئے اور اس کی کلام کو سننے کے متعلق کثرت سے خبریں پائی جاتی ہیں اور جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ اس کے اثبات کے لیے خدا تعالیٰ کا قول ان الذين قالوا ربنا الله ہی کافی ہے کیونکہ اس میں اس دنیا میں غیر انبیاء پر فرشتے کا نزول اور اس سے کلام کر کے ثابت موجود ہے۔

پس مختار مدعیہ کا اس آیت کے متعلق ۱۱ اکتوبر کی بحث میں یہ کہنا کہ یسوعوس کے وقت ہوتا ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ اور اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے کامل راستبازوں پر خدا تعالیٰ کے فرشتے غشخبری لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اور آپ کو خدا تعالیٰ کی حمایت و نصرت کا وعدہ یاد دلاتے ہیں۔

پانچویں آیت -۱-

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله (ال عمران)

یہ آیت پیدائش انسان کی اصل غرض اور فطرت انسانی کا اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیتی ہے۔ اور انسان اور اس کے خالق میں محبت و عشق کا رشتہ ہونا چاہیئے۔ پہلے انسان خدا کا سچا عاشق بنے اور ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر محبت دو ہی ذریعوں سے پیدا ہوتی ہے۔ دیدار سے یا گفتار سے

کیونکہ جب ان دونوں چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نصیب نہ ہوئی۔ دیدار تو اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے وصال الوداد ہونے کی وجہ سے اس عالم میں نہیں ہو سکتا۔ اور گفتار اس لیے کہ اس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا۔ تو عاشق الہی بننے کے لیے کہ اسے ہی صورت رہے گی۔ کوئی کس طرح اللہ کا عاشق بنے گا۔ اور منازل عشق میں مصائب کے جو مہیب پہاڑ اور ہولناک دریا مائل ہیں۔ وہ کس طرح طے ہو سکیں گے۔

مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح کی ہے۔ کہ بھروسہ نبوت صحابہ پر بھی ہونی چاہیئے۔ حالانکہ اس موقع پر بحث اس امر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی غیر شرعی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔

چھٹی آیت :-

ومن اضل من يدعوهم دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيمة وهم من دعا لهم غافلون (احقاف ۸)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سچے خدا کی یہی نشانی قرار دی ہے۔ کہ وہ بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ لیکن معبودان باطلہ میں یہ طاقت نہیں کہ وہ لوگوں کی پکار کا جواب دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ جس سے وہ وجود باری تعالیٰ کے متعلق درجہ حق الیقین تک فائز ہوں۔ یعنی انہیں اس امر کا

کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ حق الیقین حاصل ہو جائے۔

اس آیت کے متعلق مختار مدنی نے "راکتور کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ یستجیب کے معنی قبول کرنے کے ہیں جواب دینے کے کہیں نہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کہ یستجیب کے معنی جواب دینے کے عربی زبان میں بکثرت آتے ہیں چنانچہ کعب بن سعد الخنوس کا شعر ہے۔

وداع دھایا من یحیی الی القدی فلم یستجیبہ عند ذلک مجیب

(ابن جریر جلد ۲ ص ۹۳)

اس شعر میں (لہو یستجیبہ) کے معنی اُسے جواب نہ دیا کے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یستجیب کے معنی جواب دینے ہی کے لیے گئے ہیں۔ چنانچہ ابن جریر میں اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

لا یستجیب لہ الیوم القیمۃ یقول لا یحیی دعاہ ابد الا نھا حجر و خشب او نحو ذلک۔

ابن جریر جلد ۲ ص ۲۲ یعنی وہ اس کی پکار کا کبھی جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ پتھر ہیں یا لکڑی وغیرہ ہیں اور مولانا

نشاہ ربیع الدین صاحب نے بھی اس آیت میں یستجیب کے یہی معنی لئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

و اور کون شخص ہے بہت گمراہ اس شخص سے کہ پکارتا ہے۔ سوائے خدا کے اس شخص کو کہ نہ جواب دے اس کو دن قیامت تک کیا مختار مدنی کے اس قسم کے اعتراضات سے جو اس نے گواہان مدعا علیہ کے استدلال پر کئے ہیں علم قرآن سے اس کی محرومی ظاہر نہیں ہوتی۔

ساتویں آیت :-

المیروا انہ لا یکلمہم ولا یرہم سبیل الدنیا والآخرۃ ولا یرہم سبیل الدنیا والآخرۃ (اعراف ۱۸)

اسی طرح فرمایا کہ دعوت الحق والذین یدعون من دونه لا یستجیبون لہم بشیء (عد)

اسی طرح فرمایا ان تدعوہم لا یسمعو ادعائکم ولو سمعوا ما استجابوا لکم (فاطر)

اسی طرح فرمایا ان تدعوہم الی الہدی لا تتبعوکم سواء علیکم دعوتہم ام انتم صامتون (اعراف)

ان تمام آیات میں خدا تعالیٰ نے معبودان باطلہ کی الوہیت کے بطلان کے اظہار کرنے کے لیے ان کے

معبودوں کے غیر متکلم ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور ان کے عدم تکلم کو ان کی موت اور عدم الوہیت پر دلیل ٹھہرایا

ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ سے اپنے متکلم ہونے کو اپنی حیات اور حقیقی الہ ہونے کا ثبوت گرواٹتا ہے

اور یہ دلیل قطعی ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کی صفت تکلم ہر زمانہ میں اپنا جلوہ دکھاتی رہے گی۔

آٹھویں آیت :-

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ (فاتحہ)



اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو ترغیب دلائی ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ سے منعین علیہہ کے مقامات، عطا کئے جانے کے واسطے ہوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ مقامات عطا کرے گا۔ اور وہ مقامات نبوت اور صدیقیت اور شہادت اور رسالت کے ہیں۔ جب وہ مقامات اور مراتب امت محمدی کو ملیں گے۔ تو لازمی طور پر مکالمہ الہیہ اور وحی کے جو اندامات پہلی امتوں کے حامل افراد پر ہوئے۔ اس امت کے حامل افراد بھی اس سے مستفیض ہوں گے۔

لویں آیت :-

کنتھ خیر امتہ اخرجت للناس (ال عمران)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خیر الامم قرار دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو کوئی لقب دینا بلا معنی نہیں ہو سکتا۔ کوئی عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتی۔ کہ امت محمدیہ ہو تو خیر الامم۔ لیکن وہ ان مقامات سے پہلی امتوں پر ہوئے۔ محدود ہو۔ اور اس کو امت محمدیہ میں بقا و وحی کے منکرین نہیں سوچتے۔ کہ اللہ تعالیٰ قدیم سے اپنے بندوں کے ساتھ ہمکلام ہوتا آیا ہے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں عورتوں کی مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کی ماں اور مریم صدیقہ کو۔ تو کھیر امت کیسی بد فہمت اور بے نصیب ہے۔ کہ اس کے مرد بنی اسرائیل کی عورتوں کی طرح بھی نہیں۔ یا دوسرے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات کبھی معطل نہیں ہوتے۔ پس جیسا کہ وہ ہمیشہ ستارہ ہے گا۔ ایسا ہی وہ ہمیشہ بولتا بھی رہے گا۔ اس دلیل سے زیادہ تر صاف اور کوئی دلیل ہو سکتی ہے کہ خدا تعالیٰ کے سننے کی طرح بولنے کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہیں ہوگا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گروہ ہمیشہ الہیہ ہے گا جن سے اللہ تعالیٰ مکالمات و مخاطبات کرتا رہے گا۔ اس وقت دنیا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے۔ کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے توحید میں آیا ہے کہ علماء امتی کا نبیائے بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ اور حدیث میں بھی علماء و ربانی کو ایک طرف امتی کہا۔ اور دوسری طرف نبیوں سے مشابہت دی ہے۔ پس امت محمدیہ کا خیر الامم ہونا مستلزم ہے۔ اس بات کو کہ ہر امت کے کامل افراد وحی الہی کے فیض سے مستفیض ہوں۔

چنانچہ مولوی محمد حسین جالوی نے بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ امت محمدیہ کے کاملین کو بذریعہ الہام غیب پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اسی آیت سے دلیل پکڑی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

بعد تسلیم اس امر کے کہ خدا تعالیٰ بعض وجوہ سے اطلاع غیب غیری کو بھی دیتا ہے۔ اور یہ امر پہلی امتوں میں بشہادت قرآن پایا گیا ہے۔ اس امت مرحومہ کے لیے اس شرف کے حصول پر ہمارے پاس کوئی خاص

نص قرآن یا حدیث نہ بھی ہو۔ تو ہم کو حصول اس شرط کے ثابت کرنے کے لیے ایک وہ آیت جس میں اس موضوع امت کو خیر امت  
عظمہ زایا گیا ہو۔ اور ایک وہ حدیث جو اس آیت کی تفسیر ہے۔ اور اس میں یہ تصریح ہے۔ کہ تم نے (اس امت محمدیہ) ستر امتوں  
کو پورا کیا ہے۔ اور تم ان سب سے اللہ کے نزدیک بہتر اور باعزت ہو کافی دلیل ہے۔ ومع هذا بالفعل ہم ایک خاص  
حدیث حصول اس شرط کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ منکرین مخالفین اس حدیث کا ثبوت اس مدعا کے لیے ناکافی ہونا  
ثابت کریں گے ہذا اشاعت السنۃ جلد ۱ ص ۲۵۲ (۲۰۶)

پس گیارہ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت کو مسئلہ وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لغو و باطل ہے  
مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ جن آیات سے وحی یا نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ ان  
آیات کی یہ تفسیر پہلے کسی نے نہیں کی۔ اس لیے ان سے وحی یا نبوت کے بقا پر استدلال کرنا تفسیر بلائی ہے۔ اس کا  
پہلا جواب تو یہ ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں کچھ مختار مدعیہ کے جواب میں ابھی میں نے بعض آیات  
کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیروں کے حوالے نقل کئے ہیں۔ لیکن اصولاً یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ پہلی تفسیروں میں سے ان  
ان کے معنی نقل کئے جائیں۔ کیونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ اور اسی کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر کی جاتی ہے  
گواہان مدعا علیہ نے جو تفسیریں ان آیات کی پیش کی ہیں وہ قواعد بصیرت اور قرآن و حدیث کی رو سے بالکل صحیح ہیں۔  
اور مختار مدعیہ کی طرف سے ان کی کوئی تعلیل نہیں کی گئی

دوسرا جواب یہ ہے :-

کہ چونکہ قرآن مجید کے معارف اور عجائب کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ بعض الفاظ حدیث مرفوعہ میں لایشبع  
منہ العلماء ولا یخلق عن كثرة الرد و لا تنقض عجائبہ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر مجبوراً  
وجہ سے تفسیر بارائے نہیں کہلا سکتی۔ کہ وہ تفسیر گذشتہ مفسرین میں سے کسی نے نہیں کی ہے۔ گواہ مدعیہ نے  
۲۴ اگست کو اس حدیث کے متعلق جو اب طرح یہ کیا تھا کہ اس کی سند جھوٹ ہے۔ اس واسطے قابل اسناد نہیں  
ہے۔ لیکن یہ امر اس نے محض اپنے بچاؤ کی غرض سے پیش کیا تھا۔ ورنہ وہ غیب اچھی طرح جانتا ہے کہ اس حدیث  
کے متعلق ذرا بھی گنجائش کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو اس سے بے خبری نہیں ہو سکتی۔ کہ  
تخذیر الناس کے صفحہ ۱۱ میں حدیث بطور دلیل پیش کی ہے جبکہ مختار مدعیہ کے اس باطل خیال کی تردید میں بھی کو کسی امت  
کی ایسی تفسیر کو جو مفسرین گذشتہ میں سے کسی نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرای کہتے ہیں۔

مولانا محمد قاسم ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ کوئی ایسی تفسیر جو قواعد عربیہ کے مطابق  
ہو۔ اگرچہ پہلے کسی مفسر نے نہ کی ہو۔ تفسیر بالرای نہیں کہلائے گی۔ چنانچہ مولوی صاحب فرماتے ہیں۔  
اب بہ گزارش ہے۔ کہ ہر حیدر آیت اللہ الذی خلق سبع سموات کی یہ تفسیر کسی اور نے نہ کھی

ہو۔ تو کیا ہوا۔ معنی مطابقی اگر اس احتمال پر منطبق نہ ہو۔ تو البتہ گنجائش تکفیر ہے۔ اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ موافق حدیث من فسر القرآن برأیه فقد کفر سے شخص کافر ہو گیا۔ پھر اس صورت میں یہ گنہگار تنہا کافر نہ بنے گا یہ تکفیر بڑوں تک پہنچے گی (تخذیر الناس ص ۶)۔

اب مختاران مدعیہ کو سوچنا چاہیے کہ مولوی صاحب نے جب ایک آیت کی ایسی تفسیر کی جو سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کی تھی۔ اور لوگوں نے ان کی اس بنیاد پر تکفیر کی۔ اور کہا۔ کہ تمہاری یہ تفسیر ایجاد بندہ ہے۔ اور پہلے کسی نے نہیں کی ہے تو اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہوا کیا۔ اگر پہلے کسی نے یہ تفسیر نہیں کی۔ جب معنی مطابقی اسی احتمال پر منطبق ہیں۔ تو یہ تفسیر بالرائی کیسے ہو گئی اور اگر یہی تفسیر بالرائی اور موجب کفر ہے تو پھر بڑوں بڑوں کو بھی کافر بنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ بھی ایسی تفسیریں کرتے رہے ہیں۔ جو ان سے پہلوں نے نہیں کی تھیں۔

پس اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جو آیات گواہان مدعا علیہ نے دجی اور نبوت کے بقا کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ ان سے پہلے کسی نے یہ استدلال نہیں کیا۔ تو پھر دجی شریعت جدیدہ و نبوت مستقلہ جی جہا اتفاق فریقین بند ہے۔ مٹ جاتی مانتی پڑے گی۔ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان آیات سے محض مکالمہ الہیہ کا وجود اور نبی کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن دوسری آیات مثل خاتم النبیین اور آیت الیوم اکملت لکم دینکم اور آیت من یطع اللہ والرسول فإولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من الذین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک ذیقاً تار ہی ہے۔ کہ دجی شریعت جدیدہ اور نبوت مستقلہ کا دروازہ اکھنڈ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے۔

(۳)

### دلائل بقائے دجی از روئے احادیث نبویہ

مسلم کی حدیث میں آنے والے مسیح کے متعلق صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے دجی کرے گا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ بینما ھو کذلک اذا وحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عباداً الی لایدان یقتلکم لھم لا حد یحوز عبادی الی الطوس ردوہ مسلم (مشکوٰۃ ص ۴۷ مطبوعہ مجتہبی) اور اس حدیث کا مفہوم حضرت مسیح موعود نے یہ بیان کیا کہ وہ اقوام یا جوج وما جوج سے جنگ نہیں کرے گا۔ بلکہ مومنوں کو طور کی طرف جمع ہونے کا ارشاد کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ طور ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس پر تمام بندگوار الہی کا جمع ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اس جگہ طور سے مراد مقام تجلیات الہیہ ہے۔ یعنی مسیح موعود مسلمانوں کو دین کی

طرف کو صبر دلانے کا وہ حقیقی مومن اور مذاق بالے کے تہہ نشین تادمہ موز و حجلیات الہیہ ہوں اور خداوندان کے ساتھ ہو۔ اور ہر جگہ ان کو غلبہ عطا کرے۔ بہر حال اس حدیث سے ثابت ہے کہ مسیح موعود کو وحی ہوگی۔ چنانچہ اکابر علمائے سلف نے یہ بات تسلیم کی ہے۔ کہ مسیح موعود پر وحی کا نزول ہوگا۔ چنانچہ گواہ ملنے ہی ۱۹ اگست کو بحجاب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ اور منثار موعود کا اس حدیث کے متعلق یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لو اس بنی سمان کی اس حدیث کو مجروح قرار دیا ہے۔ کہ اگر یہ حدیث تسلیم بھی کر لی جائے تو اس میں وحی کا لفظ بمعنی الہام ہے۔ قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا۔ کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے کہ انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث کو نہایت قطعی اور یقینی اور صاف اور صریح سمجھتے تھے۔ اور لو اس بنی سمان کی حدیث کو از قبیل استعارات و کنایات خیال کرنے لگے۔ اور اس کی حقیقت کو عالم بخدا کرتے تھے ۱ (ازالہ اوہام ص ۱۰۵ بار پنجم)

اور خصوصاً اس کے فقرہ متنازعہ فریہ کو اپنی کتب میں صحیح سمجھ کر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۲ ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ جو مسیح موعود کے بارے میں ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا اس حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اخذت عباداً لی لا یدان بقتالہم لا حد فاحوز عبادی الی الطور یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے ہمت سے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں۔ (یعنی یورپ کی قومیں) کہ کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو ان سے جنگ نہ کر۔ بلکہ میرے بندوں کو طور کی پہاڑ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی اور روحانی نشانوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں۔ کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے ۳ (مضمون چشمہ معرفت ص ۱۲۱)

اور اگر یہ نہ بھی ہوتا۔ تو بھی چونکہ فریق مدعیہ کو اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں ہے۔ اس لیے گواہان مدعا علیہ اس کو بطور حجت ملحقہ فریق مدعیہ کے مقابلہ میں عقلاً و قانوناً و شرعاً پیش کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہنا کہ ہر تقدیر تسلیم وحی کے معنی الہام کے ہیں۔ علماء سلف صالحین کے معنی کے خلاف ہے۔ جیسا کہ روح المعانی جلد ۷ ص ۶۵ کے حوالہ سے گواہان مدعا علیہ اپنے بیانوں میں بتا چکے ہیں۔ کہ یہ وحی جبرئیل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان پیغمبر ہے۔ اور حدیث لا وحی بعدی اطلاق ہے۔ اور یہ جو مشہور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور غالباً اس شخص کی مراد بھی جس نے مسیح علیہ السلام پر آپ کے نزول کے بعد وحی کی نفی کی ہے۔ وحی تشریع سے ہے۔ اور جس وحی کا یہاں ذکر ہے۔ اس میں تشریع نہیں ہے۔ اور روح المعانی مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے

مسکات سے ہے۔ اور یہی بات حج الکرامہ میں لکھی ہے۔

دوسری حدیث :-

ابن ابی الدنیا نے کتاب الذکر میں حضرت انس سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ ابنی ابن کعب نے کہا کہ میں مسجد میں داخل ہونگا اور نماز پڑھوں گا۔ اور خدا تعالیٰ کی ایسی حمد کروں گا۔ جو کسی نے نہ کی ہو۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے اگر میری امت میں کوئی محدث ہو۔ تو وہ عمر ہے۔ یہ مراد نہیں کہ آپ کو ان کے محدث اور منکلم ہونے میں کوئی تردد تھا۔ کیونکہ آپ کی امت افضل الامم ہے اور جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ پائے گئے تو امت محمدیہ میں ایسے لوگوں کا تعداد میں زیادہ رتبہ میں بلند پایا جانا زیادہ مناسب اور ضروری ہے بلکہ یہ جملہ تاکید اور یقین کے پیرایہ میں بیان ہوا ہے۔ اور اس جملہ میں جو مبالغہ پایا جاتا ہے۔ وہ ذی فہم انسان پر مخفی نہیں اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ اگر کوئی میرا دوست ہے۔ تو وہ فلاں ہے۔ تو ایسے جملہ سے قائل کا منشا یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں شخص میرا چکا دوست ہے۔

ان تینوں حدیثوں سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آنے والے مسیح پر وحی نازل ہوگی۔ اور ان کے علاوہ بھی کا ملین افراد محمدیہ پہلی امتوں کے کامل افراد کی طرح مکالمہ الہیہ سے مشرف ہونگے۔

گو ابان مدعیہ نے اپنے بیانات میں انقطاع وحی کے متعلق ایک حدیث بھی پیش نہیں کی ہے۔ لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اراکتوبر کو عدالت میں بحث کرتے ہوئے علاقہ یہ غلط بیانی کی کہ گو ابان مدعیہ نے انقطاع وحی کے متعلق پچیس حدیثیں پیش کی ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے جو دو حدیثیں پیش کی ہیں۔ ایک زین کی مشکوٰۃ ص ۵۷ سے اور دوسری بخاری جلد ۳۳ سے تو ان دونوں حدیثوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر شرعی منقطع ہے۔

مشکوٰۃ کی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ تو حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے نرمی کا سلوک کرنے کی درخواست کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کا یہ جواب دیا۔ کہ آجباد فی الجاہلیۃ و خوار فی الاسلام آنہ قد انقطع الوحی و تم الدین اینقص و انا حی یعنی کیا جاہلیت میں توجہ رہتے۔ اور اب اسلام میں اگر بزدل اور ضعیف بنتے ہو۔ یا رکھو وحی منقطع ہوگئی۔ کہ دین پورا ہو گیا۔ کیا دین میں کمی بیشی کی جائے گی اور میں زندہ ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں وحی سے مراد شرعی وحی ہے۔ جو پہلے دین کو یا اس کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی ہے۔ بس جب وہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنے کے لیے بیٹھے۔

اذا هو بصوت عال من خلف اللهم لك الحمد كله وبسبك الخير كله واليك يرجع الامر كله ..... فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقص عليه فقال ذلك جبرئيل عليه السلام“  
(روح المعاني جلد ۷ ص ۶۷)

یعنی اس نے پیچھے سے ایک بلند آواز سنی جس کے یہ الفاظ تھے۔ اللهم لك الحمد الى آخره پھر ابی کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر بھی جبرئیل کا نزول ہوتا تھا۔  
تیسری حدیث:-

أنحضرت صلى الله عليه وسلم فرماتے ہیں۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد كان في قبلكم من الامم محدثون فان يك في امتي احد فانه عمر (متفق عليه)  
(مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبیٰ ص ۵۵)

اسی طرح فرمایا۔ لقد كان فيمن قبلكم من بنی اسرائیل رجال يكلمون من غير ان يكونوا انبياء فان يك في امتي منهم احد فعمر۔ (بخاری کتاب الفرائض ففائل عمر)  
کہ پہلی امتوں میں محدث ہوتے رہے ہیں۔ اور بنی اسرائیل میں ایسے اشخاص بھی ہوئے جن سے خدا تعالیٰ نے ہمکلام ہوا۔ لیکن وہ نبی نہ تھے۔ ایسے اشخاص میری امت میں سے بھی ہوں گے جن میں سے ایک عمر ہے اور محدث کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کی ہے۔ قال يتكلم الملا عنك على لسان (طبرانی اسنادہ حسن)۔  
(تاریخ الخلفاء مطبوعہ مصر ص ۱۱)

یعنی فرشتے اس کی زبان پر کلام کرتے ہیں۔  
اس حدیث کی شرح میں امام ملا علی قاری یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ محدث سے کیا مراد ہے لکھتے ہیں۔ اللهم المبالغ فيه الذی انتہی الی درجۃ الانبیاء فی الالہام“ یعنی محدث سے الیاسلمہ مراد ہے جو الہام میں انبیاء کے درجہ کو پہنچا ہوا ہو۔ اور فرماتے ہیں۔

فان يك في امتي احد فهو عمر لم يرد هذا القول مورد التردد قال امته افضل الامم و اذا كانوا موجودين من غيرهم من الامم فبالحرى ان يكونوا في هذه الامم۔ اکثر عدد ا و اعلى رتبة و انما ورد مورد التأكيد و القطع، ولا يخفى على ذی الفہم محلہ من البالغہ۔ كما يقول الرجل ان يكن لي صديق فانه فلان يريد بذلك اختصاصه بالكمال في صداقت۔ - مرقاة جلد ۵ ص ۵۳۔

نبی بخاری کی حدیث تو اس میں بھی وحی کے انقطاع سے مراد قرآن مجید کی وحی کا انقطاع ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی جس میں احکام اور منافقوں کے نفاق اور مومنوں کے ایمان کی حالت کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

”ان اناسا کانوا یوخذون بالوحی فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان الوحی قد انقطع وانما ناخذ کما لان بما ظہران من اعمالکم۔“

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ اب تو ہم تمہارے اعمال کی بنا پر ہی مواخذہ کریں گے۔ اور جو کسی کے دل یا نفس میں ہوگا۔ اس کے مطابق محاسبہ نہیں کریں گے اس کا محاسب اللہ تعالیٰ ہوگا پس اس حدیث میں بھی خاص وحی کے انقطاع کی طرف اشارہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی۔

(۵)

### عقیدہ سلف صالحین بقائے وحی غیر تشریعی کے خلاف نہیں

گو اہل مدعا علیہ نے اپنے بیانیوں میں قرآن و حدیث سے امت محمدیہ میں وحی الہی کے بقاء کا ثبوت پیش کرنے کے بعد سلف صالحین کے وہ اقوال پیش کیے ہیں۔ جن میں انسان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی کا دروازہ کالمین امت محمدیہ کے لیے کھلا ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور نزول وحی تشریعی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو۔ گواہ مدعا علیہ ۱ کا بیان مطبوعہ ۲۵ تا ۲۷

اب میں مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں پر نظر کرتا ہوں۔ جو اس نے سلف صالحین کے ایسے اقوال پر رکھے ہیں جن سے امت محمدیہ کے لیے وحی غیر تشریعی کا باقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

### حوالہ فتوحات مکیہ

گو اہل مدعا علیہ نے امت محمدیہ میں بقائے وحی غیر تشریعی کے متعلق فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱۲، ۱۳، ۱۴ کا جو حوالہ پیش کیا تھا۔ اور جس کا ترجمہ گواہ مدعیہ ۱ نے اپراگست کی جواب جرح یہ کیا ہے۔

جو وحی رسول اللہ پر نازل ہوتی تھی۔ یعنی آپ کے قلب پر تو آپ پر ایک حرارت سی ہو جاتی تھی جس کو حال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ سخت ہوتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے مزاج مغرب ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حالت آپ سے جاتی رہتی اور آپ خبر دیتے۔ اس چیز کی جو آپ کو دی جاتی اور یہ تمام اقسام وحی موجود ہیں اب بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اور وہ وحی جس کے ساتھ نبی مخلص ہے۔ وہ تشریعی وحی ہے کہ حلال کرے اور

اور حرام کرے گا

حوالہ مذکورہ کے اس ترجمہ سے جو گواہ مدعیہ ملے گا کیا ہوا ہے، بڑی صفائی سے ظاہر ہے کہ آیت

وما کان للبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب ادیسئل رسولاً -

میں جو اقسام وحی بیان کئے گئے ہیں، اور جن طرق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی، وہ تمام اقسام وحی اب بھی اولیاء اللہ میں مانے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دلی کو وحی تشریفی جس میں تحلیل و تحریم ہونے لگتی ہو، کیونکہ تحلیل و تحریم نبوت کے ساتھ مختص ہے، یہ بیان اپنے مطلب کے اظہار میں کسی تشریح کا محتاج نہیں ہے۔ اور اس میں نہایت صراحت سے وحی تشریفی کے سوا تمام اقسام وحی کا اولیائے امت محمدیہ میں موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کسی عجیب جرات ہے کہ مختار مدعیہ نے اس بیان کو بھی اپنے مفید مدعا ظاہر کرنے میں کوئی تاثر نہیں کیا۔ اور اگر اکتوبر کی بحث میں کہا کہ حضرت شیخ اکبر نے وحی تشریفی کو انبیاء کے ساتھ مختص کیا ہے جو ہمارے مدعا کے موید ہے۔ حالانکہ مختار مدعیہ کا حضرت شیخ کے اس بیان کو اپنے مدعا کے موید بنانا ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ کسی قائل الوہیت و انبیت مسیح کا سورۃ اخلاص کے ترجمہ کو اپنے مفید مطلب لکنا۔ کیونکہ علاوہ انتہائی صفائی و مراحت کے جو حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیان میں اختیار کی ہے۔ لفظ تشریفی کی تشریح بھی ساتھ ہی کر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں

فلایشرح الانبی دلائل شروح الادسول خاصۃ فیحمل ویجوز دبیہم،

یعنی نبی اور رسول کی تشریح سے مراد کسی چیز کو حلال اور کسی کو مباح وغیرہ قرار دینا ہے جس ایسی وحی کے بقا کے توہم بھی قائل نہیں۔ جس میں نئے احکام تحلیل و تحریم کے پائے جاتے ہوں۔ اور نہ ہم ایسی نبوت ہی کے قائل ہیں۔ اور اسی قسم کی وحی کے انقطاع کے متعلق الکبریت الاحمر۔ میں عبارت ہے در نہ دوسری قسم کی وحی جس میں نئے احکام تحلیل و تحریم کے نہ ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ہوئی۔ فتوحات مکیہ اور الکبریت الاحمر کی عبارت سے ظاہر ہے۔

اور گواہ مدعیہ ۲۹ اگست کو جواب جرح تسلیم کو چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں ان کی وحی تو وحی نبوت ہوگی۔ اس کے سوا جو وحی ہے۔ وہ وحی نبوت نہیں ہے۔ گو لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا یا اسی قسم کے اور امور کی نسبت سے کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو لیکن نفس مکالمہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں آتا یعنی جو کلام کسی نبی پر نازل ہو۔ وہ بھی خدا کا کلام ہوتا ہے۔ اور جو کلام کسی نبی کے کلام پر نازل ہوتا ہے۔ وہ بھی خدا ہی کا کلام ہے اور یہ مختار مدعیہ کے فریق مقابل یعنی احمدیوں کے عقائد سے بالکل ہی مطابق ہے ہاں مختار مدعیہ کی اس توجہ سے گواہان مدعیہ کے بیانات کا مقرر قلع قمع کر دیا ہے۔ کیونکہ مختار مدعیہ نے



نو حضرت مجدد الف ثانی کے اس حوالہ کو اپنے مدعا کا مثبت قرار دیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ ۳-۲۹- اگست کو بجواب جرح کہہ چکا ہے۔ کہ مکتوبات امام ربانی جلد ثانی ۹۹ مکتوب ص ۱۷ میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ کشفی یا الہامی ہے۔ جو حجت نہیں، اور ایسی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ کہ مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ دونوں کے لیے یہ کہنے کا موقع ہے۔

زخمی کرے مجھی کو میری آہ دل خراش

میرا ہی تیر میرے کلبے کے پار ہو

گواہ مدعیہ نے تو مکتوبات کے مذکورہ حوالہ کو یہ کہہ کر کہ کشفی یا الہامی ہے جو حجت قطعی نہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہنے کے بعد بھی کہ ہمارے لیے یہ مثبت مدعا ہے۔ غلط توجیہ کر کے ٹال دینا چاہا ہے۔ مگر ان دونوں کے مقتدا و پیشوا جناب مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کا جو حوالہ گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔ وہ ان دونوں کے خلاف احمدیوں کی تائید اور حوالہ مکتوب امام ربانی کی نقدیق کر رہا ہے۔ اور جس کو دیکھنے کے بعد ایک منصف مزاج انسان کو یہ تسلیم کہ بغیر چارہ نہیں کہ جن طرق سے انبیاء کو وحی اور الہام اور مکالمہ الہیہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ بعینہ انہی سے اویا اللہ کو ہونا بھی ثابت ہے۔ اگرچہ اصطلاحاً ان کا نام رکھنے میں فرق کیا گیا ہے۔ اور یہ علماء کی اپنی تنویر ساختہ اصطلاح ہے۔ و لکل ان یعطلاح

(۴)۔ اور تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۶۵ سے بھی صاف منقول ہے۔ کہ میس علیہ السلام پر نزول کے وقت بذریعہ جبرئیل وحی ہوگی اور وہ وحی باوجود ان کے نبی اور رسول ہونے کے غیر تشریفی ہوگی پس اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی پر غیر تشریفی وحی ہوتی ثابت ہے۔

اور اسی طرح گواہ ۱ نے ۲۱ اگست کو بجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔ کہ حدیث میں جو وحی کا ذکر آیا ہے۔ وہ مسلم ہے۔ مگر اس سے تبلیغی وحی مراد نہیں ہے۔ اور اس نے حدیث مسلم ج ۱ میں وحی کا ذکر ہے کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور بجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے۔ تو وہ رسول ہوں گے۔ ہر رسول پر غیر تبلیغی وحی کے نزول کو انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ اگرچہ یہ سمجھ نہیں آیا کہ غیر تبلیغی سے گواہ کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ حدیث میں جس وحی کا ذکر ہے۔ کہ میرے بندوں کو طرح طرح جمع کرو۔ اب اگر میس موعود یہ وحی لوگوں کو پہنچائے گا نہیں۔ تو انہیں جمع کیسے کرے گا۔ بہر حال یہ وحی تبلیغی تو ہوگی۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں گواہ کی مراد تبلیغی وحی سے یہ ہے کہ تشریفی نہ ہوگی جس میں سے احکام اور نواہی ہوں۔

فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۹۹ کے حوالہ کے متعلق بھی جس میں کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے صریح طور پر یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ جو مکالمہ الہیہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہی ان کے بعض کامل متبعین کے لیے بھی بطور اتباع اور وراثت کے

ہو جاتا ہے۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ یہ حوالہ بھی ہمارے مثبت مدعا ہے۔ کیونکہ مجدد صاحب نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے وہ وحی ہے جو محدثین پر ہوتی ہے۔ اور وہ وحی الہام ہے۔ وحی نبوت نہیں۔

مختار مدعیہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے بیان کی جو یہ نئی توجیہ کی ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے جس کلام الہی کا ذکر کیا ہے وہ کلام ہے تو وحی الہی ہی جو محدثین پر نازل ہوتی ہے۔ اور جو وحی محدثین پر نازل ہوتی ہے وہ وحی الہام ہوتی ہے، وحی نبوت نہیں ہوتی اس عجیب و غریب توجیہ سے فریق مقابل کا تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ جس کلام الہی کا ذکر حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے۔ مختار مدعیہ خواہ اس کلام کا نام محدثین پر نازل ہونے والی وحی رکھے خواہ اس کی وحی الہام کے موجب تفرع نام سے نامزد کرے۔ خواہ اور کچھ کہے بہر حال حضرت مجدد صاحب کے مضمون مکتوب مندرجہ بالا سے روز روشن کی طرح سے یہ ظاہر ہے کہ جس کلام کا آپ نے اس موقع پر ذکر فرمایا ہے۔ انبیاء پر بھی وہی نازل ہوتا ہے، اور جو مکالمہ و مخاطبہ انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کا اس کے گاہ فیضین کو بھی ہوتا ہے۔

(۵) اور مختار مدعیہ نے حج الکرامہ کے اس حوالہ پر ظاہر است کہ آئندہ وحی یسوعی اور جبرئیل علیہ السلام بانقید بلکہ یہ ہمیں یقین دہانہ و در آن تردیدی نکیم ۱۱ راکتور کی بحث میں کہا ہے۔ کہ یہ حوالہ غیر مسلم ہے۔ کیونکہ نواب صدیق حسن خاں صاحب متشدد غیر مقلدین سے نہیں، اور حنفیوں کو وہ مشرک سمجھتے ہیں۔ مختار مدعیہ کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے حوالے کے متعلق باوجود گواہ کے یہ کہہ دینے کے کہ مکتوب کا حوالہ ہمارے لیے حجت نہیں۔ مختار مدعیہ کے اس حوالہ کی بابت یہ کہنا کہ ہمارے مدعا کو ثبات کرنے والا ہے۔ نادانستگی سے نہیں۔ بلکہ دیدہ و دانستہ تھا۔ اور وہ گواہان مدعیہ کی شہادت کو غلط اور انہیں کم علم اور اپنے آپ کو ذی علم ثبات کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے، کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب کو میں مسلمان سمجھتا ہوں، اور ان کی کتاب حج الکرامہ میں ظاہر است سے عبارت ہے۔ پس گواہ مدعیہ تو انہیں مسلمان تسلیم کر کے یہ نہیں کہتا۔ کہ ان کا قول ہمیں مسلم نہیں ہے، لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے، کہ چونکہ وہ حنفیوں کو مشرک سمجھتے ہیں اس لیے ان کا قول غیر مسلم ہے۔ اور مختار مدعیہ یہ کہہ کر صرف گواہ مدعیہ کی شہادت ہی کو بے وقعت نہیں بنا رہا ہے، بلکہ اپنے سب سے بڑے پیشوا و مقتدا اور اپنے خاتم المحدثین مولوی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ پر بھی اپنی فوقیت جتلاتا ہے۔ کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب نواب صدیق حسن خاں صاحب کو مرحوم اور رئیس عالمین بالحدیث قرار دیتے ہیں، اور دیگر مفسرین عظام کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے قول سے سبکدوش نہیں، چنانچہ کہتے ہیں

”اور مولوی صدیق حسن خاں مرحوم رئیس عالمین بالحدیث اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہا تفاسیر میں یہ معنی اولی الامر کے قبول کرتے ہیں۔ (سبیل الرشاد ص ۳۱)

اور قادی رشیدیہ عصر اول حاشیہ ص ۳۱ میں لکھا ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں خطبہ منجہ شفا دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہونہ عجی۔ اور منشر ہو نہ نظم۔ سلف سے یہی طریق چلا آیا ہے۔ اور قادی رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۱ میں ہے مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب فتویٰ رحمۃ اللہ علیہ روضۃ النہرہ شرح درالبیہ میں فرماتے ہیں اور قادی حصہ سوم ص ۵۵ میں ہے۔ چنانچہ مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المؤمنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں شک ہے۔ لیکن معنی اس کے صحیح ہیں۔

مختار مدعیہ نے گواہان مدعیہ کی شہادت کو قابل استناد بنانے کے رد کرنے کے قابل بنا دیا ہے کیونکہ دریا معلیٰ نے اپنے فیصلہ میں یہ تحریر کیا ہے، کہ علمائے اسلام کی رائے حاصل کرنی چاہیے۔ لیکن عالمین بالحدیث جو لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ ان کے رئیس نے گواہان مدعیہ کو جو حنفی مذہب ہونے کے مدعی ہیں، مشرک قرار دیا ہے۔ پس جو لوگ مشرک ہوں۔ وہ علمائے اسلام کیونکر ہو سکتے ہیں، علمائے اسلام سے وہی علماء اور ایسے جاسکتے ہیں جو کفر و کفر مسلمانوں کے فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں، مگر جو مدعیہ کی طرف سے گواہ پیش کیے گئے ہیں۔ ان سب کی بابت رئیس عالمین بالحدیث کا یہ فتویٰ ہے کہ وہ مشرک ہیں۔ لہذا ان کی شہادت رد کر دینے کے لائق ہے۔ مختار مدعیہ نے نواب صدیق حسن خان صاحب کے اس قول کو مسیح موعود پر دوجی لانے والا یقیناً جبرئیل ہے۔ انہیں غیر مقلد بتا کر ٹال دینا چاہتا تھا لیکن ہم نے دکھا دیا ہے کہ وہ پہلے غیر مقلد ہیں۔ جن کے اقوال مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوے میں بھی بطور سند پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن اسی پر بس نہ کریں ہم حضرت امام اعلیٰ قادری مسلم حنفی عالم کا قول بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”ثم الظاهر ان الحجائی الیہ بالوحی ہو جبرئیل بل هو الذی تقطع بہ ولا نتردد فیہ لان ذلك وظیفته وهو السقیر بین اللہ و بین انبیاء۔ و اما ما اشتهر علی السنۃ العامتہ ان جبرئیل لا ینزل الی الارض بعد موت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا اصل لہ۔“  
(کتاب الاشارة لاشراط الساعة علامہ السید الشریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی ص ۳۲)

یعنی ظاہر یہی ہے کہ مسیح کے نزول کے بعد ان کی طرف وحی لانے والا جبرئیل ہے۔ بلکہ اس پر ہم یقین رکھتے ہیں اور ہم اس میں کسی قسم کا تردد نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ اس کا وظیفہ ہے، اور وہ اللہ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہے اور عامۃ الناس کی زبان پر جو یہ مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جبرئیل زمین پر نازل نہیں ہوئے تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اعلیٰ قادری کے بتائے ہوئے انہیں عوام میں سے مختار مدعیہ اور گواہ مدعیہ سے بھی ہے۔ جس نے ۳۱ اگست کو جواب جرح کہا ”جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے بعد کسی شخص پر نازل

نہیں ہو سکتا حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے ۛ  
امام ملا علی قاری نے بعینہ وہی الفاظ کہے ہیں۔ جو مولف بیچ الکلام نے کہے ہیں۔ صرف زبان کا فرق ہے۔ وہ عربی  
میں ہیں اور یہ فارسی میں۔

لیکن ہمیں کامل یقین ہے کہ اب مختار مدعیہ اپنی تقلید کا یوں ثبوت دے گا کہ وہی بات جو ایک غیر تقلید کی طرف  
سے ہونے کی وجہ سے غیر مسلم تھی۔ اب ایک مسلم حنفی امام کے کہنے کی وجہ سے قابل تسلیم ہو جائے گی۔ ورنہ اس عقیدہ  
کی وجہ سے ان سب کو کافر ماننا پڑے گا۔

پس سلف صالحین کے اقوال سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نہ تشریف  
جاری ہے۔ اور صرف وحی تشریفی بند ہوئی ہے۔

(۶۱)

### حضرت مسیح موعود علیہ السلام نزدیکی تشریفی وحی بند ہے

گو اہل انبیا مدعیہ نے اپنے بیان میں ازالہ اوہام اور حماۃ البشریٰ کے بعض حوالجات پیش کئے ہیں جن میں لکھا ہے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی الہی کا سلسلہ منقطع ہے لیکن ہر ایک شخص جو ان تحریروں کا غور سے مطالعہ کرے گا  
وہ جان لے گا کہ اس وحی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مراد شریعت والی وحی یا نبی مستقل کی وحی ہے، جو  
بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ہو، چنانچہ آپ ازالہ اوہام ہی میں فرماتے ہیں۔

”اے خائفو اس امت مرحومہ میں وحی کی تالیاں قیامت تک جاری ہیں۔ مگر حسب مراتب ۛ

(ازالہ اوہام ص ۲۲۷)

اور اس سے بھی پہلی کتاب توضیح مرام ص ۱۸۹ پر فرماتے ہیں۔

”اور اگر یہ عذر پیش ہو کہ باب نبوت مسدود ہے۔ اور وحی جو انبیا پر نازل ہوتی ہے۔ اس پر اب چکی  
ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ نہ من کل الوجوہ بابت نبوت مسدود ہوا ہے، اور نہ ہر ایک طور سے وحی پر ہر لگائی گئی ہے۔  
بلکہ جزئی طور پر وحی اور نبوت کا اس امت مرحومہ کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا ہے ۛ

اور اسی صفحہ پر آپ فرماتے ہیں۔

”میں محدث ہوں۔ اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے ۛ

اور محدث کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں۔

” رسول اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے “

اسی طرح کشتی نوح ص ۲۷ کے حاشیہ پر فرماتے ہیں۔

”قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ پیغمبرین کی جان ہے جس دین میں وحی الہی کا سلسلہ جاری نہیں۔ وہ دین مروہ ہے۔ اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔“

اسی طرح اسی صفحہ میں فرماتے ہیں۔

”یہ خیال مت کرو کہ خدا کی وحی آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہے۔ اور روح القدس اب اتر نہیں سکتا، بلکہ پہلے زمانوں میں ہی اتر چکا۔ اور میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں، کہ ہر ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ مگر روح القدس کے اترنے کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ تم اپنے دلوں کے دروازے کھول دو۔ تا وہ ان میں داخل ہو۔ تم اس آفتاب سے خود اپنے تئیں دور ڈالتے ہو، جب کہ اس شعاع کے داخل ہونے کی کھڑکی کو بند کرتے ہو، اے نادان اٹھ اور اس کھڑکی کو کھول دے۔ تب آفتاب خود بخود تیرے اندر داخل ہو جائے گا“

اسی طرح استقواء میں فرمایا ہے کہ۔ ”ان الله سمانى نبياً بوحیه“ کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام اپنی وحی میں نبی رکھا ہے اور اس نام رکھنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری طرف کثرت سے وحی کی اور کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار کیا۔ اور اسی طرح حمامۃ البشریٰ میں بھی اپنی وحی کو پیش کیا ہے۔ اور آپ نے الہام کا لفظ حسب اصطلاح متقدمین بمعنی وحی استعمال کیا ہے۔ جیسا کہ الہام کی تعریف بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔ الہام ایک الفاظ غیبی ہے۔ جس کو نفث فی الروح اور وحی بھی کہتے ہیں مگر اپنی تحریریں ص ۱۷

اسی طرح براہین احمدیہ صفحہ ۲۷ حاشیہ ص ۲۷ میں لکھتے ہیں: لفظ الہام جو اکثر جگہ عام طور پر وحی کے معنوں پر اطلاق پاتا ہے۔ وہ باعتبار لغوی معنوں کے الملاق نہیں پاتا۔ بلکہ الملاق اس کا باعتبار عرف علماء کلام ہے۔ کیونکہ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہو گئی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ وحی کو خواہ وحی رسالت ہو۔ یا کسی دوسرے پر وحی اعلام ہونا لے ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں ۱۸

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف شریعت جدیدہ والی وحی کا انقطاع مانتے ہیں۔ یا اس وحی کا جو کسی مستقل نبی کی طرف ہو جس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا نتیجہ نہ ہو۔ چاہے وہ ایک دو فقرے ہی کیوں نہ ہو اس وجہ سے جہاں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی کے انقطاع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ نزول ماننے والوں کا رد کیا ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ مستقل نبی تھے۔ ان کی نبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں نہیں تھی۔ ورنہ مطلق وحی کے بقاء کا دعوے اور یہ کہ آپ کو وحی ہوتی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تقریباً اپنی ہر کتاب میں لکھا ہے۔

(۷)

کیا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک آپ کی وحی قرآنی وحی کے برابر ہے۔

عجب بات ہے کہ فریق مخالف ایک طرف تو حضرت مسیح موعود کی عبارتوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے۔ اور دوسری طرف آپ کی کتب سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ نعوذ باللہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے بالمقابل اور اس کے ہم مرتبہ بتایا ہے۔

اس نے اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل حوالے پیش کئے ہیں :

(۱) میں خدا تعالیٰ کی عین برس کی متواتر وحی کو کیونکر مد کر سکتا ہوں۔ میں اس کی پاک وحی پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جو مجھ سے پہلے ہو چکیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۵)

(۲) میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں۔ کہ میں ان الہامات پر اس طرح ایمان لاتا ہوں۔ جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتا بوں پر اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اس طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے۔ خدا کا کلام یقینی کرتا ہوں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶)

(۳) میں جیسا کہ قرآن مجید کی آیات پر یقین رکھتا ہوں۔ ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے اس کسی کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں۔ جو مجھے ہوگی۔ اور جس کی سچائی اس کے متواتر نشانوں سے بھر پر کھل گئی ہے۔ اور میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر قسم کھا سکتا ہوں۔ کہ وہ پاک وحی جو میرے پر نازل ہوئی ہے وہ اس خدا کا کلام ہے۔ جس نے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر اپنا کلام نازل کیا ہے۔ (ایک غلطی کا ازالہ)

اب ان تینوں حوالوں کی عبارتوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان عبارتوں میں آپ نے اپنی وحی پر ایمان لانے کا اظہار کیا ہے۔ جس طرح وحی قرآن اور دوسری وحیوں پر۔

پس ان عبارتوں سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی وحی کے منجانب اللہ اور اس کے دخل شیطان سے پاک و منزہ ہونے پر یقین کامل ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

وحی دلیکیرشش کہ منظر گاہ اوست

سے

(مشنوی دفتر ۲ ص ۱۵)

چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست

اور فریق مخالف کا یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو قرآن مجید کے مقابل پریش کیا ہے، اور اس کو قرآن شریف کی مثل قرار دے کر اپنے آپ کو صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ نے کہیں نہیں لکھا۔ کہ میری وحی شرعی اور قرآن کے مثل اور اس کے ہم مرتبہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”خدا تبارک و تعالیٰ کی لعنت ان پر جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ قرآن کی مثل لا سکتے ہیں، قرآن کریم سرایا معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لا سکتا۔ اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم سرگز جمع نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ایسی پاک وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ رحمان کی طرف سے اس کے بعد اور بھی کوئی وحی ہو۔ اور خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم النبیین پر ہوئی۔ ایسی نہ کسی پر پہلے ہوئی اور نہ کبھی آئندہ ہوگی اور جو شان قرآن مجید کی وحی کی ہے۔ وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں۔ اگرچہ قرآن کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے۔ اس لئے کہ قرآن مجید کے معارف و حقائق کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے“ (الہدی ص ۳۲۱)

اور اسی طرح آپ وحیوں کے فرق مراتب کا ذکر کرتے ہوئے نزول مسیح صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں۔  
کلام الہی سے مراد وہی کلام الہی ہے۔ جو زمانے کے لیے تازہ طور پر اترتا ہے۔ اور اپنی خاصیت سے ہمہ اور اس کے ہم نشینوں پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں یقینی طور پر خدا کا کلام ہوں۔ اور ایسا علم طبعاً اس میں اور خدا کے دوسرے کلمات میں جو پہلے نبیوں پر نازل ہوئے من حیث الوحی کچھ فرق نہیں سمجھنا۔ گو دوسرے وجہ سے کچھ فرق ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر آپ نے اپنی وحی کو قرآنی وحی کے تابع و خادم قرار دیا ہے۔ اور قرآن کریم کو مبعوث الخاتم اور آپ کی وحی میں جا بجا قرآنی وحی کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جیسے کہ  
(النجم کلامی القرآن (حقیقۃ الوحی ص ۲۲) الرحمان علم القرآن ص ۲)

اور کل برکت من محمد صلعم فتبارک من علم ومن تعلم۔ یعنی تمام برکات رومانیہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہیں۔ (حقیقۃ الوحی ص ۲)  
اور توضیح مرام ص ۲۵ میں فرماتے ہیں۔

”تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس کو روح امین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک تاریکی سے اس بخشی ہے۔ اور ہر ایک غبار سے خالی ہے۔ اور اس کا نام شدید القوی بھی ہے۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے۔ جس سے قوی تر وحی معصور نہیں اور اس کا نام ذوالانق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الہی کے انتہائی درجہ کی تجلی ہے۔ اور اس کو رای مادی کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور ہمہ دگان سے باہر ہے اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسان کامل ہے۔ جس پر تمام سلسلہ انسانین کا ختم ہو گیا ہے۔ اور دائرہ استعدادات بشریہ کا کمال کو پہنچتا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الہی کے خط ختم کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے۔ جو ارتقاء کے تمام مراتب کا انتہا ہے۔

جس کا نام دوسرے لفظوں میں محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ نہایت تعریف کیا گیا ہے۔

یعنی کمالات نامہ کا مظہر ہو جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ وارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا۔ اور اعلیٰ وارفع مقام محبت کا ملا۔ یہ وہ مقام عالی ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک نہیں پہنچ سکے۔ اس کا نام مقام جمع اور مقام وحدت نامہ ہے۔ (صفحہ ۲۵-۲۶)

(۱) اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھول کر بتا دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا مرتبہ نہایت ہی اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے۔ جو کسی نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ آپ کی وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

اور محض محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے وہ اعلیٰ مرتبہ مکالمہ الہیہ کا اور اجابت دعاؤں کا مجھے حاصل ہوا ہے۔ کہ بخیر سچے نبی کے پیروں کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام ص ۲۷)

اور فرماتے ہیں :-

دینا میں صرف اسلام ہی یہ خوبی اپنے اندر رکھتا ہے کہ وہ بشرط سچی اور کامل اتباع کے ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمات الہیہ سے مشرف کرتا ہے۔ (حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۸)

اور فرماتے ہیں :-

”میں نے اپنے رسول مقتدا سے بالملنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ (حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۲)

اور فرماتے ہیں :-

میں خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں۔ کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں، بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے۔ جس کا روحانی آفتاب میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(حقیقۃ النبوة بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ ص ۲۵)

اور فرماتے ہیں :-

قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے۔ کہ لہم البشرى فی الخیوة الدنیا اور یہ وعدہ ہے کہ ابدا ہم بروح متہ اور یہ وعدہ ہے۔ کہ یجعل لکم فوقانا اس وعدہ کے مطابق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے۔ اور ترجمہ ان آیات کا یہ ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے۔ ان کو بمشرفا میں اور الہام دیئے جائیں گے یعنی بکثرت دیئے جائیں گے یہ ... اور یہ فرمایا کہ کامل پیروی کرتے والے کی روح القدس سے تائید کی جائے گی۔



(ضمیمہ چشم معرفت ص ۱۴۱)

اور فرماتے ہیں :-

”ہماری طرف سے دعویٰ ہے۔ جس کو ہم مقابل ہر فریق کے ثابت کرنے کو تیار ہیں، اور وحی قرآنی اپنی تعلیم اور اپنے معارف و برکات اور علوم میں ہر ایک وحی سے افویٰ و اعلیٰ ہے۔“ سرمد چشم آریہ حاشیہ ص ۱۴۱

اور فرماتے ہیں :-

ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا۔ کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے۔ اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الہی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو قائم الانبیاء ٹھہرایا۔ لہذا قیامت تک یہ بات قائم ہوئی۔ کہ جو شخص سچی پیروی سے اپنا اتنی ہونا ثابت نہ کرے۔ اور آپ کی متابعت میں اپنا تمام وجود مچھو نہ کرے۔ ایسا انسان قیامت تک نہ کوئی کامل وحی پاسکتا ہے۔ اور نہ کامل مہم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مستقل نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی۔ مگر ظل نبوت جس کے مننے ہیں۔ کہ محض فیض محمدی سے وحی پانا وہ قیامت تک باقی رہے گی۔ انسان کی تکمیل کا دروازہ بند نہ ہو۔ اور تاہم نشان دنیا سے مٹ نہ جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت نے قیامت تک یہی چاہا ہے۔ کہ مکالمات و مخاطبات الہیہ کے دروازے کھلے ہیں۔ اور معرفت الہیہ جو مدار نجات ہے۔ مفقود نہ ہو جائے۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۲۸)

اور فرماتے ہیں :-

اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں، اس بے شک نبی کے ذریعہ میں میسر آیا ہے۔ کہ آفتاب ہدایت کی شمع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے۔ اور اسی وقت تک ہم سنوار سکتے ہیں۔ جب تک ہم اس کے مقابل پہنچتے ہیں۔“

اور فرماتے ہیں :-

خدا تعالیٰ نے صدی المتقین میں یہ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ اگر اکی کتاب اور رسول پر کوئی ایمان لائے گا۔ تو وہ مزید ہدایت کا مستحق ہو گا۔ اور خدا اس کی آنکھ ہو جائے گا اور اپنے مکالمات و مخاطبات سے مشرف کرے گا۔ اور بڑے بڑے نشان اس کو دکھائے گا۔“

(حقیقۃ الوحی ص ۱۳۸)

اور فرماتے ہیں :-

”وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں دی گئیں۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے، اس کے قبول پرورد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک

ہیں ہوں جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے۔ اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔  
(حقیقۃ الوحی ص ۲۷)

اور فرماتے ہیں :-

اے نادانو میری مراد نبوت سے یہ نہیں کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں، یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت، مکالمات و مخاطبات الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ (تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

ان تمام حوالوں سے بھی میں سے اکثر انہی کتابوں سے ہیں جن کی عبارتوں پر اعتراض کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی وحی کو سب سے افضل و بزر اور اپنی وحی کو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اور کامل متابعت اور پیروی کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں :-

علاوہ ازیں آپ قرآن مجید پر عمل کرنے کی جماعت کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

”جو لوگ قرآن شریف کو عزت دیں گے۔ وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جاوے گا۔ نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول شیفع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔“

نجات یافتہ کون ہے! وہ جو یقین رکھتا ہے۔ جو خدا پرست ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شیفع ہے۔ اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔“ (کشتی نوح ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۱۱ء)

اور فرماتے ہیں :-

تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بحر قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔ جو بلا واسطہ قرآن نہیں ہدایت دے سکے۔“ (کشتی نوح ص ۱۲)

اور فرماتے ہیں :-

”قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں۔ جو نئے حکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے۔ بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔“ (الوصیت ماشیہ ص ۱۲ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

اور فرماتے ہیں :-

”اور ہم لوگ جو قرآن مجید کے پیرو ہیں۔ اور ہماری شریعت کی کتاب خدا تعالیٰ سے قرآن شریف ہے۔ اس لیے

ہم خدا تعالیٰ سے اکثر عربی میں الہام پاتے ہیں۔ تا وہ اس بات کا نشان ہو۔ کہ جو کچھ ہمیں ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ملتا ہے۔ اور ہم ہر ایک امر میں اسی ذریعہ سے فیضیاب ہیں۔ ”چشمہ معرفت ص ۲۱ مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں ملاحظہ ہو ص ۲۱ اور تجلیات الہیہ ص ۲۵ اور مواہب الرحمن ص ۶۹ وغیرہ۔

جس بگزیہ خدا کے یہ ارشادات ہم کو کیا اس کے متعلق یہ شبہ کہ جانے کی گنجائش ہے۔ کہ وہ اپنی وحی کو قرآنی وحی کے برابر قرار دیتا ہے۔ اس کا فیصلہ عموماً ہر منصف مزاج اور خصوصاً عدالت کے انصاف پر چھوڑ کر کہتا ہوں کہ ان ارشادات پر ہی بس نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود نے اپنی وحی کی صداقت معلوم کرنے کے لیے قرآن کریم کو محکم معیار قرار دیا ہے۔ چنانچہ آئینہ کمالات اسلام کے ص ۱۱ میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرآن شریف آنحضرت صلیم کے بعد قیامت تک تحریف و تبدیل اور کسی خطا کار کی غلطی پیدا کر دینے سے محفوظ ہے۔ نہ وہ منسوخ ہوگا۔ اور نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوگی۔ اور نہ کسی ملہم صادق کا کوئی الہام اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اور جو کچھ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف تفہیم ہوتی ہے۔ یا الہامات نازل ہوئے ہیں۔ ان سب کو میں نے اسی شرط سے قبول کیا ہے۔ کہ وہ سب مسیح اور درست ہیں۔ اور نشانات صداقت بھی ساتھ رکھتے ہیں۔ اور مجھ پر کشفاً یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام الہامات صحیح اور خالص اور قرآن کریم کے مطابق ہیں۔ ان میں کوئی شک نہ ہو۔ شبہ نہیں اور بغیر من مال اگر کوئی الہام خلاف قرآن ہوتا۔ تو ہم اسے ردی نشان کی طرح چھینک دیتے۔“

اور فرماتے ہیں :-

وان القرآن مقدم علی کل شیء و وحی الحکم مقدم علی احادیث ظلیفہ بشرط ان تطابق القرآن وحیہ مطابقت نامہ و بشرط ان تكون الاحادیث غیر مطابقة القرآن مواہب الرحمن ص ۶۹

یعنی قرآن ہر شیء پر مقدم ہے۔ اور حکم کی وحی ظنی احادیث پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وحی قرآن سے مطابقت نامہ رکھتی ہو۔ اور احادیث قرآن کے مطابق نہ ہوں

اور فرماتے ہیں :-

اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا۔ تو آیا نہ قطعیت اللہ تعالیٰ سے ثابت ہوا۔ کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۲۹)

غرض سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں صراحتاً اس امر کا اظہار فرمایا ہے۔ کہ میری وحی قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ ہے۔ اور قرآن مجید کی وحی سب وجہوں سے مرتبہ میں اعلیٰ وارفع ہے۔ اور وہ میری وحی کے لیے محکم اور معیار اور کسوٹی کے طور پر ہے۔ بایں ہمہ کثرت۔ ارشادات

و تفریحات مختاران مدعبہ اور گواہان مدعبہ کا ان سب کے خلاف حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے اپنی وحی کو درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے فزائی وحی کے برابر ٹھہرایا ہے۔ کہنے والوں کو جس مقام پر کھڑا کرتا ہے دیکھنے والے خود دیکھ سکتے ہیں ۛ

## دوسری وجہ تکفیر کا رد

(۱)

جماعت احمدیہ آنحضرت صلم کو خاتم النبیین یقین کرتی ہے۔

دوسری وجہ تکفیر فزائی مخالف نے یہ بیان کی ہے کہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کے معتقدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں اور آنحضرت صلم کو خاتم النبیین یقین کرنا ضروریات دینی میں سے ہے۔ اور جو ضروریات دینی میں سے کسی امر کا انکار کر دے وہ کافر ہے لہذا حضرت مرزا صاحب اور آپ کے تمام معتقدین کافر کوٹھے اما الجواب :-

یہ امر کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کے متبعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں صریح بہتان ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں آنحضرت صلم کے خاتم النبیین ہونے کا بڑی کثرت سے اقرار موجود ہے۔

(۱) چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ انجام آتم ص ۲۱ میں  
”اور اصل حقیقت جس کی میں ملی ٹوس الا شہاد گواہی دیتا ہوں۔ یہی ہے جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خاتم الانبیاء ہیں ۛ

(۲) اور فرماتے ہیں۔ الحکم ۱۷ مارچ ۱۹۰۵ء میں

”اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مجھ پر اور میری جماعت پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے یہ ہم پر افتراء عظیم ہے۔ ہم جس وقت یقین و معرفت اور بصیرت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء مانتے اور یقین کرتے ہیں۔ اس کا لاکھوں حصہ بھی وہ لوگ نہیں مانتے ۛ  
ان کے علاوہ ازالہ اہام ص ۳۱۰ و آئینہ کلمات اسلام ص ۳۸۰ ایام الصلح ص ۸۶ و کرامات الصادقین ص ۲۵ و ایک غلطی

کا ازالہ اور مواہب، الرحمان ص ۶۶ اور حقیقۃ الوحی ص ۲۔ واستفتاء ص ۶۲ سے نہایت صفائی کے ساتھ حضرت اقدس کا آنحضرتؐ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ظاہر ہے۔ اور ان حوالوں کی عبارات، دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ (موسومہ بہ مقدمہ بہاد لپور ص ۳۲ تا ۳۶)

میردامع رہے کہ کوئی شخص جماعت احمدیہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیعت کے وقت وہ آنحضرتؐ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا صدق دل سے اقرار نہ کرے۔ جیسا کہ بیعت، فارم کے فقرہ آنحضرتؐ وسلم کو خاتم النبیین یقین کروں گا سے ثابت ہے پس یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتی۔ قطعاً نودو باطل ہے۔

## بحث خاتم النبیین

(۲)

### جميع مسلمان آنحضرت صلم کے بعد ایک نبی کا آنا مانتے ہیں۔

مختار مدعیہ اور گواہان نے آنحضرت صلم کے بعد باب نبوت کو مسدود و قبات کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت خاتم النبیین پیش کی ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ لفظ خاتم ہمیشہ عربی زبان میں صرف آخر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۰ اگست کو جواب جرح اس بات کی تصریح کی ہے کہ جو شخص ختم کے معنی آخر کے سوا کچھ اور کرتا ہے۔ وہ کافر ہے مگر دوران جرح میں ہی جب الہ سے دریافت کیا گیا کہ زبان عرب کے کوئی معاوہ پیش کرو جس میں خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہو اور پھر اس کے معنی آخری فرد کے لئے گئے ہوں تو وہ کوئی ایک مثال بھی پیش نہیں کر کے ہاں انہوں نے صرف ایک حوالہ شہتی الارب اور لسان العرب کا پیش کیا ہے جس میں لکھا ہے۔ خاتم القوم آخر ہم۔ سو اس کا مفصل جواب میں آگے چل کر لفظ آخر کی بحث میں دوں گا کافی الحال یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر خاتم النبیین کے معنی یہی ہیں جیسا کہ مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے کئے ہیں کہ آپ کے بعد کسی قسم کا بھی نبی نہیں ہو سکتا تو یہ معنی تمام مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہیں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ کا انابجیثیت نبی کے مانتے ہیں، جیسا کہ گواہ مدعیہ نے ۳۱ اگست کو جواب جرح پر تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور تقریباً جمیع قائلین نزول مسیح علیہ السلام کا یہی اعتقاد ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ نبی ہوں گے چنانچہ بیان گواہ مدعا علیہ ص ۱۷۱ کلام سے اس کے متعلق ائمہ کے اقوال نقل کر لئے گئے ہیں اب میں امام ملا علی قاری کا قول جو حنفی علماء میں ایک نہایت ہی جلیل القدر عالم میں پیش کرتا ہوں۔

فمن قال بسلب نبوته كفر حقا كما صرح به الامام السيوطي فان النبي لا يذنب هب عنه  
وصفت النبوة ولا بعد موت واما حديث لا وحى بعدى باطل لا اصل له نعم ورد لا نبى  
بعدى ومعناه عند العلماء انه لا يتحدث بعده نبى بشرع ينسخ شرعه -

(كتاب الاشاعت لاشرائط الساعته ص ۲۲۶)

یعنی جس شخص نے کہا کہ مسیح علیہ السلام مسلوب النبوة ہو کر آئیں گے تو وہ یقیناً کافر ہو گیا جیسا کہ امام سیوطی نے  
اس امر کی تصریح کی ہے کیونکہ نبی سے اس کی موت کے بعد بھی دعوت نبوت، زائل نہیں ہو جاتا اور یہ حدیث کہ میرے بعد  
وحی نہیں ہے اطل اور بے اصل ہے ہاں لابی بعدی آیا ہے۔ اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ نہیں کہ آپ کے  
بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہو گا جو الہی شریعت، الائے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلت منسوخ ہو جائے اور  
ص ۲۲۶ میں مسیح پر بعد نزول وحی بذریعہ جبرئیل مان کر یہ امر واضح کر دیا ہے کہ وہ نبی ہوں گے جس کو خاتم النبیین میں التبیین  
سے مراد ہر قسم کے نبی میں تو حضرت عیسیٰ بھی دوبارہ نہیں آسکتے اگر کہو کہ نئے نبی کا آنا منع ہے۔ پرانے کا نہیں تو ہم  
بڑے ادب سے عرض کریں گے کہ اگر انبیاء سے پرانے نبیوں کا استثناء ہو سکتا ہے تو اس طرح ایک امتی غیر شرعی  
نبی کا استثناء بھی ہو سکتا ہے۔

خاتم النبیین سے کیا مراد ہے۔

(۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لفظ خاتم سے کیا سمجھے

گو اہل مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں حدیث لوعاش ابراہیم لکاردہ صدیقہ انبیاء کی بنا پر یہ ثبات کیا ہے  
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت خاتم النبیین سے ہر قسم کی نبوت کا خاتمہ نہیں سمجھے، ورنہ آپ آیت خاتم النبیین  
کے نزول پر پانچ سال گزر جانے کے بعد اپنے صاحبزادے ابراہیم کے حق میں قطعاً یہ نہ فرماتے کہ اگر وہ زندہ  
رہتے تو نبی ہوتے۔ مختار مدعیہ نے اس حدیث پر دو قسم کی جرح کی ہے۔

(۱) لو جس چیز پر داخل ہوتا ہے اس کا وقوع میں آنا محال ہوتا ہے جیسے آیت لو کان فیہما  
الہما الا اللہ میں کہ متعدد خداؤں کا ہونا محال ہے اور گواہ مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو  
بجواب جرح تسلیم کیا ہے کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے وقوع نہیں ہوتا۔

(۲) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان بن شیبہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور ثقہ نہیں ہے اور متروک الحدیث ہے۔

(۳) یہ حدیث باعتبار معنی مثبت مدعا نہیں کیونکہ بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۱۴ میں ابن ابی ادنیٰ سے نقل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ حضور کے بعد نبی نہیں ہو سکتا فلذالک مات پس اس لیے مر گیا پہلے شیبہ کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ ایک وقت میں شرط ہو کا وقوع بوجہ گزشتہ زمانہ میں وقوع نہ ہونے کے محال ہوتا ہے لیکن آئندہ زمانہ کو مد نظر رکھتے ہوئے شرط اور جزا دونوں کا وقوع جائز و ممکن ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔  
لوانھم صبروا حتی یتخرج الیھم لکان خیرا لھم (سورہ ہجرات ع) کہ اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو خود ان کے پاس باہر آتا تو یہ ان کے لیے مناسب اور بہتر اور باعث خیر و برکت تھا۔

اسی طرح اس حدیث میں یہ مذکور ہے۔ لو عاش لا عتقت اخوالہ من القبط کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کے قبلی ماموں آزاد کئے جاتے اور دوسری حدیث میں ہے۔ لو عاش ابراہیم صادق بہ خال (ابن ماجہ) اگر ابراہیم زندہ رہتا تو اس کا کوئی ماموں غلام نہ ہوتا تو اب ظاہر ہے کہ بوجہ شرط جواب بشرط کا وجود بالکل جائز اور ممکن تھا ورنہ اس فقرے کے کوئی معنی نہیں تھے۔ پھر جب کسی شخص کی مدح کرنی مراد ہو اور اس کی فضیلت کا اظہار مقصود ہو تو محال اور ناممکن الوقوع امر سے فضیلت کا اظہار کرنا بالکل عبث اور بے معنی ہے اور کسی کی فضیلت تنبیی ظاہر ہو سکتی ہے جب کہ جواب بشرط ممکن الوقوع ہو مثلاً جب ہم یہ کہیں کہ لو عاش زید کلان مابعدہ کہ اگر زید زندہ رہتا تو بہت بڑا عالم ہوتا یہ قول زید کے لیے اس وقت نعمتی بن سکتا ہے جب کہ پہلے تو ابغ (یعنی اعلیٰ درجہ کے علماء) کا وقوع ممکن تسلیم کیا جائے ورنہ یہ قول باطل اور بے معنی ہوگا اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماتا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق نبی ہوتا اسی حالت میں درست ہو سکتا ہے کہ آپ کے بعد نبوت کے وقوع کا امکان تسلیم کیا جائے ورنہ اس قول کے کچھ معنی نہیں ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے کہ حضور کی طرف ایسے قول کی نسبت دی جائے جو بالکل بے معنی ہو اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعیہ نے ۸ مارچ کو جواب جرح تسلیم کیا ہے۔ کہ لو جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا یہ ایک صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ کے الفاظ یہ ہیں: جس چیز پر لو داخل ہوتا ہے۔ اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا نہ یہ کہ کسی جگہ میں وقوع ممکن نہیں ہوتا۔

دوسرے شبہ کا جواب :-

مختار مدعیہ نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے اس کے ایک راوی ابراہیم بن عثمان کو ضعیف

قرار دیا ہے اور بحوالہ ازالہ اوہام ص ۲۲۱ کہا ہے کہ مجروح حدیث لائق قبول نہیں ہوتی حالانکہ ابراہیم بن عثمان پر یہ حکم لگانا کہ اس کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور قابل اعتماد نہیں ہیں صحیح نہیں ہے کیونکہ جو جو الاختیار مدعیہ نے اسے ضعیف ثابت کرنے کے لیے یزان لا اعتدال سے پیش کیا ہے کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ شہر واسط کے قاضی تھے اور شعبہ نے اسے اس روایت کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا ہے کہ اس نے حکم سے ہدایت ابن ابی سلیمان یہ بیان کیا کہ ضعیف ہیں ۷۰ صحابی جو جنگ بدر میں شامل ہوئے تھے۔ شریک ہوئے۔

مصنف کہتا ہے کہ میں نے (تعجب سے) بحان اللہ کہا۔ کیا حضرت علی اور حضرت عمار صغیر میں شامل نہیں ہوئے اور وہ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔ پس شعبہ نے جس وجہ سے ابراہیم کی تکذیب کی تھی مصنف نے خود اس کا رد کر دیا پھر لکھا ہے کہ عثمان الدارمی نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں اور اس کے ثقہ نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی اور احمد نے اسے ضعیف کہا ہے امام بخاری نے کہا ہے ”سکتوا عنه“ کہ محدثین اس کے بارے میں خاموش ہیں اور امام مسلم نے متروک الحدیث کہا ہے۔ یہ اختلاف صاف بتا رہا ہے کہ یقینی طور پر اس کے کاذب یا ضعیف ہونے کی کسی کے پاس دلیل نہیں ہے اور تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر العسقلانی اس کے متعلق فرماتے ہیں:-

وقال عباس الدوري عن يحيى بن معين قال قال يزيد بن هارون ما قضي على الناس رجل اعدل في قضاء منده وقال ابن عدي له احاديث صالحة وهو خير من ابي حنيفة -

(تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۱۲۱)

یعنی عباس الدوري نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ یزید بن ہارون نے کہا کہ اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کیے اور ابن عدی نے کہا کہ اس کی نہایت اچھی حدیثیں بھی ہیں اور وہ البخاری سے بہتر ہے۔

مختار مدعیہ نے کہا تھا کہ ابن معین چونکہ اس فن کے ماہر ہیں اور عثمان دوري نے ان سے اس راوی کا ضعیف ہونا نقل کیا ہے اس لیے یہ حدیث قابل اعتبار نہیں مگر ابن معین نے ہی اس کے تضاد میں عادل ہونے کے متعلق یزید ابن ہارون سے نقل کیا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے زمانہ میں نہایت مصنف قاضی فہم تودہ شخص جو (نعوذ باللہ) جھوٹ حدیثیں بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کرے وہ عادل قاضی کیسے ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاضی تھے اور فیصلہ کرتے وقت کسی کی رعایت نہیں کرتے تھے اس لیے ان کے مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے واسطے وضعی حدیثیں ان کی طرف منسوب کر دی ہوں تو کوئی



بعید امر نہیں ہے پھر ابن عدی جو فن جرح اور تعدیل کے ماہرین سے ہیں اور انہوں نے اس فن میں ایک نہایت عمدہ کتاب بھی لکھی ہے جس کے متعلق علامہ ذہبی کہ یہ رائے ہے۔ (دلائل احمد بن عدی کتاب الکامل هو اکمل الكتب و اجلها فی ذالک۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ ص ۱۲۱)

ابن عدی کی ایک کتاب کامل ہے جو اس فن جرح و تعدیل میں سب کتابوں سے اکل اور اجل ہے۔ ان کی اس راوی کے متعلق یہ رائے ہے کہ ان سے نہایت معتبر اور اچھی حدیثیں بھی مروی ہیں تو اب کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک خاص حدیث کو صرف اس وجہ سے غیر معتبر یا ضعیف قرار دے کہ اس کا راوی ابراہیم ہے جب تک کہ دوسرے قرائن سے اس حدیث کا وضعی اور ضعیف ہونا ثابت نہ کرے۔  
یہ حدیث صحیح ہے۔ ۱۔

اس حدیث کی صحت بڑے بڑے علماء نے تسلیم کی ہے چنانچہ شہاب علی البیضاوی کی جلد ۷ ص ۱۱۱ میں اس حدیث کے متعلق صاف طور پر لکھا ہے۔

”أقول أما صحة الحديث فلا شبهة فيها لأنه رواه ابن ماجه وغیره كما ذكره ابن حجر“

یعنی اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ اور اس کے سوا دوسروں نے بھی یہ روایت کی ہے جیسا کہ ابن حجر نے اس امر کا ذکر کیا ہے۔

مختار مدعیہ کہتا ہے کہ شہاب ہمیں مسلم نہیں لیکن مسلم نہ ہونے کی وجہ کوئی بیان نہیں کی دراصل بات یہ ہے کہ مختار اصل میں شہاب سے ناواقف ہے کہ وہ کون ہیں اگر وہ واقف ہوتا تو غیر مسلم ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھاتا کیونکہ ان کی کتاب شرح الشفاء للنفجانی کے حوالے خود گواہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں اور عنایت القاضی جس کا یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ انہی کی تصنیف ہے اور ان کا نام احمد بن محمد ہے مصر کے باشندے اور حنفی المذہب تھے اور ذاتی العضاۃ تھے اور شہاب الدین النفجانی کے لقب سے ملقب تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے جو بات کہی ہے وہ بالکل صحیح ہے اور ابن حجر عسقلانی نے جو حافظ حدیث ہیں ان کے قول سے سند پکڑتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے اس لیے مختار مدعیہ کا قول کہ شہاب کا حوالہ غیر مسلم ہے بالکل قابل التفات نہیں ہے۔

(۲)۔ پھر ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں اس حدیث کے موضوع ٹھہرانے والوں کو جواب دے کر لکھا ہے  
”لہ طرق ثلاث یقوی بعضها ببعض (موضوعات کبیر ص ۱۷۹) کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور یتین طریق سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں اور پھر اس حدیث کی صحت پر

عذر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہونے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں (کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ آنحضرت مسلم کے بعد امتی ہو کر نبی ہوں گے) پھر اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کہ ابراہیم کا نبی ہو جانا یا حضرت عمرؓ کا نبی ہو جانا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے خلاف نہ ہوتا کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ اسہ لایا قی نبی بعدہ نیست مطلقہ ولم یکن من امتہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو پھر ایک دوسری حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:-

ولا یخفی انہ لا یستلزم من کون احد الرواة متروکا کون الحدیث موضوعا لا سیمّا اذا جاء الحدیث من طریق آخر بل وتعدد طرقہ (مرقاۃ ص ۵۷)

اور یہ امر مخفی نہیں کہ ایک راوی کا متروک الحدیث ہونا اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ وہ حدیث بھی موضوع ہو خصوصاً اس حالت میں جب کہ وہ حدیث دوسرے طریق سے مروی ہو بلکہ متعدد طرق سے روایت کی گئی ہو جیسے کہ حدیث متنازعہ فیہ متعدد طرق سے روایت ہوئی ہے۔ (۳) امام ملا فاریجی نے اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کے لیے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے۔

قال النودی فی تہذیبہ واما ما روى عن بعض المتقدمین حدیث لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً - فباطل وجسارۃ علی الکلام بالمغیبات ومجترفة و هجوم علی عظیم -

کہ علامہ نودی نے اپنی کتاب تہذیب میں کہا ہے کہ یہ حدیث جو بعض متقدمین سے مروی ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو وہ نبی ہوتے باطل ہے اور امور غیبیہ کے اظہار پر تجارت اور اکل بچو بات کہنا ہے اور ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔ ابن عبد البر کا قول ہے۔ لکھا ہے۔

ولا ادری ما هذا فقد ولد نوح غیر نبی ولو لم یلد الانبیاء لکان کل احد نبیاً لابند من ولد نوح انتہی -

میں نہیں سمجھتا کہ یہ حدیث کیسی ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کے بیٹے ایسے بھی تھے جو غیر نبی تھے اور اگر اس کا ہر ایک بیٹا نبی ہوتا تو ہر ایک شخص نبی ہوتا کیونکہ وہ نوح کی اولاد کے ہیں۔

ان دونوں اعتراضوں کے رد میں لکھا ہے۔

قال شيخ مشايخنا العلامة الرباني الحافظ ابن حجر العسقلاني في الاصابة  
وهذا عجيب من النودى مع درودة عن ثلاثة من الصحابة ولا  
يظن بالصحابي ان يهجم على مثل هذا بظنه قلت مع انهم  
لم يقولوا موقوفاً بل استدوه مدفوعاً كما بئنه خاتمة الحافظ  
السيوطي باسانيده في رسالة عليحدة مع ان من القواعد المقررة  
في الاصول ان موقوف الصحابي اذا لم يتصور ان يكون من راي  
فهو في حكم المرفوع فانكار النودى كابن عبد البر الذالك اما لعدم  
اطلاعها او لعدم ظهور التأويل عنهما ۛ ۛ ۛ

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۳۹۵)

کہ ہمارے مشائخ کے شیخ علامہ ربانی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابع میں لکھا ہے کہ نودی عام سے اس  
قسم کی بات کا صدور عجیب بات ہے کیونکہ یہ حدیث میں صحابیوں سے مروی ہے اور صحابی پر یہ ظن نہیں کیا جا  
سکتا کہ وہ اپنے گمان سے ایسے امر کا ارتکاب کرنے پر جرات کرے لیکن میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو بیان کرنے  
والوں نے موقوف نہیں بیان کیا بلکہ اس کو سند کے ساتھ مرفوع بیان کیا ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے  
ایک مستقل رسالہ میں اس کی تمام سندیں ذکر کی ہیں ۛ

اصول حدیث میں ثابت شدہ قواعد سے یہ بات بھی ہے کہ صحابی کی موقوف حدیث جب کہ اس کا رائے  
سے ہونا غیر منصوص ہو تو وہ مرفوع کے حکم میں ہوگی۔ پس نودی کا ابن عبد البر کی طرح اس حدیث کی صحت سے  
انکار کرنا یا توازن دونوں کے عدم اطلاع کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ ان پر اس حدیث کی تاویل ظاہر  
نہیں ہوئی پس اس حوالہ سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور مرفوع متصل ہے متاخر  
مدعیہ یہ نہ کہہ سکے کہ حدیث مرفوع متصل کے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں اور اس حوالہ سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ  
حافظ ابن حجر عسقلانی بھی جو فی حدیث کے ماہرین سے ہیں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہیں پس یہ حدیث فی نفسہ  
مجروح نہ رہی

(۴) فرق مخالف نے جو قول اپنی تائید میں ابن ابی ادوی صحابی کا پیش کیا ہے کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے  
لیکن وہ باقی نہیں رہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ یہ قول دلیل ہے۔

اس بات کی کہ حدیث لومعاش ابراہیم مکان صدیقاً نبیاً صیح ہے۔ ورنہ یہ خیال کیسے پیدا ہو سکتا تھا کہ ابراہیم اگر زندہ رہتے تو نبی بننے کیونکہ نبی کی اولاد سے ہونا نبی ہونے کو مستلزم نہیں ہے پس صحابی کو ان کی نبوت کا خیال بھی ہو سکتا ہے جب کہ ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہوتی کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہوتے پس عبداللہ ابن ادنیٰ کا قول خود اس حدیث کی صحت ثابت کر دیا ہے۔ چنانچہ ابن عامر نے ابن ابی ادنیٰ سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۱

تیسرے شبہ کا جواب ۱۔

علم حدیث سے واقف شخص پر مخفی نہیں ہے کہ فہم صحابی حجت نہیں ہے اور نہ ہی اس کا قول حجت ہو سکتا ہے جب کہ اس کے مخالف دوسرے صحابی کا قول بھی موجود ہو کیونکہ صحابی فہم قرآن و حدیث میں غلطی کر سکتا ہے۔ مثلاً نافع سے روایت ہے کہ اس نے کہا۔ (کان ابن عمرو يقول والله ما اشك ان المسيح الدجال ابن صباد)۔ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۴۷)

کہ حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ بخدا مجھے اس میں ذرہ شک نہیں کہ ابن صباد ہی المسیح الدجال ہے۔ حالانکہ ان کا یہ سمجھنا درست نہ تھا اس طرح انس بن مالک سے روایت ہے کہ جب آیت یٰٰ اٰیہا الذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی نہ اترتی تو ثابت بن قیس اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ گئے اور کہنے لگے کہ میں تو دوزخی ہوں آنحضرت نے سعد بن معاذ سے ان کے متعلق دریافت کیا کہ ثابت کو کیا ہوا کیا وہ بیمار ہو گئے ہیں تو سعد نے جواب دیا کہ وہ تو میرے ہمسایہ ہیں مجھے تو ان کی بیماری وغیرہ کا کوئی علم نہیں پھر سعد نے ان سے یہ ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔ انزلت ہذا الایۃ ولقد علمتم انی عن ارفعکم صوتاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانا من اهل النار۔ (مسلم جلد ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ مجتہبی)

یعنی یہ آیت اناری گئی جس میں یہ حکم ہے کہ تم اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کیا کرو ورنہ اعمال کے ضبط ہو جانے کا خطرہ ہے اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے بلند آواز ہوں تو یقیناً میں اہل نار سے ہوں سعد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں یہ حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اہل جنت سے ہے۔ پس ثابت نے جہالت کا مفہوم سمجھا دیا صیح نہیں تھا۔

اسی طرح اور بہت سی ایسی مثالیں امادیت میں پائی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ صحابہ سے آیات و احادیث کا اصل مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو جاتی تھی پس ابی ادنیٰ کا یہ فہم کہ ابراہیم اس لیے زندہ نہ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قوم کا کوئی نبی نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ جبکہ ان کے اس مفہوم کے خلاف حضرت عائشہ کا قول بھی موجود ہے

اور اگر یہ وجہ کہ وہ اسی لیے وفات پا گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تھا صحیح تسلیم کی جائے تو پھر اس سے بہ مراد لینا زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ کے بعد نبی نہ ہونے سے مراد آپ کی وفات کے بعد منسل نبی ہونا ہے۔ اور اس طرح اس قول اور حضرت عائشہؓ کے قول میں مطابقت بھی ہو جائے گی اور نیز بخاری کی حدیث کا منت بنو اسرائیل تسوسو سہمہ الا ندباء اذا هلك نبی خلفہ نبی کے خلاف بھی نہ ہوگا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد منسل کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلافت موعودہ کا سلسلہ جس کی مدت ایک دوسری حدیث میں آپ نے تیس بیان فرمائی ہے شروع ہوگا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہرگز یہ منشاء ظاہر نہیں ہوتا جو ابن ابی اوفیؓ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوعاش ابراہیم لکان صدیقاً ندباً ابراہیم کی وفات کے بعد فرمایا: تاخا ہر ہو کہ ابراہیم میں کمالات نبوت، حاصل کرنے کی استعداد موجود تھی اور اگر زندہ رہتے تو صدیق نبی بن جاتے۔ لیکن اب موت اس مقام کو حاصل کرنے میں روک ہو گئی ہے اور اگر اس قول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک اس امر کا اثبات ہو تا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو آپ اس طرح فرماتے لوعاش ابراہیم لکان ندباً کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ بھی رہتا تو باوجود استعداد حصول کمالات نبوت رکھنے کے وہ ہرگز نبی نہ ہوتا۔ پس یہ کمالات اس وقت کمالات مدحیہ ہو سکتے ہیں جب کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی غلامی اور آپ کی اتباع میں تمام نبوت مل سکتا ہے ۱

## صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاتم النبیین سے کیا سمجھے

اس کے متعلق ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱

فختم مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں مریخ غلط بیانی کی ہے کہ گواہان مدعیہ نے خاتم النبیین کی تفسیر میں ۶۴ صحابہ سے زائد کے آثار ابن جریر کی تفسیر میں سے پیش کیے ہیں۔ حالانکہ ان آثار کا نہ تو ذکر ابن جریر میں خاتم النبیین کی تفسیر میں ہے اور نہ گواہان مدعیہ نے پیش ہی کیے ہیں اور نہ تمام صحابہ کا اس پر کہ آپ کے بعد کوئی امتی نبی نہ آئے گا اجماع ہی ہوا ہے جیسا کہ بحث اجماع میں بیان کیا جائے گا اور گواہان مدعا علیہ کی طرف سے جو حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا قول پیش کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق فختم مدعیہ نے گیارہ اکتوبر کی بحث میں یہ جرح کی۔

(۱) گواہان مدعا علیہ نے ۸ مارچ کو یہ تسلیم کیا کہ صحابہ تفسیر میں غلطی کرتے تھے اس لیے حضرت عائشہؓ نے ایسا سمجھنے میں غلطی کی لیکن گواہان مدعا علیہ کے سمات کی بنا پر یہ جواب ہے۔

مختار مدعیہ کے نزدیک صحابہ غلطی نہیں کرنے تھے اور گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت عائشہؓ نے یہ تفسیر صحیح کی ہے اس لیے فریقین کو اس تفسیر کی صحت میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے اقوال درمستور سے نقل کئے گئے ہیں اور گواہ مدعا علیہ نے اسے درمستور کے متعلق جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ اس کے نزدیک اس میں رطب دیا بس ہے۔ اس لیے یہ دونوں قول غیر مسلم ہونے چاہئیں۔

جواب :-

چونکہ یہ دونوں قول گواہان مدعا علیہ کے نزدیک بوجہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے موافق ہونے کے صحیح ہیں، اور مختار مدعیہ کے نزدیک درمستور میں یا بس کوئی چیز نہیں سب رطب ہی ہے اس لیے فریقین کے نزدیک یہ دونوں قول صحیح ہیں۔

(۳) سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں نہ کسی معتبر حدیث کی کتاب سے نقل کی ہے اور اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول لا نبی بعدی سے ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ کا یہ قول کہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح نہیں بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اور اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے جن کی سند بھی ہے نکالا ہے اور ترمذی، معجم البحار میں بھی (جس کے متعلق شاہ عبدالغفری صاحب نے بحالہ نافعہ میں لکھا ہے کہ شکل احادیث کی شرح اور توضیحات بیان کرنے کے لحاظ سے معجم البحار دوسری کتابوں سے مستغنی کر دینے والی کتاب ہے) حضرت عائشہؓ کا مذکورہ بالا قول صحیح سمجھ کر درج کیا گیا ہے اور پھر اس کی حدیث لا نبی بعدی سے مطابقت کر کے دکھائی گئی ہے۔ اور اگر یہ قول جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بسند صحیح ثابت نہ ہو تو اس صورت میں اول تو اس کو درج کرنے کی ضرورت نہ تھی دوسرے اگر درج کیا تھا تو ضعیف اور موضوع کہہ کر رد کر دیا جاتا مگر وہ نہیں کیا گیا بلکہ مولف معجم البحار نے اسے صحیح سمجھ کر حدیث "لا نبی بعدی" سے اس کی تطبیق کی اور بتایا کہ اس قول اور حدیث لا نبی بعدی میں جیسا کہ مختار مدعیہ نے بھی کہا ہے کوئی تنازع نہیں کیونکہ لا نبی بعدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مطلب لیا ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں ہے جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے

(۴) حضرت علیؓ کے اس قول کی تائید کہ خاتم زبر سے پڑھاؤ زبر و زبر سے معنی میں کوئی فرق نہیں آتا گواہان مدعا علیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ اہتمام اس لئے تھا کہ غلط عقیدہ پیدا نہ ہو لیکن باوجود اس کے حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادے کا ایک قول بھی ایسا نہیں جو احمدی حضرت کی تائید کرتا ہو

جواب :-

لفظ خاتم کے معنوں کی تحقیق اور خاتم کے کبر التاء اور بفتح التاء میں جو معنوی لحاظ سے فرق ہے وہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱ اور حضرت علیؓ عنہ کا یہ قول جی کو مخاطب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الا انہ لابی بعدی فرمایا تھا۔ احمدیوں کی تائید کرتا ہے اس کے بعد حضرت علیؓ یا آپ کے صاحبزادے کے اس قول کے مخالفت کوئی قول نہیں کرتا تو مختار مدعیہ یا گواہان مدعیہ کا فرض تھا نہ گواہان مدعا علیہ کا کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے لیے تو اس روایت کا ذکر کر دینا کافی تھا جس سے کہ حضرت علیؓ اور آپ کے صاحبزادوں کا مذہب خاتم کے معنوں کے بارہ میں ظاہر ہے۔

### سلف صالحین خاتم سے کیا معنی سمجھے

اس عنوان کے ماتحت گواہان مدعا علیہ نے پندرہ حوالے پیش کئے تھے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی صاحب شرع جدید نہیں آسکتا اور ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع اور آپ کی شریعت کا جو اپنی گردن پر رکھنے والا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے۔ مختاران مدعیہ نے ان اقوال پر جو جس طرح ۹ ر ۱۱ رکنزبر کو کی ہے وہ مع جواب ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(۱) گواہ مدعا علیہ ۱ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ صحیح احادیث تکلفی ہوتی ہیں اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہونا ہے اور یہاں بھی عقائد کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اس میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ اگر ان کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب :-

مختار مدعیہ نے اپنے اس قول سے اس اصل کو تسلیم کر لیا ہے کہ عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے اور علماء اور ائمہ کے اقوال قطعیات میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی یا ان کی تفہیم کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا اس لیے جو حوالجات معسریں اور دیگر نبرہوں کے گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کئے ہیں اور ان کی بنا پر مدعا علیہ کی تکفیر کی ہے وہ قابل التفات نہیں ہیں۔ اس لیے کسی آیت کی تفسیر میں اختلاف کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا گواہان مدعا علیہ نے سلف صالحین کے اقوال کو اپنی تائید میں اس لیے پیش کئے ہیں کہ گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النبیین کے کیے ہیں وہ سلف

صالحین کے معنی کے خلاف ہیں اور اگر گواہان مدعیہ کے معنی سے اختلاف کرنے کی وجہ سے کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے تو یہ تمام علماء دائرہ بھی کافر قرار پائیں گے اور صحیح احادیث بھی طنی ہوتی ہیں۔ اور عقائد میں طلعیات کا اعتبار ہوتا ہے یہ میں ہی نہیں کہتا بلکہ آپ کے مسلم بزرگ مولوی خلیل احمد انہوٹوی بھی لکھتے ہیں ”بولف خود مقرر ہے کہ اعتقادات میں روایات متضاد معتبر نہیں بندہ کہتا ہے کہ احاد صحاح میں معتبر نہیں چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے پس یہ روایات ہرگز معتبر نہیں۔“ (برہین قاطعہ ص ۹۶)

## موضوعات کبیر کا حوالہ !

امام ملا علی قاری نے جو حنفی فرقہ کے بہت بڑے امام ہیں اپنی کتاب موضوعات کبیر ص ۶۹ میں خاتم النبیین کے معنوں کی بابت یہ لکھا ہے۔ ۱۵۱ المعنی انه لا یاتی بعدہ بنی ینسخ ملتہ و لدھ یکن من امتہ اور اس کے معنی گواہ مدعیہ نے ۲۵ اگست کو جواب جرح یہ لکھوائے ہیں ”یہ قول کہ اگر اہل ایم زندہ رہنے تو نبی ہو جاتے تو پھر بھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہوتے اور آپ کی اتباع میں نبی بنتے۔ جیسے علی و خضر و الیاس علیہم السلام اور یہ بات قول خاتم النبیین کے خلاف نہیں کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو اور اسی گواہ نے انہیں باوجود خاتم النبیین کے یہ معنی کرنے کے مسلمان تسلیم کیا ہے۔“

مختار مدعیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی کا مسلم ہونا اور چیز ہے اور اس کی کتب کا مسلم ہونا اور چیز یعنی ملا علی قاری کا مسلمان ہونا اور امام ہونا تو مسلم ہے لیکن ان کی کتب کا مسلم ہونا مسلم نہیں مختار مدعیہ نے حضرت ملا علی قاری کی کتب کو جو غیر مسلم کہا ہے تو اس کے یہ معنی نہ سمجھ لئے جائیں کہ وہ من کل الوجوہ غیر مسلم ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسی وقت غیر مسلم ہیں جب کہ ان کا کوئی قول مختار مان مدعیہ اور گواہان مدعیہ کے خلاف ہو لیکن اگر کوئی قول ایسا مل جائے جو ان حضرات کے خیال میں ان کی تائید کرنا ہو تو پھر ملا علی قاری کی کتب بڑے دھڑلے سے مسلم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ گواہان مدعیہ نے جب شرح فقہ اکبر اور شرح شفا کے حوالے پیش کئے ہیں تو وہ مسلم تھیں کہ وہ حوالے اپنے موافق معلوم ہوتے تھے لیکن جب انہیں کی کتب سے ایسے حوالے پیش کئے گئے جو مختار مدعیہ کو اپنے خلاف نظر آئے تو موصوف کی کتب غیر مسلم ہو گئیں چلو اگر تمہارے نزدیک ان کا یہ قول غیر مسلم ہے۔ اور جیسا کہ گواہ مدعیہ نے ۲۰ اگست کو بجواب جرح یہ کہا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں۔ نبوت کو بند کرنے والا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کسی



قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اگر کوئی شخص ان معنوں کے سوا ختم نبوت کے کوئی اور معنی کرے تو وہ یقیناً کافر ہوگا۔ ان پر نبی کفر کا فتویٰ لگائیں اور پھر انہیں مسلمان بلکہ امام سمجھنے والے تمام حنفیوں کو کافر و مرتد سمجھیں اور ان کے نکاحوں پر فسخ ہونے کا فتویٰ لگائیں۔ مختار مدعیہ نے اس حوالہ کے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ موضوعات کبیر کوئی عقائد کی کتاب نہیں دوسری کتابوں شفا اور شرح فقہ اکبر وغیرہ میں انہوں نے مسلمانوں کا سا عقیدہ ظاہر کیا ہے یعنی چونکہ موضوعات عقائد کی کتاب نہیں اس لیے انہوں نے یہاں کفر یہ عقیدہ لکھ دیا (معاذ اللہ) بیٹے! انہوں نے جو شفا اور شرح فقہ اکبر میں جو لکھا ہے۔ وہ اس کے مخالف نہیں کیونکہ انہوں نے لابی بعدی کے معنی یہی کئے ہیں کہ آپ کے بعد ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا نسخ ہو نہیں آسکتا۔ اور صرف یہی نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف ان معنوں کی نسبت دی ہے بلکہ فرماتے ہیں۔

”دما حدیث لا دوحی بعدی باطل لا اصل لہ نعم دود لا نبی بعدی  
ومعنا لا عند العلماء انہ لا یحدث بعدہ نبی بشروع ینسبم شرع۔“  
(کتاب الاشاعت لاشرائط الساعة ۲۲۷)

یعنی حدیث لا دوحی بعدی باطل اور بے اصل ہے۔ ہاں لابی بعدی آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک (جہلاء کے نزدیک نہیں) یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا جو نبی شریعت لانے اور آپ کی شریعت منسوخ کرے اس لئے جہاں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی نہ ہوگا تو اس سے مراد ایسا ہی نبی ہے۔ جو نسخ شریعت محمدیہ ہو۔ جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں قولوں سے ظاہر ہے۔

(۳) - مختار مدعیہ نے اس کے متعلق یہ کہا ہے۔ جب مرزا صاحب کے اپنے اقرار سے اور قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی امتی نہیں ہو سکتا اور عقل کے بھی خلاف ہے تو حلا علی قاری کے حوالہ کے یہ معنی کیسے لیے جاسکتے ہیں۔ حلا علی قاری کے نزدیک امتی سے مراد محض حضرت عیسیٰ ہے۔ مفہوم کلی ادا کر کے اس سے مراد جزئی ہے۔ جیسا کہ حقیقت النبوة ص ۲۳۹ میں بعض افراد سے جو مفہوم کلی مراد جزئی صرف مسیح موعود لی گئی ہے۔

جواب :-

مختار مدعیہ ۲ کا ایک صریح مقالہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی نبی امتی نہیں ہو سکتا یعنی جس شخص کو خدا تعالیٰ نے نبوت عطا فرمادی ہو تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شخص کسی دوسرے نبی کا امتی ہو سکے اور آپ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ کوئی امتی شخص نبی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ خلاف اس کے آپ نے اپنی کتاب میں جابجا اس کی تصریح فرمائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے آپ کے امتیوں کو عند الضرورت مقام نبوت بطور الہام مل سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

کسی حدیث صحیحہ سے اس بات کا پتہ نہیں ملے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی آنے والا ہے جو امتی نہیں

یعنی آپ کی پیروی سے فیضیاب نہیں اور اس جگہ سے ان لوگوں کی غلطی ثابت ہوتی ہے جو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ دنیا میں لاتے ہیں اور وہ حقیقت جو الیاس نبی کی دوبارہ آنے کی تھی جو خود حضرت عیسیٰ کے بیان سے کھل گئی اس سے کچھ عبرت نہیں پاؤ گئے بلکہ جس آنے والے مسیح موعود کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے اس کا انہی حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہو گا اور امتی بھی مگر کیا مریم کا بیٹا امتی ہو سکتا ہے، کون ثابت کرے گا اس نے براہ راست نہیں بلکہ آنحضرت مسلم کی پیروی سے درجہ نبوت پایا تھا، حقیقتہً الٰہی ۲۹/۲۸ اور فرماتے ہیں:-

اور مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کر کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے۔ اور ان روزوں اموں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی اور اس مرکب نام کے رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم عیسیٰ بن مریم کو خدا بتاتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اس کی امت کا ایک مرد نبی ہو سکتا ہے۔ اور یہی کہلا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ امتی ہے (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۸۷)

اور فرماتے ہیں:-

”پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً لگتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں۔ گو وہ ملکہ تمام انبیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے مگر وہ ان ہدایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے ان کو خدا تعالیٰ نے الگ کتاب دی تھیں اور ان کو ہدایت تھی کہ وہ ان کتابوں پر عمل کریں اور کراویں جیسا کہ قرآن فخریٰ اس پر گواہ ہے پس اس بدیہی شہادت کی رو سے حضرت عیسیٰ مسیح موعود کیوں کر ٹھہر سکتے ہیں۔ پس چونکہ وہ امتی نہیں اس لیے وہ اس قسم کے نبی بھی نہیں ہو سکتے جس کا امتی ہونا ضروری ہو۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۹۲/۱۹۳)

ان جوابات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس قول سے کہ نبی امتی نہیں ہو سکتا یہ مراد ہے کہ جس نے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل نہ کی ہو۔ وہ نبی امتی نہیں ہو سکتا ہاں ایک امتی شخص جس نے نبوت کا تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل کیا ہو وہ امتی نبی ہو سکتا ہے۔

اور الفاظ امام ملا علی قاری کے اس ترجمہ سے جو زبان گواہ مدعیہ دیکھا جا چکا ہے ظاہر ہے کہ وہ اس موقع پر امتی سے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مراد نہیں لیتے بلکہ ابراہیم کو بشیر طرز زندگی نبوت ملنے کے ذکر کے ساتھ ہی حضرت عمر کا بھی ذکر کے ظاہر فرمادیتے ہیں کہ ان کی مراد عمومیت کے ساتھ تمام انبیاء کے معنی بیان کرنا ہے نہ کہ امتی کے لفظ سے موقعہ مذکورہ پر حضرت عیسیٰ کی تخصیص و تعین۔

مختار مدعیہ نے اپنے غلط مفہوم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حقیقتہ النبوۃ ص ۳۹ کا جو حوالہ پیش کیا ہے وہ قطعاً یہاں منطبق نہیں ہوتا کیونکہ بعض افراد کا لفظ بول کر ایک شخص مراد لیا جاتا ہے اور جس جملہ میں بعض کا لفظ آئے تو وہ قضیہ جزیئہ ہوتا ہے۔ قضیہ کلیہ نہیں ہوتا۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے واضح ہے کہ بعض افراد سے حضور نے اپنی ذات مراد لی ہے۔ اور یہ امر بوضوح تمام حقیقتہ النبوۃ میں موجود ہے۔ لیکن کیا کوئی شخص بتا سکتا ہے کہ امام ملا علی قاری کے اس قول سے کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا کوئی نبی نہیں آسکتا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ حضرت عیسیٰ مراد ہیں سوال تو یہاں خاتم النبیین کے معنوں کا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے جو معنی خاتم النبیین کے کئے ہیں وہ گواہان مدعیہ کے معنوں کے خلاف اور گواہان مدعا علیہ کے معنوں کے مطابق ہیں :-

### مکتوبات کا حوالہ

مختار مدعیہ نے امام ربانی مجدد الف ثانی کے قول کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو صرف کمالات نبوت کے حصول کا ذکر ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس میں کمالات نبوت پائے جائیں وہ بنی بھی ہو جائے۔ لیکن ہمارا استدلال اس قول سے صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور آپ کا وارث بن کر کمالات نبوت کا حصول جب ختم نبوت کے منافی نہیں تو اسی طرح کسی امتی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت سے وراثت کے طور پر اسم نبی کا یا لینا بھی خاتمیت کے منافی نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کسی قسم کی نبوت اور کمالات نبوت کا پایا جانا محال ہے تو ان سے صرف ایسی نبوت اور ایسے کمالات نبوت مراد ہیں جو بعین طریق وراثت اور متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں :-

### صوفیاء کے حوالے

مختار مدعیہ نے حضرت شیخ محمد الدین ابن عربی اور شیخ عبد الوہاب شمرانی اور سید عبد الکریم جیلی وغیرہ صوفیاء کرام کے حوالوں کے متعلق ۹ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے کہ صوفیاء کرام اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے ایمان والے ہیں۔ مگر محبت کا رنگ اور ہے۔ صوفیاء پر محبت کی وجہ سے سرکارِ رنگ آتا ہے تو اس میں وہ بہت کچھ ہمدیتے ہیں گودہ کہنے تو ٹھیک ہیں مگر شریعت کے خلاف ہوتا ہے۔ ظاہر میں خلاف شریعت ہو تو تاویل و رزق توقف ہو گا۔ یہ ہے گواہان مدعا علیہ کے پیش کئے ہوئے ان حوالہ نامے صوفیاء کرام کے متعلق مختار مدعیہ کا جواب جو گواہان مدعا علیہ نے خاتم النبیین اور حدیث لابی لہدیٰ کی تفسیر میں پیش کئے ہیں یہ جواب جس رنگ کا ہے اس میں حضرات صوفیاء

کرام کے اقوال سے تعلق بغیر رکھنے والوں کی خاص توجہ کے لائق ہے۔ صوفیائے کرام باوجود یکہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ مگر محبت کا معاملہ چونکہ اور ہی ہے اس لئے جب محبت کا جوش بڑھتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب الہی کی بنائی ہوئی شریعت کے خلاف جو منہ میں آئے کہنا شروع کرتے ہیں اور اس کی محبت و عشق کی عمیق و رعمیق لہروں میں ایسے بڑھتے چلے جاتے اور ایسے طالب رضاد فنا شدہ بن جاتے ہیں کہ اس کی مرضی اور اس کی خوشنودی کی بھی کچھ پروا باقی نہیں رہتی۔ اس نے تو کچھ فرمایا ہے۔ اور یہ بندگان خاص کچھ اور ہی ہائیک لگاتے ہیں تو استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل ان کنتہم تحبون اللہ فالتبعونی یحببکم اللہ یعنی اے نبی کریم آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ اگر تم خدا تعالیٰ کے عاشق صادق بننا چاہتے ہو تو میرے پیچے ہو خدا تعالیٰ تمہیں میری پیروی کی برکت سے اپنا محبوب بنائے گا مگر باوجود سن لینے اور باوجود یہ معلوم ہونے کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلاف شریعت کچھ نہ فرماتے تھے یہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور اعلیٰ درجہ کے صاحب ایمان یعنی صوفیائے کرام جو چاہتے ہیں وہ خلاف شریعت کہتے چلے جاتے ہیں۔ معاذ اللہ من ذالک

نختار مدعیہ نے کہا ہے کہ خدا کی محبت میں جو رہنے کی وجہ سے وہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اور صاحبان ایمان ایسا کرتے ہیں۔ لیکن اگر نعوذ باللہ یہ صحیح ہو تو پھر خدا کی محبت کی زیادتی تو نہایت ہی خطرناک اور پناہ مانگنے کے قابل چیز بن جائے گی اور اسی سے مختار مدعیہ کے قول کی لغویت ظاہر ہے۔ بات دراصل کچھ اور ہے۔ مفعول کی تو نہ اس موقع پر ضرورت نہ اس کے لیے وقت ہے مختصر یہ کہ یا تو صوفیاء کی طرف ایسے اقوال منسوب کر دیئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان کے اقوال نہیں ہوتے یا ان کے مطالب عالیہ تک علمائے ظہور کی نظر رسائی نہیں رکھتی۔

نختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ صوفیاء کے اقوال تصوف میں تو مستبر ہیں مگر عقائد میں نہیں اس کا جواب یہ ہے کیا صوفیاء کو آپ مسلمان نہیں سمجھتے مگر کتب کون سی منزل من اللہ ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں۔ وہ بھی امت محمدیہ کے بعض افراد کی تصنیف شدہ ہیں اور صوفیاء بھی امت محمدیہ کے افراد ہیں مگر خدا کی کتب میں تو زیادہ تر عقلی طور پر بحث کی گئی ہے۔ لیکن صوفیاء کو اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ ہے کہ وہ کشف کے ذریعہ بھی بعض باتوں کی صحت یا عدم صحت معلوم کر لیتے ہیں اسی لیے ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے علماء کے متعلق جو ان کی باتوں پر متعجب تھے فرمایا ہے۔ اخذتم علمکم میتاً عن میت و اخذنا علمنا عن احمی الذی لا یموت“ (الیواقیت جلد ۲ ص ۲۷)

یعنی تم نے مردوں سے علم حاصل کیا ہے اور ہم نے اس زندہ خدا سے علم حاصل کیا جو ہمیشہ زندہ ہے اور تم انہیں پس اس لحاظ سے کہ ان میں مقربان ہار گاہ الہی تھے۔ ان کی باتوں کو بھی تا یبدری طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ صوفیائے کرام میں جو بزرگ علم ظاہری میں بھی کمال رکھتے ہوں اور علم باطنی میں بھی ان کے اقوال تا یبدری طور پر نہ

پیش کئے جاتے ہیں

(۳) مختار مدعیہ نے سحر الشامی جلد ۲ ص ۲۹۴ ایک حوالہ پیش کیا ہے جس میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف سے یہ قول پیش کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہماری کتابیں دیکھنا حرام ہے اس لیے جب تک ان کا کوئی محرم راز نہ ہو تب تک اسے ان کی کتاب دیکھنا نہیں چاہیے۔

جواب :-

مختار مدعیہ کے اس قول کا کہ جب تک کہ ان کا کوئی محرم راز نہ ہو ان کی کتابیں نہ دیکھنے سے یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ صوفیاء ہی ان کی کتابوں کو پڑھیں علماء ظواہر جو ان کے طریق سے واقف ہیں ان کے لیے بقول ابن عربی ان کی کتابیں دیکھنا حرام ہے۔ اور اگر یہ بات جو مختار مدعیہ سمجھا ہے اور اس نے پیش کی ہے۔ صحیح ہوتی تو انہیں کتابیں لکھنے اور شائع کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ قول شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف غلط طور پر منسوب نہیں کیا گیا تو اس کا وہ مفہوم جو مختار مدعیہ سمجھا ہے قطعاً نہیں ہو سکتا کیونکہ شیخ محی الدین ابن عربی نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی کتب کے پڑھنے اور پڑھانے کی اجازت دی ہے چنانچہ شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب القاموس نے کہا ہے۔

”دما قول بعض المنکوبین ان کتب الشیخ لا تحل قرا تھا فکفو۔“

یعنی بعض منکوبوں کا یہ کہنا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کا پڑھنا حلال نہیں ہے یہ کفر ہے پھر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ منکوبوں نے میرے پاس یہ سوال کیا کہ کتب کے بارے میں جو شیخ محی الدین ابن عربی کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے قصص اور فتوحات، کیا کہتا ہے۔ کیا ان کا پڑھنا اور پڑھانا جائز ہے اور کیا وہ ان کتب سے ہیں جو پڑھی اور سنائی جاتی ہیں ؟

”فاجبت نعم هی من المکتب المسموۃ المفردۃ وقد قراھا علیہ الحافظ البرذلی وغیرہ“

یعنی میں نے جواب دیا کہ ہاں یہ ان کتب میں سے ہیں جو سنی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں اور حافظ برذلی وغیرہ نے اسے سنا کر پڑھی میں پھر کہتے ہیں کہ میں نے قرنیہ شہر میں فتوحات کے پڑھنے پڑھانے کا اجازت نامہ خود شیخ محی الدین ابن عربی کے قلم کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور بہت سے علماء اور محدثین کے پاس کتابتہ اجازت دیکھی۔

فمطالعت کتب الشیخ قربۃ الی اللہ تعالیٰ ومن قال غیر ذلک فهو جاهل نذائغ عن طریق الحق۔“

پس شیخ کی کتب کا مطالعہ باعث قرب الہی ہے۔ اور جس کے سوا کہ تودہ جاہل ہے اور طریق حق سے ایک طرف ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ اپنے زمانہ میں صاحب ولایت عظمیٰ اور صدیقیت کبریٰ کے مقام پر تھے

اور شیخ صلاح الدین الصفوری نے تاریخ علماء مصر میں یہ لکھا ہے۔ ”من اراد ان ينتظر الى كلام اهل العلوم المحدثيه فليتنظر في كتب الشينخ محي الدين ابن العربي رحمه الله“  
یعنی جو شخص علوم لدنیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے تو اسے شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔  
(الیواقیت والجمال جلد اول)

اور امام ابن اسعد البانی بھی شیخ محی الدین ابن العربی کی کتب کی روایت کو جائز کرتے تھے اور کہتے تھے ان جگہوں کے اہل طریق کا انکار کرنے کی مثال بیعتہ ایسی ہے جیسے ایک پھر اپنی بیعت سے پہلے کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ کر دینا چاہیے۔ (الیواقیت، جلد اول)

اسی طرح ان کی کتب کے مطالعہ کرنے کی نسبت، الیواقیت، والجمال جلد اول ص ۱۱۲ و ۱۳ میں مختلف علماء کبار کے اقوال درج ہیں پس ان اقوال کے مقابلہ میں جن میں ان کی کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ اس قول کی کیا حقیقت ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور مختار مدعی نے جس کا ایک رکیک مفہوم لے کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ گویا حضرت محی الدین ابن عربی کی کتب کا مطالعہ کرنا حرام ہے۔  
(۴) نبوت تشریحی سے شریعت لانے والی نبوت مراد نہیں ہے بلکہ ایسی نبوت مراد ہے جس کو شریعت میں نبوت کہا جاتا ہے اور مرزا صاحب نے جو تشریحی کے معنی صاحب شریعت ہونا اور کتاب مستقل احکام سے ہونا یا بعض پہلے احکام کا نسخ ہونا لئے ہیں۔ یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

جواب :-

مختار مدعی کا تشریحی نبی کے متعلق یہ کہنا کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ نبی شریعت لانے والا ہو بلکہ جسے شریعت میں نبی کہا جاتا ہے۔ وہ مراد ہے صریح مخالف ہے کیونکہ یہ ہم فتوحات بایضوی، الحکم وغیرہ کو پڑھتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ تشریحی نبوت سے مراد شریعت دہلی نبوت ہے۔

تشریع کے معنی (۱) شاہ ولی اللہ شاہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

”تشریع عبارت از ان است کہ انسان چوں مرکب است از قوت ملکبہ و بہیمہ اعتدال نوعی او تقاضا سے کند آن حرکات را کہ بسبب آن ہر دو قوت بجلے خود بماند و در معاد سعادت نصیب او شود در اتفاقات ضروریہ از آداب معیشت و نکاح و ابتغائے معیشت و سیاست مدن از جاوہ قلیہ بیرون زد و ایں ہمہ احوال و افعال را بزنے نوع انسان معین کردن تشریع است (رسالہ سطحات مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب ص ۶)

(۲) شیخ محی الدین ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

”فانه تعالى اعطى خلفاء من الانبياء والتشريع واعطى هذه الامم الاجتهاد في نصب الاحكام وامرهم ان يحكموا بناءً على اليه

اجتہاد ہم و ذلک تشریع فلحقوا المقامات الا نبیاء علیہم السلام فی ذلک۔  
(الکبریٰ الاحمر بحاشیہ البیواقیت جلد ۱ ص ۱۴۲)

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو جو تشریع دی تو اس امت کو احکام قائم کرنے میں اجتہاد دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اجتہاد سے جو سمجھیں اس کے مطابق حکم کریں اور یہ بھی تشریع ہے۔ پس اس امر میں وہ انبیاء علیہم السلام کے مقام سے مل گئے۔  
(۳) اور فصوص الحکم میں لکھا ہے۔

وان کان خاتم الاولیاء تابع فی الحکم لما جاء به خاتم الرسل من التشریع  
فلذا الذک لا یقدح فی مقامہ (فصوص الحکم ص ۲۸ مطبوعہ کانپور)

اور اس کا ترجمہ جو ای کتاب میں ہے یہ ہے: اگرچہ خاتم الاولیاء پیرو بیچ حکم شریعت کے اس چیز کا کہ لائے اس کو خاتم الرسل احکام ظاہر شریعت سے پس یہ پیروی نہیں ضرور کرتی ہے۔ بیچ مرتبہ خاتم الاولیاء کے مختار مدعیہ نے فصوص الحکم کا ایک یہ حوالہ پیش کیا ہے کہ ”واما نبوة التشریع والرسالة منقطعة وفي محمد صلى الله عليه وسلم فقد انقطعت فلا نبی بعد لا یعنی مشرعا و مشرعا لا رسول و هو المشرع۔ اس میں لفظ مشرع اور لفظ مشرع لہ سے اس نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر قسم کی نبوت منقطع ہے۔ اب نہ کوئی نبی شریعت جدیدہ لے کر آسکتا ہے اور نہ جس کے لیے کوئی شریعت بنائی گئی ہو۔ ملائکہ یہاں بھی تشریع سے مراد شریعت بنانا ہی ہے اور مشرع کے معنی ہیں نبی شریعت لانے والا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب توراۃ اور مشرع لہ کے معنی ہیں۔ جن پر کوئی جدید کتاب نازل نہ ہوئی ہو جیسے وہ انبیاء بنی اسرائیل جو احکام توریت کے تابع تھے لیکن اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں وہی نبی مراد ہیں جو مستقل ہیں ورنہ وہ نبوت جو اتباع سے حاصل ہو جس کا نام وہ نبوت عام رکھتے ہیں۔ وہ منقطع نہیں ہوئی چنانچہ اس عبارت کے متصل ہی چھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

”فابقی لهم النبوة العامة التي لا تشریع فیها و ابقی لهم التشریع فی الاجتہاد فی ثبوت الاحکام و ابقی لهم الودثة فی التشریع۔“

یعنی پس باقی رکھا اللہ تعالیٰ نے واسطے ان کے نبوت عام کو کہ انہیں ہے تبلیغ احکام ناموس (شرعی) کی بیچ اس کے اور باقی رکھی اللہ تعالیٰ نے واسطے بندوں کے تشریع یعنی تحریر احکام شرعیہ کی بیچ اجتہاد بیچ ثبوت احکام شرعیہ کے۔ مترجم شاہ محمد مبارک علی صاحب نبوت عامہ کی تشریع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”یعنی نبوت دو قسم پر ہے۔ ایک نبوت تشریعی ہے۔ اور وہ عبارت ہے اوامر و نواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت سے حق تعالیٰ کی جانب سے خلق کی طرف بذریعہ انبیاء اور رسولوں کے۔ دوسری قسم نبوت عامہ ہے

اور وہ عبارت ہے عرفان اور اسرار غیب اور خیر دینے سے اور ظاہر کرنے سے اسرار ملک اور ملکوت اور ربوبیت (مفہوم الحکم مترجم مطبوعہ کا پورعاشیہ ص ۱۷۱)

اس حوالہ سے نبی تشریفی کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں کہ نبوت تشریفی انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ادا مرد و نواہی وغیرہ احکام ظاہر شریعت کے مخلوق کے لیے دئے جانے کو کہتے ہیں اس کے بعد میں فتومات مکیر سے بھی ایک حوالہ پیش کرتا ہوں تا تشریفی کے معنی بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے جو مغالطہ دینا چاہا ہے وہ دور ہو جائے۔

چنانچہ شیخ محمد الدین ابن العربی فرماتے ہیں:-

”فان النبوة التي انقطعت بوجود رسول الله صلى الله عليه وسلم انما هي نبوة التشريع لا مقامها فلا شرع يكون ناسخاً لشرعه صلى الله عليه وسلم ولا يزيد في شرعه حكماً آخر وهذا المعنى قوله صلى الله عليه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا بنى - ائى لا نبى بعدى يكون على شرع يخالف شرعى بل اذا كان يكون تحت حكم شریعتی ولا رسول بعدى الى احد من خلق الله بشرع يدعوهم اليه فهذا هو الذي انقطع وسد باب لا مقام النبوة۔

یعنی جو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہوئی ہے وہ نبوت تشریفی ہے نہ کہ مقام نبوت پس کوئی شریعت ایسی نہیں ہو سکتی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو اور آپ کی شریعت میں کوئی حکم رائد کرنے والی ہو اور یہی معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے ہیں کہ رسالت اور نبوت منقطع ہو گئی ہے پس نہ میرے بعد کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا جو ایسی شریعت پر جو میری شریعت کے مخالف ہے بلکہ جب کبھی ہو گا تو وہ میری شریعت کے حکم کے تحت ہو گا اور میرے بعد خلق اللہ میں سے کوئی رسول نہیں جو شریعت لائے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے پس اس قسم کی نبوت منقطع ہوئی ہے۔ اور اس کا دروازہ بند کیا گیا ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اس کے آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے میں جو نبی اور رسول ہیں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں بھی کردہ نئی شریعت نہیں لائیں گے بلکہ شریعت محمدیہ کے ہی تابع ہوں گے پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت اور متحقق ہے اور وہ نبی اور رسول ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس قول میں بھی صادق ہیں کہ میرے بعد نبی نہیں۔ پس ہم سمجھ لیتے کہ آپ کی مراد خاص نبوت تشریفی سے ہے جس کو اہل نظر اختصاص سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔

”فالنبوة مقام عند الله يباله البشر وهو مختص بالاعباد من البشر يعطى للنبي



المشروع و يعطى للتابع لهذا النبي المشرع الجارى على قال الله تعالى فى القرآن و دعبا لدن رحمتنا اخاه  
 هارون نبيا فاذا نظر الى هذا المقام بالنسبة الى التابع و انه با تبا عه حصل  
 هذا المقام سمي مكتسبا بهذه الاتباع اكتساباً و لم يأت به شرع من ربه  
 يختص به ولا شرع يوصله الى غيره و كذلك كان هارون عليه السلام  
 مسدودا باب اطلاق لفظة النبوة على هذا المقام مع تحقيقه لتلا تخيل  
 متخيل ان المطلق لهذا اللفظ يريد بنسوة التشريع فيخلط كما اعتقده  
 بعض الناس فى الامام الى حامد الغزالي

(فتوحات مكية جلد ۲ ص ۳۳۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نبوت خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام ہے جس کو انسان حاصل کرتا ہے  
 اور یہ مقام اکابر لوگوں کے ساتھ مختص ہے جو نبی مشرع کو بھی ملتا ہے اور اس مشرع نبی کے تابع کو بھی ملتا ہے۔  
 اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کو اس کے لیے نبی بنایا ہے۔  
 پس جب وہ اس مقام کی نسبت کو تابع اور اس کی اتباع کے لحاظ سے دیکھتا ہے تو اس مقام کا نام ملقب  
 اور اس اتباع کے تعبیل کا نام اکتساب رکھتا ہے اور نہ تو خدا کی طرف سے اس کے لیے کوئی خاص شریعت آتی  
 ہے۔ اور نہ دوسروں کو بھی اس کے لیے اور ہارون علیہ السلام بھی ایسے ہی نبی تھے اس وجہ سے ہم نے اس  
 مقام پر باوجود اس کے متحقق ہونے کے لفظ نبوت کا اطلاق کرنا بند کر دیا۔ تا کوئی خیال کرنے والا غلط طور پر یہ خیال  
 نہ کر لے کہ اس لفظ کے بولنے والے کی مراد نبوت تشریعی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے امام غزالی کے متعلق کہہ دیا ہے  
 کہ وہ اکتساب نبوت کے فائل ہیں

اس حوالہ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کی دو قسمیں ہیں ایک تشریعی دوسری غیر تشریعی نبوت اسے  
 کہتے ہیں کہ جو مستقل ہو اور وہ کسی نبی کی اتباع کے نتیجے میں نہ ہو اور اسے کوئی شریعت دی جائے چاہے وہ اس  
 کے لیے خاص ہو اور دوسروں کے لیے اسے پہلی شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہو اور دوسری قسم کی نبوت  
 غیر تشریعی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقام روحانی ہے جو کسی انسان کو کسی نبی کی اتباع کے نتیجے میں  
 ملتا ہے اور ہارون علیہ السلام صاحب فتوحات کے نزدیک نبی غیر تشریعی تھے اور اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ  
 السلام بھی نزول کے وقت غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ مذکورہ بالا تمام حوالجات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا جو نبی تشریعت لائے اور آپ کی شریعت میں کمی و بیشی کرنے والا ہو لیکن مطلق  
 نبی کا ناما متنع نہیں ہے

اب زیادہ سے زیادہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ انہوں نے تو ایسے شخص پر جو مقام نبوت کو بھی حاصل کر لے  
نبی کا اطلاق جائز نہیں قرار دیا تا کوئی اس سے نبوت تشریف نہ خیال کر لے میں اسے تسلیم کرتا ہوں مگر ان کا یہ قول عموم  
کے لحاظ سے ہے ورنہ مسیح موعود کو تو خود نبی غیر مشرّع مانتے ہیں اور ہادوں علیہ السلام کو بھی انہوں نے تابع نبی  
اور غیر مشرّع نبی قرار دیا ہے لیکن باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے انہیں نبی کا نام دیا ہے جیسا کہ دو صہبائہ میں رحمنا  
افاہ ہادوں نبیا سے ظاہر ہے پس ان کے مذہب کی رو سے بھی جس تابع نبی کو خدا تعالیٰ نے نبی قرار دے دے تو  
اس پر نبی کا اطلاق ہو سکتا ہے اور ایسے نبی کا ان احادیث لابی بعدی اور آیت خاتم النبیین کے خلاف نہیں ہے۔  
کیونکہ اس سے صرف ایسے نبی کا نہ انما مراد ہے جو ناسخ شریعت محمدیہ ہے۔ لا غیر۔ اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء  
نے جو یہ کہا ہے کہ ان کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ کی طرف  
سے نبی کا نام نہیں دیا گیا تھا اس لیے انہوں نے مسیح موعود کو جن کے متعلق احادیث میں نبی کا لفظ آیا تھا نبی کا نام دیا  
اور دوسروں کے متعلق ایسا نہ کہا۔ لیکن چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام دیا  
گیا تھا اس لیے آپ نے اسی حقیقت کو علی رؤس الاشہاد ظاہر فرمایا کہ جس شخص کو انحضرت صلعم کی اتباع میں اور  
آپ میں فنا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی کا نام عطا ہوا وہ ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے اور شیخ محمد الدین ابن  
العربی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اہل الشریعہ بھی مختلف درجات اور مراتب میں اور اگر بڑا مرتبہ رکھنے والا ایک  
بات کہے تو اس کی بات، نسبت، دوسروں کے قابل قبول ہے چنانچہ فرماتے ہیں و سبب غلط الغزالی وغیرہ  
فی منع تنزل الملک علی الوئی عدم الذوق و ظنہم انہم  
قد عملوا بسو کھم جمیع المقامات فلما ظنوا ذلک یا نفسہم ولہیوا  
ملک الا لہام نزل علیہم انکروہ و قالوا ذلک خاص بالانبیاء  
فذا دتہم صحیح و حکمہم باطل مع ان ہو لاء الذین منعوا قاشون بان زیادۃ  
الثقتہ مقبولة و اهل الله کلہم ثقات قال دوان اباحامد امام الغزالی وغیرہ  
اجتمعوا فی زمانہم بکامل من اهل الله و اخیارہم بتنزل الملک علی الوئی  
یقبلو ذلک۔ (الواقیت جلد ۲ ص ۹۵)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ غزالی وغیرہ نے جو یہ کہا ہے کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا تو اس غلطی کی وجہ  
عدم ذوق اور ان کا یہ خیال کہ لہام ہے کہ گویا انہوں نے سلوک کے تمام مقامات، طے کر لئے جب انہوں نے اپنے  
متعلق یہ خیال کر لیا اور فرشتہ الہام کو اپنے اوپر نازل ہوتے نہ دیکھا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہا کہ فرشتہ  
کا نزول انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پس ان کا ذوق تو صحیح ہے لیکن حکم باطل ہے اور پھر یہی لوگ جنہوں نے

کہا کہ ولی پر فرشتہ نازل نہیں ہوتا اس امر کے قائل ہیں کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور تمام اہل اللہ ثقہ ہیں اگر امام غزالی وغیرہ اپنے زمانہ میں کسی کا اہل اللہ سے ملتے اور وہ انہیں ولی پر فرشتہ کے نزول کی خبر دیتا تو وہ اُسے ضرور قبول کر لیتے ہیں اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ صوفیاء نے غیر تشریفی نبی کے متعلق یہ کہا ہے کہ اُسے نبی کا نام نہیں دیا جاتا تو بھی کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ان کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اور جیب ان میں سے کسی کو خدا تعالیٰ نے نبی کا نام نہ دیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ نبی کا نام کسی کو نہیں دیا جاتا تا شریعت والی نبوت نہ سمجھ لی جائے پس ان کا ذوق تو صحیح ہے۔ لیکن ان کا حکم باطل ہے کیونکہ مہدی موعود و مسیح موعود کو جو بالاتفاق سب اہل اللہ سے افضل اور ثقہ ہیں خدا تعالیٰ نے نبی کا نام دیا اور آپ نے یہ ہانگ دہل فرمایا۔

”میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعوے کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمات و مخاطبات الہیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ مخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ میں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوتی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں اس کی کثرت کا نام بموجب علم الہی نبوت رکھتا ہوں و سکن ان یصلح ۵

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۶۷)

اور اصطلاح کے متعلق مولوی محمد قاسم صاحب بھی لکھتے ہیں: ”اصل مطلب میں تو شریک ہی نکلے لفظوں اور اصطلاح کا ہی فرق رہا سو یہ کیا بڑی بات ہے مصرع ہر یکے کے اصطلاح دادہ الہم (مہرۃ الشیعہ ص ۳)

(۵) مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ (احمدی) وہ حوالے پیش کرتے ہیں جو ان کے مطلب کے ہیں لیکن جو باقی عبارات ان میں ہیں وہ نہیں پیش کرتے۔ فتوحات میں صبر اڑا ہے۔ کہ مسیح زندہ ہیں اور ان کا نزول ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ بھی تو ان کتابوں سے دی حوالے پیش کرتے ہیں جو آپ کے مطلب کے ہیں۔ دوسرے نہیں پیش کرتے۔ ہم تو ان بزرگوں کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں کہ نزول مسیح کی پیشگوئی چونکہ مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اور علم غیب میں اجتہاد کو دخل نہیں ہے اس کی کیفیت وقوع کے سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اور ان سے یہ غلطی ہوئی لیکن اس وجہ سے ہم ان کی تکفیر تو نہیں کرتے برخلاف اس کے آپ نے تو یہ کہا ہے۔ کہ لانی بعدی اور خاتم النبیین کے معنی صرف یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا اور اگر اس آیت و حدیث کے اس کے سوا کوئی اور معنی کرے تو وہ کافر ہے اس لیے ہمیں ضرورت پیش آئی کہ آپ لوگوں پر اتمام حجت کرنے کے لیے ان بزرگوں کے اقوال پیش کریں جن کو آپ مسلمہ و مذکور سمجھتے ہیں۔ اور وہ خاتم النبیین اور لانی بعدی کے وہی معنی کرتے ہیں۔ جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔

مختار مدعیہ تو ہمارے طریق پر تعجب کا اظہار کرتا ہے اور قابل تعجب خود اس کا طریق ہے بیان تک

کہ اس کے معلم مقتدا مولوی غلیل احمد صاحب انیسٹروی و مولوی رشید احمد صاحب لکھنوی بھی اس کے طریق کو قابل تعجب بتاتے اور ادنی طالب علموں کے تعجب کرتے کے لائق ٹھہراتے ہیں چنانچہ البراہین القاطعہ جو دونوں صاحبوں کی طرف منسوب ہے ص ۸۸ پر فرماتے ہیں۔

”مولف نے یہ قاعدہ بنایا ایجاد کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کتاب سے کوئی روایت نقل کی تو وہ تمام کتاب ناقل کے نزدیک معتبر ہو جائے یہ آج تک کسی نے نہیں لکھا۔ مثلاً ہدایہ شرح وقایہ وغیرہ کتب سے استدلال لائے ہیں۔ مع ہذا اس کی ضعیف روایت پر جرح کر کے ترک کر دیتے ہیں۔ ترمذی البداد و غیرہ کتب سے سدا لاتے ہیں۔ مع ہذا۔ جس روایت میں اس کے ضعف ہے اس کو ترک کرتے ہیں اس کو ادنی طالب علم بھی جانتا ہے مگر مولف کہتا ہے کہ مولوی محمد اسحاق صاحب نے شیخ عبدالحق اور خزائنہ اور دستور القضاۃ سے روایات نقل کی ہیں۔ تو بس سب مرویات منقولات، ان کے نزدیک معتبر واجب القبول ہو گئی یہ عجب العجائب استدلال ہے۔

### حوالہ تحذیر الناس

پھر مختار مدعیہ نے مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کے قول کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ گویا ان کے قول مندرجہ تحذیر الناس ص ۲۷ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ہونا آپ کی ختم نبوت کے منافی نہیں ہے سو اس کے جواب میں میں ان کا وہی قول پیش کر دینا چاہتا ہوں اور اس امر کا فیصلہ کہ آیا گواہان مدعا علیہ اس سے جو کچھ سمجھتے ہیں صحیح ہے یا نہیں عدالت کے انصاف پر چھوڑتا ہوں اور وہ قول یہ ہے۔

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس ص ۲۷)

اس عبارت کے الفاظ صاف سبب سادہ آسان اور بالکل ہی عام فہم اور زبان میں ہیں اور ان میں برائے نام بھی ابہام نہیں ہے۔ اور بوجہ اپنی انتہائی وضاحت کے ناظرین کو پکار پکار کر بتا رہے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا حضور کی خاتمیت میں کوئی خلل ڈالنے والا نہیں ہے۔ اور علمائے عصر نے بھی اس عبارت کے یہی معنی سمجھے ہیں چنانچہ ہندوستان کے شہرہ آفاق عالم مولوی احمد حسن صاحب کاب پوری اپنی کتاب افادات الاحمدیہ میں مقدمہ مقلد و غیر مقلد کے متعلق ہندو کشیش کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

البتہ پیغمبری ختم ہو گئی اور یہ لفظ خاتم النبیین قرآن شریف میں موجود ہے۔ مگر بعض علماء نے اس کے معنی

یہ بیان کئے ہیں کہ اگر حضرت کے بعد یا حضرت کے زمانہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہو تو اس آیت کے منافی نہیں اور اس مسئلہ کی ایجاد سے ان پر اور بہت سے علماء نے اعتراضات کئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ۱۱  
(افادات الاحمدیہ ص ۴۷)

مولوی احمد حسن صاحب کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت کے جو کچھ معنی وہ سمجھتے ہیں۔ وہ اکیلے نہیں ہیں۔ بلکہ اور بہت سے علماء بھی ان کے ساتھ شریک ہیں یعنی وہ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا محمد قاسم نے یہ بیان فرمایا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا ہو۔ تو بھی خاتمیت محمدیہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اور ان علماء پر کیا موقوف ہے۔ ہر عالم وغیر عالم جو خواہ مخواہ حق پوشی و ناحق پوشی سے کام لینا نہ چاہے۔ عبارت منقولہ بالا کے وہی معنی سمجھے گا۔ جو مولوی احمد حسن صاحب سمجھتے ہیں۔ اگرچہ عبارت اپنے معنی کے اظہار میں کسی تشریح و تفصیل کی ہرگز محتاج نہیں تاہم میں یہ بھی دکھا دینا چاہتا ہوں کہ خود مولانا محمد قاسم ہی کے قول سے اس کی کیا تشریح و تفصیل ثابت ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

اول معنی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھتے چاہئیں تاہم فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو ہوا م کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا۔ کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فیصلت نہیں پھر مقام مدح میں و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرماتا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہتے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیکھتے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گولو نہ ہوگی کہ اس میں ایک نوع خدا کی جانب نمود باللہ زیادہ کوئی کا درجہ ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قنارت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت، یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں کیا فرق ہے۔ جو اس کو ذکر کیا اور ان کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصان قدر کا احتمال۔ کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں۔ اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال کجیاں کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے۔ جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلافت کو گمراہ کر گئے البتہ فی حد ذاته قابل لحاظ ہے۔ پھر جملہ

ما کان محمد اباً احد من دجا لکھ اور جملہ و لکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کیا تا سب نقصا۔ جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا۔ اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدارک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس

قسم کی بے رطلی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا۔ تو اس کے لیے اور بیسیوں مواقع تھے ۱۱

(تحدیر الناس ص ۲)

اس تحریر سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) کہ خاتم النبیین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ کو سب میں آخری نبی سمجھا عوام کا خیال ہے۔

(۲) لیکن رسول اللہ و خاتم النبیین مقام مدح میں فرمایا گیا ہے۔

(۳) تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں جب کہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے۔

(۴) باعتبار تاخر زمانی کے خاتم النبیین کو ایسا وقت درست ہو سکتا ہے۔ اگر اسی وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ قرار دیا جائے۔

(۵) اور اوصاف مدح میں سے نہ لینے کی صورت میں ایک تو خدا تعالیٰ پر زیادہ گوی کا الزام آتا ہے۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کم ہوتی ہے۔

(۶) اگر آخری دین ہونے کے لحاظ سے سد باب اتباع مدعیان نبوت کہو۔ تو فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے لیکن اس کے لیے یہ موقع نہیں بلکہ بیسیوں اور مواقع اس کے بیان کرنے کے ہو سکتے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں۔

”بلکہ بناو خاتمیت اور بات پر ہے۔ جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آتا ہے۔ اور فضیلت نبوی بانا ہو جاتی ہے ۱۲ ص ۲

یعنی خاتم النبیین کے وہ ایسے معنی کریں گے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بھی دو بالا ہو جائے اور تاخر زمانی بھی پایا جائے۔ یعنی آخری دین ہونے کی وجہ سے جو سد باب اتباع مدعیان نبوت ضروری تھا۔ وہ بھی پورا ہو جائے کہ آپ کے بعد اور کوئی نبی ایسا نہیں ہو گا۔ جو دنیا دین لائے۔ کیونکہ آپ کا دین آخری دین ہے ۱۳

اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ موصوف بالعرض کا قسّم موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے موصوف بالذات کا وصف جن کا ذاتی ہوتا اور مکتسب من الغیر ہوتا لفظ بالذات میں سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہونا۔ مثال درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور درو و بلوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہو۔ تو آفتاب کا نور نہیں اور کا فیض نہیں۔ اور عجمی غرض وصف ذاتی ہونے

سے اتنی ہی تھی۔ بارہا ہم اگر یہ وصف آفتاب کا ذاتی نہیں تو جس کا تم کہو۔ وہی موصوف بالذات ہو گا اور اس کا نور ذاتی ہو گا اور کسی اور سے مکتسب اندکی اور کا فیض نہ ہو گا۔ الغرض یہ بات یہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ ”ص ۱“

موصوف بالذات اور موصوف بالعرض میں یہ فرق ہو ا کرتا ہے۔ کہ موصوف بالذات کو جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ بلا واسطہ اور ذاتی ہوتی ہے۔ اور موصوف بالعرض کا وصف بلا واسطہ مکتسب ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا فیض ہوتا ہے۔ اور جس کا وصف بالذات ہوتا ہے۔ وہ سلسلہ اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آفتاب پر اگر اس کا نور ذاتی ہے تو ہم کہیں گے کہ اس پر نور کا سلسلہ ختم ہے۔ لیکن اس سے بر مراد قطعاً نہیں ہوگی کہ اس کے واسطہ سے بھی نور حاصل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ آپ اس تقریر کا نتیجہ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

”سوا سی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت خاص ہیں۔ اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اور رول کی نبوت آپ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے۔ غرض آپ جیسے نبی الامتہ ہیں۔ ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہوتی۔ کہ بشہادت واذاخذ اللہ میثاق النبی الخ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ پر ایمان لائے ہیں اور کے اتباع اور اقتداء کا ہمد لیا گیا ادھر آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میری ہی اتباع کرتے علاوہ ربی بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین والآخرین بشرط فہم اسی جانب مشیر ہے۔ شرح اس وجہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں۔ عالم حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں تو بالعرض ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہل فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے (صفحہ ۲)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بالذات ہے اور آپ کی نبوت کسی کا فیض نہیں ہے۔ دوسروں کی نبوت بالعرض اور آپ کا فیض ہے۔

(۲) اس کمال کی وجہ سے نبوت آپ پر ختم ہے۔ کہ آپ کی طرح نبوت سے موصوف بالذات کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو بھی ہوگا بالعرض ہوگا گذشتہ زمانہ میں ہوا ہو یا آئندہ زمانہ میں ہو۔

(۳) اس وجہ سے بھی آپ خاتم النبیین ہیں۔ کہ نبوت کالات علمی میں سے ہے۔ اگر آپ میں تمام کالات علمیہ جمع ہیں۔

(۴) جیسے آپ نبی الامت ہیں۔ ویسے ہی آپ نبی الانبیاء بھی ہیں۔ یعنی آپ جیسے اپنی امت کے روحانی معنوی باپ ہیں۔ اسی طرح آپ انبیاء کے بھی روحانی باپ ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

” نیز اس صورت میں جیسے قرأت خاتم بکسر التاء چسپاں ہیں۔ ایسے ہی قرأت خاتم بفتح التاء بھی نہایت درجہ کو بے تکلف موزوں ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جیسے قرأت خاتم بفتح التاء کا اثر اور نقش مختم علمیہ میں ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔ حاصل مطلب آیت کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں۔ پر الوہ معنوی امتیوں کو بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے۔ سو جب ذات بابرکات محمدی صلعم موصوف بالذات یا النبوة ہوتی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض۔ تو یہ بات اب ثابت ہو گئی۔ کہ آپ والد معنوی ہیں اور باقی انبیاء آپ کے حق میں بمنزلہ اولاد معنوی اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجئے۔ ص ۱۰۱۔

پھر لکھتے ہیں۔

” اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ آپ پر ختم ہوتا ہے۔ جیسے انبیاء گزشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گزشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اس طرح اگر فرض کیجئے، آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو۔ تو یہ بھی اس وصف نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اس کا سلسلہ نبوت ہر طور پر آپ پر ختم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو علم کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن طشر ہی ختم ہو گیا۔ تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے غرض اختتام اگر باین معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا۔ تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو۔ جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“

(ص ۱۰۲)

اس عبارت سے بھی واضح ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ کہ نبوت جو کالات علم میں سے ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتم و اکمل طور پر موجود ہے۔ اور اس سے زیادہ علم کا حصول بشر کے لیے ممکن نہیں۔ کہ اس وجہ سے جو بھی نبی ہو یا فرض کیجئے آئندہ ہو۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ اس کی نبوت اور کالات علمیہ بھی آنحضرت صلعم پر ختم ہیں۔ کیونکہ آپ مستجمع جمیع کالات انبیاء ہیں۔ اور آپ نبوت سے موصوف بالذات ہیں۔ اور کسی کے محتاج نہیں۔ لیکن باقی نبی موصوف بالعرض ہونے کی وجہ سے وصف نبوت میں آپ کے محتاج



ہی۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو اس میں ایک لطیف نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سے آخر میں آنے اور انہیں ختم کر دینے کے تو کوئی معنی ہی نہیں بنتے۔ کیونکہ اگر پہلے انبیاء کو ختم کر دیا۔ تو وہ تو پہلے ہی ختم ہو چکے ہوتے۔ ان کا ختم کرنا کیا۔ اور آئندہ کوئی آنا نہیں تھا۔ جو اسے ختم کرتے لیکن بالاطمرب کے خاقیت لینا نہایت موزوں ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوگی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے۔ اور انہیں کچھ کمالات حاصل تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کمالات کو حاصل کر کے آگے بڑھ گئے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ کی نبوت کو آپ نے ختم کر دیا۔ اس طرح حضرت موسیٰ حضرت ابراہیم حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ کی نبوت چند کمالات کی جامع تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کر کے ان سے بھی آگے نکل گئے۔ اسی طرح ان کی نبوتیں بھی آپ نے ختم کر دیں۔ اور معراج میں یہی بات آپ کو دکھائی گئی کہ آپ تمام نبیوں کو چھوڑ کر ان سے آگے نکل گئے۔ اس وجہ سے آپ تمام انبیاء کے خاتم ٹھہرے۔ کہ ان تمام کے کمالات آپ پر ختم ہو گئے۔ اور آپ سب کے جامع ہوئے اس لحاظ سے مولوی محمد فاسم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ جو انبیاء پہلے گذر چکے ہیں۔ ان کے لحاظ سے تو آپ کی خاقیت زمانی سے انکار نہ ہو سکے گا۔

”ہاں اگر خاقیت بمعنی انصاف ذاتی بوصف نبوت یجبے جیسا کہ اس پیغمبر ان نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کس کو افراد مقصود بالخلق میں سے شامل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فیضیت ثابت نہ ہوگی۔ افراد مفردہ پر بھی آپ کی فیضیت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاقیت محمدی میں کچھ فرق نہ آنے کا چہر جائے کہ آپ کے معاصر کسی اور کو نہ میں میں یا فرض کیجئے۔ اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔“ حصہ ۱

اس تمام تقریر کا خلاصہ یہی ہے کہ مولوی محمد فاسم صاحب خاتم النبیین کے معنی ایسے بیٹے ہیں جن کی رد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد بھی کوئی نبی آئے۔ جو آپ کی نبوت کا محتاج ہو۔ اور اس کی نبوت درست۔ بالعرض ہو۔ نہ بالذات۔ تو وہ بھی آپ کے خاقیت کے منافی نہیں ہے۔ اور خاقیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ اور آپ ہی ہر زمین اور ہر زمانے کے بادشاہ ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

تمت علیہ صفات کل مرتبہ

ختمت بہ نعماء کل زمان

کہ آپ پر تمام اعلیٰ صفات پوری ہو گئیں۔ اور آپ پر ہر زمانہ کی نعمتیں ختم ہو گئیں۔ پھر مولانا فرماتے ہیں :-

” وہ نبی جو صفت العلم سے مستفید ہو اور بارگاہِ علمی تک باریاب ہو۔ تمام انبیاء سے مراتب میں زیادہ اور رتبہ میں اعلیٰ اور سب کا سردار اور سب کا مخدوم و مکرم ہوگا۔ اور سب اس کے تابع و محتاج ہونگے۔ اس پر مراتب کلاآت ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ نبی خاتم الانبیاء بھی ضروری ہوگا۔ جو اس کی یہ ہے کہ انبیاء بوجہ احکام رسانی مثل گورنر وغیرہ نواب خداوندی ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا حکم ہو نا ضروری ہے چنانچہ ظاہر ہے۔ اس لیے جیسے عہدِ ملت ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے۔ اور سوا اس کے اور سب عہدے ماتحت ہوتے ہیں اور ان کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے۔ اس کے احکام کو کوئی اور نہیں توڑ سکتا۔ اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے۔ کہ اس پر مراتب عہدہ جات ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں جو ہوتا ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے احکام اور ان کے احکام کے نسخ ہوں گے اور ان کے احکام اس کے احکام کے نسخ نہ ہوں گے اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانہ بھی ہو کیونکہ اوپر کے حاکم تک نبوت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے۔ اور اس لئے اس کا حکم اخیر حکم ہوتا ہے۔“

(مباحثہ شاہ جہانپور ص ۲۴ ر ۲۵)

پھر جیسے گورنر خاتم الحکام کے ماتحت ہو کر کسی حاکم کا آنا اس کی خاقیت کے خلاف نہیں ہے اسی طرح خاتم النبیین کے ماتحت ہو کر اور آپ کے احکام کے نفاذ کے لیے کسی نبی کا آنا آپ کی خاقیت کے منافی نہیں ہے اگر کسی نبی کا آنا آپ کی خاقیت کے خلاف ہو۔ تو وہ ایسا نبی ہے۔ جو آپ کے احکام کو آخری احکام نہ سمجھے۔ اور ان کو منسوخ کرے ورنہ ایسا نبی جو آپ کی شریعت کا متبع ہو۔ اور آپ کی غلامی کا دعویٰ کرے۔ وہ آپ کی خاقیت کے منافی نہیں کیونکہ اس کی نبوت آپ کی نبوت سے علیحدہ نہیں بلکہ اسی سے مستفیض ہے۔

چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

”جیسے اس وقت اگر گورنر سابق بھی موجود ہو۔ تو لارڈ لٹن ہی کا اتباع کرے۔ جو گورنر زمانہ حال ہے۔ ایسے ہی اس زمانے میں اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بھی موجود ہوتے۔ تو ان کو یارِ ناپارہ رسول عربی صلعم ہی کا اتباع کرنا پڑتا۔“

پس آنحضرت کا متبع ہو کر کسی نبی کا آنا منافی خاقیت نہیں۔ اس امر کی تائید میں ایک اور حوالہ پیش کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تحذیر الناس میں جس حدیث پر بحث ہے۔ اسی حدیث پر کتاب نضر المؤمنین میں بھی بحث کی گئی ہے اور جن لوگوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کو علماء نے ارتداد اور کفر صریح کی طرف نسبت دے کر اس کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے پاس بیٹھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ دیکھو نضر المؤمنین ص ۳۰ ر ۶۴

اور اس فتویٰ پر چودہ علماء کی مواہیر ہیں۔

پھر اس کتاب کے صفحہ میں اس حدیث کو ضعیف اور موضوع قرار دینے والوں کے اس سوال کا کہ انبیاء میں الف لام استغراق کا ہے۔ اس لیے آپ تمام قسم کے انبیاء کو ختم کرنے والے ہیں۔ یہ جواب دیا ہے۔  
 ”ہم نہیں تسلیم کرتے کہ الف لام انبیاء میں استغراق کا ہے۔ بلکہ عہد کے لیے ہے۔ اور مراد انبیاء سے وہ ہیں کہ جو حضرت آدم سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے اسی طبقہ علیا میں تھے اور یہ اگرچہ ایک احتمال ہے لیکن باعتبار اصول کے یہ بات بہت قوی ہے۔“  
 پھر لکھتے ہیں:-

”اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریفی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔“  
 (نصر المومنین مطبوعہ نور کانپور ۱۲۹۱ھ)

آخری جلد میں تو بعض ایسے فرقوں کا ذکر کر کے جو تشریفی نبوت کے ختم ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ان کو بھی سلمان ہی قرار دیا ہے۔ اور مختار ان مدعیہ صرف ختم نبوت غیر تشریفی نہ ماننے والوں کو بھی کافر کہنے سے نہیں رکھتے۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نے مناظرہ عجیبہ میں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ تو اس سے مراد وہی لی جائے گی۔ جو ان تصریحات کے خلاف نہ ہو اور ان کو ملحوظ رکھ کر ایسا ہی نبی ہو سکتا ہے جو نبیادین لائے۔ جیسا کہ تحذیر الناس صفحہ میں

مولوی محمد قاسم صاحب نے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔ کہ یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا۔ اس لیے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلافت کو گمراہ کریں گے۔ البتہ قائل لحاظ ہے پھر آپ کے اس قول سے کہ آئندہ نبی کے آنے کا احتمال نہیں۔ ایسا ہی نبی مراد لیا جاسکتا ہے۔ جس کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین آخری دین نہ رہے۔ اور اسی طرح تحذیر الناس صفحہ کی عبارت میں بھی اس قسم کے نبیوں کے لحاظ سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم زمانی مانا ہے۔ ورنہ وہ بغیر دین جدید و شریعت جدیدہ کے حضرت عیسیٰؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہونا تسلیم کرتے ہیں۔

علامہ ازین اگر ان کے معنوں میں اور دیگر علماء کے معنوں میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ اور وہ دیگر علماء کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم زمانی تسلیم کرتے۔ تو انہیں ان کی تکفیر کی کیا ضرورت تھی۔ اور جیسا کہ نصر المومنین کے حوالے سے اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں۔ اور بعض قائل ختم نبوت تشریفی کے ہیں۔ ایسا ہی فقہانے بھی لکھا ہے کہ۔ یکفو بقولہ لا اعلم ان آدم علیہ السلام نبی اولاد و لو قال امت بجمع لا نبیاً علیہم السلام و بعدم معرفۃ ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم اخرا الانبیاء عند البعض“  
 (ابحار الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳)

یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے معلوم نہیں کہ آدم علیہ السلام نبی ہیں یا نہیں۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ میں تمام انبیاء پر ایمان لایا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم شناخت پر تو بعض کے نزدیک کافر ہو گا۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان معنوں میں آخری نبی ماننا جس کا مختار اور گواہان مدعیہ دعویدار ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک ضروریات دین سے نہیں ہٹے اور نہ ہی موجب کفر ہے۔

باقی حوالے جن میں لانا نبی بعدی اور خاتم النبیین کے یہ معنی کئے گئے ہیں۔ کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آ سکتا جو ناسخ شریعت محمدیہ ہو۔ یا جیسا کہ مولانا جلال الدین دہلوی نے مشنوی دفتر ششم میں لکھا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ پر تمام کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ ان سب پر مختار مدعیہ نے کوئی جرح نہیں کی۔ البتہ اقرب الساعۃ کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ وہ نواب صدیق حسن خان کی تالیف ہے۔ اس لیے غیر مسلم ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحب کی شخصیت کے متعلق زیر عنوان۔

سلف صالحین کا عقیدہ دوبارہ وحی :-

ذکر کہ چکا ہوں۔ اور یہاں اتنا اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اقرب الساعۃ سے جو یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ کہ لانا نبی بعدی کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی ناسخ شریعت محمدیہ نہیں آئے گا۔ درحقیقت اس کے قائل امام ملا علی قاری ہیں جیسا کہ پہلے حوالہ کتاب الاشاعت۔ لاشراط الساعۃ ملاحظہ فرمائیے۔ پس ائمہ سلف کے اقوال سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے اور آپ کے قول لانا نبی بعدی سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد مستقل صاحب شرع جدید کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جو آپ کی شریعت کے احکام کو منسوخ کرے۔

(۶)

## سیاق و سباق کے لحاظ سے آیت کے معنی

اس آیت کی تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہان مدعا علیہ

(۷)

## خاتم النبیین کے صحیح معنی

خاتم بفتح التاء کے اصل معنی عربی زبان میں انگوٹھی یا مہر کے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ نے ان معنی کے اثبات کے لیے حدیث اور تفسیر اور سنت کو پیش کیا تھا۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس پر یہ جرح

کی ہے کہ مخلص جو حال پیش کیا گیا ہے۔ وہ مفروضہ ہے۔ اور کتاب اللہ میں مضاف ہو کا استعمال ہوا ہے۔ یہاں بحث مضاف کے اندر ہے۔ لہذا غیر متعلق ہے میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ مختار مدعیہ کا یہ قول کس حد تک قابل التفات ہے کیونکہ تھوڑی سی غفلت رکھنے والا شخص بھی جان سکتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے معنے کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دونوں کے علیحدہ علیحدہ معنے معلوم ہوں۔ ورنہ اس کے معنے کوئی گراہی نہیں سکتا پس خاتم کے حقیقی معنے معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ مفروضہ ہونے کی صورت میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور خاتم کا لفظ مہر اور انگوٹھی کے معنے میں احادیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح بہ تسلیم کیا ہے کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ خاتم بفتح التاء مہر کے معنوں میں بھی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الحقیقت مہر یا انگوٹھی نہیں۔ پھر جو آپ کو نبیوں کا خاتم کہا گیا۔ تو وہ اس لیے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے اور حقیقی مہر یا انگوٹھی میں مندرجہ ذیل وجہ مشابہ ہو سکتی ہے۔

(۱) زینت جیسا کہ فتح البیان کے حوالہ سے ظاہر ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح البیان جلد ۲ ص ۲۸ مطبوعہ ص ۲۷)

(۲) احاطہ جیسے انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ایسے آپ بھی تمام نبیوں کے محیط ہیں۔ یعنی ان کے تمام کالات کے جامع ہیں جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں۔

”اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اولین مثلاً ادیان اور علوم آخرین اور لیکن وہ

سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں“ (تخذیر الناس ص ۱)

اور کمال کے اظہار کے لیے لغت عرب اور دوسری زبانوں میں بکثرت خاتم اور ختم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور ان معنی کی تائید میں گواہان مدعا علیہ نے منجملہ اور بہت سے حوالجات کے ایک حوالہ فتوح النیب کا۔ بک تھم الوالیۃ اور ایک و فیات الامیان سے مجمع القریض خاتم الشعراء شعر نہیں کہا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے فتوح النیب کے حوالہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس میں تو خاتم الوالیۃ کا ذکر ہے۔ نبوت کا تو ذکر ہی نہیں۔ اس لیے یہ غیر متعلق ہے۔ گویا کہ مختار مدعیہ کے نزدیک جب خاتم کا لفظ ولایت کی طرف منسوب ہو۔ تو پھر آخر کے معنے نہیں ہوتے۔ لیکن جب نبوت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنے آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا مختار مدعیہ کے نزدیک اس تقریبی معنی کی دلیل سوائے تعصب کے اور بھی کوئی ہے؟ ہرگز نہیں

اور اس شعر کے متعلق مختار مدعیہ نے تین باتیں کہی ہیں۔

اول :- اشعار سے قرآن مجید کو مل کر تفسیق کلام الہی ہے۔

جواب ۱۔

معلوم ہوتا ہے۔ مختار مدعیہ کو بالکل قرآن مجید کی تفاسیر دیکھنے کا موقعہ بھی نہیں ملا۔ کیونکہ تفسیروں میں قرآن مجید کے شکل الفاظ کو حل کرنے کے لیے جا، بجا شعروں کو پیش کیا گیا ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اتقان میں لکھا ہے

قال ابو بکر بن الانباری قد جاء عن الصحابة والتابعين كثير الاحتجاج

على غريب القرآن ومشكله بالشعر واشكر جماعة (علم لهم على النجدي ذلك) اتقان ص ۱۲۹

یعنی ابو بکر بن الانباری نے کہا ہے۔ کہ قرآن مجید کے شکل الفاظ کے معانی بیان کرنے میں صحابہ و تابعین سے بکثرت شعر سے حجت پکڑنا ثابت ہے۔ اور بعض بے علم لوگوں نے نخبیوں پر اس امر کو برا منایا ہے۔ کہ انہوں نے شعروں کو قبول پیش کیا۔ اور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں :-

قال ابن عباس اشعر ديوان العرب فاذا خفي علينا الحرف من القرآن الذي انزله

الله بلغة العرب رجعنا الى ديوانها فالتمسنا معرفة ذلك منه۔

یعنی ابن عباس نے فرمایا۔ کہ شعر عرب کا دیوان ہے۔ جب قرآن کا جسے خدا تعالیٰ نے عربی زبان میں اتارا ہے کوئی حرف ہم پر مخفی ہو جائے۔ یعنی اس کے معنی سمجھنا مشکل ہو جائیں۔ تو ہم عرب کے دیوانوں کی طرف رجوع کر کے اس کے اصل معنی جان لیں گے۔

پس یہ کہنا کہ اشعار کو قرآن مجید سے حاصل کرنا تنقیص کلام الہی ہے۔ اپنے آپ کو بے علم لوگوں کی صف میں داخل کرنا

ہے۔

دوم :-

قرآن مجید میں جمع مذکر سالم کی طرف مضاف ہے۔ اور یہاں جمع کسیر کی طرف لہذا یہ شعر ماہد النزاع بحث سے خارج

جواب ۲۔

منجد کے حوالے کے مقابلہ میں تو انہوں نے صرف یہ عذر کیا ہے۔ کہ یہ مفرد ہے اور کتاب التمرین مضاف ہو کر اشتغال ہوا ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ نے ۳ اگست کو جواب جرح یہ کہا ہے کہ

(۱) خاتم کا لفظ جب جمع کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخر کے ہوتے ہیں۔ لیکن جب خاتم الشعر کی مثال پیش کی گئی۔ کہ اس میں تو خاتم کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہے اور اس کے معنی آخر کے نہیں۔ تو مختار مدعیہ نے یہ عذر پیش کر دیا کہ شعر او تو جمع تکسیر ہے۔ بلکہ قرآن مجید میں التیسین جمع مذکر سالم ہے۔ لہذا یہ شعر ماہد النزاع بحث سے خارج ہے یعنی مختار مدعیہ کے نزدیک اگر خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل کہا جاتا۔ تو پھر اس کے معنی آخر کے نہیں کیونکہ الانبیاء اور الرسل جمع تکسیر ہیں۔ جمع مذکر سالم نہیں۔ اور اگر التیسین جمع مذکر سالم کہا جائے تو پھر آخر کے معنی ہوتے ہیں۔

پس خاتم کے لفظ کے جمع مذکر سالم یا جمع تکسیر کی طرف مضاف ہونے سے معنوں میں کوئی فرق نہیں آتا خاتم النبیین کہنا یا خاتم الانبیاء کہنا یا خاتم المرسلین یا خاتم الرسل کہنا معنوی لحاظ سے ایک ہی ہے۔

سوم :-  
شعر جاہل و اسلامی کے اقوال کو بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے۔ نہ کہ بعد کے شاعروں کے اقوال کو۔

جواب :-

یہ مختار مدعیہ کا اپنا وضع کردہ اصول ہے۔ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ اس کے جوابدہ شعر اگر ذرا سے ہیں۔ جب تک ان کے قول کے خلاف شعر جاہل میں سے کوئی قول پیش نہ کیا جائے۔ ان کا قول بھی ایک مختلف فیہ لفظ کے معنیہ بیان کرتے وقت بطور سند کے پیش ہو سکتا ہے۔ اور مایہ النزاع بحث میں تو قرآن مجید کے زمانہ کے بعد کے شاعروں کا قول بدرجہ اولیٰ پیش کیا جانا چاہیے۔ کیونکہ اگر قرآن مجید میں خاتم النبیین میں لفظ خاتم کے معنی عربی زبان کی رو سے محض آخری کے ہوتے۔ تو پھر اس کے بعد کوئی اسلامی شاعر خاتم کے لفظ کو دوسرے معنی میں استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ اور ختم کا لفظ اردو زبان میں بھی کمال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب کے متعلق مولوی محمد یعقوب صاحب ناٹوئی اپنی کتاب "محالات" جناب طیب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم مطبوعہ صادقی الانوار بہاولپور میں لکھتے ہیں۔

”ہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے“

اس فقرہ میں قطعاً یہ منشا نہیں ہے کہ آپ کے سوا کوئی اور ہمان نواز تھا یا نہیں ہے۔

تیسری وجہ شد یہ ہے نہ

کہ تصدیق کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کی تصدیق ہوئے۔ دو معنوں کے لحاظ سے ایک تو اس لحاظ سے کہ تمام انبیاء نے آپ کے آنے کی بشارت دی۔ اور تصدیق کی۔ دوسرے اس لحاظ سے کہ آپ مصدق النبیین ہوئے کیونکہ کسی نبی کی نبوت بدوں آپ کی ہر تصدیق ثابت ہونے کے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس کی تفصیل دیکھو مع اشلہ بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

اس کے علاوہ عربی زبان کی رو سے خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں چنانچہ مجمع البحار میں زیر لفظ ختم لکھا ہے  
”فی اعناقہم الخواتم اتراد ہی اشیاء من ذهب وغیرہ معلق فی اعناقہم یعرفون بہا“  
آنحضرت صلیم کے قول کہ ان کے گلوں میں خواتم ہوں گی، سے یہ مراد ہے کہ ان کے گلے میں سونے وغیرہ کی چیزیں ڈالی جائیں گی۔ جن سے ان کی شناخت ہوگی۔  
پھر حدیث آمین خاتم رب العالمین کے معنی لکھے ہیں۔

” ای العلامة التي تدفع عنهم الاغراض والاعاها“ کرخام سے مراد یہ ہے۔ کہ یہ ایک نشانی ہوگی۔ جو ان سے بیماریاں اور آفات دور کرے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاتم کے معنی علامت کے بھی ہیں۔ اور اس کی تصدیق شعر لعرب کے کلام سے بھی ہوتی ہے چنانچہ ابان بن عبدہ شاعر حماسی کہتا ہے۔

بیمض خفات مرهفات قواطع      لداؤد فیہا اثرہ دخواتمہ  
الکاترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کہا ہے۔ الخواتم۔ الاعلام ہم ان سے ٹپس ساتھ مبتلدار  
بسک تیز برندہ تلوار دنگے جن میں حضرت داؤد کی نشانیاں اور پتے ہیں۔ یعنی بہت پرانے ہیں۔  
(حماسہ مجتہائی ص ۱۸)

اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنی علامۃ النبیین کے ہوئے۔ کہ آپ کے ذریعہ انبیاء شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور آپ کی ذات معیار نبوت ہے۔ جو آپ کے اسوہ حسنہ پر ہو گا وہ نبی ہے پس آپ انبیاء کے صدق و کذب جانچنے کے لیے بطور معیار کے ہیں۔ جن معیاروں کی رو سے آپ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر وہ معیار کسی نبی میں پائے جائیں۔ تو وہ بھی صادق ہوگا۔

زبان عرب میں خاتم یعنی التام کا لفظ کبھی اخیر کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ آخر کے معنوں میں جب بھی استعمال ہوا ہے۔ تو وہ لازم معنی کے کرنے کا اصل معنی کی رو سے۔

## خاتم کے معنی آخر !

مختار مدعیہ نے صرف ایک حوالہ لسان العرب اور منہجی العرب سے پیش کیا ہے۔ جس میں لکھا ہے خاتم القوم آخر ہم لیکن جب کہ ہم نے محاورات عرب سے معین اقوال اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ یہ ویسے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے یہ قول کسی کی طرف منسوب نہیں کیا کہ کس شاعر نے یا کس ادیب نے خاتم القوم کو آخر ہم کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لیکن بر تقدیر صحت میں کہتا ہوں کہ یہ حوالہ بھی فریق مخالف کو مفید نہیں ہے۔ کیونکہ محاورات عرب میں ایسے مقام پر آخر کے معنی آخری فرد کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اشرف اور افضل کے ہوتے ہیں چنانچہ قیس حوای شاعر کہتا ہے۔

شری ودی وشکری من بعید

لاخر غالب ابد ربيع !!

اس کی شرح میں لکھا ہے۔

و ابد الآخر و ابد بے نفس ربيع بقول شری ودی وشکری ربيع من مکان بعید لرجل



ہو آخر بنی غالب ابداً حیث لا یكون مثله فیہم یعنی شری لنفسہ (حماصہ مصری ص ۱۳۱)  
اور اس کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی نے یہ کیا ہے۔

ربیع بن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لیے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لیے  
عدم المثل ہے خرید لیا ہے۔ (حماصہ مجتہدانی باب الحماصہ ص ۱۳۶)  
اور اس فقیدہ کے شروع میں بطور دیباچہ لکھا ہے۔

”قال قیس یمدح بنی زیاد العیسین وکانوا اسیعۃ دکان ربیع بن زیاد افضلہم“  
کہ قیس نے عبسی بنی زیاد کی مدح میں یہ شعر لکھے ہیں۔ اور وہ سات تھے اور ربیع بن زیاد ان سب سے  
افضل تھا۔ پس آخر بنی غالب اپنے ہوئے۔ کہ جو قوم میں اشرف اور افضل اور عظیم المثال فرد ہے۔ کیونکہ ایسے مقام پر  
قوم کا آخری فرد مراد لینا عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور وہ مقصور ہونہیں سکتا۔ جب تک کہ یہ تسلیم نہ کیا جائے۔ کہ وہ  
قوم بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہے۔ اور اس کے آگے ان کا کوئی فرد نہیں ہوگا۔ پس خاتم القوم آخر ہم کے معنی بھی  
محاورات عرب کی رو سے اشرف اور افضل اور عظیم المثال کے ہی ثابت ہوئے ہیں پس یہ ایک مثال تھی جو وہ کتب  
نعت سے پیش کر سکے ہیں۔ اور یہ بھی ان کے معانی کے خلاف ہے۔ موافق نہیں۔ باقی جو معنی خاتم کے گواہان مدعا علیہ  
نے بیان کئے ہیں۔ ان کی تائید میں انہوں نے زبان عرب کے محاورات اور استعمالات پیش کئے ہیں۔ ان کیا مختار مدعو  
یہاں بھی کئے گا۔ کہ خاتم القوم میں تو القوم جمع مذکر سالم نہیں ہے۔ اور یہ مثال مابہ النزاع بحث سے خارج ہے دیوبندیہ

(۸)

### خاتم النبیین کے معنوں کا ضروری ادین سے ہونا

مختار مدعیہ نے گواہوں کی طرح اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔ جس کے  
بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور جو بات ضروریات دین سے متواتر ثابت ہو اس  
کی تاویل کرنا کفر و ارتداد ہے۔ جاننا چاہیے کہ کسی شخص کے کہنے سے کہ فلاں بات ضروریات دین سے ہے وہ  
بات ضروریات دین سے نہیں ہو جاتی۔ بلکہ کسی چیز کو ضروریات دین سے ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ  
امر قرآن مجید و احادیث متواترہ یا مشہورہ سے بدرجہ غایت صحت پہنچ چکا ہو۔ اور وہ اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہو۔  
ضروریات دین کے متعلق مولانا شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”ضروریات دین وہ امور ہیں۔ جو قرآن مجید اور حدیث مشہورہ اور اجماع متواتر سے ثابت ہوں“  
(شفاء العلیل ترجمہ قول الجلیل مطبوعہ نظامی کاپنور)

اور اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ جیسے حشر و نشر اور جنت و دوزخ اور وزن اعمال اور گذرنا پل صراط پر وغیرہ ذلک۔

لیکن خاتم النبیین کے جو معنی فریق مخالف نے کیئے ہیں۔ نہ تو ان کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ نہ حدیث مشہور میں اور نہ اجماع متواتر سے یہ ثابت ہے۔ جیسا کہ پہلے صحابہ اور ائمہ سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہو چکا ہے۔ صحابہ کا تو ان معنوں پر جیسا کہ اجماع کی بحث میں آئے گا۔ کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کے بعض ذرقتے اہل حدیث وغیرہ اس اجماع کو جو فقہ والوں نے پیش کیا ہے۔ حجت شرعی ہی نہیں سمجھتے۔ اور امام مالک کے قول سے بھی ایسی مستفاد ہے۔ کہ جو صحابہ کے بعد اجماع کا مدعی ہے۔ وہ کاذب ہے۔ (مسلم الثبوت جلد ۲) اور مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔

ایک جماعت کا اتفاق اجماع نہیں کہلاتا۔ بلکہ اجماع اتفاق کل کا نام ہے۔ اور کل میں سے ایک شخص کا خلاف بھی مانع انعقاد اجماع ہے۔ اس کا ثبوت بھی تحریر ۵ میں ہے۔

(اشاعت السنۃ نمبر ششم لغایت دہم جلد ۱۴ ص ۸۹۰)

گو اہان مدعیہ و مختار مدعیہ کے معنوں کے خلاف ایک نہیں بلکہ کئی ائمہ و علماء سلف کی شہادتیں پیش کر چکے ہیں پس یہ معنی قطعاً عزو دلیت دین سے نہیں ہو سکتے۔ لہذا مختار مدعیہ کا یہ قول کرامت کا ان معنوں پر اجماع ہو چکا ہے کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

(۹)

## کیا تاویل کی وجہ سے کوئی کافر ہو سکتا ہے

گو اہان مدعیہ اور مختار ان مدعیہ اس امر کا اقرار کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود اور آپ کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہتے ہیں۔ لیکن خاتم النبیین کی تاویل کرنے کی وجہ سے کافر ہیں۔ اور مختار مدعیہ نے بھی دئی اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ گو اہان مدعیہ نے کوئی مثال پیش نہیں کی۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہ کہا گیا ہو یعنی مختار ان مدعیہ کے نزدیک بھی احمدیوں کے کفر کی وجہ خاتم النبیین کی تاویل کرنا ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہو سکتا۔ تو گو اہان مدعیہ کا احمدیوں کو کافر قرار دینا بھی غلط ثابت ہو جائے گا۔

سوال دونوں امور کے متعلق گو اہان مدعیہ نے اپنے بیان میں تفصیل سے ذکر کیا تھا۔ اور بتایا تھا۔ کہ بڑے بڑے ائمہ نے ضروریات دین میں تاویل کرنے والے کو کافر نہیں قرار دیا۔ جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان

سمجھتے ہوں۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کا کلمہ ہو ملا غلط ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ اس میں ثابت کیا تھا کہ احمدیہ جماعت خاتم النبیین کے معنی کی تاویل نہیں کرتی بلکہ لغت کی رو سے جو اس کے معنی بن سکتے ہیں۔ وہ یقینی ہے۔ اور اس کے برعکس گواہان مدعیہ نے جو معنی خاتم النبیین کے لیے ہیں وہ تاویل اور تلازم معنی ہیں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ حضرت ابو بکر کے اوائل ایام خلافت میں جن عربوں نے تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کیا تھا۔ انہیں حضرت ابو بکرؓ نے مرتد قرار دیا۔ بالکل غلط ہے۔ بعض لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی کے منکر ہو گئے تھے۔ اور اکثر نے اسلام کو چھوڑ دیا تھا۔ اور بعض جگہ متبنی بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ اور بعض نے اپنے ارتداد کی یہ وجہ قرار دی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر نبی ہوتے۔ تو نہ مرتے پس حضور صلعم کے وفات پانے کے ارتداد کا سبب بنالیا تھا۔ کسی حدیث میں ان کے ارتداد کی وجہ تاویلاً زکوٰۃ کی ادائیگی ذکر نہیں۔ مختار مدعیہ کا محض منالط ہے۔

تاویل کرنے والوں کو کافر نہ کہنے کے متعلق ایک حوالہ گواہ مدعا علیہ اس نے منہاج السنۃ کا پیش کیا تھا۔ کہ گواہ ۲ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ نے خوارج کو مسلمان ہی سمجھا۔ اور الخیر الراقی میں ان کی عدم تکبیر کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خولوں اور جانوں کو طلال سمجھتے ہیں تاویل سے کام لیتے تھے۔ اگرچہ وہ تاویل باطل تھی۔ اور اگر کوئی بغیر تاویل کے جائز سمجھے تو وہ کافر ہے۔

پھر منہاج السنۃ میں ہی لکھا ہے۔

الثانی ان المتأول الذی قصده متابعۃ الرسول لا یکفر ولا یفسق اذا اجتهد فاعطأ وهذا مشہور عند الناس فی المسائل العملیہ واما مسائل العقائد فکثیر من الناس کفرہ المخطئین فیہا وهذا القول لا یعرف عن احد من الصحابة والتابعین لہم باحسان ولا یعرف عن احد ائمتہ المسلمین وانما ہو فی الاصل من اقوال الیدع الدین یبتدعون بدعتہ ویکفرون من خالفہم فالخوارج والمعتزلۃ والجمہیۃ“

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۳)

بعض وہ تاویل کرنے والا جس کا ارادہ تاویل سے متابعت رسول ہو۔ اس کو کافر یا فاسق نہیں کہا جائے گا جب کہ وہ اجتہاد کرے اور غلطی کی جائے مسائل عملیہ کے متعلق تو یہ بات عام لوگوں میں مشہور ہے لیکن عقائد کے مسائل میں بہت سے لوگوں نے مخطیئون کو کافر کہا ہے۔ لیکن یہ تو کسی صحابی کا قول ہے اور نہ تابعین میں سے کسی کا۔ اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی امام کا یہ درحقیقت ان بدعتوں کا قول ہے جو ایک بدعت نکالتے ہیں

پھر جو ان کی مخالفت کرے۔ اسے کافر کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ اور جہمیہ اور اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ عقائد ہمیشہ مندرجات دین سے ہوتے ہیں۔ پس ان میں بھی اگر کوئی تاویل کرے۔ اور غلطی کھائے تو پھر بھی ان کی تکفیر کرنا سوائے بدعتیوں کے صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے جائز نہیں سمجھا۔

گو اہل مدینہ تو احمدیوں کی اس لاجہ سے تکفیر کرتے ہیں۔ کہ احمدی خاتم النبیین کے معنی یہ نہیں کرتے۔ کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔ حالانکہ یہ معنی نہ تو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نہ کسی صحیح مشہور حدیث میں۔ اور جس روایت میں آخر الانبیاء کا لفظ آیا ہے۔ تو وہ بھی ادنیٰ درجہ کی حدیثوں میں سے آیا ہے۔ اور عقائد میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی گو اہل مدینہ بڑے شوق سے ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف ہم صحابہ کو دیکھتے ہیں۔ کہ تقدیر کا مسئلہ جو اعتقادات اور ایمانیات میں سے ہے اس کا بعض لوگوں نے جب انکار کیا۔ تو اکثر صحابہ نے پھر بھی ان کو کافر نہ کہا۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں۔

وقد حدث انكار القدر في ايامهم فما كفرهم اكثر الصحابة رضي الله عنهم

(کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۳ صفحہ ۲۵۷)

یعنی ان کے زمانہ میں تقدیر کا انکار ہوا۔ لیکن اکثر صحابہ نے منکرین تقدیر کو کافر نہ کہا اور گواہ مدعا علیہ نے جو حوالہ البیہاقیت والخواجہ جابر ۲ ص ۱۸۱ سے پیش کیا تھا۔ اسے اب تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

امام عبد الوہاب الشعرانی ان غلط تاویل کرنے والوں کے منتفق جو اہل قبلہ ہیں۔ جیسے معتزلہ اور نجاریہ اور و افاض اور خوارج اور مشیخہ لکھتے ہیں۔ کہ

جمہور علماء اور خلفاء نے مؤدیین کو کافر نہیں کہا۔ بلکہ انہیں مسلمان سمجھا۔ اور مسلمانوں سے معاملہ کیا۔ اور جس نے انہیں کافر کہا۔ اس نے ظلم کیا۔ اور حد سے بڑھ گیا۔ یہ اختلاف بیان کر کے مؤدیین کو کافر نہ کہنے والے اماموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”کہ ائمہ کے دوسرے گروہ نے مؤدیین کی تکفیر نہیں کی۔ اور نہ ان میں سے کسی کو کافر اور نہ رسولوں کا مکذب قرار دیا۔ اور انہوں نے یہ دلیل دی ہے۔ کہ اگر تاویل کرنے والے کافروں کی طرح رسولوں کے مکذب ہوتے۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تاویل کے پیچھے نہ پڑتے بلکہ۔ اس کلام کو ہی پرے پھینکتے اور اس سے اعراض کر لیتے۔ پس ان کا اس کی تاویل کی طرف مائل ہونا بتاتا ہے کہ انہوں نے اس کلام کو قبول کیا۔ اور اس کی تصدیق کی۔ مگر اتنی بات ہے کہ وہ درست تاویل نہ کر سکے۔ اور اس میں غلطی کھا گئے۔ تو ان کا حکم اس شخص کا سا ہے۔ جو کفر سے بھاگا۔ اور اپنی غلطی سے بدعت میں مبتلا ہو گیا۔“

اور ابو یسحاق الحطابی فرماتے ہیں۔

کہ پہلی منارقت اہل سنت سے حضرت علیؑ کے زمانہ میں ہوئی اور مخالفت کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ خبر دی تھی کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کتیر نشانہ سے نکل جاتا ہے اور حضرت علیؑ سے ان کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا وہ کافر ہیں تو آپ نے فرمایا وہ کفر سے تو بھاگ گئے لیکن گواہ مدعیہ نے اپنے بیان میں کھوایا تھا کہ جب خوارج سے بعض ضروریات دین کا انکار ہوا تو نماز و روزہ ان کو حکم کفر سے بچا نہ سکا تو کہا گیا اچھا وہ منافق ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ منافقین تو خدا تعالیٰ کا قلیل ذکر کرتے ہیں اور یہ لوگ تو خدا تعالیٰ کا بہت ذکر کرتے ہیں تو دریافت کیا گیا کہ اچھا وہ ہیں کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہ لوگ ہیں کہ جنہیں فتنہ پہنچا تو اس میں اندھے اور بہرے ہو گئے۔

”قال الخطابی واما لم يجعلهم كفارا لانهم تعلقوا بغرب من التاديل“  
اور خطابی نے کہا کہ حضرت علیؑ نے انہیں کافر قرار نہیں دیا کیونکہ وہ ایک قسم کی تادیل کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول غیر قول من الدین سے مراد یہ ہے کہ وہ اطاعت سے نکل جائیں گے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت دما کان لیاخذ اخاه فی دین الملک میں دین سے مراد اطاعت ہے اور اس نے کہا کہ جو علماء تادیل کرنے والے کو کافر نہیں کہتے ان کی دلیل یہ ہے کہ تادیل کرنے والے کے خون اور اموال کی حفاظت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کی وجہ سے ایک ثابت شدہ امر ہے۔

”وله یثبت لنا ان الخطأ فی التادیل کفر۔“

اور یہ بات کہ تادیل کرنا کفر ہے یہ ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی کیونکہ اس کے لیے بھی نص یا اجماع کی دلیل کا ہونا ضروری یا اجماع کی اصل صحیح پر کوئی قیاس صحیح ہو لیکن ہم نے ان میں سے کوئی بات نہیں پائی پس تادیل کرنے والے لوگ مسلمان ہی ہوں گے ہاں اگر کسی زمانہ میں کسی ایسے مجتہد کا وجود پایا جائے جس میں ائمہ اربعہ کی طرح شروط اجتہاد کا مل طور پر پائے جائیں اور وہ کہے کہ اس کے پاس یقینی دلیل ہے اور تادیل میں غلطی کرنا موجب کفر ہے تو ہم انہیں کا ذکر کریں گے لیکن ایسے شخص کا پایا جانا بہت ہی بعید ہے۔  
اور لکھتے ہیں۔

کہ ہمارے شیخ امام الدین مصری امام جامع الغری نے بیان کیا کہ ایک شخص نے توحید کے بارے میں کچھ ایسی کلام کی جو بظاہر شریعت کے مخالف تھی تو شاہ مصری حضوری میں علماء کی مجلس منعقد ہوئی اور انہوں نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا۔ اور شیخ جلال الدین الملکی اس وقت غیر حاضر تھے جب حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ کس نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا تو شیخ الاسلام صالح البلقینی اور ایک جماعت نے کہا کہ ہم نے یہ فتویٰ دیا ہے تو اس نے کہا کس دلیل سے تو شیخ صالح نے جواب دیا کہ میرے والد شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے ایسے ہی واقعہ میں کفر کا فتویٰ دیا

تھا۔ تو شیخ جلال الدین نے کہا۔ تم اپنے باپ کے فتویٰ کی وجہ سے ایک مومن مسلمان شخص کو قتل کرتے ہو۔ جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد ہمارا نبی اللہ کا رسول ہے۔ پھر اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے قلعہ سے نیچے لے آئے اور کسی کو ان کا پیچھا کرنے کی جرات نہ ہوئی۔  
اور لکھتے ہیں۔

کہ مخدومی نے کہا۔ کہ شیخ الاسلام شہاب الدین زہریؒ نے ایک شخص کے قتل کا فتویٰ دیا۔ جس نے باوجود منع کرنے کے حضرت عائشہؓ ام المومنین کو گالیاں دی تھیں۔ پس جب وہ اس شخص کو قتل کرنے کے لیے کھینچ کر لے چلے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ کہ اے زہری بتا۔ تیری جنت اللہ تعالیٰ کے پاس کیا ہوگی۔ کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور محمد میرا نبی خدا کا رسول ہے۔ تو زہری اس کے بعد ہمیشہ اس کے قول کو یاد کر کے زار و زار رویا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ میں اس آدمی کے قتل سے عافیت ہوں۔ کہ کہیں قیامت کے روز مجھ سے اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہ کرے۔

دیکھو یہ خوف اس شخص کے متعلق ہے۔ جس نے کہ اس کو گالیاں دیں۔ اور برا بھلا کہا تھا۔ جس کی برأت قرآن میں مصرح ہے۔  
اور لکھا ہے۔

کہ امام شافعی سے منقول ہے کہ میں جو ظاہر کے مخالف تاویل کرنے والے ہیں۔ ان کو کسی ذنب کی وجہ سے کافر نہیں قرار دیتا۔

مخدومی کہتے ہیں کہ امام شافعی کی مراد اہل اجماع سے محض تاویل کرنے والے ہیں۔ جیسے معتزلہ اور مرجئہ اور اہل قبلہ سے اہل توحید مراد ہیں۔  
(ابواب اقیب والمجہول جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۴)

اسی حوالہ سے ظاہر ہے کہ کسی آیت کی تاویل یا کسی عقیدہ کی تاویل میں غلطی کرنے سے کوئی انسان کافر نہیں ہو جاتا۔ اور اسی طرح ابن حزم نے ایک گروہ کا ان لوگوں کے متعلق جو ان سے اعتقادی مسائل میں اختلاف کریں۔ یہ مذہب نقل کیا ہے۔

”ان كان الخلاف في صفات الله عز وجل فهو كافران كان فيما دون ذلك فهو فاسق وذہبت طائفة الى انه لا يكفر ولا يفسق مسلمٌ يقول قاله في اعتقاد۔ اوقلتا وان كل من اجتهد في شيء من ذلك فان بما راي انه الحق فانه ما جود على كل حال ان اصاب الحق فاجدان فان اخطأ فاجرٌ واحد وهذا قول ابن ابی سنی وابی حنیفہ و الشافعی و سفيان الثوري و داود بن علي رضي الله عنه

من جميعهم و هو كل من عرفنا له قولاً في هذه المسألة من الصحابة رضي الله عنهم لا نعلم منهم في ذلك خلافاً أصلاً“

(کتاب الفضل فی السنن والاعمال جلد ۲ ص ۲۴)

لیکن اگر مخالفت اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہے تو وہ کافر ہے۔ اور اگر اس کے سوا دوسرے معتقدات میں اختلاف ہے۔ تو وہ فاسق ہے۔ اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ کسی مسلم کی تکفیر اور تفسیق اس کے کسی قول کی وجہ سے جو اس نے اعتقاد کے بارے میں یا فتویٰ میں کہا ہو۔ نہیں ہوگی۔ اور ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے۔ اور جو اسے حق معلوم ہو اسے اختیار کرے۔ تو وہ بہر حال مباح ہے اگر اس نے خلی کو یا لیا۔ تو اسے دواجر ملیں گے۔ اور اگر غلطی کی تو ایک اجر اور یہ قول ابن ابی لیلیٰ اور ابو حنیفہ اور شافعی اور سنن توری اور داؤد بن علی اور تمام صحابہ کا ہے۔ جو ہم جان سکے ہیں۔ اور اس کے خلاف کوئی قول نہیں ملا۔

اور جو اختلاف خاتم النبیین کے معنوں میں فریق مدعیہ اور فریق مدعا علیہ کے مابین ہے ان حوالوں کی روشنی میں کون انسان ہے جو یہ کہے کہ اس کی وجہ سے گواہان مدعیہ کو فریق مدعا علیہ کی تکفیر کا حق حاصل ہے۔ اور بخاری وغیرہ کا یہ قول کہ اہل اہوا و عودہ ہیں جو اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ یہاں بھی ضروریات دین میں سے کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ معتزلہ اور مشبہہ اور جہمیہ وغیرہ نے جو اللہ تعالیٰ کی صفات و صفیہ اور قرآن مجید کے متعلق آپس میں اختلاف کیا ہے۔ کوئی قطعاً نہیں کہہ سکتا۔ کہ اگر خاتم کے معنی آخری معنی جس کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی نہ آوے۔ ضروریات دین میں سے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تائید یا عدم تائید کرنا کیوں ضروریات دین میں سے نہیں ہے۔

اور علاوہ ازیں جیسا کہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں۔ کہ احمدی جماعت خاتم النبیین کے معنی کرنے میں تاویل نہیں کرتی بلکہ اس کے صحیح معنی لیتی ہے جو عربی زبان اور محاورات کی رو سے بالکل درست ہے لیکن فریق خافت ہے جو اس کے تاویل معنی کرتا ہے کیونکہ زبان عرب اور محاورات عرب کے لحاظ سے خاتم کے معنی آخر کے حقیقی معنی میں نہیں بلکہ لازم معنی ہیں۔

### حضرت مسیح موعود علیہ السلام نزدیک خاتم النبیین کے معنی

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی خاتم النبیین کے ہی معنی کئے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور اس کے لیے ایام اصالہ ص ۵۱ اور ص ۱۲۶ آئینہ کالات اسلام ص ۳۸۷ اور راز حقیقت ص ۱۷ اور ازالہ ادہام ص ۲۳۸ اور ص ۱۶۲ وغیرہ کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو جہاں جہاں حضرت اقدس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد لی ہے کہ آپ کے بعد

کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ تو وہاں سے وہ نبی مراد ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا نتیجہ نہ ہو چنانچہ۔

ایام الصلح ص ۱۱ میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ

اسلام میں اس نبوت کا دروازہ تو بند ہے۔ جو اپنا سکہ جاتی ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور حدیث میں ہے لابی بعدی اور یکن باہمہ حضرت مسیح کی وفات خصوص قطعہ سے ثابت ہو چکی ہے لہذا دنیا میں ان کے دوبارہ آنے کی طمع خام اور اگر کوئی ادنیٰ بنیایا پونا آوے۔ تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہ خاتم الانبیاء ہیں۔ ہاں وحی ولایت اور کمالات الہیہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اسوا اس کے حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ محدث بھی عموماً اور رسولوں کی طرح خدا کے مرسلوں میں داخل ہے۔ بخاری میں و ما ادسلنا من رسول ولا نبی ولا محدث کی تواتر غور سے پڑھو۔ دوسری حدیث میں ہے۔ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل۔

یہ بھی یاد رہے۔ کہ مسلم میں مسیح موعود کے حق میں نبی کا لفظ بھی آتا ہے۔ یعنی بطور مجاز اور استعارہ کے اس وجہ سے براہین احمدیہ میں بھی ایسے الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے حق میں ہیں۔ دیکھو ص ۴۸۸ ہوالفی ارسل رسولہ بالہدی اس جگہ رسول سے مراد یہ عاجز ہے۔ اور پھر دیکھو ص ۵۰۲ براہین احمدیہ میں یہ الہام ہے۔ جوی اللہ فی حلال الانبیاء جس کا ترجمہ ہے خدا کا رسول نبیوں کے لباس میں۔ اس الہام میں یہ نام رسول بھی رکھا گیا۔ اور نبی بھی جس شخص کے خود خدا نے یہ نام رکھے ہوں۔ اس کو عوام میں سے سمجھنا کمال درجہ کی شوقی ہے۔ ص ۵۰۲ اور ایام الصلح ص ۱۱ میں یہ لکھا ہے۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا بھی حضرت عیسیٰ کی موت کو ہی چاہتا ہے۔ کیونکہ اگر آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی آجائے، تو آپ خاتم الانبیاء نہیں ٹھہر سکتے۔ اور نہ وہی نبوت کا سلسلہ منقطع تصور ہو سکتا ہے اور نہ چرانے نبی کی تفریق کرنا یہ ضرارت ہے۔ نہ حدیث میں نہ قرآن میں تفریق موجود ہے۔ اور حدیث لابی بعدی میں بھی نفی عام ہے۔

اب یہ عبارات صاف بتلا رہی ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ جس قسم کے نبی کی آمد کو وہ پرانا ہو یا نیا بند تجویز فرماتے ہیں۔ وہ مستقل نبی ہے جس نے براہ راست نبوت کو پایا ہے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ کی مثال سے ظاہر ہے۔ ورنہ آپ ساتھ ہی صاف طور پر یہ اقرار کرتے ہیں۔ کہ میرا نام خدا نے رسول اور نبی رکھا ہے۔ اور ازالہ ادہام ص ۲۳۸ میں لکھا ہے۔

”نیز خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے ہاں ایسا نبی جو شکوۃ نبوت محمدی سے نور حاصل کرتا ہے۔ اور نبوت تامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں۔



وہ اس تحدید سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ بیاہٹ اتباع اور فنا فی الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے۔ جیسے جز کل میں داخل ہوتی ہے۔ لیکن مسیح ابن مریم جس پر انجیل نازل ہوئی جس پر جبریل کا نازل ہونا بھی ایک لازمی امر کا سمجھا گیا ہے۔ کسی طرح امتی نہیں بن سکتا۔  
پھر ص ۲۴۲ میں لکھا ہے۔

محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں، بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پایا ہے۔  
غرضیکہ جس صبح تک آپ نے خاتم النبیین اور لانی بعدی سے یہ مراد لیا ہے، کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبیا یا پرانا نہیں آسکتا۔ تو اس سے مراد وہی نبوت ہے جو مستقل نبوت ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی تھی۔ نہ کہ دوسری نبوت جو آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کثرت مکالمات و مخاطبات اور امور نبیہ پر کثرت سے اطلاع پانے کا نام ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطور قاعدہ کلیہ کے فرماتے ہیں۔

جس جس جگہ میں نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔ اور نہ ہی مستقل طور پر نبی ہوں مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا  
(ایک غلطی کا ازالہ ص ۱)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول فیصلہ کن ہے۔ کہ آپ نے جہاں کہیں یہ لکھا ہے کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا یا یہ کہ آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل مسدود ہے اس کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت کے بعد کوئی ایسا نبی یا موعود یا پرانا نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ یا آپ کے واسطے سے بغیر نبوت حاصل کرے لیکن اس امر کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے آپ اپنے لیے باوجودیکہ آپ کو الہامات میں آپ کا نام نبی اور رسول رکھا گیا تھا۔ لیکن آپ اپنے متعلق محدث کا لفظ استعمال فرماتے رہے۔ ان معنی سے کہ آپ نے یہ مقام آنحضرت صلعم کی اتباع سے حاصل کیا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے تھا کہ ابند اعراب نبی کی یہ تعریف خیال فرماتے تھے۔ کہ نبی وہ ہے جو شریعت لائے یا شریعت سابقہ کے بعض احکام منسوخ کرے۔ یا بلا واسطہ نبی ہو۔

چنانچہ حقیقۃ النبوة ص ۱۲۵ میں بحوالہ الحکم جلد ۲ ص ۲۹۹ لکھا ہے

مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسولوں کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں۔ یا بعض

احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں۔ یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے۔ اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہر شریار رہنا چاہیئے۔ کہ اس جگہ بھی یہی معنی مدعہ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کے نہیں ہے۔ اور ہمارا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے بانی علیہ السلام خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔

لیکن چونکہ لغت میں جو شرائط نبوت پائی جاتی تھیں۔ وہ اپنے اندر موجود پاتے تھے۔ یعنی (۱) کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ (۲) انداز و تبشیر سے اور غیب پر اظہار (۳) خدا تعالیٰ کا نبی نام رکھنا اس لیے آپ اپنے آپ کو نبی کہتے تھے۔ اور عام مسلمانوں کی مذکورہ بالا تعریف کے خلاف سمجھ کر (کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا ہی عقیدہ تھا اور انہیں انکشاف نام تک عام عقیدہ پر قائم رہتے ہیں) آپ باوجود سب شرائط نبوت کے پائے جانے کا اقرار کرنے کے لیے نبی کی بجائے محدث کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ لیکن بار بار کے الہامات نے آخر آپ کی توجہ کو نبی کے حقیقی مفہوم کی طرف پھیرا اور آپ کے دل پر پورے طور پر امر واقعہ کا انکشاف ہوا۔ اور قرآن کریم بھی آپ نے عام لوگوں کے عقیدہ کے خلاف پایا۔ تو آپ نے اس پہلے عقیدہ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ اس کا ثبوت وہ تحریرات ہیں۔ جو آپ نے نبی کی تعریف میں <sup>۱۹۰</sup>سے کے بعد لکھی ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

(۱) خدا کی یہ اصطلاح ہے۔ جو کثرت مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے نبوت لکھا ہے۔ یعنی ایسے

مکالمات جن میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہیں (چشمہ معرفت ص ۲۵، ۱۹۰۸ء)

(۲) جب کہ وہ مکالمہ و مخاطبہ اپنی کمیت و کیفیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی

کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور۔ کھلے طور پر امور غیب پر مشتمل ہو۔ تو وہی دوسرے نقطوں میں نبوت کے نام

سے موسوم ہوتا ہے۔ جس پر عام نبیوں کا اتفاق ہے۔ (الوصیت صفحہ ۱۴، ۱۹۰۵ء)

(۳) ایسے شخص میں ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف بنی نوع انسان

کی ہمدردی اور اصلاح کا بھی ایک عشق ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اصطلاح اسلام میں نبی اور رسول اور محدث

کہتے ہیں۔ اور وہ خدا کے پاک مکالمات و مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں اور خوارق ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے

ہیں۔ اور اکثر دعائیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ (لیکچر سیالکوٹ ص ۱۵-۱۸، ۱۹۰۴ء طبع دوم)

(۴) جس کے ہاتھ پر اخبار غیبہ منجانب اللہ ظاہر ہوں گے۔ بالضرورة اس پر مطابق آیت فلا یظہر علی غیبہ

کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا (ایک غلطی کا ازالہ ص ۱۹۰۱ء)

(۵) عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت

کے یہ معنی متحقق نہیں ہو سکتے (مکتوب مندرجہ اخبار عام ص ۱۹۰۸ء)

پس پہلی تعریف کے مطابق تو آپ اپنے نبی ہونے اور آنحضرت صلیم کے بعد کوئی نبی نیا ہے۔ یا پرانا انکار کرتے رہے اور دوسری تعریف کے ماتحت اپنے آپ کو نبی کہتے رہے۔ اور اس مفہوم نبوت کا اپنے میں متحقق ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور اس قسم کی نبوت جو آنحضرت صلیم کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر حاصل ہو۔ کبھی ختم نبوت اور لائبرٹی کے خلاف نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اب میں آپ کی دوسری تحریریں پیش کرتا ہوں جس سے خاتم النبیین اور لائبرٹی کے معنی آپ تے کئے ہیں۔

(۱) ایک طرف تو آپ حسب ایت ماکان محمد با احمد من رجا لکم اولاد فزینہ سے جو ایک جسمانی یادگار تھی محروم رہے۔ اور دوسری طرف روحانی اولاد بھی آپ کو نصیب نہ ہوئی۔ جو آپ کے روحانی کمالات کی وارث ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ قول وکن رسول اللہ وخاتم النبیین بے معنی الیخ ظاہر ہے۔ کہ زبان عرب میں لکن کا لفظ استدراک کے لیے آتا ہے۔ یعنی جو اس حاصل نہیں ہو سکا اس کے حصول کی دوسرے ہیرا میں خبر دیتا ہے۔ جس کی رو سے اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت کی جسمانی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اور آپ نبیوں کے لیے ہر مہر ہارے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی اتباع کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔ غرض اس آیت کے یہ معنی تھے۔ جن کو الٹا کر نبوت کے آئندہ فیض سے انکار کر دیا گیا۔ حالانکہ اس انکار میں آنحضرت صلیم کی سراسر مذمت اور منقصت ہے۔ کیونکہ نبی کا کمال یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو غل طور پر نبوت کے کمالات سے متفق کر دے اور روحانی امور میں اس کی پوری پرورش کر دکھلا دے۔ (چشمہ مبہمی ص ۴۵-۴۶)

(۲) پھر فرماتے ہیں دتقی بختم النبوة ختم کما لانہا علی تبیینا الذی هو افضل مرسل اللہ وانبیاء و نعتقد بانہ لا نبی بعدہ الا الذی ہو من امتہ ومن اکمل اتباعہ الذی وجد الفیض کلہ ومن روحانیتہ واحماً یضیاء ہذاک لاغیر ولا مقام الغیرۃ ولیست نبوة اخری ولا محل للغیرۃ

(مواہب الرحمن ص ۶۷)

” اور ختم نبوت سے ہماری مراد یہ ہے۔ کہ تمام کمالات نبوت ہمارے نبی پر جو خدا کے انبیاء اور تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ ختم ہو گئے ہیں۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ مگر وہ جو آپ کی امت سے ہو اور آپ کے کامل متبعین سے ہو۔ اور تمام فیض آپ کی روحانیت سے پایا ہو۔ اور آپ کے نور سے منور ہوا ہو۔ پس وہاں غیرت نہیں ہے۔ اور نہ ہی جائے غیرت۔ اور کوئی دوسری نبوت نہیں ہے۔ اس لیے ایسی نبوت محل حیرانگی نہیں۔

(۱۳) پھر فرماتے ہیں :-

و اِنِّى عَلَى مَقَامِ الْخَتَمِ مِنَ الْوَلَايَةِ كَمَا كَانَ سَيِّدِى الْمُسْطَفَى عَلَى مَقَامِ الْخَتَمِ مِنَ النَّبُوَّةِ وَلَا خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا خَاتَمَ الْاَوْلِيَاءِ لِاجْلِ بَعْدِى اِلَّا الَّذِى هُوَ مَنِىْ دَعَا عَلَى عَهْدِى -  
(خطبہ الہامیہ ص ۳۵)

کہ جیسے میرے سردار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت کے مقام پر تھے۔ میں ختم ولایت کے مقام پر ہوں آپ خاتم الانبیاء تھے۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ ان معنوں میں کہ میرے بعد کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو۔ اور میرے طریقہ پر ہو۔ اس لحاظ سے خاتم النبیین کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر جو آپ میں سے ہو اور آپ کی شریعت کا متبع ہو۔

(۴) عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ خدا ایک اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نبی ہے۔ اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔ اب بعد اس کے کوئی نبی نہیں گروہی جس پر ہر روزی طور سے محیرت کی چادر پہنائی گئی کیونکہ خدام اپنے مخدوم سے جدا نہیں اور نہ شاخ اپنی بیخ سے جدا ہے۔ پس جو کامل طور پر مخدوم میں فنا ہو کر خدا سے نبی کا لقب پاتا ہے۔ وہ ختم نبوت کا خلیل انداز نہیں۔  
(کشتی نوح ص ۱۵)

(۵) پھر ختماء مدعی نے کہا ہے۔ کہ اپنے آپ کو خاتم الاولاد لکھا ہے۔ باوجودیکہ یہ اردو زبان میں استعمال کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ کہ آیا یہ خاتم بقیع نام ہے یا بکسر تا ہے تاہم اس کی تشریح بیان گواہ مرعاطیہ میں کی جا چکی ہے۔ آپ نے اپنے لیے خاتم المصلحین بھی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔  
(اربعین ص ۱۷۰ ایڈیشن دوم)

غرض آنے والے مصلح کے لیے جو خاتم المصلحین ہے۔ دو مہر عطا کئے گئے ہیں۔ اب اس سے آپ کا یہ قطعاً منشا نہیں ہے کہ آپ کے بعد کوئی مصلح نہیں آئے گا۔ بلکہ آپ نے آئندہ مصلح موعود کے آنے کی پیشگوئی کی ہوتی ہے۔

پھر اس طرح آپ فرماتے ہیں :-

” اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام خاتم المخلوقات میں “  
(تحفہ گولڑویہ ص ۱۶۰ ایڈیشن دوم)

کیا آدم علیہ السلام کے خاتم المخلوقات ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی مخلوق نہیں اور سلسلہ خلق بند ہو گیا ہے۔ مگر نہیں بلکہ اس سے مراد یہی ہے۔ کہ آدم علیہ السلام اکمل اور اشرف المخلوقات

ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اشراف المخلوقات ہیں۔ جیسے آدم کے بعد کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔ مگر جو اس کی نسل سے ہو۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو آپ کی روحانی اولاد سے ہو۔

(۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خانم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کے لیے مہر دی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا۔ یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشی ہے۔ اور آپ کی توجہ سے روحانی نبی تراش ہے۔ اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی تھی۔

(حقیقۃ الوحی حاشیہ ص ۹)

(۷) وان قال قائل کیف یكون نبی من هذه الامة وقد ختم الله على النبوة فالجواب انه عز وجل ما سما هذا الرجل نبیاً الا لاثبات کمال بنوۃ سیدنا خیر البریۃ فان ثبوت کمال النبی لا یتحقق الا بثبوت کمال الامة ومن دون ذلك او عاء محض لا دلیل علیہ عند اهل الفطنة ولا معنی یختم النبوة علی فرد من غیر ان تختم کمالات النبوة علی ذلك الفرد ومن کمالات العظمی کمال النبی فی الافاضة وهو لا یثبت من غیر نموذ ج. یوجد فی الامة

(استغفار ص ۱۱۱ ماشیہ)

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے۔ کہ اس امت سے نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت پر مہر کر دی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کے اثبات کے لیے رکھا ہے کیونکہ نبی کا کمال اس کی امت کے کمال کے ثبوت سے متحقق ہوتا ہے۔ اور اس کے بغیر تو کمال کا دعویٰ کرنا اہل دانش کے نزدیک دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور کسی فرد پر نبوت کے ختم ہونے سے سوائے اس کے اور کیا سرا ہو سکتی ہے کہ اس فرد پر کمالات نبوت ختم ہو گئے اور سب سے بڑا کمال نبی کا یہ ہے۔ کہ وہ دوسروں کو فیضانِ پہنچانے میں کامل ہے۔ اور اس کا نبوت جب تک کہ امت میں کوئی نمونہ موجود نہ ہو ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۸) آنچہ آستانایان حقیقت بہ مغز سخن نارسیدہ بہ لفظ رسول و رسالت و نبی و نبوت اعراض میکنہ۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء است و مضمون حدیث لانی بعدی بعد از ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ تمانہ بود ایشان معنی ختم نبوت۔ اھل انجیل و انجیلہ بر وجود نبی بعد از ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم مسلم کمال علیہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آکرے تا دیر بر وجود نبی بعد از ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم مسلم کمال علیہ نبوت ختم شدہ است نہ نبوت آکرے رزقیاست غیر از امت و امت بود ان آنحضرت نبی صاحب شریعت جدیدہ نخواہد رسید چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رازیہ میں اعتقاد است کہ انقدر مطہر فی کل جمیع بکمال الانوار عن عائشہ قولاً خاتم الانبیاء و لا تقولوا لانی بعدہ الغرض عقدہ ما نیست اسلر نبوت ختم شدہ است

الامکالات نبوة برذات سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ختم گشت است بیچ اسرائیل نبی دریں امت نخواهد رسید آنکہ مبعوث شدنی بود مبعوث گردند۔

(تذکرہ اشہاد تین فارسی حاشیہ ص ۱۹۳ جولائی ۱۹۳۳ء)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک خاتم النبیین اور لابی بعدی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مستقل یا صاحب نزعیت جدیدہ پرانا ہو یا نیا اس امت میں نہیں آسکتا۔ ہاں ایسا نبی خوفناک الرسول ہو کہ نبوت کے تقاضا کو حاصل کرے تو ایسی نبوت ختم نبوت اور حدیث لابی بعدی کے مخالف نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ کا حضرت مسیح موعود کی تخریبات کو اپنی تائید میں پیش کرنا بے سود ہے اگر اس بارہ میں زیادہ تحقیق و کار ہو تو ملاحظہ ہو۔

(حقیقۃ النبوة ص ۸۲ تا ۱۲۴)

(۱۰)

### انقطاع نبوة پر دوسری پیش کردہ آیات کا صحیح مطلب

دوسری آیت جو گواہان مدعیہ نے اپنے زعم میں انقطاع نبوت پر پیش کی ہے۔ وہ آیت ۱ لیوم اکملت لکم دینکم وانتم علیکم نعمتی کر جب دین کامل ہو چکا۔ اور نعمت پوری ہو چکی۔ تو اب کسی نبی کی کیا ضرورت جواب۔

اس آیت میں انقطاع نبوت کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اکمال دین اور اتمام نعمت کا ذکر ہے۔

(۱۲) اکمال دین اور انقطاع نبوت آپس میں لازم نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کے لیے نیا دین لانا ضروری نہیں ہے بلکہ پہلے دین کی اشاعت اور ترویج کے لیے بھی نبی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ آیت ان انزلنا التوراة فیہا

ہدیٰ و نور حکم بها الذین دنا لہ سے ظاہر ہے۔

(۱۳) پس اس آیت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے۔ تو صرف اتنا کہ ایسا نبی کوئی نہیں آسکتا جو شریعت جدیدہ لائے یا شریعت اسلامیہ کے احکام میں تغیر و تبدل کرے۔

(۱۴) گواہان اور مختار مدعیہ خود حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کی حیثیت میں نزول کے قائل ہیں۔ تو کیا وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں کوئی نقص ہے۔ پس جس غرض کے لیے وہ حضرت عیسیٰ کا انتظار کر رہے ہیں اسی غرض کے لیے ہم حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کو مانتے ہیں۔

(۱۵) اگر دین کا مکمل ہونا کسی نبی کے وجود کا مانع ہے۔ تو پھر یہی دین اپنی ترویج اشاعت کے لیے کیوں ایک اسرائیلی نبی کا محتاج ہے۔

(۶) اصل بات یہ ہے کہ اکمال دین اور اتمام نعمت ہی اس امر کی مقتضی ہے کہ اسی دین کی پیروی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات روحانیہ کو حاصل کرے۔ اور روحانیت کا اعلیٰ درجہ کا ارتقائی مقام جو نبوت کے کام سے موسوم ہے۔ وہ اس مقام پر اس کل دین کی متابعت اور کامل نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے فائز ہو۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ عا

بخاری سید عبد الکریم بن ابراہیم جمیل اپنی کتاب الانسان الکامل جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں۔  
قال الله تعالیٰ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی الی فانقطع نبوة التشريع بعدہ و کان محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لانہ حیا یا لکمال ولم یحیی بعدہ بذلک اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں عا

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکمال دین کی وجہ سے خاتم النبیین ہوئے ہیں۔ اور اگر یہی آیت الیوم اکملت لکم کسی اور نبی پر نازل ہوتی۔ تو وہی خاتم النبیین ہوتا۔

(۲) لیکن یہ آیت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ تو آپ خاتم النبیین ہوئے کیونکہ آپ نے کوئی حکمت اور کوئی ہدایت اور کوئی علم اور کوئی سراپا نہیں چھوڑا جس کی ضرورت ہو۔ اور آپ نے وہ نہ بتایا ہو۔

(۳) آئندہ جو کالمیں آئیں گے وہ آپ ہی کا اتباع کریں گے۔ اور شریعت کو وہ کامل ہی پائیں گے۔

(۴) چونکہ دین کا آپ پر کامل ہونا آپ کے خاتم النبیین ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لیے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ختم نبوت کا تعلق دین اور شریعت سے ہے۔ کہ آپ کے بعد کوئی شریعت نہیں آئے گی

(۵) آخر میں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ آنحضرت مسلم نے سب اموں تک دین میں احتیاج ضروری تھی۔ بیان کر دی ہے۔ اس لیے آپ کے بعد تشرعی نبوت کا حکم منقطع ہو گیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کیونکہ آپ ہی کامل دین لے کر گئے اور کوئی نہیں لایا۔

پس اس آیت سے بھی آئندہ باب نبوت کا مسدود ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ دین کا کامل ہونا چاہتا ہے۔ کہ اب مقام نبوت جو خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اس سے اس دین کے متبعین محروم نہ ہوں۔ بلکہ عند الضرورت اللہ تعالیٰ انہیں اس نعمت سے منتفع فرمادے۔

بقیہ آیات ۱۔

اسی طرح آیت وما ارسلناک الا کائنۃ للناس اور آیت قل ینالیہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً اور لکی قدم جا پیش کر کے یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ آپ کی رسالت و بعثت تمام لوگوں کے لیے ہے اس لیے آپ

کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

سوال کا جواب یہ ہے:-

(۱) ان آیات میں آئندہ نبی آنے یا نہ آنے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے دوسرے انبیاء پر ایک یہ بھی فضیلت ہے کہ وہ ایک قوم کے لیے آئے تھے اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ پس اس میں دعوت کی عمومیت کا ذکر ہے۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے۔ لیکن آپ کے دین کی ترویج کے لیے ان کے بعد بہت سے نبی آئے۔ اور وہ حضرت موسیٰ کے دین پر لگول کو عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے رہے اس طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی جو آپ کا تتبع اور آپ کی شریعت کو فروغ دینے کے لیے آئے تو اس میں آپ کی دعوت کی عمومیت میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اور چونکہ وہ آپ کا شاگرد ہوگا۔ اور اس نے تمام فیوض آپ کی متابعت کی برکت سے پائے ہوں گے اس لیے اس سے بھی آپ کی دیگر انبیاء پر فضیلت ثابت ہوگی۔ اور آیت انا ارسلنا الیکہ رسولاً شہداً علیکھما ارسلنا الیٰ فرعون رسولاً۔

کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مثیل موسیٰ ہوئے۔ تو ضروری ہوا کہ جیسے سلسلہ موسیٰ میں شریعت موسیٰ کی ترویج و اشاعت کے لیے نبی آئے یہاں بھی کم از کم مشابہت کو پورا کرنے کے لیے ایک نبی آئے۔ لیکن چونکہ ان تمام نبیوں میں اس لیے وہ نبی آپ کی کمال متابعت کر کے ہی ہو سکتا ہے۔ تاہم بھی ظاہر ہو کہ آپ حضرت موسیٰ سے بہت بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ آپ کی توجہ روحانی نبی تراث ہے۔ اور آپ کی شاگردی اور اتباع سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج و مشابہت کو حاصل کر سکتا ہے۔

اور گواہ مدعیہ مالف نے جو آیت سر اجامیزائیش کی ہے کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہے۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ جیسے سورج پر روشنی ختم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کئے کوئی روشنی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قائم النبیین کے یہ معنی نہیں کہ آپ کے فیض سے بھی کوئی نبوت کو نہیں پاسکتا۔ اور اس وجہ سے آپ کو صرف سورج ہی نہیں۔ بلکہ منیر سورج قرار دیا گیا ہے۔ یعنی دوسروں کو بھی وہ روشنی کرنے والا ہے پس جیسے چاند سورج سے روشنی حاصل کر کے معور ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو نور پہنچاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہی شخص منور اور دوسروں کو روشن کر سکتا ہے جس کا نور نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفاد ہو۔

اس طرح گواہ مدعیہ مالف نے جو آیت قل ملئین اجتماع الانفس والجن احد آیت وبالحق انزلناہ اور آیت اطیعوا اللہ والرسول وغیرہ کسی آیت سے بھی ایسی نبوت کا جس کے ہم قائل ہیں۔ انقطاع ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ انہی توجہات کے بقا پر انقطاع کا ذکر ہی نہیں پایا جاتا۔ اور آیت میناق النبیین سے تو نبوت کا بقاء ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسے دیگر انبیاء سے میناق لیا گیا ویسے



ہی آنحضرت صلم سے بھی لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ حجر کی آیت سے ظاہر ہے۔ اور آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لحافظون سے بھی ہی نکاتا ہے۔ کہ ایسے وقت میں جب کہ علم قرآن دنیا سے اٹھ جائے گا تو اس کی حفاظت معنوی کے لیے ایسے نبی کا آنا جو آنحضرت صلم کی اولاد روحانی سے ہو۔ اور قرآن مجید کی پیروی کی برکت سے اس نے مقام نبوت حاصل کیا ہو۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے جب کہ آنے والا نبی کوئی نیا حکم نہیں لائے گا تو اس کا آنا سوائے تخریب امت ہونے کے اور کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ جواب ہے کہ نبوت فی نفسہ کوئی عذاب نہیں۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ پس ایسا نبی جو آنحضرت صلم کا پیرواد آپ کی شریعت کی ترویج و اشاعت کے لیے آئے اس کا انا یقیناً باعث تخریب امت نہیں۔ بلکہ اصلاح امت ہوگا۔

اور مختار ان اور گواہان مدعیہ کا اپنا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی ہیں وہ آئیں گے۔ اور آنحضرت صلم کے دین کی اشاعت کریں گے۔ پس اگر ایک مستقل نبی کے آنے سے آنحضرت صلم کی رسالت اور دعوت کے عام اور تمام لوگوں کے لیے ہونے میں کوئی رخنہ واقع نہیں ہوتا۔ تو آنحضرت صلم کی اولاد روحانی میں سے ایک فرد کو حضور کی پیروی کی برکت سے اگر مقام نبوت حاصل ہو جائے۔ تو اس میں کون سا گناہ لازم آجاتا ہے۔ بہر حال گواہان مدعیہ نے جو آیات اپنے مدعا کے اثبات میں پیش کی تھیں ان سے قطعاً ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

(۱۱)

## پیش کردہ امادیت کا صحیح مطلب

مختار مدعیہ اور گواہان نے جو امادیت انقطاع نبوت کے ثبوت میں پیش کی تھیں۔ ان کے جو جوابات گواہان مدعیہ نے دیئے تھے مختار ان مدعیہ نے اپنے سکوت سے ان کو صحیح تسلیم کر لیا۔ اور ان کے رویں کوئی بات پیش نہیں کی اس لیے میں مختراً ان جوابات کو ہر ادنیٰ ہوں۔ اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعیہ نے دوسرا امادیت پیش نہیں کیا جس میں سے سترہ حدیثیں صحیح پیش کی گئیں محض مقابلہ ہے۔ کسی کے فضول دعویٰ سے کہ اتنی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ دعویٰ ثابت نہیں ہو جاتا۔ اور جو حدیثیں انہوں نے پیش کی تھیں۔ وہ ان کے مفید مطلب نہیں ہیں۔ اور قطعاً ان سے ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ اور کل حدیثیں انہوں سے تیرہ پیش کی ہیں۔ اور یہی ان کے نزدیک سب سے قوی تھیں۔ لیکن ان سے بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر ان تیرہ میں سے بھی بعض امادیت بالکل ضعیف ہیں۔

پہلی حدیث :-

کہ آنحضرت صلم نے حضرت علی کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”الا ترضی ان تكون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی“  
 کہ اے علی کیا تو اس بات سے خوش نہیں ہوتا کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰ کو ہارون تھے مگر ہاں میرے  
 بعد کوئی نبی نہیں۔

اب اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ آنحضرت صلیم کی وفات کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ سیاق حدیث کے بالکل خلاف  
 ہے یہاں اصل میں وجہ شبہ حضرت علی اور حضرت ہارونؑ میں وہ خلافت کا غلط اسرار ہے جو دو کو پیش آیا۔ حضرت  
 موسیٰ علیہ السلام طوریٰ تشریف لے گئے تو ہارون کو نینفہ بنا گئے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
 وقال موسیٰ لا خلیفہ یا ہارون اخلقی فی قومی (اعراف)

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سے کہا کہ اے ہارون میری قوم میں تو میرا جانشین رہ اس طرح پر آنحضرت  
 صلیم نے حضرت علی کو غزوہ تبوک پر جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا لیکن جب حضرت علی کو حضرت ہارون  
 سے تشبیہ دی گئی۔ تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ حضرت ہارونؑ تو نبی تھے غاید یہ بھی نبی ہوں۔ تو آپ نے  
 اس کا ازالہ کر دیا۔ کہ میرے بعد نبی نہیں۔ چنانچہ بحار الانوار کی ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ  
 انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الانبوة - (بحار الانوار جلد ۹ ص ۵۷۹)

کہ تو مجھے ہارون کی طرح ہے موسیٰ کے مقابلہ میں مگر نبوت میں نہیں۔ یعنی تو نبی نہیں ہے۔ اور ص ۵۷۹ میں الا انہ  
 لیس معی نبی کے الفاظ ہیں۔ کہ میرے ساتھ کوئی نبی نہیں ہے اور ایک حدیث میں تو صاف لکھا ہے۔

اما ترضی ان تكون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انک لیس بنبی انہ لا ینبغی  
 لی ان اذهب الادانت خلیفتی - (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۳)

کہ تو مجھے ہارون کے بمنزلہ پر ہے۔ مگر یہ کہ تو نبی نہیں ہے۔ اور میرے لیے مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور  
 آپ کو اپنا جانشین مقرر کر کے نہ جاؤں۔

اور بعد کے معنی غیر حاضری کے بکثرت قرآن و حدیث میں انتقال ہوئے ہیں۔

(۱) فانا قد فتننا قومک من بعدک یا موسیٰ (طہ) اے موسیٰ ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد یعنی  
 تیری غیر حاضری میں فتنے میں ڈال دیا ہے۔

(۲) ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال یئسما خلفتمونی من بعدی - (اعراف ۱۰)  
 جب حضرت موسیٰؑ ناراضگی سے افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئے تو فرمایا۔ تم نے میری غیر موجودگی  
 میں میری جانشینی کی ہے۔

(۳) اذ ذل بعدنا موسیٰ اربعین لیلة ثم اتخذتم العجل من بعدہ - (بقرہ ۵)

تو یہاں بھی بعدہ کے معنی بعد ذہابہ الی السورس ہیں۔ یعنی طور پر جانے کے بعد معنی ان کی غیر ماضی میں تم نے بچپڑے کو مسمود بنایا۔

پس بعد کے معنی غیر ماضی کے کثرت سے زبان عرب میں پائے جاتے ہیں۔ باقی اس امر کی تاہد میں حوالہات اور مطلب کے لیے ملاحظہ ہوں۔ بیان (مطبوعہ) گواہ مدعا علیہ

او المراد انه لم یبعث بعد عیسیٰ نبی بلا شریعة مستقلة واعلم مستقلة فان یبعث بعدہ من بعث بتقریر شریعة عیسیٰ دفعہ خالد بن سنان اخرجها المحاکم من المستدرک من حدیث ابن عباس ولها طرق - (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۵۶)

(۱۴)

### علماء نے لابی بعدی کے کیا معنی کئے

نواب صدیق حسن خاں صاحب اقترب الساعة مطبوعہ آگرہ ص ۱۶۲ میں لکھتے ہیں  
ما حدیث لادی بعد موتی بے اصل ہے۔ ہاں لابی بعدی آیا ہے۔ مگر اس کے معنی بھی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔

(۲) اسی طرح ملا علی قاری بھی فرماتے ہیں۔

اما حدیث لادی بعدی باطل لا اصل له نعم ورد لا نبی بعدی ومعنا  
عند العلماء انه لا یحدث بعدہ نبی بشرع منسوخ شرعہ (کتاب الاشارة لاشترط الاشارة السید  
شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ص ۲۲۶)

اس کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر میں ذکر ہے۔ کہ حدیث ”میری نبوت کے بعد وہی نہیں باطل ہے اور بے اصل  
مفسر ہے۔ ہاں لابی بعدی آیا ہے اور اس کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی پیدا نہ ہوگا  
جو نئی شریعت لائے اور آپ کی شریعت کو منسوخ کر دے۔ یقینہ ملاحظہ ہوں بیان گواہ مدعا علیہ

دوسری حدیث :-

جو کہ ان مدعیوں نے پیش کی تھی۔ وکان بنو اسرائیل تسوسهم الا نبیاء کی ہے۔ سوال کا جواب  
ملاحظہ ہو بیان مطبوعہ مدعا علیہ اور نیز اس حدیث میں یہ ظاہر کر دیا گیا ہے۔ کہ نبی اسرائیل میں دو قسم کے نبی ہوئے  
تھے۔ ایک وہ جو سیاسی تھے جیسے بوش۔ سلیمان۔ داود علیہم السلام وغیرہ اور دوسرے غیر سیاسی یعنی جنہوں نے زہد  
اور تقویٰ میں اپنی زندگی گزار دی۔ وہ بادشاہ نہ تھے۔ جیسے حضرت زکریا۔ یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ

اس حدیث میں آنحضرت صلیم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے جس سیاست کو شروع کیا تھا۔ اسے ناقص چھوڑ کر ذات باگئے۔ اور اپنے اتباع کے لیے سیاسی ترغیبات کے دروازے کھول کئے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سیاست کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ خلفاء ہوں گے جو اس کام کو سر انجام دیں گے۔ اور وہ ایک دو تین ملکہ کثرت سے ہوں گے۔ تو اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی قوم کا نبی ہدایت محمدیہ کے لیے جب کہ وہ حسب پیشگوئی آنحضرت صلیم یہود کے قدم بقدم چلیں۔ کوئی مسیحی نفس امتی نہیں بنیں گے۔

تیسری حدیث :-

ختم نبی النبوة پیش کی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پر بھی اگر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ یہاں آنحضرت صلیم نے اپنا مقابلہ پہلے انبیاء سے کیا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کی روایتوں میں لفظ من قبلی سے ظاہر ہے۔ کہ ان انبیاء پر جو جھسے پہلے تھے۔ چھ باتوں پر فضیلت دے گئی۔ جن میں ایک یہ ہے۔ کہ میں خاتم النبیین ہوں۔ ختم نبی النبیین میں اگر ختم کے معنی بھی لیے جائیں۔ تو النبیین میں الف لام تخصیص یا عہد کے لیے ہوگا۔ یعنی وہ نبی جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ جو بالاستقلال نبی تھے۔ پھر بھی اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوگا۔ کہ آپ کے بعد حضور کے فیضان اور حضور کی پیروی کی برکت اور قوت قدسیہ اور افاضہ روحانیہ کے طفیل آپ کی شریعت کی اشاعت کے لیے کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے معنی تفہیمات الہیہ میں ہی کئے ہیں۔ کہ آنحضرت صلیم کے بعد ایسا کوئی نبی نہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے شاعر بنائے۔

چوتھی حدیث :- العاقب والعاقب الذی لیس بعدہ بنی -

العاقب کی تفسیر سے مختار مدعی نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلیم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس کا مفصل جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ مختار مدعی نے جو حوالہ حاشیہ بخاری سے پیش کیا ہے کہ فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ ترمذی میں بعد نبی کے الفاظ آئے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی عبارت میں یہ لکھا ہے فظاہر الادراج کہ یہ لفظ بعد کے داخل شدہ ہیں۔

پس شارح لیس بعدہ نبی کے الفاظ کو دیگر بزرگوں کی طرح کسی کی طرف سے داخل شدہ قرار دیتا ہے۔ اور العاقب کے معنی بخاری جلد ۲ طبع مہدی ص ۳۷ حاشیہ ۷ میں یہ لکھا ہے الذی یخلف فی الخیر من کان قبلہ کہ جو دنیا میں اپنے سے پہلے کا جانشین ہو۔

پانچویں حدیث :-

لہد یبق من النبوة الا المبعثات سے مختار مدعی نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلیم کے بعد نبوت منقطع ہے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

پس مبشرات بھی نبوة کی ایک قسم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت میں سے صرف مبشرات کی نوع باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ حکیم محمد حسین صاحب رئیس امر وہ اپنی کتاب ”کوکب دربیہ میں لکھتے ہیں۔

”نبوت لغت میں بمعنی خبر دینے کے ہے۔ امور آئندہ اور اس کے اقسام میں سے مخصوصیت الہیہ جس میں کسب کو دخل نہ ہو۔ اور جو مخصوصیت الہیہ ہے۔ اس کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ایک خواب میں روح رب اعظم خود ارشاد کرے۔ دوسری مشاہدہ میں روح اعظم کے ارشاد ہے۔ تیسرے ملک خواب میں کہے جو مشاہدہ میں آجاو یا نچو کہ کوئی نبی خواب میں فرادے۔ چھٹے۔ کوئی نبی مشاہدہ میں فرادے۔ ساتویں۔ مصلحت الجرس خواب میں دریافت ہو۔ اٹھویں مشاہدہ میں بطور سلسلۃ الجرس دریافت ہو۔ یہ سخت ترین اقسام وحی سے ہے۔ اور اس میں سے کبھی شیطان بھی چرا لیتا ہے۔ نویں۔ روح القدس یعنی اسم رحمان ہے۔ کہ تمام دنیا یا بقایا میں دریافت ہو۔ الغرض اصطلاح میں نبوت مخصوصیت الہیہ خبر دینے سے عبارت ہے۔ وہ دو قسم کی ہے۔ ایک نبوت تشریفی جو ختم ہو گئی۔ دوسری نبوت بمعنی خبر دادن ہے۔ اس کو مبشرات کہتے ہیں۔ اپنے اقسام کے ساتھ اس میں سے روایا بھی ہے۔ ۱۲۸-۱۲۹ (کوکب دربیہ)

پس اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مبشرات کی جو ادنیٰ قسم تھی وہ بیان کی ہے۔ ورنہ ان تمام بزرگان دین اور ائمہ اسلام کو جنہوں نے روایا کے اوپر کثوف اور وحی الہی اور مکالمہ مدنی طبع الہیہ کے دروازہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مفتوح کیا ہے۔ جھوٹا مانا پڑے گا۔  
چشمی حدیث ۱۔

انا آخذ الانبیا و انتم آخذ الامم اور ان مسجدی آخولما جیسے مقام مدعیہ اور گواہان نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا یہ حدیث ابن ماجہ سے روایت کی ہے۔ اور اس کے راویوں میں سے ایک راوی اسماعیل بن رافع ہے۔ جن کے متعلق میزان الاعتدال جلد ۹ ص ۹ میں لکھا ہے۔ ضعف احمد دیحی و جماعة وقال الدارقطني وغيره متروك الحديث وقال ابن عدي احاديثه كلها مما فيه نظر“

کہ امام احمد اور امام بیہقی (ابن عیینہ) اور ایک جماعت نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے اور امام دارقطنی اور دوسرے ائمہ نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے۔ کہ اس کی تمام احادیث کو قبول کرنے میں توقف ہے صرف امام بخاری نے اسے مقارب الحدیث یعنی درمیان قرار دیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اس کی حدیث لے ل جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن باقی ائمہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور اسے متروک الحدیث مانتے ہیں۔

اور اس کے دوسرے راوی عبدالرحمان بن محمد حمادی کے متعلق میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۸ میں لکھا ہے۔

قال ابن معين يروي المتكر عن الجمهورين. قال ابو حاتم صدوق يروي عن الجمهورين. احاديث منكره فيفسد حديثه بذلك وقال ابن معين ايضاً ثقة وقال دكيه ما كان يحفظه للطوال وقال عبد الله بن احمد بن حنبل عن ابيه ان المحاربين كان يروون ولا نعلمه سمع من معمر -

ابن معين نے کہا ہے کہ وہ منکر حدیثیں غیر معروف اور معمول لوگوں سے روایت کرتا ہے ابو حاتم نے کہا سچا تو ہے لیکن معمول شخصوں سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی تمام حدیث خراب ہو جاتی ہے۔ اور دکیہ نے کہا ہے کہ وہ لمبی حدیثیں یاد نہیں رکھ سکتا۔ اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ وہ مدلس ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ اس نے معمر سے سنا ہو۔

باوجودیکہ اس کے راوی اتنے ثقہ نہیں کہ اس کی حدیث کو یقینی طور پر صحیح مان لیا جائے مگر تاہم اس حدیث کے معنی بالکل واضح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دجال کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلام کا دشمن اور اسلام کی تخریب میں م سعی ہوگا۔ اس کے بالمقابل آپ نے اپنی نسبت آخر الانبیاء فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی آخر الامم ذکر فرما کر واضح کر دیا کہ آپ ایسے آخری نبی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی مستقل امت نہ آئے والا نبی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مرحومہ نے جو حدیث اول النبیین فی الخلق کنز العمال سے پیش کی ہے۔ تو وہ بھی ابواللال سے مروی ہے جو کہ مسلم کتب صحاح میں سے نہیں ہے۔ دوسرے اس میں النبیین سے مراد بھی آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں۔ اور آپ ان کی نسبت سے یقینی آخری نبی ہیں۔ اور آپ کے بعد ویسا کوئی نہیں آسکتا۔

اور گواہ مدعا علیہ ملف نے دو حدیثیں کنز العمال سے ایسی پیش کی ہیں جن میں حرف آپ کا خاتم النبیین ہونا مذکور ہے۔ اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے۔ اور ہم بعد حق دل یقین رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ یاد رہے کہ گواہ مدعا کے عنوان کے ماتحت چار حدیثوں کا ذکر لگایا ہے۔ ساتویں حدیث :-

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی -

اس حدیث سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف دو امر ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جس قسم کے پہلے نبی آیا کرتے تھے صاحب شریعت یا مستقل یعنی براہ راست نبوت حاصل کرنے والے اس قسم کا اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اور درحقیقت یہاں پہلے نبیوں کی نسبت سے جو آپ نے تشبیہ دی ہے۔ تو وہ شریعت کے لحاظ سے ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

فكانه شبه الانبياء وما بعثوبه من ارشاد الناس ببيرت است قواعد و دفع بنيانه وبقى منه موضع به تيم اصلاح ذلك البيت .... فان شريعة كل نبى بالنسبة اليه كاملة به فالمراد هنا النظر الى الاكمل بالنسبة الى شريعة المحدث به مع ما مضى من الشرائع الكاملة.

(فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۷)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث سے جو تشبیہ بیان ہوئی ہے۔ تو وہ شریعت محمدیہ کے بہ نسبت پہلی شرح کاملہ کے اکمل ہونے کے اظہار کے لیے ہے۔

(۲) دو ہزار اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے نبیوں میں سے اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔  
آٹھویں حدیث :-

لو کان بعدی نبی لکان عمر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس حدیث سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے بند ہونے پر استدلال کیا ہے۔ تو اس سے مراد ہی نبوت ہے۔ جو مستقل اور براہ راست اور بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو۔ باقی اس حدیث پر معنی اور تفصیل ملاحظہ ہو۔  
نویں حدیث :-

سیکون فی امتی ثلاثون کذابون۔

کریمی امت میں تیس دجال ہوں گے۔ اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ۱ ص ۲۵۹  
اس میں ایک بات اور قابل غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عدد معین فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا بھی آئے گا۔ اور تیس مدعیان نبوت کا ذبح تو مدت ہو گئی پہلے ہو چکے۔ جیسا کہ اکمال کے حوالہ سے ثابت ہے۔

ہاں ایک حدیث کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ جو طبری نے تہذیب الکثیر میں ذکر کی ہے۔ اور وہ یہ ہے  
سیکون بعد ثلاثون کلھم یدعی انہ نبی دلائمی بعد الامن شاء اللہ را کمال الاکمال جلد ۱ ص ۳۶  
کریم کے بعد تیس دجال ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جسے خدا تعالیٰ نبی بنانا چاہے گا وہ نبی ہو گا۔ پس اس روایت میں یہ استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی سچا نبی بھی آنا ضروری تھا چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں :-

بار بار یہ کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ تماری حدیثوں میں لکھا ہے کہ تیس دجال آئیں گے اسے بقتل قوم کیا تمہارے حصہ میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر ایک طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس طرح ایک کھیتی کدوات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئی اور بیرونی حصے بھی انتہا کو پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدد آیا کرتے تھے۔ وہ بات شاید نفوذ باللہ خدا کو بھول گئی۔ کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال آیا۔ تم خاک میں مل گئے۔ مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب گئے

مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی، تم میں سے روحانیت باقی رہی۔ صدق و صفا کی بونہر رہی۔ سچ کہو اب تم میں روحانیت کہاں ہے۔ خدا کے تعلقات کے نشان کہاں۔ دین تمہارے نزدیک کیا ہے۔ صرف زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں کی طرح حملے خدا کی طرف سے ایک اشارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت نہ کیا۔ اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔ اس لیے خدا نے تمہیں تاریکی میں ہی چھوڑ دیا۔ اب اس صورت میں تم اور غیر قوموں میں کیا فرق ہے۔ کیا ایک اندھا اندھوں میں بیٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ تمہاری حالت سے میری حالت بہتر ہے۔ ہائے۔ افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہیں کیا۔ وہ لہسی تیرہ دہائیوں کے لڑکوں کو دیکھ نہ سکیں۔ میں ان کو نظر نہیں آسکتا کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر رنگ ہے۔ اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ سچی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے دلوں کو گند سے پاک کر دیں۔ دل کو درزے کھیں اور راتوں کو اٹھ کر نمازیں دعائیں کریں۔ اور رومی۔ اور نعرے ماریں تو امید ہے۔ خدا نئے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ میں کون ہوں۔ چاہیے کہ خدا کے استغناء ذاتی سے ڈریں

(براہمن احمدیہ حصہ پنجم ۱۳۶-۱۳۷)

(۱۳)

## اجماع کی بحث

فخار مدعیہ دگو اہم ان نے اس اہم پر زور دیا ہے کہ خانم البینین کے معنوں پر کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ شرعی نہ غیر شرعی۔ تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ حالانکہ یہ گزشتہ بحث سے بالکل واضح ہے کہ ان معنوں پر نہ صحابہ کا اجماع ہوا۔ نہ ان کے بعد کسی اور عصر میں اجماع ثابت ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ہم نے ائمہ اور علماء کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ خانم البینین کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔ بانی ایسے مسائل جو اجتہاد یا فہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ کسی چیز پر تمام امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کیا جائے تو یہ صحابہ کے اجماع کے ایک قسم کے سوا باقی اجماعوں کے انکار سے نظر لازم نہیں آتا۔ چنانچہ ارشاد العہد مطبوعہ مصری میں لکھا ہے :-

اجماع صحابہ کا بلا خلاف حجت ہے اور قاضی عبدالوہاب سے منقول ہے کہ بعض مبتدع لوگوں کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ اور صرف صحابہ کے اجماع کے حجت ہونے کی خصوصیت کی طرف دعوٰی ظاہری گئے ہیں۔ ابن حبان کی کلام سے بھی جو انہوں نے اپنی صحیح میں لکھا ہے۔ یہی ظاہر ہے اور یہی بات امام احمد بن حنبل سے مشہور ہے کیونکہ ابوداؤد نے جو ان سے روایت کی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے کہ اجماع



یہ ہے کہ جو آنحضرت یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے۔ اس کی اتباع کی جائے۔ اور وہ تابعین سے جو ثابت ہوگا اس کے بارے میں خبر میں چاہئے قبول کرے۔ یا نہ۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے۔ کہ جب صحابہ کسی بات پر اجماع کریں تو ہم اسے تسلیم کریں گے۔ اور اگر تابعین اجماع کریں۔ تو ہم ان کی مخالفت کریں گے۔

اور ابن دہب نے کہا ہے۔ داؤد اور اس کے اصحاب کا مذہب یہی ہے کہ اجماع صرف صحابہ کا ہی اجماع ہے اور اس قول کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ وہ اجماع دو درجہ سے جائز نہیں ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ آنحضرت نے خبر دی ہے۔ کہ ایک گروہ میری امت سے ایسا ہوگا۔ جو حق پر رہے گا۔ اور دوسری یہ کہ ملکوں کی وسعت اور کثرت امت کی وجہ سے ان کے تمام اقوال کا ضبط کرنا ناممکن ہے۔ اور جو شخص اس اجماع کا دعویٰ کرے ایسے شخص کا کذب ظاہر ہے۔

پس جب کہ صحابہ کے بعد اجماع کا وجود ہی ناممکن ہوا۔ تو یہ کہنا کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع ہے بالکل کذب اور بہتان ہے۔ اور باقی رہا صحابہ کا اجماع تو اس کے متعلق ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ کبھی اور کسی وقت خاتم النبیین کے معنی پر نہیں ہوا۔ باقی ملاحظہ ہو۔ (بیان مطبوعہ ص ۶۰ تا ۶۲)

اور بعض اقوال جن میں یہ لکھا ہے۔ لا یختلف فیہ اثنان۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس میں دو شخص بھی اختلاف نہیں کرتے تو صرف کسی عالم کے ہی یہ کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ جیسے کہ ارشاد العلول کے حوالے سے ظاہر ہے ثابت ہے۔ جس میں امام مالک نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا۔ کہ اس میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں اختلاف موجود تھا۔ اس طرح امام شافعی نے کہا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ حالانکہ اس میں خلاف مشہور ہے۔ پس کسی کے ایسا کہنے سے اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔

گو امام مدعا علیہ نے جو حوالہ اجماع کے متعلق اپنی تائید میں نور الانوار سے پیش کیا تھا۔ اس کے متعلق فقہان مدعیہ نے اکتوبر کی بحث میں یہ لکھا ہے کہ اجماع الصحابة نصاباً جو مفہوم لیا گیا ہے۔ کہ ہر ایک تفریح کرے یہ صحیح نہیں بلکہ یہ اجماع سکوتی ہی کے مقابل میں ہے۔ فقہان مدعیہ کے اس جواب سے ظاہر ہے کہ نہ تو اس نے نور الانوار کی عبارت کو غور سے دیکھا۔ اور نہ اس کے سمجھنے کی کوشش کی نور الانوار کی عبارت یہ ہے۔

”فلا قوی اجماع الصحابة نصاً مثل ان یقولوا جمیعاً اجمنا علی کذا فانہ مثل الایة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحداً ومنہ الاجماع علی خلافة ابی بکر ثم الذی نص البعض وسکت الباقون من الصحابة وهو المسمی بالاجماع السکوتی ولا یکفر جاحداً“

کہ سب سے اقویٰ اجماع صحابہ کا ہے۔ جو نصاً ہو۔ یعنی سب کے سب بالاتفاق یہ کہیں کہ ہم نے اس پر اجماع

کیا ہے۔ تو وہ آیت اور خبر منواتر کی طرح ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہوگا۔ اور حضرت ابوبکر کی خلافت پر جو اجماع بنوادیہ اس قسم کا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اجماع ہے۔ کہ جس میں بعض صحابہ نے نرا ظہار راس کیا۔ اور باقی صحابہ خاموش رہے۔ اور ان کی مخالفت نہ کی۔ تو یہ اجماع سکوتی کہلاتی ہے۔ اور اس کا منکر کافر نہیں ہو سکتا۔

اس بات سے صاف ظاہر ہے کہ نصاب سے مراد وہی ہے جو گواہان مدعیہ کی ہے۔ کردہ اپنی زبان سے کہیں۔ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اجماع سے مراد امت کا اجماع ہے۔ یہ شرط نہیں کہ صحابہ اہلبیت کا اجماع ہو۔ سو اس کے متعلق ادھر کان ذکر کیا جا چکا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ کہہ دینا نامناسب نہیں ہے۔ کہ یہاں مابہ النزاع وہ اجماع ہے جس کے انکار سے کفر لازم آوے۔ اور وہ جیسا کہ نرالانوار کی عبارت سے ظاہر ہے وہی اجماع ہے جو صحابہ کا اجماع ہے۔ جو صحابہ کا اجماع نصاباً ہو یعنی سب کہیں کہ ہم اس پر اجماع کرتے ہیں۔ اور اگر ان سے سکوتی اجماع ثابت ہو۔ تو اس کا منکر بھی کافر نہیں ہوگا۔ چہ جائیکہ صحابہ کے بعد کے اجماع کے منکر کو کا ذکر کیا جائے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ ۳ نے بھی ۲۸ اگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ حنفیہ کا اصول ہے کہ اجماع صحابہ کا قطعی ہے۔ اور منکر اس کا کافر ہے۔ اور مابعد کے اجماع کا منکر مبتدع اور فاسق ہے۔

لیکن نہ گواہان مدعیہ اور نہ مختار مدعیہ اس امر کا ثبوت دے سکے ہیں کہ خاتم النبیین کے ان معنوں پر جو گواہان مدعیہ نے پیش کیے ہیں۔ صحابہ نے نصاباً اجماع کیا تھا۔ پس جب صحابہ کا ان معنی پر ایسا اجماع ثابت نہیں۔ تو اس کے سوا دوسرے معنی کرنے والے کو کافر قرار دینا مذہب حنفیہ کی رو سے بھی جائز نہیں ہے۔ مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا کہ گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں اجمعت الامت کے الفاظ دکھائے ہیں کہ ان کے پیش کردہ معنی پر امت نے اجماع کیا ہے اگرچہ اس کا جواب بھی اوپر گزر چکا ہے۔ مگر پھر بھی میں یہاں ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ کسی شخص کا اجمعت الامت کہہ دینا بھی ثابت نہیں کرتا کہ واقعی طور پر امت کا اس پر اجماع بھی ہو۔ چنانچہ کتاب الامانہ میں لکھا ہے۔

اجمعت الامت علی ان اللہ عزوجل رفع علیی الی السماء۔

(کتاب الامانہ مطبوعہ حیدرآباد ص ۴۶)

کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علی علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا۔ حالانکہ امام مالک نے ان کی وفات کے متعلق تصریح کی ہے۔ اور ۹ اگست کو بوقت جرح عدالت کے رد و رد وجب ان کے قول کو پیش کیا گیا تو گواہ مدعیہ ۳ اس کے خلاف ان کا کوئی قول نہ پیش کر سکا اور اس طرح اور بھی اکابر نے مسیح کی وفات کو تسلیم کیا ہے پس کسی شخص کے یہ کہہ دینے سے کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے۔ اجماع ثابت نہیں ہو جاتا۔ خصوصاً جب کہ اس کے خلاف امر کے اقوال بھی موجود ہوں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو تمام امت کا اگر اجماع قرار دیا جاسکتا ہے تو صرف ایسا پر کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی شریعت لانے والا نبی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور گواہان مدعیہ نے مسلم الثبوت

جلد ۲ ص ۱۶۱ سے امام رازی کا یہ مذہب پیش کیا تھا۔ کہ وہ تو از معنوی کے حجت ہونے کو مستبعد خیال کرتے ہیں۔  
 مختار مدعیہ یہ کہتا ہے۔ کہ اس کے نیچے فواج الرحوت میں اس کی نزدیک موعود ہے۔ حالانکہ جس کتاب سے گواہان  
 مدعیہ نے حوالہ پیش کیا ہے۔ اس کے حاشیہ میں رازی کی تائید کی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شہادت القرآن  
 میں تو از معنوی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہ فرمایا ہے۔ کہ مسیح موعود کے آنے کے متعلق اس قدر روایات آئی ہیں کہ جن سے  
 قدر شکر کہ مسیح آئے گا متواتر مانا پڑتا ہے۔ تو از معنوی تو اس کا یہ ہونا چاہیے تھا۔ کہ حضرت عیسیٰ ہی آئیں گے اس  
 کو آپ نے رد فرمایا ہے۔ اس لیے کہ پیشگوئی کی کیفیت و قوت کے سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ اور اس طرح مجتہد  
 بھی سمجھنے میں خطا کر سکتا ہے۔

(۱۴)

### مسئلہ کذاب وغیرہ سے قتال کی وجہ

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

(۱۵)

### اسلامی بادشاہوں کے فیصلے

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

(۱۶)

### مسئلہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

اور گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت کے بعد مسلمانوں نے احکام میں تیر و تبدل  
 کیا اور حج اکر امہ میں جو واقعات مذکور ہیں وہ صحیح ہیں۔

(۱۷)

### علمائے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا ہے۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے خاتم النبیین کے معنی آخری نبی جس کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہو گا۔

ثبات کرنے کے لیے مفسرین کے اقوال پیش کئے ہیں۔ لیکن قبل اس کے جو میں ان کے اقوال کا صحیح مفہوم بیان کر دوں اصول طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ مفسرین نے جو کسی آیت سے کچھ سمجھا ہو۔ وہ دوسرے پر حجت ملزم نہیں ہو سکتی مفسرین تو کجا رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فہم بھی حجت قطعیہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان سے بھی سمجھنے میں غلطیاں ہوتی رہی ہیں، جیسا کہ میں پہلے مثالوں سے واضح کر چکا ہوں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب عقد الجیدی فی احکام الاجتہاد والقلید مطبوعہ صدیقی لاہور ص ۲۹ تا ۴۱ میں لکھتے ہیں :-

پس ابن خرم کا قول یہ ہے۔ جو کہتا ہے کہ تقلید حرام ہے۔ اور کسی کو حلال نہیں کر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے قول کو بلا دلیل اخذ کرے۔ بدلیل اس آیت کے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم۔ کہ تم اُمی کے پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اور اس کے سوا اور رفیقوں یا اولیاء کی پیروی مت کرو۔ اور بدلیل آیت و اذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ .... الخ کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تم پیروی کرو اس کی جو خدا نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تم تو پیروی کریں گے اسی چیز کے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی مدح میں فرمایا ہے جو تقلید نہ کرے۔ فبشر عباد الذین یستمعون القول کتوب بشارت دے میرے ان بندوں کو کہ جو بات کو تو جہ سے سنتے ہیں۔ اور پھر اسی میں سے اس بات کو اختیار کر لیتے ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور دوسری عقل والے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان تنازعتم فی شئیء فردوه الی اللہ والمرسول پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت عادت سے کالوٹانا بجز قرآن کریم اور حدیث کے کسی طرف مباح نہیں کیا۔ اور اس سے تنازع کے وقت کسی تافک کے قول کی طرف نہ کرنا حرام ہو گیا کیونکہ وہ قرآن اور سنت کے سوا ہے۔ اور تمام صحابہ کا اجماع اول سے آخر تک اور تابعین کا اجماع اول سے آخر تک اس تقلید سے باز رہنے اور منع کرنے پر ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی شخص اپنے میں سے کسی انسان کے قول کی طرف یا اپنے سے پہلے کے قول کی طرف فصد کرے۔ پھر وہ تمام اقوال کو اخذ کر لے پس جس شخص نے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال یا امام شافعی کے تمام اقوال یا امام احمد کے تمام اقوال اخذ کئے۔ اور ان میں سے یا ان کے علاوہ اپنے متبوع کا قول چھوڑ کر غیر کا قول نہیں لیا۔ اور جو قرآن و حدیث میں آیا ہے۔ اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ جب تک کہ اس کو کسی انسان معین کے قول سے مطابقت کر لے۔ تو وہ خوب سمجھ لے کہ اس نے تمام امت اول سے آخر تک کے یقیناً حلف کیا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے واسطے سارے تینوں تعریف کئے ہوئے زمانوں میں نہ سلف پاتا ہے۔ اور نہ امام۔ تو اس نے بے شک مومنین سے الگ راہ اختیار کی اس وجہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں ۛ

اور اسی طرح امر اربعہ کے اقوال جس میں انہوں نے اس بات کی تشریح کی ہے کہ ہماری کوئی انہی تقلید نہ کرے۔ بلکہ اگر کوئی قول ہمارے اقوال سے اچھا دیکھے تو اس کو اختیار کرے۔

(دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ ۱)

اور اگر مفسرین کی تفسیروں کا نمونہ دیکھنا ہو تو ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔  
 باوجودیکہ مفسرین کے اقوال کسی پر حجت نہیں ہیں نہ انم مختار مدعیہ کے پیش کردہ دالہ جانتہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ان سے بھی صاف طور پر نایاب ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی جس نبوت کو بند قرار دیا ہے۔ وہ ایسی نبوت ہے کہ جس سے شریعت اسلامیہ کو منسوخ ماننا پڑے۔ جیسا کہ ان کی مثالوں سے واضح ہے۔

چنانچہ پہلا حوالہ جو زیادہ تر گواہوں نے پیش کیا ہے۔ وہ ابن کثیر جلد ۸ ص ۹۲۱ کا ہے جو من رحمۃ اللہ تعالیٰ سے شروع ہوتا ہے۔ اور انفالہم تک ختم ہوتا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندوں پر ایک رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ پھر کرب کو خاتم الانبیاء والمرسلین کے لقب اور دین حلیف کے کامل کر دینے سے شرف فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت متواترہ میں اس بات کی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ جان لیں خدا کے بندے کہ ہر وہ شخص کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس مقام کا دعویٰ کرے تو وہ کذاب۔ افک۔ دجال گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوگا۔ خواہ وہ کتنے ہی شعبہ یا زری جادوگری کے اقسام اور طلسمات اور نیلگیاں دکھاوے کیونکہ نبی صادق سے یہ سب باتیں عقلمندوں کے نزدیک محال ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اسود عسی سے یمن میں اور مسیہ کذاب سے یمامہ میں جیسے حالات اور بے ہودہ باتوں سے ظاہر کیا۔ جن سے ہر ذی عقل و فہم جان گیا کہ یہ دونوں کاذب ہیں۔ گمراہ ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک اس مقام کا مدعی قیامت کے روز تک ہوگا۔ ان تک کہ وہ مسیح دجال پر ختم ہو جائیں گے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور کو پیدا کرے گا کہ ان کے کرتے والے کے جھوٹ پر عناء اور مومنین گواہی دیں گے۔ اور یہ خداوند تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر بہت بڑی مہربانی ہے۔ کہ وہ فی الواقعہ کسی نیکی کا حکم کرتے ہیں۔

اور نہ بُرائی سے منع کرتے ہیں۔ مگر اتفاقی طور پر یا جس میں اللہ کا کوئی خاص مقصد ہو اور وہ اپنے اقوال و افعال میں نہایت درجہ کے جھوٹے اور فاجر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھٰلَ اُنْبِئْکُمْ عَلٰی مَنْ تَنْزَلَ الشَّيْطٰنُ تَنْزِلًا عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَشِیْمٍ ۝

اس حوالہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر کے نزدیک ایسے انبیاء کی آمد متعین ہے جو مسیہ کذاب اور اسود عسی کی طرح ہوں۔ اور جو نہ امر بالمعروف اور نہ نہی عن المنکر کریں بلکہ اول درجہ کے فاسق اور فاجر اور لوگوں کو فسق و فجور کی طرف بلانے والے ہوں۔ جیسا کہ مسیہ کذاب اور اسود عسی کے حالات زندگی کے مطالعہ سے

ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ایسے نبی کا آنا جو منبع شریعت محمدیہ ہو۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اس کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ اور حضرت مسیح کا تو یہ چیلنج ہے۔

کہ تم کوئی عیب، افتراء، یا بھڑکایا عقلاً لازم میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تاہم یہ خیال کر دو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے جو میری سو اچھی زندگی میں کوئی نکتہ جینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اس نے اپنے اہل سے مجھے نفرتی پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لیے یہ ایک دلیل ہے۔ (مذکرۃ الشہادتین ص ۶۲)

اور مولوی محمد حسین بٹالوی نے براہین احمدیہ پر رپورٹ کر کے ہوئے اشاعت السنۃ جلد ۵ - نمبر ۹ - ص ۲۸ میں آیت: هَلْ اَنْبِئَكُمْ عَلٰی مَنْ تَنْزِلُ الشَّيْطٰنُ جِسْمَ حَافِظِ ابْنِ کَثِیْرٍ نے ذکر کیا ہے پیش کر کے حضرت مرزا صاحب کے مخالفین کو جواب دینے ہوئے لکھا ہے۔  
مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسیب) شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

اور یہ مولوی محمد حسین بٹالوی وہی ہیں جن کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے سبیل الرشاد میں رئیس قوم غیر مقلدین لکھا ہے۔ اور ان کے قول کو بطور حجت کہ پیش کیا ہے۔ (سبیل الرشاد ص ۱۶)

## دوسرا حوالہ :-

روح المعانی جلد ۵ کا پیش کیا ہے۔

”وكونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصداقته به السننه واجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان يقصر“  
یعنی حضور کا خاتم النبیین ہونا اُن باتوں میں سے ہے جن کو قرآن پاک نے بیان کیا۔ اور سنت نے اُسے کھول دیا۔ اور امت نے اس پر اجماع کیا۔ پس وہ شخص کافر ہوگا جو اس کے خلاف دعویٰ کرے اور قتل کیا جائے گا۔ وہ جس نے اصرار کیا۔ جو شخص اس کے برخلاف کرے اس میں ضمیر کا مرجع یا تو خاتم النبیین ہو سکتا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو شخص ایسی نبوت کا دعویٰ کرے کہ جس کی وجہ سے وہ کہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دعویٰ نبوت کرے تو وہ کافر ہوگا۔ پس اس حوالہ سے بھی اس نبوت کا امتناع ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ہم اور دیگر علماء و اولیاء اور مجدد دین امت قائل ہیں۔

## تیسرا حوالہ

شفاف قاضی مجاہد کی شرح مولفہ ملا علی قاری جلد ۲ ص ۵۱۸ و ص ۵۱۹ کا ہے۔

روکنا الذ من ادعی النبوة احد مع نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)  
 کا صاحب مبیلتہ واسود العنسی (و بعدہ) کا عیسویۃ من الیہود القائلین بتخصیص رسالتہ  
 الی العرب خاصۃ و کالکرامیہ لانہم اباحوا محرمات القائلین بتواتر الرسل  
 و کاکثر الرافضۃ القائلین بمشارکۃ علی مع الرسالۃ النبی صلی اللہ  
 علیہ وسلم ای حال وجودہ و بعدہ و کذا الذ کل امام عندہ ولاء یقوم مقامہ فی النبوت و الحجۃ  
 یعنی ان ارادوا بہا الحقیقۃ - والا فی المنزلۃ المجازی لا توجب الکفر و البدعۃ “  
 یعنی کافر ہے وہ شخص جو آنحضرت کے ساتھ کسی کو نبی قرار دے۔ جیسے اسود عنسی اور میلہ کے پیرو یا آپ کے بعدیہود کا علیہ  
 فرقہ جو کہتے ہیں کہ آنحضرت کی رسالت صرف عرب کے لیے مخصوص ہے۔ اور کرامیہ کی طرح جو تو اتر رسل کے قائل ہیں۔  
 جنہوں نے محرمات کو بھی جائز قرار دے دیا تھا۔ اور اکثر رافضیوں کی طرح جو حضرت علی کے رسالت۔ رسول کریم صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں مشارکت کے متفقہ ہیں۔ آپ کی زندگی میں بھی اور آپ کے بعد بھی اور اسی طرح ان کے  
 نزدیک ان کا ہر امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام ہوتا ہے نبوت اور حجت ہونے میں۔ یعنی اگر وہ اس  
 سے حقیقی نبوت ملو لیں ورنہ مجازی نبوت کفر اور بدعت کا موجب نہیں ہے “

اس میں بھی اسود عنسی۔ میلہ کلاب اور یہود کے قبائل کی مثال دیکر جن کے متعلق یہ ثابت شدہ امر ہے کہ  
 انہوں نے اسلامی شریعت کے احکام کو منسوخ کیا۔ اور اسلامی محرمات کو ملال قرار دیا۔ یہ بتاتا ہے کہ جو نبوت آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہے۔ وہ وہی مستقل اور حقیقی نبوت ہے جس میں اسلامی شریعت کو منسوخ ماننا پڑے  
 چنانچہ اخیر میں بھی اس کو کھول دیا گیا ہے کہ مجازی نبوت کفر کو واجب نہیں کرتی۔

اس عبارت سے ثابت ہے کہ اگر علی وجہ المجاز کسی کو نبی مانیں تو اس سے کفر لازم نہیں آتا چنانچہ حضرت مسیح  
 موعود علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔

”سمیت نبیاً من اللہ تعالیٰ علی طریق المجاز لا علی وجہ الحقیقۃ “

(تمتہ حقیقۃ الوحی ص ۶۰)

اسی طرح انجام آٹھ ماہیہ ص ۲۷۰-۲۸۰ میں فرماتے ہیں

”ومن قال بعد رسولنا و سیدنا فی نبی و رسول علی وجہ الحقیقۃ “

والا افترا و ترك القرآن و احكام الشريعة الفراء فهو كافر كذاب۔

ترجمہ اس اور جو شخص ہمارے رسول اور سردار کے بعد یہ کہے کہ میں علی وجہ الحقیقہ نبی اور رسول ہوں۔ اور افترا کے طور پر کہے اور قرآن مجید اور شریعتِ عزرا کے احکام کو چھوڑے تو کافر اور کذاب ہے۔ اور سراجِ منیر ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

مگر یاد رکھو کہ خدا کے کلام میں اس جگہ حقیقی معنی مراد ہیں۔ جو صاحبِ شریعت سے تعلق رکھنے میں۔  
بقیہ حوالوں کا جواب دیکھو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

(۱۸)

## علماء کے نزدیک رسول اور نبی کی تعریف

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے علماء نے جو نبوت کا انکار کیا ہے۔ یہ تو اس تعریف کے مطابق کیا ہے۔ جو ان کے نزدیک تھی کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب ہو یا شریعتِ سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے۔ اور نبی کے لیے بھی پہلے رسول کی اتباع لازم نہ تھی۔ بلکہ روح الامین خود ان کے پاس شریعت وغیرہ لانا تھا۔ جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے جیسا کہ البیواقیت والحوار جلد ۲ ص ۲۷ سے ظاہر ہے۔ اور اسی تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں فرمایا ہے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اُسے کہتے ہیں۔ جس نے عقائد اور احکامِ دین بذریعہ جبرئیل موصول کئے ہوں۔ اور قرآن مجید کی آیت ”انا ادحینا الیک کما ادحینا الی نوح و الیقین“ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علومِ دینیہ بذریعہ جبرئیل سیکھے۔ تو لازماً ماننا پڑا کہ پہلوں کو بھی اس طرح علومِ دینیہ حاصل ہونے تھے۔ چنانچہ ایک عالم کا قول مرآۃ ”ہمارے اس دعویٰ کے تاہید کرتا ہے اور وہ امامِ ملاحی قاری ہیں۔ کیونکہ وہ شرح فقہ اکبر میں یہ لکھتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرے وہ بالاجماع کافر ہے۔ اور موضوعاتِ کبیر میں وہ خاتم النبیین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت میں سے نہ ہو۔ اور اسی طرح اشعار الاشراف السائیں ان کا یہ قول درج ہے کہ ”الابی بعدی“ کے معنی ”الابی منیع شرعہ“ کے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ پس ان دونوں قولوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں علماء یقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہ وہی نبوت ہے جو نبی شریعت والہ ہو اور اسلامی احکام کو منسوخ قرار دے۔ لیکن ایسی نبوت جس کے ہم مدعی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع



میں بطور انعام کے ملتی ہے اور کوئی نئی شریعت اس کے ساتھ نہیں ہوتی بلکہ اس کا حامل قرآن پاک کا پیروا و سنت رسول کا خادم ہوتا ہے تو ایسی نبوت کو یا تو علماء نے جائز قرار دیا ہے۔ یا ایسی نبوت کے متعلق انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ گواہان اور مختار مدعیہ کا علماء سابقین کے اذوال کو ہمارے خلاف پیش کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ انہوں نے جو نبی اور رسول کی تعریف کی ہے۔ اس کی رو سے ہم بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

(۱۹)

### طلیٰ بروزی

طلیٰ اور بروزی کے لیے ملاحظہ ہو بیان مطلوبہ گواہ مدعا علیہ ۱۔ نیز بروز کا ذکر خواجہ غلام فرید صاحب نے اشارات فریدی میں بھی لکھا ہے۔

”والبروز ان یفیض روح من ارجح اکمل علی کامل لما فیض علیہ التجلیات وھو یمیر مظهرہ و یقول انا ھو“  
(ا اشارات فریدی حصہ ۲ ص ۱۱)

”کہ از حضرت آدم صلی اللہ تا خانم الولا یت امام مہدی حضور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارزاند پس اول بار آدم علیہ السلام بروز کردہ اند۔ اول قطب حضرت آدم علیہ السلام شدہ است۔ الحان قال تا آنکہ ایام مہدی علیہ السلام بروز خواہند فرمود۔ پس حضرت آدم تا مہدی ہمہ انبیاء و کل اولیاء کہ قطب مدار شدہ اند۔ ہم مظاہر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہستند و روح مراد شان بروز و ظهور فرمودہ است۔“

(ا اشارات فریدی حصہ دوم ص ۱۱۱-۱۱۲)

(۲۰)

### کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام تناسخ کے قائل تھے؟

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔ چونکہ مختار مدعیہ نے بحث میں یہ کہا ہے کہ گواہان مدعیہ میں سے کسی نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تناسخ کا الزام نہیں لگایا۔ اس لیے جب وہ گواہ ۲ کے قول کو جو انہوں نے تزیات القلوب کے

حوالہ کے بارہ میں کہا تھا۔ رد کرتے ہیں تو پھر مجھے بھی اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

(۲۱)

## کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاحب شریعت ہونے کا دعویٰ کیا ہے

گو ایمان و مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام قائم کیا ہے کہ آپ نے صاحب شریعت جدیدہ نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ جو باتفاق فریقین کفر ہے۔ سوال حوالوں کے جوابات لکھنے سے پیشتر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض عبارات پیش کرتا ہوں۔ جن سے صاف طور پر ثابت ہے کہ آپ قرآن شریف کے بعد کسی اور شریعت کا نزول جائز قرار نہیں دیتے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں: —

(۱) ”بل الحدیث یدل علی النبوة التامة الحاملة لوجہ شریعتہ قد انقطعت“  
بلکہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبوت تمامہ جو وحی شریعت کی حامل ہو وہ منقطع ہو چکی ہے۔

(توضیح مرام ص ۱۹)

(۲) اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی اور ایک شوشہ یا نقطہ اس کی شرائع یا حدود اور احکام اور ادھر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے۔ اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کے ترمیم یا نیسج یا کسی ایک حکم کو تبدیل یا تغیر کر سکتا ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت کونین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔

(ازالہ اوہام ص ۵۸، ۵۹)

(۳) قرآن مجید کا ایک شوشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہو گا :-

(نشان آسمانی ص ۳ طبع دوم)

(۴) جو شخص قرآن مجید اور شریعت غرا کے احکام کو ترک کر کے نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کافر اور کذاب ہے۔

(انجامِ حق حاشیہ ص ۲)

(۵) قرآن شریف پر شریعت ختم ہو گئی۔ مگر وحی ختم نہیں ہوئی۔

(کشتی نوح حاشیہ ص ۲۲)

(۶) یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے۔ اور بعد اس کے قیامت

تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
دئی پاسکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔

(ریویو پر مباحثہ پیکر الوی و بالوی ص ۶)

(۷) یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور  
قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھادے۔ یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے۔ یا اس کی  
پیروی معطل کرے بلکہ اس کا مکمل قیامت تک ہے۔ (الوصیت ص ۱۲ حاشیہ)

(۸) خدا اس شخص کا دشمن ہے جو قرآن شریف کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہے۔ اور محمدی شریعت کے خلاف  
چلتا ہے۔ اور اپنی شریعت چلانا چاہتا ہے۔

(چشم معرفت ص ۳۲۵ ر ۳۲۵)

(۹) اور کسی کو مجال نہیں کہ وہ ایک لفظ یا ایک شوشہ قرآن کریم کا منسوخ کر سکے۔

(اخبار عام ۶ مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقت النبوة ص ۲۷)

(۱۰) نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لیے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے کہ کوئی شخص  
کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الہیہ حاصل کرے۔ اور تجدید دین کے لیے مامور ہو۔ یہ نہیں کہ وہ کوئی دوسری  
شریعت لاوے۔ کیونکہ شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔

(تجلیات الہیہ ص ۹ حاشیہ)

(۱۱) میری مراد نبی سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ  
کرتا ہوں۔ یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف میری مراد نبوت سے کثرت مکالمہ و مخاطبہ الہیہ ہے۔ جو آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہے۔ (تقریر حقیقۃ الوحی ص ۶۸)

(۱۲) اہم نبی ہیں۔ ان میں نبوت تشریعی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے۔ اور نئی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو  
تو ہم کفر سمجھتے ہیں۔ (بدرد ۵ مارچ ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقت النبوة ص ۲۷)

(۱۳) یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ  
تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے نفس الیسانی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی  
پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھنا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قیلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ  
کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتداء اور متابعت سے باہر ہوں۔ یہ الزام  
صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ

میں لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر مبرے پر تہمت ہے۔

{ اس حوالہ میں ہر ایک کتاب کا [ لفظ قابل غور ہے۔ (اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بحوالہ حقیقۃ النبوت ص ۲۵) }

(۱۴) میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں ہوں اور نہ ہی میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول و مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اس کا نام پاکر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔

(ایک غلطی کا ازالہ بحوالہ حقیقۃ النبوت ص ۲۶۴)

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا اقوال سے جو ابتداء دعویٰ سے آخر تک کے ہیں چنانچہ اخبار عام کا حوالہ تو آپ کی وفات سے تین دن پہلے کا ہے۔ ان سب سے ثابت ہے کہ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ صاحب شریعت جدیدہ نبی ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو غیر شرعی نبی تحریر فرماتے رہے ہیں۔ اب جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان توضیحات کے بعد آپ کی کسی عبارت سے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ آپ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نوہ غلطی ہے۔ اور مولف کے خود انہی توضیحات کے مخالف مفہوم نکالنا چاہتا ہے۔ حالانکہ اور گواہ مدعیہ جرح کے جواب میں اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کسی خاص کتاب کو شریعت قرار نہیں دیا ہے۔

اور نہ ہی مرزا صاحب نے صاف الفاظ میں یہ کہا ہے کہ میری وحی وحی شریعت ہے لیکن اربعین کی عبارت سے ایسا ثابت ہوتا ہے :

لیکن مذکورہ بالا تمام تصریحات ایسی ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے اربعین یا آپ کی کسی عبارت سے ان عبارتوں کے خلاف مفہوم لینا عقل و انصاف کے خلاف نہیں بلکہ خود مدعیہ کے گواہان کی تصریحات کے بھی خلاف ہے کیونکہ گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو مکرر بیان میں کہا ہے کہ ”اگر مصنف کے ایک ہی مسئلہ میں مختلف اقوال مذکور ہوں اور ان میں ایک قول مبہم ہے۔ تو اس مبہم قول کو مفصل اقوال کی طرف راجع کیا جائے گا۔ اور ۳۱ اگست کو گواہ مدعیہ نے جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ متکلم کے مبہم کلام کو اس کے مصرع کلام پر حمل کیا جائے گا۔“

پس گواہوں کے اقرار کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعود کے جن اقوال سے گواہوں نے آپ کے صاحب شریعت جدیدہ ہونے کا دعویٰ ثابت کرنا چاہا ہے۔ ان اقوال کی وہ تشریح کی جانی چاہیے جو حضرت مسیح موعود کے مفصل اور واضح اقوال کے مطابق ہے اور وہ اقوال کہ جن میں سے کہ چند اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔ اس امر کو باصراحت ثابت کرتے ہیں کہ آپ کو صاحب شریعت جدیدہ اور مستقل نبی ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔

جن انزال سے گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ صاحب شریعت ہونے کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان (مطبوعہ ۱۹۰۷ء) گواہ مدعا علیہ ۱۔

اور چوتھے عالم کے جواب میں یہ بات بھی واضح رہے کہ امام وقت کی اطاعت اور اس کی تعلیم پر چنانچہ اس وقت کے لوگوں کے لیے نجات کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید جنہیں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بیچ الکلام ص ۱۴ میں مجتہد صدی سیزدہم قرار دیا ہے۔ اور گواہان کے نزدیک بھی وہ ایک بہت بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب منصب امامت میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ امام وقت کی اطاعت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حدیث ۱۔ ”من لم یعرف امام زمانہ فقد مات میتة الجاہلیۃ پیش کی ہے۔ یعنی جس نے اپنے زمانہ کے امام کی شناخت نہیں کیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”ازال جلد توقف نجات آخر دلیست بطاعت او یعنی چنانکہ اگر کسی باہر اور وجہ و معرفت البیہ و تہذیب نفس جہد تمام وسیع مالا کلام بجا آورد۔ اما قنیکہ ایمان بالاسل نذر دہرگز آخر دی بدست نخواہد آورد و خلاص از غضب جبار و درک نذر نخواہد یافت ہم چنین ہر چند عبادات شریعیہ و طاعت دینیہ بجا آورد و جہد تمام در امتثال احکام اسلام بر مے کار آورد۔ اما تا وقتیکہ در اطاعت امام وقت گردن او نہم و اقرار بامامت او نکنہ ہرگز عبادات مذکور در آخرت کار آمدن نیست و از در و گیر رب تقدیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ نقذات میتة جاہلیۃ۔“ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مات و لیس فی عنقہ بیعة مات میتة جاہلیۃ۔“

(منصب امامت ص ۶۲)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ فرمان کہ میری اطاعت اور میری تعلیم کو ماننا جو عین قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اور اس کو مدار نجات قرار دینا آپ کو صاحب شریعت جدیدہ نبی نہیں بناتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ۱۱۔

اور لعنت ہے اس شخص پر جو آنحضرت کے فیض سے علیحدہ ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔ مگر یہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ہے۔ نہ کوئی نئی نبوت اور اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ اسلام کی حقانیت دنیا پر ظاہر کی جاوے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دکھلائی جائے۔ (چشمہ معرفت ص ۳۲۵)

اور ازالہ اوہام جلد ۲ ص ۲۴۲ پر فرماتے ہیں ۱۔

”ہر ایک بکت جو اس عاجز پرہیز پر ایہ الہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اور ان کے توسط سے ہے۔“

پس اس قسم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ قرآن مجید سکھایا ہے اور آپ کی وحی قرآن مجید کے موافق و مطابق اور شریعت اسلامیہ کی خادم ہے۔ پس آپ کا آپ کی وحی اور تعلیم اور بیعت کو مدد نہایت فزاردینا اس لیے نہیں ہے کہ آپ کوئی نئی شریعت لائے ہیں۔ بلکہ قرآن شریف کی صحیح تعلیم کو پیش کر کے منوانا مراد ہے۔  
آٹھواں حوالہ :-

بیس ان فتووں کو بھی مدنظر رکھا جانا چاہیئے۔ جو خود فرقہ مختلفہ کے علماء نے ایک دوسرے کے پیچھے نماز ناجائز قرار دینے کے لیے دیئے ہیں۔

چنانچہ دیوبندیوں کے واجب التعظیم بزرگ مولوی رشید احمد صاحب گلگاہی نے اس سوال پر کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں باوجودیکہ امام بدعتیہ ہو پڑھے یا دوسری جگہ پڑھے۔ یہ جواب دیا۔ ”کہ جس کے عقیدہ صحیحہ سنت ہوں اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے۔“ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۵۷)

اور اسی طرح الفتح المبین میں مولوی نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے تمام منتقدین کے پیچھے نماز پڑھنے کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ”مذہب غیر تقلیدین اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ تو اہل سنت کے نماز لازمہ ہوں کے پیچھے نہیں ہوتی اور بالکل غیر جائز اور نادرست ہے۔“ ص ۲۵۸

اور لکھا ہے ”اس فرقہ لا مذہب کو اہل سنت والجماعت سے خارج سمجھنا اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا اور سبب فتنہ و فساد کے ان کو مساجد میں آنے نہ دینا بجا اور درست ہے۔“ ص ۲۵۹

اس فتویٰ پر دو سو علماء کے دستخط اور تہریر ثبت ہیں۔ جن میں مولوی رشید احمد گلگاہی بھی شامل ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۵۸ پر ہے ”کہ جب کہ شافعی المذہب متعصب کے پیچھے اقتداء جائز نہ ہوئی جیسا کہ فتویٰ عالمگیری و جامع الرموز میں مرقوم ہے۔“ ”امّا الاقتداء بشافعی فلا بأس به اذا لم يتعصب لم يبغض للعنفی“  
”پس ان غیر تقلیدین لا مذہب کے پیچھے بطریق اولیٰ جائز نہ ہوئی۔“

پس اگر ان لوگوں کے فتویٰ سے کہ خلاف فرقہ کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی حرام ہے۔ اور ان کی امامت میں اقتداء کرنا ناجائز نہیں، اس سے وہ صاحب شریعت نبی نہیں ہو جاتے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے غیر محدود کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت پر حکم دینے پر آپ کا مدعی نبوت تشریف کا نتیجہ نکالنا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔  
بیانوں کے علاوہ مختار مدعیہ نے جرح میں آپ کو مدعی نبوت تشریع ثابت کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود کی کتب سے چند حوالے پیش کئے ہیں :-

پہلا حوالہ :-

”گورنمنٹ انگریزی اور جہاد“ کا پیش کیا ہے۔ جو یہ ہے ”دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا

ہوں وہ یہ ہے کہ آپ سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ اتنی عبارت مختار مدعیہ نے کوٹ کی ہے۔ جس سے ثبات کرنا چاہا ہے کہ آپ نے شریعت اسلامیہ کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ حالانکہ اگر مختار مدعیہ اس کے ساتھ کی عبارت جو ان الفاظ کے آگے تھی مطالعہ کرنا تو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ کہ یہ حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں یہ فرمایا تھا۔ کہ مسیح جب آئے گا تو وہ دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا بھی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ لیغ الحرب یعنی مسیح جب آئے گا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دے گا۔ نیز اس کتاب میں آپ نے اسلامی جہاد کی حقیقت بیان کی ہے۔ کہ اسلام میں جہاد یعنی تلوار سے دین کی حمایت کے لیے لڑنا اسلام میں کن حالات میں جائز قرار دیا گیا تھا۔ پھر لکھا ہے۔ اس لیے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ جو شخص آنکھیں رکھتا ہے۔ اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے۔ وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر لوگ وحشی کا رہند ہو رہے ہیں یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔ بلکہ یہ نفس امارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئی ہیں۔ ص ۵۸

پس ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ اس وقت مذہب کے لیے تلوار نہ اٹھانے کا حکم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی طرف سے نہیں دیا۔ بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیگونی کی تھی کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا۔ کہ اس وقت شریعت اسلامیہ کی رو سے دین کے لیے تلوار سے جہاد کرنا ناجائز ہوگا۔

۳۔ مولویوں کا بخاری کی حدیث کے مطابق عقیدہ ہے کہ جب مسیح آئے گا تو وہ قرآن مجید کے صریح حکم ”حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاعذون“ کو اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کو لے کر ان سے جنگ کو ترک کیا جائے۔ لے خلاف جزیہ نہیں قبول کرے گا۔ اور جو مسلمان نہیں ہوگا۔ اس کو تلوار کے گھارہ اتارے گا۔

اورربعین ۱۲ صفحہ ۱۳ کے ماحشیہ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ ایسا ہوگا کہ اس وقت موجبات جہاد مفقود ہوں گے۔ اسی وجہ سے آپ نے فرمایا ہے کہ مسیح موعود کے وقت قطعاً جہاد کا حکم موقوف کر دیا گیا۔

اور اعجاز احمدی ص ۳۲ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اور مولوی محمد حسین بٹالوی سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ گورنمنٹ برطانیہ کی مدد کی جائے اور جہاد کے خراب مسئلہ کے خیالوں کو دلوں سے مٹایا جائے اور ایسے خونریز مہدی اور خونریز مسیح سے انکار کیا جائے۔“

یہ اس لیے لکھا ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ پبلیک میموریل کے ذریعہ بیڑا ہر کرایا یا ہا کہ مسلمان ایسے مہدی اور ایسے عیسیٰ کے منتظر نہیں ہیں جو عیسائیوں کے ساتھ لڑے گا اور یہ یقین دلانا چاہا کہ میرا تو یہی عقیدہ ہے کہ کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا۔ جو خون ریزی سے قیامت برپا کر دے گا۔ اور نہ کوئی ایسا مسیح آئے گا جو آسمان سے اتر کر اس کا ہاتھ بٹائے گا۔ اور اس قسم کی یہ سب باتیں بے اصل ہیں۔

پس چونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مسیح موعود اور مہدی کے زمانہ کے وقت جہاد کے متعلق وہی عقیدہ ظاہر کیا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ اس لیے آپ نے اسے مخاطب کر کے لکھا ہے۔ کہ اگر واقعی تمہارا یہی عقیدہ ہے کہ تم نے میموریل کے ذریعہ ظاہر کیا ہے تو ان لوگوں کے دلوں سے جہاد کے مسئلہ کے خیال کو دور کیا جائے۔ اور اس طرح سے مولوی محمد حسین بٹالوی کا لوگوں پر اتفاق ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ لوگوں سے وہ یہ کہتا تھا کہ ایسے مہدی سے انکار کرنا کفر ہے۔ اور گورنمنٹ کو لکھا کہ ایسا کوئی مہدی نہیں آئے گا۔

اور اسی طرح حقیقتہً المہدی ص ۲۷ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ جہاد سیفی کا وقت گزر چکا ہے۔ اور اس وقت قلمی اور روحانی جہاد کی ضرورت ہے۔ اور اس طرح تحفہ گو لڑو پر ص ۷۹ کا جو حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے۔

”کہ اسی وقت تک جہاد تھا کہ جب اسلام پر مذہب کے لیے تلوار اٹھائی جاتی ہے۔ اب خود بخود ایسی ہوا چلی ہے جو ہر ایک فریق اس کا روانہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جو مذہب کے لیے خون کیا جائے و

اب جب کہ دیگر مذاہب کی طرف سے اسلام پر مذہب کے لیے تلوار نہیں اٹھائی جاتی۔ اس لیے شریعت اسلامیہ کی دوسری جانب نہیں ہے کہ دیگر مذاہب پر تلوار اٹھائی جائے اس لیے جہاد سیفی کا وقت نہیں ہے چنانچہ لب صدیق حسن خاں صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعة مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۷ میں فرماتے ہیں۔

جو لوگ اس علم سے ناواقف ہیں وہی فتادہ جہاد کا حق میں ہر قسم کے دیتے ہیں۔ ورنہ دنیا میں مدت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے۔ یا تھا مگر اب منسوخ ہو گیا ہے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان و کافر میں ہو یا باہم مسلمانوں کے مشکل ہے کہ جہاد شرعی ٹھہر سکے۔ خلق کا یہ حال ہے۔ کہ جو لوگ اچھے کام رات دن کرتے ہیں جیسے نماز روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ یا جو مال اپنے اوپر یا اپنے گھر پر صرف کر کے اٹھاتے ہیں۔ اس میں بھی تو ان کی نیت مطابق شرع کے نہیں ہوتی ہے۔ یا تو دکھانا۔ سنانا۔ ناموری حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یا اسراف و تبذیر میں گرفتار ہوتے ہیں۔ پھر مصلیٰ خدا کی راہ میں جان دینے کو بے مطلب دنیا کے آج کل کون نکل سکتا ہے۔ وہ دن گئے کہ لوگ دین کچھ پیچھے دنیا پر لات مارتے تھے۔ اب تو جو کام دین کے پردہ میں بھی ہوتا ہے۔ وہ بھی غالباً دنیا طلبی کے لیے ہی ہوتا ہے۔ پھر اس جہاد و قتال کو کس طرح جہاد دین سمجھا جائے۔



اس کے بعد یہ بتاتے کے لیے کہ شریعت اسلامیہ میں جہاد سیفی کب واجب ہوتا ہے۔ اور اس کی غرض کیا ہے۔  
قرآن مجید اور احادیث اور اولیاء امت کے اقوال سے ثابت کرتا ہوں۔ قرآن مجید اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔  
کہ جہاد تین اقسام پر مشتمل ہے۔ جہاد اکبر۔ جہاد کبیر۔ جہاد اصغر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کلمۃ حق عند  
سلطان جائزاً الجہاد الا کسبر (مشکوٰۃ) کہ ظالم اور جابر حاکم کے سامنے سچی بات کہنا جہاد اکبر ہے  
اور تفسیر روح البیان جلد ۱۹ میں لکھا ہے۔ ”قال علیہ السلام ان افضل الجہاد کلمۃ حق  
عند سلطان جائزاً و انما کانت افضل لان الجہاد بالحجة والبرهان جہاد اکبر بخلاف الجہاد  
بالسيف والسنان فان جہاد اصغر“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد میں سے افضل جہاد ظالم  
بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے اور یہ اس لیے افضل ہے کہ حجت اور برہان کا جہاد جہاد اکبر ہے۔ اور سیف و  
سنان کا جہاد جہاد اصغر ہے۔“

اور جب حضور غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو فرمایا ”رجعنا من الجہاد الا اصغر الی الجہاد الا کبیر“  
کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آئے اسی طرح ایک مرتبہ حضور کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میں اللہ کے  
مستہ میں جہاد کی خواہش رکھتا ہوں فرمایا کیا تیرے والدین ہیں۔ اس نے کہا، ہاں، قال فیہما فجبہا۔ یعنی آپ  
نے فرمایا کہ ان کے معاملہ میں جہاد کرو آپ نے والدین کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا۔ اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
ولو شئنا لبعثنا فی کل قدیۃ نذیراً ”فلا تطع الکافرین وجاہدہم بہ جہاد اکبیراً“  
اسی آیت میں جو مکی ہے۔ کافروں سے قرآن مجید کے ساتھ جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس جہاد سے مراد وعظ و نصیحت  
ہے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے تصریح کی ہے۔“

پس قرآن مجید و احادیث رسول کریم نے لسانی، مالی جہاد اور اہوا و نفسانیہ کی امتات۔ اور اپنی تمام حرکات و  
سکنتات کو شریعت کے مطابق کرنے کو جہاد کبیر اور جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ اور جہاد بالسیف کو جہاد اصغر کہا ہے جہاد کبیر  
اور جہاد اکبر ہر وقت اور ہر زمانہ میں جاری ہیں۔ لیکن جہاد اصغر کے لیے چند شرائط ہیں، جب وہ پائے جائیں۔ تو مسلمانوں  
پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

## جہاد بالسیف کب واجب ہوتا ہے!

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سادت مہد پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور نے اور  
حضور کے جان نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی۔ جب تک کہ آپ کے دشمنوں نے آپ کو اور

آپ کے جاننا مصابہ کو انواع و اقسام کی ایذا میں پہنچا کر جنگ کے لیے مجبور نہ کرو یا۔ اور جب جنگ آمد جنگ آمد والی حالت پیدا ہو گئی تو آپ نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔ کیونکہ دشمن بھی مصابہ کو گرم پتھروں پر لٹانے اور دہشت گری کی حالت میں شدت پیاس سے باہر نہ لائے اور نہایت عجز اور آہ و زاری سے پانی طلب کرتے مگر انہیں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیا جاتا اور بعض کو نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا جاتا عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی۔ مسلمانوں کا باہر نکلتا دشوار ہو گیا۔ اور زمین ان پر جنگ کر دی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا۔ چنانچہ سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی یہ ہے ”ان الله يداخ عن الذين آمنوا ان الله لا يحب كل خوان كفور۔ اذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير الذين اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا سبنا الله (الحج) اس آیت کریمہ سے اذن قتال کی مندرجہ ذیل وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) جس جنگ کی مصابہ کو اجازت دی گئی تھی وہ دفاعی تھی۔

(۲) جن کو اجازت دی گئی وہ مظلوم تھے۔

(۳) انہیں مظلومی کی حالت میں ان کے گھروں سے نکالا گیا تھا۔

اور ان پر یہ ظلم و ستم صرف اس کہنے کی وجہ سے روا رکھا گیا تھا کہ ہمارا رب اللہ ہے یعنی محض اختلاف عقائد اور دین کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا اور گھروں سے نکالا گیا ایک دوسری آیت دقتا تلوہم حتی لا تكون فتنة میں قتال کی غرض بیان کی گئی ہے جو بخندی میں مذکور ہے کہ ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا۔ اور کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ ایک سال توبہ کرنے میں۔ اور دوسرے سال عمرہ۔ اور جہاد فی سبیل اللہ تو آپ ترک کر کے بیٹھے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے لیے بار بار ترغیب دی ہے۔ اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا اسے میرے بھائی کے بیٹے اسلام کی بناو پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اول اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ دوسرے پانچ نمازیں پڑھنا۔ تیسرے روزے رمضان شریف کے رکھنے چوتھے زکوٰۃ دینا اور پانچویں بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا یعنی اس میں جہاد کا ذکر نہیں) تو اس شخص نے کہا کیا آپ آیت دان طائفان من المؤمنین اقتتلوا۔ اور آیت

دقتا تلوہم حتی لا تكون فتنة الخ نہیں پڑھتے۔ آپ نے فرمایا ہم اس غرض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پورا کر چکے ہیں۔ وکان الاسلام قليلا فكان الرجل يفتن في دينه اما قتلوا اما يعذبوا حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة (بخاری) یعنی اس وقت مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے اور کفار۔ اسلام قبول کرنے والے ہر شخص کو فتنہ و فساد اور مصائب میں مبتلا کرتے تھے۔ یا تو اسے قتل کر دیتے۔ یا ہمیشہ تکلیف میں رکھتے یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔

پس آیت اور حضرت ابن عمرؓ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ جہاد بالسيف اس وقت واجب ہوتا ہے جب دین

کے معاملہ میں جبر و اکراہ سے کام لیا جائے۔ اور جب کوئی مسلمان ہونا چاہے تو اسے تلوار کے زور سے روکیں۔ اور اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے ہمیشہ عذاب اور تکلیف دینے رہیں۔ اور ایک مقتدا تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح کا جو اپنے زمانہ میں مکہ شریف کے مفتی تھے۔ یہی فتویٰ ہے۔ یہ علم حدیث اور فقہ میں جابر بن عبد اللہ انصاری اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن زبیر جیسے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے شاگرد رشید تھے۔

(۲)

### حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہب جہاد بالسیف کے بارہ میں

جہاد بالسیف کے فرض و واجب ہونے میں جو مذہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا تھا۔ وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے چنانچہ آپ ایک پادری کے جواب میں فرماتے ہیں :-  
اور اس نکتہ چینی نے جو جہاد اسلام کا ذکر کیا ہے۔ اور گمان کرتا ہے۔ کہ قرآن بغیر لحاظ کسی شرط کے جہاد پر برا بیختہ کرتا ہے۔ سو اس سے بڑھ کر اور کوئی جھوٹ اور افتراء نہیں۔ اگر کوئی سوچنے والا ہے۔ جانتا چاہیے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لیے حکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ اور اس بات سے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کار بند ہوں۔ اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں سے لڑنے کیلئے حکم فرماتا ہے۔ جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں سے اور وطنوں سے نکالتے ہیں۔ اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں۔ اولئک الذین غضب اللہ علیہم ووجب علی المؤمنین ان یجادیہم ان لم یتہتوا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں (لذا الحق حصہ اول ص ۵۵)

موجودہ حالات میں واقعات بالا اور شرائط مذکورہ جہاد بالسیف کی نہیں پائی جاتیں لہذا حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن مجید کے عین منشا کے مطابق یہ فتویٰ دیا کہ اب دینی جنگ حرام ہے۔ آپ نے یہ فتویٰ حکم جہاد کی تسخیر کے لیے نہیں دیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ افتراء کیا جاتا ہے چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے اس لیے جہاد کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے۔ کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سرنگم کشمیر مر گیا۔ اور نہ وہ خدا تعالیٰ کا بیٹا تھا۔ انگریز مذہبی جو شخص والے میر سے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہوں گے۔ پس نادانوں! میں اس گورنمنٹ کی

کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے کیونکہ وہ بھی کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔  
(کشتی نوح ص ۶۸)

## انبیاء اقدسین کا طرز عمل

صحابہ رضی اللہ عنہم جب کفار مکہ سے بے پناہ شدائد سے تگ و تاب کرتے تھے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت بادشاہ حبشہ کے ملک میں پلے گئے تو ایک عیسائی بادشاہ تھا تو مہاجرین صحابہ اس حکومت اور بادشاہ کے قوانین کی پوری پوری اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہے۔ کبھی کبھی اور رسول نافرمانی نہیں کی بلکہ ان صحابہ کے قائد حضرت جعفر بن ابیطالب نے برسرِ دربار بادشاہ کی تعریف کی کہ۔ ان قومنا بغوا علینا و ارادوا فتننا عن وینتنا فخر جنا الی دیا راک واختارناک علی من سواک و رغبتنا فی جوارک و رجونا ان لا نظلم عندک ایھا الملک۔  
(تاریخ الامم الاسلامیہ للبخاری ص ۱۰۸)

کہ ہم پر ہماری قوم نے پڑ بانی کی اور میں ہمارے دین سے پھسلا کر فتنہ میں ڈالنا چاہتا تو ہم تیرے ملک میں پلے آئے۔ اور ہم نے دوسروں پر تجھے ترجیح دی اور تیرے قرب کو ہم نے پسند کیا اور اے بادشاہ ہمیں امید ہے کہ تیرے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ فرمادے کہ ہمارے مخالف صحابہ کے طرز عمل سے یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ انہوں کسی مذہبی آزادی دینے والی حکومت سے جنگ کی ہے۔

## حضرت سید احمد صاحب بریلوی اور مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کا مذہب

تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد بریلوی اور ان کے جان باز دو جاں نثار حواری مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید جنہوں نے اپنے زمانہ کے ظالم سکوں سے مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ دینے پر جہاد کیا۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے ان کا مذہب یہی ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ یہ دونوں بزرگ ہستیاں ہندوستان پنجاب میں نہایت عظمت اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ سید اسماعیل شہید کو اخبار البحر بیروت میں خاتم المشہد لکھا ہے۔ (الہدایت ۱۵ ارمی ۱۹۰۵ء) اور سید صاحب بریلوی کو نواب صدیق حسن خان صاحب نے حج الکرام میں محمودین میں شمار کیا ہے۔ مولوی محمد جعفر صاحب نٹھانیسری مولف سوانح احمدی ص ۵۵ میں لکھتے ہیں۔

(۱) یہ سب صحیح روایت ہے کہ آثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید و عظم فرما رہے تھے۔ ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا۔ کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رویا و بد غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ اس وقت

پنجاب کے سکھوں کا نظم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ان پر جہاد کیا جائے۔

(۲) ”صاحب مخزن کھتا ہے کہ (سید صاحب) ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی کو کافر مانتے تھے۔ مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے تدبیاری اور بوجہ موجودگی ان حالات کے ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی کے جہاد کرنے کو مانع نہیں اس واسطے آپ کو منظور ہوا کہ ان تمام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی مارج اور مانع تھے۔ جہاد کیا جائے۔

(سوانح احمدی ص ۵۵)

(۳) یہ بھی ایک صحیح روایت ہے کہ جب آپ سکھوں سے جہاد کرنے کو تشریف لے جاتے تھے کسی شخص نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی دور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دین اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں ان سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائیں گے کیونکہ سیکھوں کو کسی سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے لڑنا یہ ایک ایسا امر محال ہے۔ جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ سکھوں سے بالکل جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برابر ان اسلام پر غلم کرنے میں اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اگر سکھ اب یہاں ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات متوجہ جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو ان سے لڑنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور سرکار انگریزوں کو منکر اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت اسلامی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے اس کو سزا دینے کو تیار ہیں۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الہی اور احیاء سنن سید المرسلین ہے۔ سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب۔ طرفین کا خون بلا سبب گرا دیں یہ جواب باصواب سرکار سائن خاموش ہو گیا۔ اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی ۵

(۴) اسی کتاب سوانح احمدی کے ص ۱۵۱ پر سید صاحب کا ایک خط درج کیا ہے جس میں مذکور ہے نہ باکے الزام ملین منازعت داریم نہ کسے از روستا عومنین مخالفت با کفار شام مقابلہ داریم نہ بامدعیان اسلام۔ صرف با دراز مویاں (پچھے بال دالے یعنی سکھ) بویان مقابلہ ایم۔ نہ با کلمہ گویان مدونہ اسلام جو یان دنہ با سرکار انگریزی کو اور مسلمان رعایا سے خود را براے ادائے فرائض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است ۵

(۵) اسی کتاب کے ص ۱۶۹ پر لکھا ہے۔

اس سوانح اور نیز مکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کا سرکار انگیزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آئندہ علمداری کو اپنی ہی علمداری سمجھتے تھے۔

اب ایک طرف قرآن مجید و حدیث اور صلفائے امت اور محمد دین ملت میں جو حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کی مسئلہ جہاد میں تائید کرتے ہیں اور دوسری طرف گواہان اور مختاران مدعیہ ہیں جو معلوم شرعیہ سے محض نادانقینت کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر تشیع جہاد کا الزام لگاتے ہیں۔ اس سے عدالت بخوبی معلوم کر سکتی ہے کہ کون سا فرقہ حق پر ہے۔

## قرآن مجید سے امکان نبوت پر دلائل :-

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ مذکورہ دلائل میں سے دلیل ۱ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ آیت ”یا بنی آدم امانا یا تینکم دسل“ میں خطاب ان بنی آدم سے ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں تھے۔ اور اس کے لیے انہوں نے ابن جریر کے ایک روایت پیش کی ہے۔ اور ابن جریر کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود لکھا ہے کہ وہ رئیس المفسرین ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت کا مفہوم اس کے سیاق و سباق سے خود بخود واضح ہو تو ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ روایت کے پیچھے پڑیں۔ اور اگر کوئی روایت اس مریخ مفہوم کے جو کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہوتا ہے۔ مخالف مفہوم بیان کرتی ہو تو وہ روایت۔ بلکہ قرآن مجید کے مریخ مفہوم کے مخالف ہونے کے ساقط عن الاعتبار ہوگی۔

چنانچہ آیت متنازعہ فیہ کے سیاق و سباق سے وہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کیونکہ اسی آیت سے پہلے بھی بنی آدم کے ساتھ خطاب موجود ہے۔ جو یہ ہے۔ ”یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلووا وشرابوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین“ آیت میں یا بنی آدم کے ساتھ جو خطاب کیا گیا ہے تو وہ انہیں لوگوں کے لیے ہے۔ جو نزول قرآن مجید کے وقت موجود تھے۔ یا بعد میں آئیں گے۔ اور اس آیت کی تفسیر میں صحیح مسلم میں بھی آیا ہے کہ مشرک مرد اور عورتیں بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے۔ اور اسے موجب ثواب سمجھتے تھے۔ نواللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتار دی۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد..... الخ یعنی ننگے طواف نہیں کرنا چاہیے اور اس آیت کے شان نزول میں جو بھی روایات آئی ہیں۔ انہیں معنوں کی مؤید ہیں۔ اور اس سے بھی پہلی آیت یا بنی آدم لا یقتنکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة سے بھی ظاہر ہے کہ یہ موجودہ زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے اور صورت کا ابتلا و بھی انہیں معنوں کی تائید کرتا ہے۔ اور حضرت آدم کا واقعہ بھی ضمنی طور پر درمیان میں آیا ہے۔ اور آیت متنازعہ فیہا کے بعد جو آیات ہیں۔ وہ بھی ہمارے معنوں کی تائید کرتی ہیں کیونکہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے منکرین

مکذبین کے متعلق فرمایا ہے کہ قال ادخلوا فی ایمم - قد خلعت من قبلکم من الجن والانس فی الناس -  
کہ مکذبین کو ان کی دنات کے بعد کہا جائے گا کہ تم بھی آگ میں ان اتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ جو تم میں سے قبل جن و انس  
سے گزر چکی ہیں۔

پس یہ آیت بھی بتا رہی ہے کہ آیت متنازعہ فیہا میں انہیں لوگوں سے خطاب ہے۔ جن سے پہلے بہت سی باتیں  
گزر چکی ہیں۔ اور وہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کے نزول کے وقت موجود تھے یا ان کے بعد آنے والے تھے۔ اور یہی  
بات گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بحوالہ اتفاق امام جلال الدین سیوطی کی کتاب سے نقل کی تھی۔ جس کے  
ہونے ہوئے متنازعہ مدعیہ نے صریح غلط بیانی کی کہ گواہان مدعا علیہ نے اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی اور جو روایت مختار  
مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ کوئی سرفروغ منقول نہیں ہے اور اس کا نفس مسنون اس کے منصف پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ  
اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی ذریت کو اپنی ہتھیلی میں رکھا اور پھر ان کو اسے نبی آدم سے  
خطاب کیا۔ اول تو اس میں آدم اور اس کی اولاد کا ہتھیلی میں رکھنے کا ذکر ہے۔ اور خطاب میں آدم کا کوئی ذکر ہی نہیں  
ہے۔ دوسرے قرآن مجید میں مطلقاً اس بات کا اشارہ تک بھی نہیں ہے کہ یہ قول جس کا حکایتنا من الماضی ہے۔ ثالثاً اس  
روایت کے راوی بھی زیادہ ثقہ نہیں۔

چنانچہ عبد الرحمن بن زیاد کے متعلق ابن قطان نے کہا ہے کہ بعض اس کو ثقہ کہتے ہیں۔ ولکن الحق فیدانہ ضعیف  
یعنی اس کے متعلق سچی بات یہی ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ (میزان الاعتدال)

اور ایک راوی ہیا ج ہے جس کے متعلق یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے۔ اور مرہ نے کہا ہے  
کہ وہ کچھ چیز نہیں۔ اور پھر یہ روایت بھی صحابی سے نہیں بلکہ تابعی سے ہے۔ اور تابعین کے متعلق لکھا ہے۔

قال شعبۃ بن الحجاج وغیرہ اقوال التابعین فی الفردوس لیست حجة فکیف تكون حجة فی التفسیر؟  
کر شعبہ وغیرہ نے کہا ہے کہ تابعین کے اقوال تو ضروریات دین میں بھی حجت نہیں تو وہ تفسیر میں کیسے حجت ہو سکتے ہیں۔  
(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۱ ص ۷)

اور علاوہ انہیں تفسیروں میں جو روایات آئی ہیں ان کے متعلق بزرگان سلف نے کوئی ایسی رائے ظاہر نہیں  
کی چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

هذه التفسير التي اسندوها الى ابن عباس غير مرضية - ورواها مجاهد -

(اتفاق جلد ۲ ص ۲۲۵ مصری)

یعنی یہ لمبی تفسیر جن کو ابن عباس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ سب ناپسندیدہ ہیں۔ اور ان کے راوی  
مجہول ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن عدون لکھتے ہیں وقد جمع المتقدمون فی ذلك وادعوا الا ان کتبهم  
ومنقولهم لا تشمل علی الغث والسمین المقبول والمر دود۔ (مقدمہ ابن عدون ص ۲۶ مصری)

یعنی تقدیر نے تفسیری باتیں جمع کی ہیں۔ اور ایک حد تک خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور ان کی درج شدہ باتوں میں اعلیٰ اور ناقص مقبول و مردود سب قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ پھر ص ۲۷۱ میں لکھا ہے۔ فامنتلات التفسیر من المنقولات عند ہم الی مثل ذالک یعنی تقدیر میں کی تفاسیر محض مقبول باتوں سے بھر گئیں جو ان تک یہودیوں اور عیسائیوں سے پہنچی ہیں۔ اور وہ سب ایسی ہی خبریں ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ کی روایات پر مشتمل ہیں اور وہ تفاسیر ایسی نہیں ہیں جو احکام سے متعلق ہوں کہ ان اقوال کی محنت کی جائے تا ان پر عمل واجب ہو اور ایسی محنت تلاش کرنے کے بارہ میں مفسرین نے بہت تساہل استعمال کیا ہے۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابن جریر کو رئیس المفسرین لکھنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو کچھ اس نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ بلکہ آپ نے اسے رئیس المفسرین علماء متقدمین کے قول کے مطابق لکھا ہے۔ چنانچہ فتح البیان جلد اول ص ۱۱۱ میں بحوالہ اتقان مصنفہ امام جلال الدین سیوطی لکھا ہے کتابہ اجل التفاسیر واعظمها يتعرض لتوجيه الاقوال وترجيح بعضها على بعض والاعراب والاستنباط فهو يفوق بذالک على تفاسیر المبتدیین۔ (فتح البیان جلد اول ص ۱۱۱)

کہ ابن جریر کی کتاب تفسیر باقی تفسیروں کی نسبت جلیل اور عظیم الشان ہے کیونکہ وہ اقوال کی توجیہ کرتا۔ اور بعض قولوں کو بعض پر ترجیح دیتا ہے۔ اور خود استنباط کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کی تفسیر متقدمین کی تفسیروں پر فوقیت رکھتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابن جریر کی جو روایات آئینہ کمالات اسلام میں لکھی ہیں وہ بطور استدلال نہیں لکھیں بلکہ پہلے قرآن مجید کی آیت سے ایک مضمون بیان کیا ہے اور تاہمدی طور پر ان روایات کو فرتی معاف پر اپنا مدعا منوانے کے لیے ذکر کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں جو روایات درج کی ہوں ان کو صحیح تسلیم کیا جائے مختار مدعیہ نے اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ انھیں

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو یا بنی آدم کی بجائے یا اجماع الناس سے قرآن مجید میں خطاب کیا جاتا تھا اور یا بنی آدم سے جو یہاں خطاب کیا گیا ہے تو اس کا امت محمدیہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ آدم سے لے کر بعد کے تمام لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اس آیت میں ذات آدم کو جو خطاب تھا اس کا حکم خاتم النبیین سے ختم ہو چکا تھا۔

سو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ اور اتقان میں بھی امام جلال الدین سیوطی نے یہی لکھا ہے لیکن مختار مدعیہ پر اس کو واضح کرنے کے لیے نامناسب نہ ہوگا کہ اس کے مسلم مقتدا و بانہی مدرسہ دیوبند کا قول بھی ذکر کر دیا جاوے کہ یا بنی آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

علی ہذا القیاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے آدمیوں کو خداوند کریم اس آیت میں یا بنی آدم لا یفتنکم الشیطان اور نیز اور آیت میں بنی آدم فرماتا ہے۔ حالانکہ حضرت کان میں سے کوئی بھی بیٹا نہ تھا



اگر تھے بھی تو کہیں اسٹنگ کے پڑسنگ باکر اولاد کی اولاد ہوتی ہے۔

(مدینۃ النبیہ ص ۲۹۰)

جب یہ ثابت ہو گیا کہ آیت کے مالمق و ماسبق کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو خطاب ہے۔ نو مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس کا حکم آیت خاتم النبیین سے ختم ہو چکا غلط ہو گیا۔ کیونکہ اگر آنحضرت معلم کے بعد کسی قسم کے رسول کا آنا متنع اور محال تھا تو اس آیت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز نسخ احکام میں ہو کر تائیس نہ کر اخبار میں۔ اور یہ بات کہ آئندہ رسول آئیں گے از قبیل اخبار ہے۔ نہ از قبیل احکام۔

اور اما یا یتینکم میں فرضی صورت دلالت نہیں کرتا جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے بلکہ امر واقع کا بیان ہے۔ ورنہ منکر بن نبوت جمیع انبیاء و نوحہ بھی کہیں گے کہ اما یا یتینکم من حدی بھی فرضی صورت پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اس سے یہ نہیں نکلتا۔ کہ واقع میں بھی آئیں گے۔ جب خدا تعالیٰ انسانوں کو مخاطب کر کے ایک خبر دیتا ہے۔ تو اس سے مراد فرضی صورت نہیں ہو کرتی۔

معلوم ہوتا ہے کہ مختار مدعیہ کو یہ دم صرف اتنا سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ عربی زبان میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ مضارع موكلمہ بنون ناکید پر لام کی بجائے اتا بھی آجاتا ہے۔ اور وہ فرض کے لیے نہیں جیسے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مریم کو فرمایا۔ وَاَمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ احَدًا فَقَوْلِي اِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ اَكَلَمَ الْيَوْمَ اسْتِثْنَاءً ظاہر ہے کہ حضرت مریم سے خدا تعالیٰ نے مآثر بن کلام کی تھی تو اس کی مراد یہی تھی کہ تو انسان کو دیکھے تو ان سے کلام نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے موقع پر نہیں جواب دینے کی بجائے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ تو اس نے ان سے کلام کی پس اسی طرح اس آیت میں بھی ضمنی صورت میں کلام نہیں کیا گیا۔

دوسری آیت :- قَالَ اِنِّي جَاعِلٌكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ دَمِنَ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔

اس آیت سے گواہ مدعا علیہ نے یہ استدلال کیا تھا کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت سے نبی بنانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے۔ اور امتناع نبوت کی وجہ ان کا ظالم ہونا بتائی ہے۔ کہ یہ وعدہ اس وقت تک پورا ہوتا رہے گا جب تک کہ وہ ظالم نہ ہوں۔

پس دوسری صورتیں ہیں۔ یا تو یہ تسلیم کیا جاوے کہ تمام آل ابراہیم علیہم السلام ہو گئی ہے۔ اور یا یہ مانا جائے کہ ان میں نبوت کا پایا جانا ممکن ہے۔

اس پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اول ذریت کا لفظ جماعتی نسل پر بولا جاتا ہے۔ روحانی پر نہیں دوم جسمانی طور پر مرنا صاحب ذریت ابراہیم سے نہیں۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ذریت کا لفظ عربی زبان میں روحانی نسل پر بولا جاتا ہے۔ مختار مدعیہ پر حجت قائم

کرنے کے لیے میں یہاں پر نخت عرب کے حوالے چھوڑنا ہوا صرف اس کے مقتدا و مسلمہ عالم بانٹھی مدرسہ دیوبند کے قول پیش کر دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

ہو سکے ہے کہ ذریت سے مراد مرید اور متبع ہی مراد ہو چنانچہ عربیت کے محاورات میں اپنے زمرہ کے لوگوں کو آل اور ذریت کہہ دیا کرتے ہیں۔ (مدیۃ الشیعہ ص ۳۳)

اس سے اعتراض کی پہلی خبر حسیں میں مختار مدعیہ کی تخریج پائی جاتی تھی کہ ذریت کا لفظ صرف جسمانی اولاد پر بولا جاتا ہے۔ غلط ثابت ہوئی۔ اور دوسری خبر تو بدیہی طور پر باطل ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی اولاد سے ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "واللہ جمع فیہم نسل اسماعیل و اسماعیل من کمال الحکمۃ والمصلحۃ" استفاء ص ۸ کمرے باپ وادوں میں کمال حکمت اور مصلحت کی بنا پر اسماعیل کی نسل جمع ہو گئی۔ پس آپ بلایب ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ کو نبی فارس مانا جائے تو بھی آپ حضرت اسماعیل کی اولاد ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اگر نسل یعنی نذی شرا و سمجھا جائے تو بھی کیونکہ ترک ابراہیم کی لونڈی (دیوی) قطورہ کی اولاد سے ہیں۔ جیسے عرب حضرت ہاجرہ کی اولاد سے اور نزکوں کا قطورہ کی اولاد سے ہونے کا ذکر ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (الاشاعت فی اشراف الساعۃ ص ۵۶)

تیسری آیت: اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلا و من الناس۔

کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل کے لیے یکساں طور پر استعمال نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر وہ حقیقی طور پر دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ تو وہ لفظ مشترک ہوا۔ مگر مشترک میں دونوں معنی مراد نہیں ہو سکتے۔ اس کے جواب میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مضارع کا حال اور استقبال دونوں کے لیے یکساں طور پر ہوتا ہے۔ جب تک کہ کوئی قرینہ کسی ایک میں سے اس کو مخصص نہ کرے۔ ہر ایک شخص جو عربی زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے۔

چنانچہ منجد میں لکھا ہے۔ المضارع صیغۃ الفعل التي تدل علی الحال او الاستقبال۔ کہ مضارع فعل کا ایک صیغہ ہے۔ جو حال یا استقبال پر دلالت کرتا ہے۔ اور خود گواہان مدعیہ میں سے گواہ مانے جرح کے جواب میں تسلیم کیا ہے۔ "کہ مضارع کا صیغہ حال اور استقبال دونوں کے لیے آتا ہے؛

اور کسی لفظ کا دونوں معنوں میں مشترک ہوتا اس امر کو مستلزم نہیں ہے۔ کہ اگر کسی جگہ اس کے دونوں معنی لگ سکتے ہوں۔ تو صرف اشتراک کی وجہ سے نہ لے جائیں۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ رائت عینہ اور اس سے مراد آنکھ اور چشمہ دونوں کہتے ہوں تو وہ لفظ مراد لیے جا سکتے ہیں جب تک کہ اسے کوئی خاص قرینہ ایک معنی میں معین نہ کر دے اور آیت میں یہ صیغہ خدا کے لیے استعمال ہوا۔ اس لیے بیان استمرار کے معنی ہی موزون ہو سکتے ہیں۔

چونھی آیت :-

اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔

کے متعلق مختار مدعیہ نے جرح میں ایام الصلح ص ۶۳ کا حوالہ دیا تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس آیت کے وہ معنی نہیں کئے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں۔ ایام الصلح میں آپ آیت لکھ کر فرماتے ہیں۔

” اس جگہ مفسر قائل ہیں کہ صراط الذین انعمت علیہم کی ہدایت سے غرض تشبیہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت کا اتباع ہے۔“

اس عبارت سے آپ نے ان لوگوں کو جواب دے دیا ہے۔ جو ایک مستقل نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے قائل تھے۔ اور مخالفین کے اس قول کا کہ مثیل نبی ہی ہوتا ہے جواب دیا ہے۔ اور مضرین کے قول سے یہ ثابت کیا ہے کہ کسی کو نبیوں کے ساتھ تشبیہ دینے سے ثبات نہیں ہوتا کہ وہ نبی ہے۔ اور یہ معنی ان معانی سے جو گواہان مدعا علیہ نے کئے ہیں متضاد نہیں ہیں۔ کیونکہ ایام الصلح میں جن قسم کی نبوت کا انکار کیا گیا ہے۔ اس قسم کی نبوت گواہان مدعا علیہ اس آیت سے ثابت نہیں کرتے اور اس قسم کی نبوت اس آیت سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ثابت کی ہے۔ جیسا کہ تثنی نوح ص ۱۱ میں فرماتے ہیں: کیا ضروری نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آئے۔ جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور ان کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت میں اس زمانہ میں ہزار ہا یہودی صفت لوگ پیدا کرے اور ہزار ہا عیسائی مذہب میں داخل کرے گواہان مدعا علیہ بھی ایسا نہ ظاہر کرے کہ جو انبیاء و گزشتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہوتا۔ بیگونی جو آیت اهدنا الصراط المستقیم سے متنبہ ہوتی ہے۔ وہ ایسی ہی پوری ہو جائے جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہو جانے کی بیگونی پوری ہو گئی۔“

مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنا جن پر تبرا انعام ہوا یہ غلط ہے۔ حالانکہ اس پر آیت میں جو دعائے اس کا یہی مفہوم ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے کیونکہ ایک مومن یہ دعا نہیں کرتا کہ وہ انکار ستہ ہی دیکھے پر خوش ہو جائے اور اسے منعم علیہ گروہ میں داخل نہ کیا جائے۔ اگر وہ منعم علیہ گروہ میں داخل نہیں ہوگا تو یقیناً مفضوب علیہم ایضاً لہیں میں سے ہوگا اور آیت من یطعم اللہ والرسول فاد لک مع الذین انعم اللہ علیہم من اللہین۔

پر مختار مدعیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت میں معیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ نبی ہو جائیں گے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے اور اپنی تائید میں ایک تو بخاری سے حدیث پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت یہ آیت مع الذین انعم اللہ علیہم پڑھی اور دوسری حدیث التاجر الصدوق الا مین مع الذین تاجر صدوق ابن نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ان دونوں روایتوں سے مختار مدعیہ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس آیت سے جو مفہوم گواہان مدعا علیہ نے نکالا ہے وہ صحیح نہیں ہے حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں روایتیں اس مفہوم کے مخالف نہیں ہیں جو گواہان مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وفات کے وقت پڑھی تو اس پڑھنے سے کس طرح ثابت ہو گیا کہ آپ کی مراد اس آیت سے یہ ہے کہ آپ نبیوں اور صدیقیوں کے ساتھ ہوں۔ اور نبیوں میں شامل نہ ہوں۔ حالانکہ آنحضرت تو نبی ہی نہیں بلکہ قائم النبیین تھے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بے شک نبیوں ہی کے زنبہ میں ہوں گے کیونکہ آپ نبی تھے اور تاجر صدوق بھی ضرور انہیں لوگوں میں سے ہوگا۔ جن پر خدا کا انعام ہوا۔ تو وہ بھی اپنے مقام کے لحاظ سے ضرور ان چاروں گروہوں میں شامل ہوگا۔

اس کے قطعاً یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر وہ نبی نہیں تو نبیوں کے ساتھ ہوگا۔ اور اگر صدیقی نہیں تو صدیقیوں کے ساتھ ہوگا اور اگر یہ مراتب آخرت کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پھر بھی کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ چاروں گروہ جنت میں ایک ہی مقام پر ہوں گے بلکہ ان کے تعامات اور مراتب کا مختلف ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ پس تاجر صدوق ان چاروں مراتب میں سے جن مرتبہ میں ہوگا وہ اس مرتبہ والوں میں شامل ہوگا۔ اور اگر مع الذین انعم اللہ علیہم کے معنی بقول مختار مدعیہ یہ لئے جائیں کہ وہ ان کے ساتھ ہوں گے نہ یہ کہ ان میں سے ہوں گے تو آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ جو خدا اور رسولوں کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے۔ جن پر خدا کا انعام ہوا یعنی امت محمدیہ منعم علیہ گروہ کے ساتھ تو ہوگی لیکن منعم علیہ نہیں ہوگی نبیوں کے ساتھ ہوں گے لیکن نبی نہیں ہوں گے شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے لیکن شہید اور صالح نہ ہوں گے۔

اور اس مفہوم کو کوئی عقلمند انسان ماننے کے لیے تیار نہیں رہی یہ بات کہ صرف مع کے معنی ایسی معیت کے ہوتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی کو معیت حاصل ہے۔ ویسا ہی ہو جائے اور اس کا بھی وہی مقام ہو جو دوسرے کا مقام ہے تو یہی قرآن مجید سے بھی ثابت ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ المؤمنوں کو دعا سکھاتا ہے۔ جس میں تو ننا مع الابرار کے الفاظ موجود ہیں کہ اسے خدا تو ہمیں تیکوں کے ساتھ وفات دے یہاں پر مع سے قطعاً یہ مراد نہیں ہے کہ جس دن بیک مریں اس دن ہمیں بھی مار ڈال بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں ایسی حالت میں وفات دے کہ ہم نیک ہوں۔

اسی طرح ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے الملبس کے تعلق فرمایا ہے ابی ان یكون مع المساجدين (الحجہ) اور دوسری آیت میں فرمایا الحمد لیکن من المساجدين (عرف) تو ایک آیت میں مع استعمال کیا اور دوسری میں من استعمال کیا جن سے ثابت ہوا کہ مع بمعنی من بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح امام فخر الدین رازی آیت فاکتبنا مع المشاہدین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ ”عن ابن عباس مکتبنا مع المشاہدین ای مکتبنا فی زمرة الانبیاء لان کل نبی شاهد لقوله قال الله تعالى فلنستلمن الذین ارسل الیہم ونستلمن المرسلین وقد استاب

اللہ تعالیٰ دعاء ہم وجعلہم انبیاء ورسلاً فاصیوا الموتی وصنعوا کل ما فتح عیسیٰ علیہ السلام“  
 (۲) ”انہ تعالیٰ قال شہد اللہ انہ لا الہ الا هو والملائکتہ واولو العلم فجعل اولو العلم من  
 الشاہدین وقرن ذکرہم بذکر نفسہ وذالک درجتہ عظیمہ ومرتبۃ عالیہ فقلوا  
 فاکتبنا مع الشاہدین ای اجعلنا من تلک الفقرقۃ الذین قرنت ذکرہم بذکرک“  
 (۳) فاکتبنا مع الشاہدین ای اجعلنا ممن یكون فی شہود جلالک حتی نصیر مستحقین لکل  
 ما یصل الینا من المشاق والمتاعب محییۃ یسهل علینا الوفاء بما التزمناہ من نصرة  
 رسولک ونبیۃک“ تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۸۔

ان مذکورہ بالا تینوں عبارتوں کا بالترتیب ترجمہ حسب ذیل ہے۔

- (۱) ابن عباس نے اکتبنا مع الشاہدین کا جو ترجمہ کیا ہے کہ ہمیں انبیاء کے زمرہ میں لکھ لے کیونکہ ہر ایک نبی  
 اپنی قوم پر شاہد ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم رسولوں سے بھی دریافت کریں گے اور ان سے بھی  
 جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول کیا اور انہیں انبیاء اور رسل بنایا  
 پھر انہوں نے مردے زندہ کئے اور انہوں نے وہ تمام باتیں کر دکھائیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیں تھیں۔  
 (۲) اللہ تعالیٰ نے اور اس کے خشتوں اور اہل علم نے اس بات کی گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں  
 پس اہل علم کو بھی خدا نے گواہ ٹھہرایا ہے۔ اور ان کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ ملایا ہے۔ اور یہ ایک بڑا درجہ  
 اور اعلیٰ شان کا مرتبہ ہے۔ تو انہوں نے یہ دعا کی کہ ہمیں شاہدوں کے ساتھ لکھ لے یعنی ہمیں اس فرقہ میں سے  
 کر دے جس کا ذکر تو نے اپنا ذکر کے ساتھ ملا کر کیا ہے۔

- (۳) فاکتبنا مع الشاہدین یعنی ہمیں ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے جلال کا شاہدہ کرتے ہیں تاکہ ہم تمام مشقوتوں  
 اور تکلیفوں کو جو ہمیں پہنچیں حقیر جائیں اور جو ہم تیرے رسول اور تیرے نبی کی نصرت کا عہد اپنے اوپر لیا ہے  
 اسے سہولت کے ساتھ بجا لاسکیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ ان صفات کا جن کا ایک مومن میں پایا جانا ضروری ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے  
 فلو لک مع المؤمنین یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے تو اس آیت میں مع المؤمنین کے معنی یہی ہیں کہ وہ مومن ہوں گے۔  
 اور اسی طرح لسان العرب میں کوثر مع الصادقین کے معنی کوثر کو صادقین لکھے ہیں کہ تم صادق بنو۔

فخار مدعی نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا یہ اعتراض کیا ہے کہ اس طرح تو دھوکہ دے کہی بندہ بھی خدا ہو  
 جلے گا کیا فخر مدعی خدا کی بندے سے معیت اور ایک انسان سے انسان کی معیت کو ایک ہی قسم کی جانتا ہے۔  
 خدا کی معیت تو انسان کی معیت سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس سے اسے انسانوں کی انسانوں سے معیت پر قیاس  
 کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پس آیت متنازعہ میں یہ معنی ہوئے کہ خدا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

کرنے والے بھی ان لوگوں میں سے ہوں گے۔ خیر خدا تعالیٰ کا انہم ہوا یعنی نبی۔ صدیق اور صالحین میں سے۔ یعنی جو جس مرتبہ کے لائق ہوگا اُسے خدا تعالیٰ اودہ مرتبہ عطا کرے گا۔ اور آیت و اذاخذنا منہن انبیاء و من نوح اور اسی طرح و ما کان اللہ لیدر المؤمنین علی ما انتم علیہ اور ذالذہ ہدی اللہ یهدی بہ من یشاء سے گواہ مدعا علیہ نے بقاء نبوت پر جو استدلال کیا ہے وہ اس کے بیان میں تفصیل سے

مذکور ہے۔ اور مختار مدعیہ نے اس پر جو سوالات کئے ان کا جواب بھی اس میں موجود ہے۔ البتہ آیت لیستختلفہم فی الارض کما استختلف الذین من قبلہم کے متعلق جو بحث مختار مدعیہ نے کی ہے۔ وہ قابل التفات ہے۔ گواہ مدعا علیہ نے یہ آیت خلافت جماعی اور خلافت روحانی دونوں پر چسپاں کی ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔ وعد اللہ الذین امنوا منکم سے مراد صرف صحابہ ہیں خلافت فی الارض کے معنی نبی بنانے کے نہیں جن بنی اسرائیل کی خلافت ارضی کے ساتھ ان کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ اس سے سرزمین بیت المقدس کی حکمرانی مراد ہے نبوت وغیرہ نہیں لہذا یہاں بھی حکمرانی مراد ہے۔ جو صحابہ کرام کی حکمرانی سے پوری ہو چکی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا انکم سے مراد صحابہ کو مراد سمجھنا۔ الفاظ قرآن کریم کی عمومیت کا بلا دلیل باطل کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں جو خطابات مومنوں سے کئے گئے ہیں ان سے مراد صحابہ ہی مقصود نہیں بلکہ انتہی لوگ بھی مراد ہیں چنانچہ یومئذ یومئذ اللہ فی اولادکم میں بھی یومئذ اور اولادکم میں وہی خطاب موجود ہے اب اگر اسی خطاب کے مخاطب صرف صحابہ ہی لئے جائیں تو چھ دوسرے امتی ای حکم سے آزاد ہو جائیں گے۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب اس آیت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ شکلم اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور مخاطب امتی ہدیتہ الشیعہ ۲۵۷

پس آیت مذکورہ بالا میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے انتہی مراد ہیں۔ اور یہ کہنا کہ یہ آیت صرف خلافت جماعی کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ خلافت روحانی ہے نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ خلافت جماعی یعنی بادشاہت تو ایسے لوگوں کو بھی مل جاتی ہے جو عینک اور مومن نہیں ہوتے پس محض خلافت جماعی کو ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقید کرنا واقعہ کے لحاظ سے غلط ہے۔

فیتر اس کا جو نتیجہ دین کا مضبوط ہو جانا نکالا گیا ہے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ آیت میں صرف خلافت جماعی مراد نہیں ہے بلکہ خلافت روحانی بھی۔ اور دین کو ٹھکانے والہ درحقیقت خلافت روحانی ہوتی ہے نہ کہ خلافت جماعی اگر مختار مدعیہ اس امر کی دلیل پہلے مفسرین سے چاہے تو تفسیر کبیر موجود ہے امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”ان الاستخلاف بالمعنی الذی ذکرتموہ حاصل بجمیع الخلق فالمد کو رہنما فی معرض

إلشاً رة لا بد وان يكون مغايراً له واما قوله تعالى كما استخلف الذين من قبلهم فאלذين كانوا قبلهم فدلناوا خلفاء تارة بسبب النبوة وتارة بسبب الامامة والخلافة حاصله في الصورتين“  
تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۹ و ۲۲۹ یعنی جن مسؤوں میں اختلاف کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اور خلافت جسمانی مراد لی ہے تو یہ خلافت تو تمام مخلوقات کو حاصل ہے۔ پس جس خلافت کا یہاں بطور بشارت کے ذکر کیا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ اس کے مناسبت ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول میں جو پہلوں کے اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو جو لوگ مسلمانوں سے پہلے تھے ان میں خلفاء کبھی نبوت کی وجہ سے اور کبھی امامت کی وجہ سے ہوئے تھے اور خلافت ان دونوں صورتوں میں حاصل ہوتی ہے۔ اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جیسے پہلے خلافت روحانی و جسمانی تھی ویسے ہی اس امت میں بھی ہوگی پھر اس کی اور وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

” واما قوله كما استخلف الذين من قبلهم یعنی كما استخلف هارون ويوشع واداد و سليمان وتقدير النظم يستخلفهم كما استخلف الذين من قبلهم من هو لاء الا نبيا عليهم السلام۔“  
یعنی خدا تعالیٰ کے قول کہ جیسے ان سے پہلے خلیفے بنائے گئے تھے مراد ہارون اور یوشع اور داؤد اور سلیمان وغیرہ خلیفے ہیں اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کو ان پہلے نبیوں کے خلیفے بنانے کی طرح خلیفے بنائے گا۔ اور کہتے ہیں ” واما قوله تعالى وليمكن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وهو الاسلام۔“

(تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۹ و ۲۲۹) کہ و لیکن

لهم کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے۔ یعنی اسلام کو ثابت اور مضبوط کرے گا اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ جو استدلال اس آیت سے گواہ مدعا علیہ نے خلافت روحانی اور جسمانی پر کیا ہے وہی صحیح ہے۔“

## احادیث سے امکان نبوت کا ثبوت!

ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔

فتنار مدعبہ نے تواسی سمان کی حدیث پر جس میں آنے والے مسیح کو نبی اللہ کے لقب سے پکارا ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انزال ادبام ص ۲۳ میں لکھا ہے ”کہ اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دعو کہ لکھا ہے۔“

جواب:-

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اس قول سے قطعاً یہ منشاء نہیں ہے کہ اس کی روایت موضوع ہے اور اس میں جو لفظ نبی اللہ کا وارد ہوا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ دجال کے متعلق جو بعض باتیں جو سنجاری اور مسلم کی متفق علیہ

حدیثوں سے اختلاف رکھتی ہیں صرف ان کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ نو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”اب حاصل کلام یہ ہے کہ وہ دمشق حدیث جو امام مسلم نے پیش کی ہے خود مسلم کی دوسری حدیث سے ساقط الاعتبار ٹھہرتی ہے۔ اور صریح ثابت ہوتا ہے کہ نو اس راوی نے اس حدیث کے بیان کرنے میں دھوکہ کھایا ہے۔ یہ فرض صاحب مسلم کے سر پر تھا کہ وہ اپنی ذکر کردہ حدیث کا تعارض اپنی قلم سے رفع کرتے۔ مگر انہوں نے جو ایسے تعارض کا ذکر تک نہیں کیا۔ نو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ محمد بن المنکدر کی حدیث قطعی اور یقینی سمجھتے تھے اور نو اس بن عثمان کی حدیث کو از قبیل استغارات و کنایات خیال کرتے تھے اور اس کی حقیقت کو حوالہ بخدا کرتے تھے۔“

(ازالہ اوہام بارہم ص ۱۱)

اور اس امر کا ذکر کہ آنے والے مسیح کو نبی اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی متعدد کتب میں کیا ہے۔ اور مختار مدعیہ نے سراج منیر ص ۱۱ سے جو حوالہ پیش کیا ہے کہ اس میں حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ حدیثوں میں مسیح موعود کے لیے جو نبی کا لفظ آیا ہے وہ بھی اپنے حقیقی معنوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

وہ اس لحاظ سے ہے کہ حقیقی نبی سے آپ صاحب شریعت اور مستقل نبی مراد لیتے ہیں۔ اللہ اس کے مقابل میں آپ فرماتے ہیں کہ مسیح موعود کو جو حدیثوں میں نبی کہا گیا ہے نو اس سے مراد حقیقی نبی نہیں ہے اور دوسری حدیث کہ ابو بکر میری امت میں سب سے افضل ہیں مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یہ اتنی واضح حدیث تھی کہ اس پر مختار مدعیہ کو چاہیے تھا کہ وہ خاموش رہتا مگر اس پر بھی اس نے کہہ دیا کہ اس جگہ الا ان یکون نبی سے مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ جو حقیقی طور پر نبی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ایک تو نبی کا لفظ مذکور ہے واقع ہوا ہے جس کو کسی خاص فرد کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں دوسرے اس حدیث کے الفاظ میں یہ امر صاف مذکور تھا کہ ابو بکر اس امت میں سب سے افضل ہے۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو یعنی اگر امت میں سے کوئی نبی ہو تو وہ افضل ہوگا۔ کیونکہ اس میں حضرت ابو بکر کا مقابلہ پہلے انبیاء سے نہیں تھا۔ بلکہ اس سے ہے جو کہ اس امت میں سے آئے۔

پس اس حدیث سے ایک تو نبی کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ امتی ہوگا جس نے تمام کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجے میں حاصل کئے ہوں گے۔

خلاصہ ملاحظہ ہو!



## تیسری وجہ تکفیر کا رد

گوایاں مدعیہ نے تیسری وجہ تکفیر یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت اور نفع صور وغیرہ اور قیامت کے دن مودوں کے قبروں سے جی اٹھنے وغیرہ سے انکار کیا ہے۔  
اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل حوالہ بات جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر بعث بعد الموت اور روز قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کا صریح طور پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔  
”خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔“

”آمنت باللہ وملائکته وکتابہ ورسوله واشہد ان لا اله الا اللہ وحدک لا شریک لہ واشہد ان محمداً عبداً ورسولہ فاتقوا اللہ ولا تقولوا لست مسلمًا واتقوا الملک الذی الیہ ترجعون“ (ازالہ اوہام مائیل بیج ص ۱)

(۲) ”دلتعتقد ان الجنة حق والنار حق وحشر الاجساد حق یعنی ہمارا اعتقاد ہے کہ جنت برحق ہے اور جہنم بھی برحق ہے حشر اجساد بھی برحق ہے“ (تائید کلمات اسلام ص ۳۸)  
(۳) ہم وہ لوگ ہیں جن کا مقولہ ہے۔ لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ اٰمنا باللہ و ملائکته وکتابہ ورسوله والجنة والنار وبعث بعد الموت یعنی ہم ایمان لاتے ہیں خدا تعالیٰ پر فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اس کی سب کتابوں پر اور جنت پر اور جہنم پر اور بعث بعد الموت پر  
(انوار الاسلام ص ۳)

(۴) ”وَنُوعَمِنَ بِالْمَلَائِكَةِ دِيَوْمَ الْبَعْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ“ اور ہم فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں۔  
(نور الحق حصہ اول ص ۵)

(۵) یہ بات نہایت بدیہی اور عند العقل مسلم اور قرین قیاس ہے کہ جیسا کہ انسان دنیا میں از نکاب جلازم یا کسب غیرات اور اعمال صالحہ کے وقت صرف روح سے ہی کوئی کام نہیں کرتا بلکہ روح اور جسم دونوں سے کرتا ہے ایسا ہی جزا و سزا کا اثر بھی دونوں پر ہی ہونا چاہیے یعنی جان اور جسم دونوں کو اپنی اپنی حالت کے مناسب پاداش اخروی سے حصہ ملنا چاہیے۔  
(نور القرآن حصہ دوم ص ۲۳)

(۶) پس ہم مسلمان لوگ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ بہشت جو جسم و روح کے لیے دارالجزاؤ ہے۔ وہ ایک ادمود اور نافع دارالجزاؤ نہیں۔ بلکہ اس میں جسم اور جان دونوں کو اپنی اپنی حالت کے موافق جزاؤ ملے گی جیسا کہ جہنم میں اپنی حالت کے موافق دونوں کو سزا دی جائے گی۔ (نور القرآن حصہ دوم ص ۳۱)

(۷) قیامت کو جو لوگ جہنم کا مزہ چکھینگے وہ کہیں گے وما لنا لا نرى رجالا كنا نعدهم من الاشرار یعنی ہمیں کیا ہو گیا کہ دوزخ میں وہ لوگ نظر نہیں آتے جنہیں ہم شریر سمجھتے تھے۔ ۲۳ یعنی ۱۳ (لکچر سیاہ کوٹ ص ۲۱)

(۸) اور یوم آخر قرآن شریف کی رو سے یہ ہے جس میں مردے بھی اٹھیں گے اور پھر ایک فریق بہشت میں داخل کیا جائے گا جو جہانمی اور روحانی نعمت کی جگہ ہے۔ اور ایک فریق دوزخ میں داخل کیا جائے گا۔ جو روحانی اور جسمانی عذاب کی جگہ ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۷)

(۹) ایسا عقیدہ جو مومنین مطہرین بلا توقف بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں یہ میری طرف سے نہیں بلکہ یہی عقیدہ ہے۔ جس کی قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ اور دوسری تعلیم جو قرآن شریف میں ہے جو حشر اباد ہوگا۔ اور مردے زندہ ہوں گے وہ بھی حق ہے۔ اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ بہشت میں داخل ہونا یعنی فوت ہوتے ہی داخل ہونا صرف اجمالی رنگ میں ہے۔ اور اس صورت میں جو مومنوں کو مرنے کے بعد بلا توقف اجسام دیتے جاتے ہیں وہ اجسام ابھی ناقص ہیں مگر حشر اباد کا دن بجلی اعظم کا دن ہے اس دن کامل اجسام ملیں گے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۲۶ حاشیہ)

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ نے جو بحث کی ہے۔ وہ قطعاً قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے متعدد جگہ اپنی کتب میں ان سب عقائد کا بیان فرمایا ہے۔ اور جو آیات اور احادیث ان مسائل کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لمحیرین کے اعتراضات کو ملحوظ رکھ کر ان سب میں تطبیق فرمائی ہے۔ تو یہ تقریر کو جو ازالہ اوہام میں بیان ہوئی ہے۔ تو وہ ان مختلف حدیثوں اور آیات کی تطبیق میں ہے۔ مختار مدعیہ نے بارہ ۱۲ اکتوبر کی بحث میں کچھ آیات سنائی تھیں جن سے بزم خود اس سے بینات کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور نفعی صور ہوگا۔ مگر مرزا صاحب کے نزدیک جب جنتی جنت میں رہیں گے۔ اور دوزخی دوزخ میں تو قبروں میں کون ہے جو بچکے گا۔ اور نفعی صور اس کو جمع کسے گا۔ سو اس سوال کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام سے اوپر گزر چکا ہے۔ میں مختار مدعیہ سے اگر وہ بھی ظاہری قبور مراد کہتا ہے۔ تو وہ قومیں جو مردوں کو جلاتی ہیں۔ یا جو سمندوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں۔ یا جنہیں درندے کھا جاتے ہیں۔ وہ کن قبروں سے اٹھیں گے

اگر تمام لوگ قیامت کے روز تک اپنی قبروں میں ٹھہرے رہتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو ان آیات کا کیا مطلب ہے۔ اعر قوا فادخلوا نارا (نوح) کہ نوح کے مخالف غرق کئے گئے پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا اور اسی طرح فرماتا ہے۔ التاديعن ضون عليها غددا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا آل فرعون اشد العذاب کہ فرعون صبح و تمام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہو اس دن ہم حکم کریں گے کہ فرعون کو اشد العذاب میں ڈالو اور آیت یأيتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي من الباب الیٰ ایت کا ماحصل یہ ہے کہ جو نفس خدا کی طرف سے تسلی پا گیا ہو اسے دیگر بندگان الہی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اور اسی طرح ایک مومن کو بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قیل ادخل الجنة قال یا لیت قومی یعلمون اسے کہا گیا کہ تو جنت میں داخل ہو جا اور اسی طرح احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اور اس کے علاوہ بھی جہنم کو دیکھا تو اس میں اکثر عورتیں تھیں اور جنت کو دیکھا تو اس میں اکثر ضعفاء تھے اور شہداء کے متعلق تو قرآن مجید میں وارد ہے کہ انہیں مردے مت کہو بل احیاء عند ربهم یرزقون بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور وہ رزق پاتے ہیں۔

اور امام ابن حزم فرماتے ہیں۔ هكذا نص رسول الله صلى الله عليه وسلم على ان ارواح الشهداء في الجنة كذلك الانبياء بلا شك۔

(کتاب الفصل جلد ۳ ص ۱۳۷)

یعنی اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کے طور پر بیان کیا ہے۔ کہ شہداء کی ارواح جنت میں ہیں اور اسی طرح انبیاء کی ارواح بھی بلا شک جنت میں ہیں پس اگر کوئی شخص مرنے کے بعد جنت اور دوزخ میں داخل نہیں ہوتا۔ تو فخر مرعبہ ان آیات اور اپنے اس عقیدہ میں کہ مردے قبروں سے اٹھیں گے تطبیق کر کے دکھائے اور یہ بھی یاد رہے کہ جن قبور کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ وہ یہ قبریں نہیں ہیں بلکہ ان سے برزخی قبریں مراد ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی پھر خدا تعالیٰ انسان کو مارتا ہے۔ اور پھر اس کے لیے قبر بنا تا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المقبر دو ضمة من ریاض الجنة او حفرة من حفرة النيران کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

پس منتار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب محض الفاظ ملتے ہیں۔ معنی کچھ نہیں۔ درحقیقت اس کے اپنے اوپر صادق آتا ہے۔ کیونکہ وہ ان آیات کے معنی پر غور نہیں کرتے۔ بلکہ بغیر کسی غور اور فکر کے مومنوں کی شان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہم حشر اجساد اور بعثت من فی القبور اور دیگر تمام امور اخروی پر ایمان لائے ہیں اور نفع صور کو بھی مانتے ہیں۔ ختماء مدعیہ نے شہادۃ القرآن اور چشمہ معرفت کے چند حوالے پیش کر کے کہا ہے کہ حضرت یسوع موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نفع صور کے منکر ہیں۔ حالانکہ شہادۃ القرآن میں ہی آپ نے آیت و نفعم فی الصور فصعق من فی السموات کے تحت میں لکھا ہے: یدہ آتیل، ذوالوجہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی شہادۃ القرآن ص ۲۵)

اسی طرح ص ۲۷ پر بھی فرماتے ہیں کیونکہ نفع صور صرف جسمانی احياء اور امات تک محدود نہیں بلکہ روحانی احياء اور امات بھی ہمیشہ نفع صور کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔

دیکھو ان دونوں جوابوں میں جو شہادۃ القرآن میں ہی موجود ہیں کیا نفع صور کا اقرار موجود نہیں ہے پھر یہ کہنا کس قدر خلاف واقعہ ہے کہ آپ نے نفع صور سے انکار کیا ہے آپ نے آیت و نفعم فی الصور فجمعناہم جمعاً کی آیت میں نفع صور سے مراد یسوع موعود ہی ہے۔ کیونکہ اس آیت کے سابق و سیاق سے ظاہر ہے کہ یہ قیامت کا واقعہ نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فاذا جاء وعد ربی جعلہ دکا وکان وعد ربی حقاً۔ و ترکنا بعضہم یومئذ یسوح فی بعض۔ و نفعم فی الصور فجمعناہم جمعاً۔ (الحجۃ ۱۶) یعنی جب وعدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آجائے گا تو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا جو: یاہوج و ماہوج کی روک ہے۔ اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ اور ہم اس دن یعنی یاہوج و ماہوج کی سلطنت کے زمانے میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے کہ تا ایک دوسرے میں موجزن کریں۔ یعنی ہر ایک فرقہ اپنے مذہب و دین کو دوسرے پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دانا چاڑھتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اس طرح افواہ موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تا ان کو دہالیں اور کسی کی طرف سے کی نہیں ہوگی۔ ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لیے کوشش کرے گا۔ اور وہ اپنی لابیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صور چھوٹکا جائے گا تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے۔ صور چھوٹنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے۔ کہ اس وقت عبادہ اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہو گا اور اس کے دل میں زندگی کی روح چھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔ شہادۃ القرآن ص ۶۶ قرآن مجید کے (۹) مقامات پر نفع صور کا ذکر آیا ہے۔

پس اگر ان میں سے کسی ایک مقام کی نسبت آپ یہ سمجھتے ہوں۔ کہ اس کے سیاق کے لحاظ سے وہ اس زمانہ کے لیے بطور پیش گوئی کے ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ آپ ملحقاً نفع صور کا انکار کرتے ہیں چنانچہ دوسری آیت کے ماتحت جیسے کہ شہادۃ القرآن ص ۲۵ کے حوالہ سے ذکر ہو چکا ہے۔ آپ قیامت کے وقت جو نفع صور ہو گا اسے تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ختماء مدعیہ نے فرض کر کے حضرت یسوع موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قیامت کا ہی انکار کر دیا تو قبل شرائط

دیگرہ کا بھی انکار کر دیا

حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی جماعت ہر ایک اس چیز کو مانتی ہے جو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ ہل مراط کے متعلق بھی فرماتے ہیں۔

.. یہی صورت جہانی طور پر عالم آخرت میں ہمیں نظر آجائے گی اور ہم آنکھوں سے دیکھیں گے کہ درحقیقت ایک مراط ہے۔ جو ہل کی شکل پر دوزخ کے اوپر بچھا یا گیا ہے۔ جس کے دائیں بائیں دوزخ ہے تب ہم مامور کئے جائیں گے کہ اس پر چلیں سو اگر ہم دنیا میں مراط مستقیم پر چلتے رہے ہیں اور دائیں بائیں نہیں چلے تو ہم کو اس مراط سے بھی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ جہنم کی جہاں ہم تک پہنچیں گی اور نہ کوئی فزع اور خوف ہمارے دل پر طاری ہوگا بلکہ نور ایمان کی قوت سے چمکتی ہوئی برق کی طرح ہم اس سے گزر جائیں گے۔ لیکن جو شخص دنیا میں مراط مستقیم پر نہیں چل سکا وہ اس وقت بھی چل نہیں سکے گا۔ اور دوزخ میں گرے گا اور جہنم کی آگ کا جہنم بن جائے گا۔

(آئینہ کلمات اسلام ص ۱۴۷، ۱۴۸)

فخار مدعیہ نے جس رنگ سے تکلیف کی اس کو دیکھ کیے اختیار حضرت مسیح کا مقلد یا دہوتا ہے کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکھا نظر آجاتا ہے۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہیرہ نظر نہیں آتا یہی فخار مدعیہ ہے جس نے مولوی احمد رضا خان کے فتاویٰ تکلیف دہ کے رد میں کتابیں لکھی ہیں مولوی اسماعیل صاحب ہشید کے متعلق مولوی احمد رضا خان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے ”جوشہید مظلوم خاں صاحب کے نزدیک وہابی نہیں بلکہ ان کے باپ ہیں اور مقتدا و پیشوا اور ان سے خاں صاحب کے نزدیک ایک نہیں بلکہ متعدد کیا ہے شمار کفر سرد ہوئے ہیں۔ جن کی بنا پر ان پر جزاً قطعاً یقیناً اجماعاً موجودہ کثیرہ کفر (لازم)“

(الکواکب الیمانی علی اولاد الزوال ص ۵۸)

لیکن اگر فخار مدعیہ اپنی عبارتوں کو بالمقابل رکھ کر اس عبارت کو پڑھتا تو اس کو معمولی سمجھ کر ذکر بھی نہ کرتا۔ مولوی احمد رضا خان کی مذکورہ بالا تحریر فخار مدعیہ کی تحریر کے مقابل میں کچھ چیز نہیں۔

چنانچہ فخار مدعیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے۔

حشر اجداد تقریباً سو آیات سے زیادہ میں مذکور ہے اور ایک آیت کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ لہذا کم از کم سو دہ کفر و ارتداد امرضا صاحب کی ہوتی اور چونکہ بحث من فی القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور فزوں سے اٹھنے والے کرڈوں کیا اربوں ہیں اور مرزا صاحب نے ہر ایک شخص کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجوہوں سے کافر اور مرتد ہوئے۔

اب بتاؤ فخار مدعیہ کی تحریر مولوی احمد رضا خان کی تحریر سے کچھ میں بڑھی ہوئی ہے یا نہیں لیکن باوجود اس کے وہ اسے قابل اعتراض سمجھتا ہے ؟

# توہین انبیاء علیہم السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی نبی کی توہین نہیں کی

گوہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی یہ بیان کی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انبیاء کی توہین کی ہے اور جو انبیاء کی توہین کرے وہ کافر اور مرتد ہے اس کے جواب کے لیے ملاحظہ ہو بیان گوہ مدعا علیہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کے اس اعتراض کا خود جواب دیتے ہیں :

”اور اگر یہ اعتراض ہے کہ نبی کی توہین کی ہے اور وہ کلمہ کفر ہے تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ لعنة الله على الكاذبین اور ہم سب نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور تعظیم سے دیکھتے ہیں“ (انوار الاسلام ص ۴۱)

(۱)

مختار ان مدعیہ نے انبیاء کی توہین ثابت کرنے کے لیے پہلا حوالہ یہ پیش کیا ہے اور یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعر ہے۔

آنچہ داد است ہر نبی را جام  
داد آں جام را مرا بتمام

سو اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گوہ مدعا علیہ۔

اور مختار مدعیہ نے اس سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرفان کا جو جام اور انبیاء علیہم السلام کو پلا یا ہے میرے سید و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے وہی جام مجھے بھی پلا یا ہے۔ اس کا مطلب جیسا کہ مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یہ ہرگز نہیں ہے کہ حضرت اقدس کو تمام انبیاء کے عرفان سے معہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفان کے زیادہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ مختار مدعیہ کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی اس قول سے کہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اپنے واحد ماننے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے وہی توفیق مجھے بھی عطا فرمائی ہے یہ مطلب نکالے کہ اس قائل نے اپنی توفیق کو تمام انبیاء کی توفیق کی برابر بنا کر تمام انبیاء پر اپنی فوقیت جتائی ہے حالانکہ یہ مطلب لینا بالکل باطل ہوگا صحیح مطلب صرف یہ ہے کہ جس طرح ہر نبی خدا تعالیٰ کو واحد ماننا تھا اسی طرح میں بھی واحد ماننا ہوں نہ یہ کہ ان سب کا مجموعی طور پر واحد ماننا میرے واحد ماننے کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا

علی ہذا نقیاس حضرت اقدس کے شعر کا بھی یہی مطلب ہے کہ مہربانی کو جو جام عرفان دیا گیا ہے وہی جام لبالب مجھے بھی دیا گیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل اپنا جام عرفان پلانے میں کسی سے کم نہیں رکھا بلکہ جو جام ان کو پلایا وہی مجھے بھی پلایا۔ جیسا کہ اسی نظم میں آپ فرماتے ہیں کہ ۷

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے      من بعرفان نہ مکرّم ز کسے

اگر آپ کا مقصود وہ ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے تو آپ یہ کیوں فرماتے کہ میں عرفان میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ اس صورت میں تو آپ یہ فرماتے کہ میں ان سے بہت بڑھا ہوا ہوں اور پھر یہ کیوں فرماتے کہ ۷

وارث مصطفیٰ شد مہیقین      شدہ رنگیں برنگ یار حسین

یعنی مجھے جو جام عرفان الہی پلایا گیا ہے اور جس میں مجھے کسی سے کم نہیں رکھا گیا ہے وہ اس لیے ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث اور حضور کے رنگ سے رنگیں کیا گیا ہوں اور اسی نظم میں یہ کیوں فرماتے ۷

بیک آئینہ ام زرب غنی      اندہی صورت مہر مدنی

یعنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک کے لیے بطور آئینہ ہوں اور جس طرح آئینہ جس چیز کے سامنے ہو اس کی صورت اپنے اندر لے لیتا اور دوسروں پر ظاہر کرتا ہے اسی طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل مبارک اپنے اندر لے لی ہے اور میں حضور ہی کی شکل مبارک دوسروں کو دکھانے والا ہوں اگر شعر مذکور کا وہ مطلب ہوتا جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے تو اس شعر کے آگے ہی یہ شعر کبھی نہ لکھے جاتے۔ اس مضمون کو جو جا مجھے پلایا گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے طفیل پلایا گیا ہے حضرت اقدس نے جا بجا تحریر فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

”اور وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسول مقبول پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں وہ بھی اب تک ان نعمتوں سے حصہ پاتے ہیں اور جو شریعت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام کو پلایا گیا وہی شریعت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی لے رہے ہیں اسرائیلی نوران میں روشن ہے نبی یعقوب کے پیغمبروں کی ان سے برکتیں ہیں سبحان اللہ سبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کے ادنیٰ سے ادنیٰ امت جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں اللہم صلی علی نبیک وحبیہ سید الانبیاء وافضل الرسل وخیر المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم“ (برائین احمدیہ حصہ چہام حاشیہ ص ۲۴۵ تا ۲۴۷)

(۲)

دوسرا حوالہ توہین انبیاء کے متعلق یہ پیش کیا گیا ہے ۷

انبیاء گرچہ بودہ اند بے  
من بعرفاں نہ کمتر از کسے

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ

اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ قول موجب توہین انبیاء ہو سکتا ہے تو شارح فصوص الحکم حضرت شیخ عبدالرزاق تاشانی جو مہدی موعود کو عرفان الہی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق ظاہر کرتے ہیں بہت بڑے توہین انبیاء کرنے والے ٹھہریں گے کیونکہ وہ شرح فصوص الحکم مطبوعہ مصر ۱۳۵۲ھ میں لکھتے ہیں:

”المہدی الذی یجئ فی آخر الزمان فائز فی الاحکام الشرعیہ تابعاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم فی المعارف والعلوم والحقیقہ تکنون جمیع الانبیاء والاولیاء

تابعین ولا یناقض ما ذکرنا لان باطنہ باطن محمد صلی اللہ علیہ وسلم“

یعنی وہ امام مہدی جو آخری زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی تابع ہوں لیکن معارف علوم اور حقیقت میں تمام انبیاء اور اولیاء ان کے تابع ہوں گے اور یہ بات ہمارے مذکورہ قول کے منافی نہیں کیونکہ ان باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی باطن ہوگا۔

(۳)

تیسرا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

زندہ شد ہر نبی با مدغم  
ہر رسولے نہال بر پیرا ہنم

اس کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۱۔

اور اس مضمون کا ایک شعر دیوبندیوں کے مسلمہ بزرگ شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے ۷

فقط ایک آپ کے دم سے نظر آتے تھے سب زندہ  
بخاری و غزالی بصری و شبلی و شیبانی

(۴)

چوتھا حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے ۷

نگدہ ماء السابقین و عیننا  
الی آخر الا یام لا تشکدر (اعجاز احمدی)

اور اس کا یہ ترجمہ کر کے کہ نبیوں کے پانی خشک ہو گئے لیکن ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہوگا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس میں آپ نے تمام انبیاء حتیٰ کہ سید الانبیاء آنحضرت



صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک چشمہ کے بھی خشک ہو جانے اور صرف اپنے چشمے کے ہمیشہ جاری رہنے کا دعویٰ کر کے تمام انبیاء حتیٰ کہ حضور سید المرسلین پر بھی اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ حالانکہ حضرت اقدس نے خود اس شعر کا جو ترجمہ فرمایا ہے وہ یہ ہے ”کہ دوسروں کے پانی جو امت میں سے تھے خشک ہو گئے مگر ہمارا چشمہ آخری دنوں تک کبھی خشک نہ ہو گا“ اس ترجمے سے یہ ظاہر ہے کہ حضرت اقدس نے سابقین کے لفظ سے اس امت کے لوگ مراد لیے ہیں نہ کہ تمام انبیاء اور قرآن مجید کے متعلق تو اسی کتاب اعجاز احمدی کے صفحہ ۵۵ پر فرماتے ہیں۔

واللہ فی القدران کل حقیقہ آیات مقطوعۃ لا تغیر

معین معین الخلد نور معینا ہذا غیر السماء لا یتکدر

اور بخدا قرآن شریف میں ہر ایک حقیقت سے اور اس کی آیتیں قطعی ہیں جو بدلتی نہیں۔ وہ صاف پانی ہے بہشت کا پانی ہمارے خدا کا نور ہدایت اس کی صاف زلال ہے مگر نہیں ہے۔

پس شعر اول کے ترجمہ کی موجودگی میں جو حضرت اقدس نے خود کیا ہے اور پھر ان دونوں شعروں اور ان کے ترجموں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ نتیجہ نکالنا کہ شعر اول میں سابقین سے تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں کیونکہ درست ہو سکتا ہے۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں

افلت شمس الاولین وشمسنا ابد العلی افق السماء لا تحرب

(مقامات امام ربانی ص ۱۴)

اس شعر میں اولین کے سورج غروب ہو جانے اور اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے اور کبھی غروب نہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو کیا اس شعر کے لفظ اولین سے مختار مدعیہ تمام نبیوں کو معہ سیدنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراد لے کر یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے تمام نبیوں حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کا بھی غروب ہو جانا ظاہر کر کے اپنے سورج کے ہمیشہ درخشاں رہنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس طرح آئینہ انبیاء پر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ بلکہ اس شعر کا مطلب وہ ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات جلد ۳، ص ۲۵۲ مکتوب ۱۲۳ میں فرمایا ہے۔

مراد از شمس آفتاب فیضان وارشادات وازافول ان عدم فیضان مذکورہ وچوں لو جو در حضرت شیخ معاملہ کہ بالین متعلق داشت باو قرار گرفت وادواسطہ وصول رشتہ و ہدایت گردید چنانچہ پیش از وی اولین بودہ اند و نیز تا معاملہ توسط فیضان برپا است بتوسل اوست ناچار راست آمد کہ افلت شمس الاولین الخ یعنی شمس سے مراد آفتاب فیضان وارشادات ہے اور اس کے غروب ہونے سے فیضان وارشادات مذکورہ کا مفقود ہونا اور جب اس معاملہ نے جو اولین سے

تعلق رکھتا تھا سیدی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے وجود پر قرار پکڑا اور آپ رشد و ہدایت کے رسول کا واسطہ ذریعہ ٹھہرنے جیسا کہ آپ سے بیشتر ادریں ہوئے ہیں۔ اور اب جب تک بھی کہ فیضان کے توسط کا معاملہ برپا ہے آپ ہی کے توسل سے ہی ناچار آپ کا اذیت شمس الاولین الخ فرمانا راست آیا یعنی آپ سے پہلے اولیائے امت کے جو فیضان اپنے اپنے زمانوں میں جاری تھے وہ بند ہو گئے اور چشمہ فیضان حضرت شیخ بناد بیٹے گئے۔ جو مطلب حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ کے شعر کا حضرت ربانی مجتہد الف تانی نے بیان فرمایا ہے وہی مطلب حضرت اقدس کے شعر کا ہے۔ جو معنی حضرت شیخ کے شعر میں لفظ ادریں کے ہیں وہی معنی حضرت اقدس کے شعر میں سابقین کے مختار مدعیہ کو اختیار ہے جو چاہے وہ مطلب لے لے۔ مگر دونوں شعر کا مطلب ایک ہی نہیں ہوگا۔ جو مراد ایک شعر میں لفظ ادریں کی ہے وہی دوسرے شعر میں لفظ سابقین کی۔ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ تو تمام انبیاء معہ حضور سید الانبیاء کے مراد لیے جائیں اور دوسری جگہ صرف اولیائے امت اور مختار مدعیہ نے شعر سے اولیاء امت کی جو توہین نکالی ہے اس کا جواب بذیل عنوان اولیاء امت آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۵)

پانچواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے۔

مقام اومبین از راہ تحقیر بدور انش رسولان ناز کردند

اور کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ زمانہ بدترین زمانہ ہے اور خود گواہان مدعا علیہ نے بھی اسے بدترین زمانہ ہی کہا ہے جواب۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ کے مولویوں کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ بدترین خفوات ہوں گے اور اذلت اور کراہی کا دور دورہ ہو گا لیکن ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی بشارت دی ہے اور اس کی جماعت کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اخلاعت ہوگی اس پر غشی کا اظہار فرمایا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ باوجود یہ کہ مولوی اور دوسرے مخالفین اسلام اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوں گے اور تمام منصوبے اس کی ہلاکت کے کریں گے اور اس کی جماعت کا استحصال کرنے کے لیے کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھیں گے مگر خدا تعالیٰ کی نصرت اس کے اور اس کی جماعت کی مثال حال ہوگی۔ اور وہ روز افزوں ترقی کرنی جائیں گی یہاں تک کہ وہ زمانہ آجائے گا کہ تمام دنیا میں اسلام کا سورج چمکے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث انش سے زمین معمور ہو جائے گی جیسا کہ منصب امامت کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

”أني لا رجوان طال بي عمران القى عيسى بن مريم فان عجل بي موت فمن لقي

منكم فليقد امن السلام من اخرج مني مسلما واحدا من اهل الاسلام فليقتلوا

یعنی میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ اگر میری عمر لمبی ہو جائے تو میں عیسیٰ ابن مریم سے ملوں پس اگر میں پہلے وفات پا گیا تو جو تم میں سے اسے ملے تو اسے میری طرف سے سلام کہے۔ اور اس جگہ عیسیٰ ابن مریم سے حضرت عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی مراد نہیں بلکہ محمدی عیسیٰ ابن مریم یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ ابن مریم اسرائیلی نبی

سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں مل چکے تھے پھر آپ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے تمام انبیاء اپنی قوموں کو ڈراتے آئے ہیں اور اس کے فتنہ سے بڑھ کر کبھی فتنہ ہوا اور نہ ہوگا (مشکوٰۃ)

پس جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء نے دجال کے فتنہ ہانکے سے ڈرایا ویسا ہی انہیں اس شخص کا بھی علم دیا گیا ہوگا جو اس کے فتنہ کو دور کرے گا اور وہ فریقین کے نزدیک مسیح موعود ہے جو ہمارے نزدیک حضرت مرزا صاحب کے آنے سے پورا ہو چکا۔ چنانچہ دلائل النبوة جلد ۱۱ میں ابوہریرہ سے ایک روایت آئی ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میرے رب میں الواح میں ایک ایسی امت کا ذکر پاتا ہوں جن کو علم اول و علم آخر دیا جائے گا اور وہ قرون ضلالت مسیح دجال سے مقابلہ کریں گے پس تو اس کو میری امت بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ احمد کی امت ہے نیز ملا حظہ ہو حجۃ المکرمہ ص ۱۳ اور مولانا عبدالرحمن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ ”شیخ ابوالحسن شاذلی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ قطب زمان خود بڑے از واقعہ کہ دید جنہیں خبر دادہ است کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام مفاخرت و مباہات کردہ است بغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ“ (نفحات الانس مع سلسلۃ الذہب مطبوعہ نوکشتور ص ۲۲۹)

پس جب امام صاحب غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے وجود سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاخرت اور مباہات کا اظہار کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام بدرجہ اولیٰ اس کے مستحق ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ناز کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی اپنے لائق بیٹے کے اچھے کاموں پر ناز کرے پس جیسے کہ ایک باپ کا اپنے بیٹے کے کاموں پر ناز کرنا بیٹے کی عزت افزائی کا موجب ہے نہ کہ باپ کی ہتک کا ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے روحانی بیٹے مسیح موعود کے خدمات اور کاموں کے حال معلوم کر کے اس کے وقت پر ناز کرنا اس کو عزت بخشتا ہے نہ کہ نعوذ باللہ حضور کی ہتک اور دوسرے انبیاء اس زمانہ کے مولویوں کی طرح حاسد نہیں ہیں کہ وہ کسی کے کمال کو دیکھ نہ سکیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے کامل فرزند روحانی پر ناز کرنے کو دیکھ کر اور انبیاء کا بھی ناز کرنا ایک لازمی امر تھا اور ناز کرنا موجب توہین نہیں ہوتا ایک بیٹا اپنے باپ اور باپ اپنے بیٹے پر اور بڑا بھائی چھوٹے بھائی پر بھی ناز کر سکتا ہے اور ناز کرنے کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں ہے

(۶)

چھٹا سوال یہ پیش کیا گیا ہے کہ

روضہ آدم کہ تھا جو نامکمل اب تلک میرے آنے سے ہوا کامل بجلہ برگ و بار

اس شعر سے مختار مدعیہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے اور اپنی طرف وہ بات منسوب کی ہے جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی حالانکہ اس شعر سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ مقصد نہیں کہ اپنی فضیلت تمام انبیاء پر ظاہر کریں بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ شخص جس کا آخر زمانہ میں آنا مقدر تھا اور جس کی آمد پورے شیعہ اشاعت موقوف تھی وہ میں ہوں اور میرے آنے سے وہ بات پوری ہوئی کہ روضہ آدم جس سے مراد نسل انسانی ہے کی ہدایت کے لیے

جو آخری ہدایت اور آخری شریعت نازل ہوئی تھی اس سے فیض باب ہونے کا وقت اب آگیا ہے اور اب آپ اور آپ کی جماعت کے ذریعہ دنیا کی تمام اقوام کو وہ ہدایت پہنچی ہے اور نہایت پیہری ہے گی یہاں تک کہ تمام دنیا کی قومیں دین اسلام کو قبول کر لیں اور جبکہ انسان حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ایک قوم تھے اسی طرح آخری زمانہ میں بھی ایک قوم کی صورت میں ہو جائیں چنانچہ اسی نظم میں جس کے شعر کے مطلب پر یہ کلام ہو رہا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے

ملت احمد کے مالک نے جو ڈالی تھی بسنا      آج پوری ہو رہی ہے اے عزیزانِ دیار  
گلشن احمد بنا ہے مسکنِ باد صبا      جس کی تحریکوں سے سننا ہے بسترِ گفتار

اور اس مضمون کو آپ نے چہتمہ معرفت ص ۸۲ میں یوں فرمایا ہے

”اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ قیامت تک متدہ ہے اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اس خدائے نہ چاہا کہ مدۃ اقوامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی کمال تک پہنچ جائے۔ کیونکہ یہ صورت آپ کے زمانہ کے خاتمہ پر دلالت کرتی تھی یعنی شبہ گذرتا تھا کہ آپ کا زمانہ وہیں تک ختم ہو گیا۔ کیونکہ جو آخری کام آپ کا تھا وہ اسی زمانے میں انجام کو پہنچ گیا۔ اس لیے خدائے تعالیٰ اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لیے اس امت میں سے ایک نائب مقرر کیا۔ جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اس کا نام خاتم الخلفاء ہے پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر پر مسیح موعود ہے اور ضرر در تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا ہوئے کیونکہ مدۃ اقوامی کی خدمت اسی نائب النبوة کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے۔ اس کی طرف یہ ایک اشارہ کرتی ہے ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ۸۲ و ۸۳“

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تکمیل ہدایت ہوئی لیکن تکمیل اشاعت کا زمانہ وہ نہیں تھا کیونکہ اشاعت کے اسباب اس وقت پیدا نہیں کئے گئے تھے اور تکمیل اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مقررہ تھا کہ وہ مسیح موعود اور ہمدی کے ذریعہ سے ہو۔ علماء متقدمین اس امر کے قائل ہیں چنانچہ مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید اپنی کتاب منصب امامت ص ۱۷ میں لکھتے ہیں :

”قال اللہ تعالیٰ ہوالذی ارسل رسولہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

و ظاہر است کہ ابتداء ظہور دین در زمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمد و اتمام آن از دست حضرت

ہمدی واقع خواهد گردید

پھر فرماتے ہیں :

”قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔“ ظاہر است کہ تبلیغ رسالت بنسبت جمیع ناس ازال جناب متحقق نگشته بلکہ امر دعوت از آن جناب شروع گردیده یو مانیو ما بواسطہ خلفاء راشدین وائمہ مجددین او بتدریج کشید تا از نیکہ بواسطہ امامجدید می خواہد رسید“ ص ۵۷ منصب امامت اور اسی مضمون کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شعر مذکورہ بالا میں اشارہ فرمایا ہے

(۷)

ساتواں حوالہ یہ پیش کیا گیا ہے

منم مسیح زمان و منم کلیم خدا  
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد  
حالانکہ اس شعر کا کسی نبی کی توہین سے کچھ بھی تعلق نہیں اس میں آپ نے اپنا مقام بیان فرمایا ہے

کہ میں مسیح بھی ہوں اور کلیم خدا بھی کہ خدا تعالیٰ مجھ سے کلام کرتا ہے اور بروزی طور پر محمد و احمد بھی ہوں اور حبیب کہ اپنے دوسرے مقامات پر تشریح فرمائی کہ محمد و احمد کا نام بروزی طور پر مجھے عطا کیا گیا ہے اس لیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم اور آپ کا قائم مقام ہوں چنانچہ اس فقیدہ میں آپ فرماتے ہیں

بروے یار کہ ہرگز نہ رہتے خواہم  
مگر اعانت اسلام دعا باشد  
پناہ بیضہ اسلام آن جوان مریدیت  
کہ خون بدل ز پیے دین مصطفیٰ باشد

(ترباق القلوب ص ۳۵)

اور اس کی تائید ترباق القلوب کے ص ۷ کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے

”اے تمام۔ وہ لوگو جو زمین پر رہتے ہو اور تمام وہ انسانی رُو جو مشرق و مغرب میں آباد ہو میں پوسے زور کے ساتھ آپ کو اس طرف دعوت کرتا ہوں۔ کہ اب زمین پر سچا مذہب صرف اسلام ہے اور سچا خدا بھی وہی خدا ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اور ہمیشہ کی روحانی زندگی والانی اور جلال و تقدس کے تحت پر بیٹھنے والا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس کی روحانی زندگی اور پاک جلال کا ہمیں یہ ثبوت ملا ہے کہ اس کی پیروی اور محبت سے ہم روح القدس اور خدا کے مکالمہ اور آسمانی نشانوں کے انعام پاتے ہیں۔“

(۸)

آٹھواں حوالہ یہ پیش کیا ہے

آدم نیز احمد مختار  
در برم جامہ ہمہ ابرار

اور اس پر بھی وہی اعتراض کیا ہے جو اس سے پہلے شعر پر کیا تھا سو اس کا جواب بھی بالکل وہی ہے جو حوالہ ۱

میں گذر چکا ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مجھ پر ان تمام ابراہار کا جامہ ہے جو آدم سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوئے۔ اس لحاظ سے میں آدم بھی ہوں اور موسیٰ بھی ہوں اور عیسیٰ بھی ہوں اور احمد مختار بھی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں۔ کیونکہ جو جامہ علم و معرفت کا ان پر خدای کی طرف سے پہنایا گیا تھا۔ وہی خدا تعالیٰ نے مجھے بھی اپنے فضل سے باتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنایا ہے۔

(۹)

نواں حوالہ یہ پیش کیا ہے

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار اور اسی طرح انہوں نے حقیقتہً الوحی میں سے ص ۹۷ کا حاشیہ بھی جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں آدم ہوں شہیت ہوں یعنی انبیاء کے نام مجھے دیئے گئے ہیں پیش کیا ہے کچھ میں نہیں آتا کہ اگر کسی نبی کو بہت سے نام دے جائیں تو اس سے دوسرے انبیاء کی توہین کیسے لازم آتی ہے اس میں تو انبیاء کی عزت کا اظہار ہے کیونکہ مشبہ کو مشبہ بہ کا نام دیا جائے تو بالعموم مشبہ بہ میں وجہ مشبہ اقویٰ طور پر پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب براہین احمدیہ حصہ پنجم میں مختلف ناموں کے دیئے جانے کی وجہ تحریر فرماتے ہیں :

”خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد و محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوت ہیں۔ ویسا ہی عاجز خاتم ولایت ہے اور بعد کے اس کے براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں میرے متعلق یہ بھی فرمایا ”جسی اللہ فی حللہ الانبیاء“ یعنی رسول خدا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرایہ میں اس وحی الہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لے کر اخیر تک جن قدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں خواہ اسرائیل ہوں یا غیر اسرائیلی ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے۔۔۔۔۔ اور اس میں سے یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے جانی دشمن اور سخت مخالف جو عناد میں حد سے بڑھ گئے تھے جن کو طرح طرح کے عذابوں سے ہلاک کیا گیا اس زمانہ کے اکثر لوگ بھی ان سے مشابہ ہیں۔ اگر وہ توبہ نہ کریں۔۔۔۔۔ اور جیسا کہ پہلی امتوں میں کوئی قوم طاعون سے مرے اور کوئی قوم پانی کے طوفان سے اور کوئی آندھی کے طوفان سے اور کوئی قوم خسف سے اسی طرح اس زمانہ کے لوگوں کو عذابوں سے ڈرنا چاہیے اگر وہ اپنی اصلاح نہ کریں کیونکہ اکثر لوگوں میں یہ تمام مواد موجود ہیں محض حکم الہی نے ہدایت دے رکھی ہے اور یہ فقرہ کججری اللہ فی حللہ الانبیاء بہت تفصیل کے لائق ہے۔“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹)

اسی طرح آپ نے ص ۸۵ و ص ۸۹ پر ان اسماء کی وجہیں تحریر کی ہیں اور تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۸۴ میں یہ لکھ کر کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کے نام سے مجھے خطاب فرمایا ہے لکھا ہے :

”دوسو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعہ سے ظہور ہو“  
 یابزید بطامی کے متعلق تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے ”کہ ایک نے آپ سے کہا ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور محمدؐ خدا کے بزرگ و بلند بندے ہیں اس کے جواب میں فرمایا ”وہ سب میں ہی ہوں“ (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۴۹)

چنانچہ اس طرح خواجہ غلام فرید صاحب اپنی کتاب فوائد فریدیہ کے ص ۴ میں حضرت فضیل ابن عیاض کا قول نقل فرماتے ہیں۔ ”فرمودہ است انا العرش والكرسى والروح والقلم وانا الحجر میل والمیكائیل والعزرائیل والاسرافیل وانا موسیٰ وعیسیٰ ومحمد۔“

اور ص ۴ میں نقل فرماتے ہیں ”حضرت سہل بن عبد اللہ تستری فرمودہ است کہ من حجتم بر ملائکہ وگو سفند من حجت است بر علماء و فقہاء“

اور اسی صفحہ پر نقل فرماتے ہیں حضرت ابوالحسن نوروی فرمودہ است نظرت بومالی النور فلم ازل انظر الیہ حتی عرت ذالک النور“

اور بھی بہت سے بزرگوں کے خواجہ صاحب نے اقوال نقل کیے ہیں کیا مختار مدعیہ ان سب کو کافر و مرتد قرار دے گا۔ پس اگر کسی مشابہت کی وجہ سے حضرت مرزا صاحب کو مختلف انبیاء کے نام دیئے گئے تو اس سے نہ تو کسی نبی کی توہین لازم آتی ہے اور نہ اس سے دوسرے انبیاء پر آپ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

## سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح موعود

گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ الزام بھی لگایا ہے کہ آپ نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے۔ اور اپنے کو ان پر فضیلت دے دی ہے۔ ان کا جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ۲۱

۱) پہلی وجہ توہین گواہان مدعیہ نے یہ بیان کی ہے کہ وہ آیات قرآنیہ جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مراتب اور مقامات علویہ سے مشرف فرمایا تھا۔ انہیں اپنے اوپر چسپاں کر لیا۔  
 اس کا جواب ملاحظہ ہو۔ بیان گواہ مدعا علیہ ۷۔

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسے اہل ہاموں کے متعلق اپنی کتاب براہین احمدیہ میں جس میں کہ یہ سب الہامات درج ہیں تحریر فرمایا ہے :

”اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیے کہ کیونکہ ایک اد نے امتی آں رسول مقبول کے اسماء یا

صفات یا محامد میں شریک ہوسکے بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرتؐ کے کمالات قدسیہ سے شریک و مساوی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جرأت نہیں ہے چاہے کسی اور کو آنحضرتؐ کے کمالات سے کچھ نسبت ہو۔ مگر اے طالب حق۔ ارشاد اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تاہمیشہ اس رسول مقبول کی برکتیں ظاہر ہوں۔ اور تاہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعا میں مخالفین کو ملازم و لا جواب کرتی رہیں اسی طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کو جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوئے ہیں خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشے کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے اور جو کچھ من جانب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ حقیقت میں مرجع تمام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ سوم ص ۲۴۳، ۲۴۴)۔

پھر فرماتے ہیں :

”اور ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الہیہ ہیں جو حضرت خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر ایک کامل مومن کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان تمام آیات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب طفیل ہیں اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر ایک مدح و ثنا جو کسی مومن کے الہام میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے حصہ لینے اور وہ بھی محض خدا تعالیٰ کے لطف و احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت و خوبی سے“ (براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ و حاشیہ ص ۳۸۹-۳۸۷)۔

پھر آپ کا ایک الہام ہے کل بركة من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من علم وتعلم یعنی ہر ایک برکت جو اس عاجز پرہیزگار الہام و کشف وغیرہ نازل ہو رہی ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور ان کے توسط سے ہے (ازالہ اوہام ص ۲۴۲) اور فرماتے ہیں :





تھے روح ایک مٹی تو یہ عین تناسخ ہے جو سب کے نزدیک باطل اور اگر مرزا صاحب میں دور و جس تھیں تو نبی کی کوئی روح تھی اگر مرزا صاحب کی روح مٹی تو پھر وہی تخرابی لازم آئی یعنی ختم نبوت کا انکار اور اگر آنحضرت کی روح تو پھر مرزا صاحب نبی نہ ہوئے (دیکھو بحث ۱۲ اکتوبر)۔

چونکہ گواہان مدعا علیہ کا جواب بالکل واضح ہے اور اس جواب پر مذکورہ بالا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اس لیے میں یہاں پر گواہان مدعا علیہ کے جواب کی طرف اشارہ کر دیتے پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔ جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ملے اور اس جواب میں بحوالہ مشنوی دفتر چہارم ص ۱۵۱ یہ حوالہ بھی پیش کیا گیا تھا کہ ”بایزید چوں قطب بود عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود چہ کہ قطب نے باشند مگر بر قطب محمد صلی اللہ علیہ وسلم دہر کہ بر قطب کسے بود عین آنکس اسرت“ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کیا اور اس پر اعتراض کر دیا کہ بایزید سبطی کیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین ہو گئے تھے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود نے کہیں بھی اپنے لئے عین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں فرمائے۔ بلکہ آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ مجھے بر دزدی طور پر محمد و احمد کا نام دیا گیا ہے اور میرے اور ان کے درمیان شکار گرد استاد کی نسبت ہے اور ظل و اصل کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استاد ہیں اور اصل ہیں اور حضرت مسیح موعود آپ کے شاگرد اور ظل ہیں اور امام ربانی بھی مکتوبات جلد ۱ ص ۲۶۶ مکتوب ۴۸ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے حامل تبع بہ سبب کمال متابعت انہی میں جذب ہو جاتے ہیں اور ان کے رنگ میں ایسے رنگیں ہوتے ہیں کہ تابع و متبع یعنی نبی اور امتی میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ سوائے اول اور آخر ہونے کے اور اصل اور ظل کے اور حضرت مسیح موعود نے صاف فرما دیا ہے :

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لیے منتخب کیا جو خلق اور بہمت اور ہمدردی خلافت میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد و محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہ آنحضرت کا ظہور تھا“ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۱)

پس حضرت مسیح موعود نے حقیقی طور پر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا جو آج سے چودہ سو برس قبل تشریف لائے تھے ہرگز دعویٰ نہیں کیا۔

(۳)

## حقیقی خاتم

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں بحوالہ ضمیمہ خطبہ اہامیہ ص ۱۱ ایک یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے متعلق کہا ہے کہ میں حقیقی خاتم ہوں اور رسول مقبول کو بھی قرآن مجید میں خاتم النبیین کہا گیا ہے حقیقت کے

مقابل میں مجاہد ہوتا ہے تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجازی خاتم النبیین ٹھہرے یہ صریح کفر اور توہین ہے۔  
**جواب:** مختار مدعیہ کا یہ ایک صریح مغالطہ ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں بھی اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین نہیں کہا اور نہ آنحضرت کو مجازی خاتم النبیین کہا ہے جس عبارت پر مختار مدعیہ نے اعتراض کیا ہے اس میں اس کی تردید موجود ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ختمت النبوة علی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم فلا نبی بعدہ الا الذی نور بنورہ  
 وجعل وارثہ من حضرت الکبریاء و علموا ان الختمیۃ اعطیت من الازل ل محمد  
 صلی اللہ علیہ وسلم ثم اعطیت لمن علمہ روحہ وجعلہ ظلہ فتبارک من  
 علمہ وتعلم فان الختمیۃ الحقیقیۃ كانت مقدرة فی الالف السادس الذی  
 ہو یوم سادس من ایام الرحمن لی شبابه ابا البشر من کان هو خاتم نوع الانسان  
 یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا مگر وہی جو آپ کے نور  
 سے منور کیا جائے اور جناب الہی سے آپ کا وارث بنایا جائے یا در کھو کہ ازل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو ختمیت عطا کی گئی پھر اس شخص کو عطا کی گئی جس کو اس کی روح نے سکھایا اور اسے اپنا ظل بنایا  
 پس بابرکت ہے وہ جس نے سکھایا اور جس نے سیکھا پس حقیقی ختمیت چھٹے ہزار میں مقدر تھی جو خدا  
 کے دنوں سے چھٹا دن ہے تا اس سے حضرت ابوالبشر آدم کی بھی اس شخص کی مشابہت پائی جائے جو  
 نوع انسان کا خاتم ہے

یہ عبارت خود بتا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی  
 نہیں ہو سکا مگر وہی جو آپ کے نور سے منور ہو پس جو شخص نبوت کا مقام آنحضرت کی اتباع کی برکت سے پائے گا  
 تو وہ حقیقی خاتم النبیین کیسے ہو سکتا ہے دوسرے حضرت مسیح موعود نے اپنے آپ کو آنحضرت صلعم کا شاگرد اور  
 وارث بتایا ہے۔ پس آپ کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ بطور وارثت کے ہے اور نیز آپ نے اپنی بعثت کو بروری  
 طور پر آنحضرت صلعم کی بعثت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اقتباس الانوار ص ۵۲ میں بھی لکھا ہے ”محمد بود کہ بصورت آدم  
 در مبداء ظهور نمود یعنی بطور بروز در ابتدا عالم روحانیت محمد مصطفیٰ اور آدم متجلی شد و ہم اد باشند کہ در آخر  
 بصورت خاتم ظاہر گرد یعنی در خاتم الولايت کہ ہمدی است نیز روحانیت محمد مصطفیٰ بروز و ظهور خواهد کرد و ظہر فیا  
 خواهد نمود (ایام الصلح ص ۵۱)

اور جو ختمیت آپ کو عطا کی گئی ہے وہ بمحاطہ ولایت کے ہے اور آنحضرت کو ختمیت بمحاطہ نبوت کے ہے چنانچہ شرح  
 محی الدین العربی فرماتے ہیں۔

”فكل نبی من لدن الام الى اخر نبی ما منهم احدياً خذ الامن مشكاة خاتم النبیین وان تأخر وجود طیفته فانه بحقیقته موجود وهو قوله كنت نبیاً واد مرین الماء والطين وغیره من الانبیاء ما كان نبیاً الا بعث وكذا خاتم الاولیاء كان ولیاً واد مرین الماء والطين وغیره من الاولیاء ما كان ولیاً الا بعد تحصیله شرائط الولایة من الاخلاق الالهیة فی الاتصاف بها من كون الله یسمی بالولی حمید فانه الولی الرسول النبی وخاتم الاولیاء الولی الوارث الاخذ عن الاصل المنشأ منه للمراتب وهو حسنة من حسنات خاتم الرسل محمد صلی الله علیه وسلم (فصوص الحکم ص ۳)

یعنی آدم سے لے کر آخری نبی تک انہیں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو خاتم الانبیاء کے طاقدان سے نور زلیلا ہو اگرچہ آنحضرت کا وجود عنصری متاخر ہو لیکن وہ اپنی حقیقت کے ساتھ موجود تھے اور یہ امر خاتم الانبیاء کے اس قول سے ثابت ہے کہ میں اس وقت ہی تھا جبکہ آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے اور آنحضرت کے سواء دوسرے انبیاء میں سے کوئی نبی نہیں تھا مگر جس وقت کہ وہ مبعوث ہوئے اور اسی طرح خاتم الاولیاء اس وقت ولی تھے جبکہ آدم پانی اور کچھ کے درمیان تھے اور اس کے سوا اولیاء میں ولی نہیں ہوا مگر جس وقت کہ اس نے ولایت کی شرائط اخلاق الہی کو ولایت سے متصف ہو کر حاصل کر لیا اور یہ شرائط ولایت کی بہ سبب اللہ تعالیٰ کا نام ولی حمید ہونے کے ہے پس خاتم الرسل کی نسبت باعتبار ان کی ولایت کے خاتم الاولیاء کی طرف ایسی ہی ہے جیسے انبیاء اور رسولوں کی نسبت اس کی طرف پس تحقیق وہ ولی اور رسول اور نبی تھے۔ اور خاتم الاولیاء ولی اور وارث اور یحییٰ والا اصل مہون سے اور مشاہدہ کرنے والا مراتب کا ہے اور وہ خاتم الاولیاء خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حنات میں سے ایک درجہ حسنہ کا مظہر ہے۔

پس باوجودیکہ ختمیت حقیقہ حضرت مسیح موعود کے لیے خاتم ولایت ہونے کے لحاظ سے لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ختم نبوت کے لحاظ سے حقیقی ختمیت آنحضرت صلیم کو بالاستقلال حاصل ہے اور حضرت مسیح موعود کو جو ختمیت حاصل ہوئی ہے تو وہ آنحضرت کی اتباع میں ہوئی ہے اور بطور وراثت کے چنانچہ ختمیت کے لحاظ سے آپ کا دعویٰ خاتم الاولیاء ہونے کا ہے چنانچہ آپ خطبہ الہامیہ میں بھی جس کا مختار مدعیہ نے قوالہ دیا ہے فرماتے ہیں :

”میں ولایت کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہوں جیسا کہ ہمارے سید آنحضرت صلیم نبوت کے سلسلہ کو ختم

کرنے والے تھے اور وہ خاتم الانبیاء ہیں اور میں خاتم الاولیاء ہوں میرے بعد کوئی ولی نہیں مگر وہ جو مجھ سے ہوگا اور میرے بعد ہوگا“ (خطبہ الہامیہ ص ۳)

اور فرماتے ہیں :

”براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد اور محمد بھی رکھا اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم نبوتہ ہیں ویسا ہی یہ عاجز خاتم ولایت ہے“ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۸۹)

پس مختار مدعیہ کا یہ قول کہ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو حقیقی خاتم النبیین اور آنحضرتؐ کو مجازی قرار دیا ہے محض بہتان ہے۔

## (۴) معجزات کی تعداد

مختار مدعیہ نے تحفہ گوڑیہ کے حوالے کی بناء پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنے معجزات تین لاکھ بیان کئے ہیں اور آنحضرتؐ کے تین ہزار اس کا مضل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دے دیا ہے اس لیے اب اس کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱

اصل بات یہ ہے کہ مختار مدعیہ کو اس امر سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس نے حضرت مسیح موعودؑ کے کلام سے کہ نشان بھی خرق عادت ہے اور معجزہ بھی خرق عادت ہے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں نشان کو خرق عادت قرار دیا ہے وہیں نشان کی تقسیم بھی بیان کی ہے۔ جس سے بین طور پر معجزہ اور نشان میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے اگرچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر معجزہ نشان ہوتا ہے لیکن ہر نشان کو کسی کا معجزہ نہیں قرار دیا جاسکتا مثلاً حضرت مسیح موعودؑ نے بعض لوگوں کو آپ کی صداقت کے متعلق خوابیں آنا یا آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کا اس زمانہ کے متعلق ظاہر ہونا اپنے نشانات میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے متعلق یہ نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آپ کے معجزات ہیں۔

پس جہاں نشانات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں آنحضرتؐ کے نشانات یا معجزات کا قطعاً ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آنحضرتؐ کے ویسے نشانات کا کوئی شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ اور تحفہ گوڑیہ میں جہاں مقابلہ میں آنحضرتؐ کے معجزات کا ذکر کیا ہے وہاں ایسی پیشگوئیاں ستوں کے قریب بتائی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تین ہزار معجزات اور یہ بھی فریق مخالفت کے مسلمان کی بناء پر کہلے۔ ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب یہی ہے کہ آپ کے معجزات قیامت تک ظہور میں آتے رہیں گے۔ اور گواہان مدعا علیہ حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کی تائید میں جو ظاہر ہوتا ہے وہ بھی آنحضرتؐ

کے معجزات ہیں اور آپ کو مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بھی آنحضرت صلعم کے فیض سے ملا ہے۔

(۵)

## حضرت مسیح موعود کا نبی ہونا

مختار مدعیہ نے واکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ بہت سی عبادات میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عیسیٰ کا تشریف لانا آنحضرتؑ کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی ہے (لازالہ اوہام ص ۲۲۵) اور اپنے آپ کو ان سے بڑا قرار دے کر نبی مانا ہے اور یہ صریح تو ہیں آنحضرتؑ کی ہونی کیونکہ جب مسیح جیسے گھٹیل کم درجہ نبی کا آنا اسلام کی بربادی اور آنحضرتؑ کی ہتک ہے تو بہت بڑے نبی کے آنے کی وجہ سے تو اسلام کی بربادی اور آنحضرتؑ کی توہین زیادہ ہوئی ہے

**جواب :** مختار مدعیہ کا یہ ایک مخالفہ ہے یا حضرت مسیح موعودؑ کی تحاریر سے ناواقفیت کا ثبوت ہے کیونکہ اپنے مسیحؑ کے آنے کو جو فساد عظیم قرار دیا ہے تو اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اگر وہ آئیں تو یاد دہی نبوت یعنی نبوة مستقلہ کا دلائل جو بلا واسطہ اتباع آنحضرتؑ صلعم ہے کھلا ماننا پڑے گا یا ان کا مسلوب النبوة ہو کر آنا تسلیم کرنا پڑے گا چنانچہ انزالہ اوہام ص ۲۲۵ کی عبارت جس کا مختار مدعیہ نے حوالہ دیا ہے یہ ہے :

”اور یہ بات ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے بعد مسیح ابن مریم رسول کا آنا فساد عظیم کا موجب ہے اس سے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ وحی نبوت کا سلسلہ پھر جاری ہو جائے گا اور یا یہ قبول کرنا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو لازم نبوة سے الگ کر کے اور محض ایک امتی بنا کر بھیجے گا اور یہ دونوں صورتیں ممتنع ہیں۔“

اور ص ۲۳۵ میں فرماتے ہیں :

”صاحب نبوت نامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے وہ کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی رو سے بھی ممتنع ہے۔“

پس حضرت عیسیٰ امتی ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ امتی کا مفہوم یہ ہے کہ جو بغیر اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بغیر اتباع قرآن شریف محض ناقص اور گمراہ بیدہن ہو پھر آنحضرتؑ کی پیروی اور قرآن شریف کی پیروی سے اس کو ایمان اور کمال نصیب ہو اور یہ خیال حضرت عیسیٰ کی نسبت کرنا کفر ہے کیونکہ وہ ایک مستقل نبی تھے اور خدا تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی تھی یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور آنحضرتؑ کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے لیکن ایک امتی کا آنحضرتؑ کی اتباع اور آپ میں فنا ہو کر نبوت کے مرتبہ کا حاصل کرنا نہ قرآن مجید کے مخالف

ہے اور نہ احادیث کے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

”سو اگر یہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاتم النبیین ہیں پھر آپ کے بعد اور نبی کس طرح

آسکتا ہے اس کا جواب یہی ہے کہ بے شک اس طرح سے تو کوئی بنی نیا ہو پا رہا، بنی نہیں آسکتا جس طرح سے آپ لوگ حضرت عیسیٰ کو آخری زمانہ میں آتارہے ہیں اور پھر اس حالت میں ان کو بنی مانتے ہیں بلکہ چالیس برس تک سلسلہ وحی نبوۃ کا جاری رہنا اور زمانہ آنحضرت سے بھی بڑھ جانا آپ لوگوں کا عقیدہ ہے۔ بے شک ایسا عقیدہ معصیت ہے اور آیت و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی اس عقیدہ کے کذب صریح ہونے پر کامل شہادۃ ہے لیکن ہم اس قسم کے عقائد کے سخت مخالف ہیں اور ہم اس آیت پر سچا اور کامل ایمان رکھتے ہیں جو فرمایا و لکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور اس آیت میں ایک بیشک کوئی ہے جس کی ہمارے مخالفوں کو خبر نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آنحضرت کے بعد بیشک کوئیوں کے دروازے قیامت تک بند کر دیئے گئے۔ اور ممکن نہیں کہ اب کوئی ہند یا عیسائی یا کوئی رسمی مسلمان نبی کے لفظ کو اپنی نسبت ثابت کر کے نبوۃ کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں۔ مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی کھلی ہے یعنی فتاویٰ الرسول کی پس جو شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر عملی طور پر وہی نبوت کی چادر پہنائی جاتی ہے جو نبوت محمدی کی چادر ہے اس لیے اس کا نبی ہونا حجت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں بلکہ اپنے نبی کے چشمہ سے لیتا ہے اور نہ اپنے لئے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ (ایک غلطی کا ازالہ حقیقۃ النبوہ ص ۲۶۲)

پس مستقل نبی کے آلے سے جس کی نبوۃ آنحضرت کی اتباع کا نتیجہ نہیں ہے اس سے فساد عظیم لازم آتا ہے نہ کہ جس قسم کی نبوۃ کا حضرت مسیح موعود نے دعویٰ کیا ہے۔

اور جو حوالہ مختار مدعیہ نے اخبار الحکم کا پیش کیا ہے کہ پہلے انبیاء تو آنحضرت کے خاص خاص صفات میں نکل نکلے اور اب تمام صفات میں نبی کریم کے نکل ہیں یہ ڈائری ہے۔ اول تو ضروری نہیں کہ حضرت مسیح موعود کے من وعن الفاظ ڈائری نویس نے نقل کئے ہوں۔ لیکن بصورت تسلیم اس میں بھی آنحضرت کی کوئی توہین نہیں اور نہ دوسرے نبیوں کی توہین ہے کیونکہ ان کی نبوت بالاصالہ اور بالاستقلال تھی۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے

”پس میں اپنے مخالفوں کو یقیناً کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ امتی ہرگز نہیں ہیں گو وہ بلکہ تمام انبیاء آنحضرت کی سچائی پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر وہ ان نہایتوں کے پیرو تھے جو ان پر نازل ہوئی تھیں اور براہ راست خدا نے ان پر تجلی فرمائی تھی۔ یہ ہرگز نہیں تھا۔ آنحضرت صلعم کی پیروی اور آنحضرت کی روحانی تعلیم سے وہ نبی بنے تھے تا وہ امتی کہلاتے“ (براہین احمدیہ جلد ۵ ص ۱۹۲)

پس پہلے انبیاء کا آنحضرت صلعم کے خاص خاص صفات میں نکل ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں جو صفتیں بالاستقلال وبالعلمہ پائی گئی تھیں۔ وہ تمام کی تمام آنحضرت صلعم میں اکمل طور پر پائی گئیں۔ پس اس کمال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم اس صفت میں جس سے پہلے نبی متصف ہوئے حاصل تھا۔ ان کے لیے ظل کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ گویا اصل میں ان تمام صفات کے مستحق تو آنحضرت صلعم ہی ہیں۔ لیکن آپ کو جو صفات حاصل ہوئیں وہ بالواسطہ نہ تھیں بلکہ مستقل اور بلا واسطہ تھیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جو کچھ بھی حاصل ہوا وہ بالواسطہ تھا۔ نہ بالاستقلال اور اس لیے یہاں تفاضل کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ آپ اسی عبارت میں فرماتے ہیں :

”کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ اور پھر مولانا روم کا یہ شعر پیش کیا ہے :

نام احمد نام جملہ انبیاء است      چون بیامد صدودہم پیش است  
اور ظلی طور پر جو کمالات امت محمدیہ کو حاصل ہوئے ان کو مد نظر رکھتے ہوئے شیخ محی الدین ابن عربی۔ سید عبدالقادر جیلانی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں

یا محشر! الانبیاء اذ یتیم القلوب و اذ یتیم امارتہم تو توالوا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۱)  
یعنی انہوں نے فرمایا کہ اے انبیاء کہے گروہ تمہیں تو نبوت کا لقب دیا گیا اور ہمیں وہ کچھ دیا گیا جو تمہیں نہیں دیا گیا۔“

اسی طرح سید محمد بن نعیم الدین جعفری الملکی الحسینی حلیفہ حضرت پیرا غ دہلوی بحر المعانی ص ۱۵ میں فرماتے ہیں :  
”اے محبوب اگر موسیٰ علیہ السلام کہ منظر ذات اوست در آئینہ محمدی صلعم ربانی مگر خبر بہ سن ترانی نخوردے۔ اما چون بیرون آئینہ او خواست لا محالہ خبر بہ سن ترانی خورد و آنکہ اے محبوب موسیٰ علیہ السلام اگر در عہد حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ بودے چون محال ابدیدے۔ گویا کہ جمال حضرت جل و علا دیدے و تسکین یافتے کہ سن ترانی فقد رای ربی زہے بیچارگی کہ در ذات موسیٰ شد بعد از خبر بہ سن ترانی در آئینہ محمدی صلعم از حضرت احدی جل جلالہ روشن کرد بعدہ تمنا برد و گفت کہ اللهم اجعلنی من ائمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قائمہ و اصحابہ و اجابہ وسلم۔“

پس آنحضرت صلعم کی اتباع سے وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو پہلوں کو حاصل نہ ہوئے تھے۔  
اسی طرح ص ۳۳ میں لکھا ہے ”امام مجاہد میگوید کہ بالائے عرش ہفتاد حجاب از نور ظلمت است چون موسیٰ ازین خبر یافت سلوک آغاز میکردند۔ مے شنید کہ یا موسیٰ یہ مقام و منزل مخصوص محمد علیہ السلام و امتہ“  
پس جو چیز کہ موسیٰ جیسے عظیم الشان نبی کو حاصل نہ ہوئی وہ آنحضرت صلعم کے اقیبوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دی گئی۔



## حیات مسیح

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلم کو شرک کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ آپ نے استغناء ص ۲۹ میں حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک قرار دیا اور آنحضرت صلم کا عقیدہ حیات مسیح کا حدیث ان عیسیٰ ص یحمت دانہ راجع الیکم (ابن کثیر) سے ثابت ہے لہذا مزامنا صاحب نے آنحضرت صلم کو شرک قرار دے کر آپ کی توہین کی۔

**جواب:** آنحضرت صلم نے کبھی عقیدہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ بحمدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ بلکہ آپ کے اقوال سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات مسیح کے قائل تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

ایہا الناس بلغنی انکم تخافون من موت نبیکم هل خلة نبی قبلی فیمن بعث فاخلد فیکم (باب النبی فی سیرۃ المختار ص ۹۲) اے لوگو مجھے یہ بات معلوم ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی زندہ باقی رہا ہے جو میں تم میں رہوں گا۔

اسی طرح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حشر کے دن جب میرے بعض صحابہ پکڑ کر لے جائے جائیں گے اور میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ جب سے تو ان سے علیحدہ ہوا اس وقت سے یہ مرد ہو گئے تھے۔ اس پر آپ فرماتے ہیں۔ فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما اتوفیتنی کنت انت الرقیب علیہم (کتاب التفسیر بخاری جلد ۳ ص ۵۸) کہ میں بھی وہ ہی بات کہوں گا جو حضرت عیسیٰ نے کہی کہ میں بھی اپنی قوم کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں تھا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کا رقیب اور نگران تھا۔ پس اس حدیث سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے آنحضرت صلم کی وفات کے بعد صحابہ میں ارتداد واقع ہوا ویسے ہی حضرت عیسیٰ کی وفات کے بعد عیسائیوں نے مسیح کو خدا بنایا اسی طرح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلم نے آنے والے مسیح کو گندم گول رنگ اور سیدھے بالوں والا بیان فرمایا ہے اور مسیح اسرائیلی کا حلیہ گھنگھر والے بال اور سرخ رنگ کا ذکر فرمایا۔ اور یہ دونوں علیے بتا رہے ہیں کہ پہلا مسیح جس کو آنحضرت صلم نے معراج کی رات عیسیٰ کے ساتھ یعنی وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا وہ اور ہے اور وہ وفات پا کر وفات یافتہ انبیاء میں شامل ہو گیا ہے اور جو آنے والا ہے وہ اور ہے۔ اور پھر بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلم کی وفات پر جب حضرت ابو بکرؓ نے آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم پڑھی تو سب نے اس دلیل کی بنا پر کہ تمام انبیاء وفات پا چکے ہیں۔ آنحضرت صلم کی وفات کو تسلیم کر لیا۔ پس مختار مدعیہ کا ان احادیث کی موجودگی میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلم حیات مسیح کا عقیدہ رکھتے تھے بالکل غلط ہے اور جو روایت تفسیر ابن کثیر سے مختار مدعیہ نے پیش کی ہے۔ وہ بوجہ ضعیف اور مجروح ہونے کے مذکورہ بالا مرفوع متصل

احادیث کے مقابل میں قابل قبول نہیں ہے اور نہ ہی کسی صحابی سے مروی ہے۔ بلکہ تابعی کی روایت ہے اور ظاہر ہے کہ تابعی تو اسے کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملا ہو۔ اس لیے یہ حدیث مرسل ہو گئی۔ اور جب اس کے راویوں پر ہم نظر ڈالتے ہیں تو وہ بھی نہایت درجہ کے ضعیف راوی ہیں۔ چنانچہ اس کا ایک راوی احمد بن عبد الرحمن بن وحب ابو عبد اللہ المصری ہے اور اس کے متعلق ابن عدی نے کہا ہے۔

رايت تشيوخ مصر جميعين على ضعفه والغرابة ولا يمتنعون عن الاخذ عنه ابو ذرعة  
والبو حاتم من دونهما (ميزان الاعتدال) یعنی میں نے مصر کے تمام مشائخ یعنی علما کو متفق پایا کہ وہ ضعیف راوی ہے اور اجنبی لوگ جس سے ابو ذرعة اور ابو حاتم اس سے روایات لینے سے رکھتے نہیں اور ظاہر ہے کہ وہ مصری ہے اور مصر کے علما کی رائے اس کے حق میں صحیح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مصر سے باہر کے رہنے والوں کو اس کے حالات کا حقیقی علم نہیں ہو سکتا۔

دوسرا راوی عبد اللہ بن ابی جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق محمد بن حنبل الرازی نے کہا ہے  
”سمعت منه عشرة آلاف حديث فرميت بها كان فاسقا“ (ميزان الاعتدال)  
یعنی میں نے اس سے دس ہزار حدیث سنی اور سب کو میں نے پھینک دیا۔ اور وہ فاسق تھا۔ اور ابو ذرعة اور ابو حاتم نے اسے سچا کہا ہے۔ لیکن اس کے حق میں بھی محمد بن الرازی کی شہادت قابل قبول ہے کیونکہ وہ اس کا ہم وطن ہے اور اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے۔

تیسرا راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ بامان ابو جعفر الرازی ہے۔ اس کے متعلق مختلف آراء ہیں۔ بعض نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے لیکن احمد اور نسائی نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں۔ وذل الفلاس نسئ الحفظ۔ یعنی فلاں نے کہا ہے کہ اس کا حافظہ اچھا نہیں اور ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ مشہور لوگوں سے سن کر حدیثیں بیان کرنے میں منفر د ہے اور ابو ذرعة نے کہا ہے کہ وہ کثیر الوہم ہے اور جانا چاہیے کہ عمرو بن علی الفلاس یحییٰ بن سعید قطان کا شاگرد ہے جیسا کہ ابن معین بھی انہی کا شاگرد ہے۔

اور چوتھا راوی ربیع بن انس ہے۔ اس کے متعلق ابن معین نے کہا ہے :  
”كان يشيع في فسطاطيه وذكره ابن حبان في الثقات وقال الناس ينتقون من حديثه  
كان من رواية أبي جعفر عنه لان في احاديثه عنه اضطرابا كثيرا“

(تہذیب التہذیب)

یعنی وہ تشیع میں افراط کا پہلا اختیار کرتا تھا۔ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ لوگ اس کی حدیث کے لینے سے پرہیز کرتے ہیں جو ابو جعفر نے اس سے روایت کی ہے۔ کیونکہ اس کی ان احادیث میں جو اس نے بیح

سے روایت کی ہے۔ بہت اضطراب ہے۔

اور آخری راوی حسن بصری ہے اس کے متعلق اکمال فی اسماء الرجال میں صاحب مشکوٰۃ نے بھی لکھا ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دو سال میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ پس انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھا تک نہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ بات یہود سے کہی کہ عیسیٰ مرے نہیں۔ پس لازماً یہ حدیث مرسل ہوئی۔ اور ایسی حدیث کا حکم بھی اپنے پاس نہیں بلکہ دیوبندیوں کے مقتدا اور پیشوا کی کتاب ہدایتہ الشیعہ سے پیش کرنا ہوں۔ آپ فرمانے ہیں:

”اور سنیوں کے نزدیک گو حضرت زید اکبر اولیاء میں سے ہوں۔ لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک مستند نہ ہو۔ کیونکہ معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات لی ہے وہ مغرب ہے کہ نہیں۔ صحابہ کی ملاقات میں نواختال ہے۔ باقی رہے تابعین سوان میں جھوٹے سچے نیک و بد۔ سب طرح کے ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی عمر صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو تو بھی کیا لازم ہے کہ وہ صحابی اس وقت حاضر ہی تھے۔ یا ان کو کسی دوسرے صحابی سے یہ بات پوچھنی تھی اور پھر حضرت زید نے بھی انہیں سے سنا ہو۔ احتمال ہے کہ جس صحابی سے ان کی ملاقات ہوئی ہو ان کو یہ بات معلوم نہ ہو اور اگر معلوم بھی ہو تو انہوں نے ان سے نہ سنا ہو بلکہ کسی تابعی سے سنا ہو۔ بلکہ زبان زو عوام ایک بات دیکھ کر اس کے موافق نقل کر دیا ہو۔ یا بطور تسلیم قول معترض یہ بات فرمائی ہو۔ بہر حال احتمالات چند در چند قارح اعتبار روایت موجود ہیں پھر بایں ہمہ احتمالات کوئی کیونکر اس روایت کو در بارہ دعویٰ ہمہ فدک قبول کرے خصوصاً در صورتیکہ کرامت اور روایت صحیحہ منصل بلکہ مرفوع اعمیٰ روایت مشکوٰۃ اس کے مخالف موجود ہو۔“

ہدایتہ الشیعہ ص ۲۳۱ میں وضاحت کے لیے یہ عبارت بہ تبدیلی الفاظ یوں لکھے دیتا ہوں کہ پھر بایں ہمہ احتمالات مذکورہ کوئی کیوں کہ مختار مدعیہ کی اس روایت کو در بارہ عقیدہ حیات مسیح قبول کرے۔ خصوصاً در صورتیکہ آیت فلما توفیتنی کنت انت رقیب علیہم اور آیت ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اور روایت صحیحہ منصل بلکہ مرفوع اعمیٰ روایت بخاری اس کے مخالف موجود ہے اور نیز البراہین القاطعہ ص ۸۲ میں مولوی خلیل احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں۔

”اب اس حدیث شیخین کے مقابلہ میں ضعیف روایت کہ قابل احتجاج ہی مگر نہ نہیں کس طرح درست ہوگی“ اور مختار مدعیہ کا یہ اعتراض اس وقت درست ہو سکتا تھا اگر آپ کا یہ عقیدہ ہوتا کہ آنحضرتؐ صلعم بھی مسیح علیہ السلام کو آسمان پر بحسبہ العنصری زندہ مانتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کی تمام کتابیں اس بات سے ملو ہیں کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مسیح کو دفات یافتہ سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے (انجماز احمدی ص ۶)۔

رہی یہ بات کہ حضرت مسیح موعود نے حیات مسیح کے عقیدہ کو شرک عظیم قرار دیا ہے تو اس کا جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں بالتفصیل دے دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کو اس کی مستقبل کی حالت کو مدنظر رکھ کر جو نتیجہ اس سے پیدا ہوتی ہے نام دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

تسمیۃ باسم ما یؤول الیہ نحو فی ارا فی عصر خمر ای عنبا یؤول الی الخمریۃ  
دلیلہ والا فاجد کفار ای صائر الی الکفر والفجور (تقان جلد ۲ ص ۴۵)

کہ کسی چیز کو وہ نام دے دیتا جو اس کا آئندہ ایک نئی حالت کے ماتحت نام ہوتا تھا جیسے قرآن مجید میں آنا ہے کہ قیدی نے دیکھا کہ میں شراب کو پھوڑتا ہوں تو مراد شراب سے انگور ہیں جن سے شراب بنتی ہے۔ اور اسی طرح قوم نوح کے متعلق فرمایا کہ وہ نہیں جنس گے مگر نافر اور کافر لوگ یعنی وہ بچے جو کافر اور فاجر ہوں گے۔ پس چونکہ حیات مسیح کا عقیدہ منجری الشکر تھا۔ اور لاکھوں مسلمان اس عقیدہ کی وجہ سے عیسائی ہو گئے تھے۔ اس لیے آپ نے اس حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو شرک عظیم قرار دے دیا۔ اور اردو کی تصانیف میں اس امر کی تصریح کر دی کہ یہ عقیدہ منجری الشکر ہے یا یہ عقیدہ شرک کا حامی ہے۔

اور گواہان مدعا علیہ نے یہ بھی واضح کر دیا تھا کہ بعض وقت عربی زبان میں کسی فعل کے لیے شرک یا کفر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے مراد کافر اور مشرک نہیں کہا جاتا لیکن مختار مدعیہ نے ان احادیث کو بالکل نظر انداز کر کے وہی اعتراض دوبارہ کر دیا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو منوانے کے لیے اس کے مقتداؤں کے اذالہ پیش کئے جاویں۔ چنانچہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید کی ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں :

”جواب مولانا محمد اسماعیل صاحب نہایت صحیح ہے کہ افعال شرکیہ بعض ایسے ہوتے ہیں کہ شرک محض ہیں۔ اور بعض ایسے ہیں کہ لوگ ان کو کرتے ہیں اور تاویل ہو سکتی ہے۔ پس پہلی قسم سجدہ بت کو کرنا۔ زنا رڈالنا ان امور سے مشرک ہو جاتا ہے اور دوسری قسم میں افعال سے کیہ و گناہ ہوتا ہے۔ خروج عن الاسلام نہیں ہوتا۔ کیونکہ بعض شرک اصل شرک ہے اور بعض کم۔ کہ شرک دون شرک کہتے ہیں۔ تو دوسرے درجہ کے شرک حقیقتاً شرک نہیں بلکہ قسم بغیر اللہ کو شرک فرمایا۔ اور یا کو شرک فرمایا اور تسمیہ بغیر اللہ کو شرک فرمایا۔ پر ان کے کرنے سے مشرک حقیقی نہیں ہوتا واللہ تعالیٰ اعلم وعلماہم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵)

اور یہی جواب گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح دیا تھا جس کو مختار مدعیہ نے صحیح تسلیم نہ کرتے ہوئے پھر وہی قرض کر دیا۔

اور میں اس جواب کو اور واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال حدیث سے پیش کر دیتا ہوں۔ آنحضرت صلع فرماتے ہیں :

”بین الرجل و بین الشریک و الکفر ترک الصلوٰۃ“ صحیح مسلم بر حاشیہ اكمال  
اکمال المعلم جلد ۱ ص ۱۸۸۔

یعنی آدمی کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے۔

یعنی اگر نماز چھوڑے تو وہ کفر اور شرک میں داخل ہوگا۔ لیکن تارک نماز کو گواہان مدعیہ کا فر اور شرک نہیں کہتے  
جیسا کہ گواہ مدعیہ ۱ و ۲ نے بخواب جرح یہ کہا ہے کہ تارک نماز کو کا فر اور شرک نہیں کہا جاوے گا۔ پس جیسے ترک  
نماز کو اس حدیث میں شرک اور کفر تو کہا گیا ہے لیکن اس کے تارک پر گواہان مدعیہ کا فر اور شرک کے احکام نافذ نہیں  
کرتے اور نہ اسے کا فر اور شرک سمجھتے ہیں۔ اور شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ نماز چھوڑنے کا نتیجہ  
یہ ہوتا ہے کہ آخر کار انسان حقیقتہً ”کافر بن جاتا ہے۔ اس لیے ترک نماز کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ پس مدعیہ اسی طرح حیات  
مسیح کا عقیدہ چونکہ منجرائی الشرک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہزاروں مسلمانوں کے عیسائی ہونے سے ظاہر ہے اس لیے اسے  
شرک کا نام دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود نے ان پہلے لوگوں کو جنہوں نے اجتہادِ غلطی کی بنا پر یہ عقیدہ رکھا۔  
خدا تعالیٰ کے نزدیک معذور قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

”مجھ سے پہلے جو جو علماء اپنی اجتہادِ غلطی سے ایسا خیال کرتے رہے کہ ابن مریم آسمان سے آئے گا۔ وہ

خدا کے نزدیک معذور ہیں ان کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ ان کی نیتوں میں فساد نہیں تھا۔ بوجہ بشریت بھول

گئے۔ خدا ان کو معاف کرے۔ کیونکہ ان کو علم نہیں دیا گیا تھا اور ان کی اجتہادِ غلطی ایسی تھی۔ جیسے

داؤد علیہ السلام نے غم القوم کے مسئلہ میں اجتہادِ غلطی کی تھی۔ مگر اس کے بیٹے سلیمان کو خدا نے

فہم عطا کر دیا تھا۔“ (دافع البلاء ص ۱۶)

اور حضرت مسیح موعود نے بوحیات مسیح کا عقیدہ رکھا تو وہ رسمی عقیدہ تھا۔ جو مسلمانوں میں چلا آتا تھا۔

لیکن جب خدا تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کر دیا کہ حضرت عیسیٰ وفات پا گئے ہیں تو آپ نے لوگوں میں ان کی وفات کا اعلان

کر دیا اور قرآن اور حدیث کی رو سے ان کی وفات کے مسئلہ کو اہل تشریح کر دیا۔

## حضرت موسیٰ علیہ السلام

گواہ مدعیہ الف نے تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۱۱ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ موسیٰ کی دودھ

اور شہد کی ہنروں کے ملنے کی پیشگوئی پوری نہ ہوئی لہذا مرزا صاحب حضرت موسیٰ کی توہین کے بھی مرتکب ہوئے۔

جواب :- حضرت مسیح موعود نے تتمہ حقیقۃ الوحی میں نہیں بلکہ حقیقۃ الوحی کے ص ۱۱ میں یہ لکھا ہے کہ :

”حضرت موسیٰ کی نوریت میں یہ پیش گوئی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو ملک شام میں جہاں دودھ اور شہد کی ہنریں بہتی تھیں

لے جائینگے۔ مگر یہ پیش گوئی پوری نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ بھی راہ میں فوت ہوئے اور بنی اسرائیل بھی راہ میں ہی مر گئے۔ صرف اولاد ان کی وہاں گئی۔

حضرت مسیح موعود نے جن امر کا اظہار اس عبارت میں کیا تھا وہ ایک امر واقع ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن حضرت مسیح موعود کا یہ نطقاً منشا نہیں کہ وہ وعدہ کبھی بھی پورا نہیں ہوا۔ بلکہ اپنے اسی عبارت میں بھی واضح کر دیا کہ ان کی اولاد وہاں داخل ہوئی۔ یعنی وہ وعدہ جو بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ کے ذریعہ سے کیا گیا تھا۔ وہ ان کی اولاد کے ذریعہ پورا ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک اور مقام پر اس امر کو وضاحت سے لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

”یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں۔ کبھی تو بلا واسطہ پورے ہوتے ہیں۔ اور کبھی بلا واسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح ابن مریم کو بھی جو نصرت اور فتح کے وعدہ دیئے گئے تھے وہ ان کی زندگی میں پورے نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک دوسرے نبی کے ذریعہ سے جو تمام نبیوں کا سردار ہے یعنی سیدنا و امامنا حضرت محمد مصطفیٰ خاتم الرسل کے ظہور سے پورے ہوئے اور اسی طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو جو کنعان کی فتح کی بشارتیں دی گئی تھیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت موصیٰ کو یہ وعدہ دیا گیا تھا کہ تو اپنی قوم کو کنعان میں پونچا دے گا اور کنعان کی سرزمین کا تو انہیں مالک کر دے گا یہ وعدہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں پورا نہ ہو سکا۔ اور وہ راہ میں فوت ہو گئے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ پیش گوئی غلط نکلی۔ جواب تک تو رات میں موجود ہے۔ کیونکہ موسیٰ کی وفات کے بعد موسوی قوت اور موسوی روح اس کے شاگرد یوشع کو عطا ہوئی اور وہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے نفع و روح سے موسیٰ میں ہو کر اور موسوی صورت پکڑ کر وہ کام بجالایا جو موسیٰ کا کام تھا۔ سو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ موسیٰ ہی تھا“ (ازالہ اوہام بار پنجم ص ۱۷۱)

اس حوالہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نفس پیشگوئی کے پورے ہونے کو مانتے ہیں لیکن موسیٰ کی بجائے آپ کے خلیفہ یوشع نبی کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا کہ کسٹری وقیصر کے خزانے کی کنیاں آپ کے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ مگر وہ آپ کے ہاتھ کی بجائے حضرت عمر کے ہاتھ میں آئیں۔ اور وہ خزانے کی کنچیوں والی پیش گوئی آنحضرت کے خلفاء کے ذریعہ ظہور میں آئی۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام

گواہان مدعیہ نے جو الزامات حضرت مسیح موعود پر حضرت عیسیٰ کی توہین ثابت کرنے کے لیے لگائے تھے۔ ان کا مفصل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں دے دیا ہے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۳۲۱ لیکن اب میں ان نئی باتوں



”اور بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر کسی الہام کے سمجھنے میں غلطی ہو جائے تو امان اٹھ جانا ہے اور شک پڑ جاتا ہے کہ شاید اس نبی یا رسول یا محدث نے اپنے دعویٰ میں دھوکا کھایا ہے۔ یہ خیال سراسر مغالطہ ہے اور جو لوگ نیم سودائی ہوتے ہیں وہ ایسی ہی باتیں کیا کرنے ہیں اور اگر ان کا یہی اعتقاد ہے تو تمام نبیوں کی نبوت سے ان کو ہاتھ دھو بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ کوئی نبی نہیں جس نے کبھی نہ کبھی اپنے اجتہاد میں غلطی نہ کھائی ہو۔ مثلاً حضرت مسیح جو خدا بنائے گئے ان کی اکثر پیش گوئیاں غلطی سے پُر ہیں (اعجاز احمدی ص ۲۵) اور ص ۲۵ پر فرماتے ہیں:

”ایک شریر یہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیگانہ عورت پر آپ عاشق ہو گئے تھے۔ لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے مقبول اور پیارے تھے غیبت میں وہ لوگ جو آپ پر یہ ہمتیں لگاتے ہیں۔ ہاں آپ نے اجتہاد میں غلطی سے داد دے کے تخت کی تمنا کی تھی۔ مگر وہ تمنا پوری نہ ہوئی اور مطابق مثل مشہور کہ بن مانگے موتی ملیں۔ مانگے ملے نہ بھیک۔ آپ تو داؤد کے تخت سے محروم رہے۔ مگر وہ برگزیدہ خدا اسید الرسل جس نے دنیا کی بادشاہت سے منہ پھیر کر کہا تھا۔ الفقیر فخری یعنی فقیر میرا فخر ہے۔ اس کو خدا نے بادشاہت دے دی۔ اور اسی صفحہ پر فرماتے ہیں۔“

”دعویٰ حضرت مسیح کا اجتہاد غلط نکلا۔ اصل دعویٰ صحیح ہوگی مگر سمجھنے میں غلطی کھائی۔ افسوس ہے کہ جس قدر حضرت عیسیٰ کے اجتہادات میں غلطیاں ہیں اس کی نظیر کسی نبی میں بھی نہیں پائی جاتی۔ شاید غلطی کے لیے یہ بھی ایک شرط ہوگی مگر کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان غلط اجتہادوں اور ان غلط پیش گوئیوں کی وجہ سے ان کی پیغمبری متنبہ ہو گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ وہ آفتاب کی طرح چمک اٹھتے ہیں اور اس قدر نور سے جھج جھج ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی (اعجاز احمدی ص ۲۶)

پس اعجاز احمدی میں جو کلام مسیح کی پیش گوئیوں کے متعلق کی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو اسی جگہ ایک توان لوگوں کو جواب دینا مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء اجتہاد میں غلطی نہیں کھاتے۔ دوسرے عیسائی جو ان کو خدا بناتے ہیں۔ ان کی بھی تردید کئے جاتے ہیں مختار مدعیہ تو اعجاز احمدی کی عبارت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو باطل ثابت کرتے ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ ان کی نبوت ثابت کرنے میں۔ اور فرماتے ہیں کہ ان سے جو اجتہاد میں غلطیاں صادر ہوئیں۔ اس وجہ سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہو سکتی اور



اعجاز احمدی ص ۱۱ میں اصولی طور پر فرماتے ہیں

”انبیاء اور مہمیں صرف وحی کی سچائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے کذب اور خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماموٰذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی رائے سے نہ خدا کا کلام“  
پس حضرت مسیح کی جو پیش گوئیاں غلط نکلیں وہ درحقیقت ان کے اجتہادات تھے اس لیے ان کے پورا نہ ہونے سے ان کی نبوت مشتبہ نہیں ہوتی۔ اور نہ مختار مدعیہ کا اعتراض درست ہو سکتا ہے

### (۲) صداقت حضرت عیسیٰ

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود پر ایک یہ بھی الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰ کی اس وجہ سے بھی توہین کی آپ نے اپنی کتاب اعجاز احمدی ص ۱۳ پر لکھا کہ ہم نے انہیں قرآن مجید کے سہارے مان لیا ہے۔ اگر ایک شخص حضرت مسیح یا دیگر انبیاء کو قرآن مجید کے اقوال کی بنا پر صادق تسلیم کرتا ہے تو نہ معلوم اس میں ان انبیاء کی توہین کیسے لازم آ سکتی ہے۔ یہ مختار مدعیہ کا انوکھی طرز کا استدلال ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ یہود کے ان اعتراض کو مد نظر رکھ کر جو انجیل کی بنا پر انہوں نے کہے ہیں فرماتے ہیں :

”اور یہود تو حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں اور ان کی پیش گوئیوں کے بارہ میں ایسی قوی اعتراض رکھتے ہیں۔ کہ ہم بھی ان کا جواب دینے میں حیران ہیں۔ بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسیٰ نبی ہیں۔ کیونکہ قرآن نے ان کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطال نبوت پر مبنی دلائل قائم ہیں۔ یہ احسان قرآن کا ان پر ہے کہ ان کو بھی نبیوں کے دفتر میں لکھ دیا۔ اسی وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے۔ کہ وہ سچے نبی ہیں اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے محصوم ہیں جو ان پر اور اس کی ان پر لگائی گئی ہیں“ (اعجاز احمدی ص ۱۵)

مختار مدعیہ کو یہ نہایت گراں گزرا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ قرآن کا احسان مسیح پر کیوں بتایا۔ حالاں کہ حقیقت یہی تھی کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت حضرت عیسیٰ سے تعلق رکھنے والی دو قومیں تھیں ایک یہود اور دوسرے نصاریٰ۔ یہود تو نعوذ باللہ انہیں ملعون اور شیطان وغیرہ القاب سے یاد کرتے تھے۔ اور دوسرے عیسائی ان کے ماننے والے۔ وہ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ پس اگر ان کی نبوت کسی چیز نے منوائی تو وہ قرآن مجید ہی تھا اور کوئی چیز نہ تھی اور یہی حقیقت ہے جس کو ہر عاقل و فرزانہ تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب جن کو گواہ مدعیہ ص ۲۱ اگست کو مسلمان تسلیم کر چکا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ص ۲۹ اگست کو ان کی کتاب استغفار و تصدیق کر چکا ہے۔ لکھتے ہیں :

”اذا بخلہ اکلے سب انبیاء نے نبی اسرائیل پر ایمان لانے کی سبب فقدانِ اسناد اور ثبوت تحریر کی کوئی سبیل باقی نہیں رہی۔ بجز تصدیقِ حضرت خاتم النبیین کے“ (استفتاء بر حاشیہ از الہ اوہام ص ۳۶۹)

مولوی آل حسن نے تو صرف حضرت عیسیٰ کی نبوت میں نہیں بلکہ تمام انبیائے نبی اسرائیل کی نبوت کی ثبوت کا دار و مدار حضرت کی تصدیق کو قرار دیا۔ پس کیا مختار مدعیان کے متعلق بھی یہی فتویٰ دے گا کہ انہوں نے تمام انبیائے نبی اسرائیل کی توہین کی ہے۔ اس لیے وہ کافر و مرتد ہیں۔

### (۳)۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور شراب کا استعمال

گوہان مدعیہ نے کشتی نوح حاشیہ ص ۶۵ کی عبارت سے یہ استدلال کیا تھا کہ مرزا صاحب نے اس میں یہ اقرار کیا ہے کہ مسیح شراب پیا کرتے تھے۔ اور اس سے صریح نوہین حضرت عیسیٰ کی لازم آتی ہے۔ گوہان مدعا علیہ نے جو اس کا تفصیلی جواب دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اس کی طرف توجہ کے بغیر پھر وہی اعتراض کر دیا ہے۔ بات بالکل صاف تھی کشتی نوح ص ۱۶ میں آپ نے صریح طور پر لکھا ہے کہ ”میں مسیح ابن مریم کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ میں وحانیت کی رو سے اسلام میں خاتم الخلفاء ہوں۔ جیسا کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی سلسلہ کے لیے خاتم الخلفاء تھا۔ موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موجود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موجود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں۔ جس کا ہم نام ہوں اور مردود اور مغتری ہے وہ شخص جو مجھے کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔“ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جس کتاب میں یہ عبارت موجود ہے اس میں کوئی بات ان کی ہنگ اور توہین کی نہیں ہو سکتی اور جس عبارت پر اعتراض ہے وہ انجیل اور نثرانی تعلیم کا مقابلہ کرنے ہوئے لکھی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ انجیل کے پیرو عیسائی لوگ ہیں نہ کہ مسلمان پس فی الحقیقت یہ کلام عیسائی مسلمات پر کہا گیا ہے۔ جیسا کہ چشمہ معرفت کی عبارت ذیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

”کیا قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ شراب پی لیا کرو۔ یا یہ حکم ہے کہ بجز اپنی قوم کے دوسروں سے سودے لیا کرو اور کیا عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح قرآن شریف بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیتا ہے یا شراب پینے کا فتویٰ دیتا ہے یا یہ تعلیم دیتا ہے کہ بہر حال بدی کا مقابلہ نہ کرو“ (چشمہ معرفت ص ۲۵۶)

اور عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح کا شراب پینا بالکل ثابت ہے۔ چنانچہ دیوبندیوں کے مسلم مقتدا مولوی رحمت اللہ صاحب ہاجر کی بھی فرماتے ہیں۔

”جناب مسیح اقرار فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے خور و دند و نہ شراب نے آشنا میدند و انجیل

شراب ہم نے نوشیدند“ (ازالہ الاربام ص ۳۷)

پس یہ کلام جو کہ عیسائیوں کے مسلمات پر ہے اس لیے اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس پر گواہان و مختاران مدعیہ کے مسلمات کی بنا پر بھی کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ شرح فقہ اکبر علامہ طاعلی قاری کے صفحہ ۷۱ میں لکھا ہے کہ پہلے انبیاء کی شریعتوں میں شراب حرام نہیں تھی صرف امت محمدیہ کے لیے حرام کی گئی ہے اور صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۶ میں لکھا ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر به

(بخاری جلد ۲ ص ۲۲۷)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن امر کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو اس میں اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ تحریم خمر سے پہلے صحابہ شراب پیا کرتے تھے اور چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے

”قال كنت استقي ابا عبيدة وابا طلحة وابي بن كعب من خبيخ وهو تمر فجاءهم آيت فقال ان الخمر قد حرمت فقال ابو طلحة قمرياً انس فاهرقها“

(بخاری جلد ۲ ص ۲۱۷)

یعنی انسؓ نے کہا کہ میں ابو عبیدہ اور ابو طلحہ اور ابی بن کعب کو شراب پیلا رہا تھا تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ شراب حرام ہو گئی ہے تو ابو طلحہ نے کہا کہ اے انسؓ اٹھو اور اس کو زمین پر ڈھلکا دو تو میں نے اسے زمین پر پھینک دیا۔ پس جبکہ گواہان مدعیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس وقت شراب حرام ہی نہیں کی گئی تھی تو پھر حضرت مسیح موعودؑ کے قول پر اعتراض کیسا اور اس سے توہین مسیح علیہ السلام کا الزام دینا کیسا۔ مختاران مدعیہ کو چاہیے تھا کہ پہلے وہ گواہان مدعا علیہ کے جواب کو توڑتے اور پھر نئے اعتراض کرتے۔ مگر ان کے اعتراضات سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا انہوں نے گواہان مدعا علیہ کے جوابات کو سمجھا ہی نہیں ہے اور بانی جواب ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱۱۔

### (۴)۔ دافع البلاء کا حوالہ

دافع البلاء کے حوالہ کا جو مدلل جواب گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں دیا تھا۔ مختار مدعیہ نے اُسے بالکل نظر انداز کرتے ہوئے پھر وہی اعتراض کر دیا ہے جو کہ گواہان مدعیہ نے کیا تھا اور ضمنی طور پر ایک دوسرے اعتراض بھی کئے ہیں اس لیے پہلے میں نے اعتراضوں کا جواب دیتا ہوں۔

## پہلا اعتراض :

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں گویا کہ وہ آپ کے نزدیک نبی نہیں ہیں۔ صرف راستباز ہیں۔ اور راستباز تو کافروں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

## جواب :

یہ مختار مدعیہ کی خوش فہمی ہے کہ وہ راستباز کے لفظ سے یہ شبہ نکالیں کہ گویا حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی نہیں ہیں۔ لیکن کوئی عقلمند شخص اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالے گا۔ جبکہ اس عبارت پر جو جانشینہ لکھا گیا ہے۔ اس میں یہ صاف طور پر لکھا ہے ”ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب قیاس ہے کہ بعض انبیاء جو مرقوم نقص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے۔“

حضرت اقدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انبیاء کے ساتھ مقابلہ کر کے بتا دیا کہ وہ بھی نبی تھے۔ ورنہ نبی تو غیر نبی سے بہر صورت افضل ہوتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات میں کثرت سے حضرت مسیح کو نبی اور رسول کہا گیا ہے۔ پس کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ مختار مدعیہ کا یہ اعتراض دیانت و امانت اور راستگوئی پر مبنی ہے۔ استغفر اللہ۔ اور اگر راستباز کہنے سے نبوت کی نفی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان کے حق میں جو ایک جگہ وجہ ما فی الدنیا والآخرۃ ومن المقدمین بیان فرمایا ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے ایک مقرب ہیں تو اس سے مختار مدعیہ کے طرز پر لازم آئے گا کہ حضرت مسیح صرف خدا کے مقرب تھے نہ کہ نبی بھی اور اس آیت میں ان کو نبی نہیں بلکہ مقرب کہا ہے اور ہر مقرب کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں۔ خدا کے ایسے بے شمار بندے ہوتے ہیں۔ جو مقرب الہی تو سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن نبی نہیں سمجھے جاتے۔ غرض مختار مدعیہ کے استدلال کی بنا پر تو یہ آیت پڑھ کر بھی کوئی کہہ دے گا۔ کہ دیکھو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی عدم نبوت کا اثبات کیا ہے اور پھر دوسری آیت میں کہا :

تکلم الناس فی المہد وکملا ومن الصالحین۔ یعنی وہ منجملہ دیگر صالحوں کے ایک صالح تھے۔

تو کیا مختار مدعیہ یہ تسلیم کرے گا کہ چونکہ اس آیت میں صرف صالح کہا گیا ہے۔ اس لیے خدا نے حضرت مسیح کے نبی ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ اور کیا مختار مدعیہ اس موقع پر بھی یہی کہے گا کہ صالح تو کفار میں سے بھی ہوتے ہیں پس اس آیت میں حضرت مسیح کی نبوت و رسالت کا انکار کیا گیا ہے۔

**دوسرا اعتراض۔** مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا۔ ”واللہ اعلم“ اور ”واللہ اعلم“ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ بیشک کالفظ بھی جھوٹ کہا۔ اور ”اچھا تھا“ بھی جھوٹ۔

### جواب

ان شاء اللہ کہنے کی طرح مختار مدعیہ نے اپنے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ کی کلام میں ”واللہ اعلم“ کہنے سے یہ مراد لی ہے کہ جو کلام پہلے کہا گیا ہے وہ جھوٹ ہے۔ حالانکہ ”واللہ اعلم“ کے قول سے پہلے کلام کو جھوٹا قرار دینا برگز مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے پہلے کلام کے متعلق یہ جتنا مقصود ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جو ہم سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے اگے اس سے زیادہ کوئی اور بات ہو یا اس کے خلاف ہو تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جانتے والا ہے۔ اس بیان سے اچھی طرح ظاہر ہے اور ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ ”واللہ اعلم“ کہنے کا بھی وہ مطلب نہیں جو مختار مدعیہ نے ظاہر کیا ہے بلکہ ”واللہ اعلم“ کہنے کا وہ مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کو مطمئن کر دینے کی نیت سے اتنا اور کہہ دینا بھی بے محل نہ ہو گا کہ اگر مختار مدعیہ کا مسلک درست ہے۔ پھر زمانہ وہ فتوے جن کے آخر میں ”واللہ اعلم“ لکھا ہوتا ہے۔ جھوٹے قرار پائیں گے۔ اور مانا پڑے گا کہ ان مفتیوں نے جنہوں نے اپنے فتوے کے آخر میں ”واللہ اعلم“ یا ”بصواب لکھا ہے۔“ اور یہ علی العموم لکھا جاتا ہے) دیدہ و دانستہ جھوٹا فتویٰ دیا ہے اور اس لحاظ سے تو گویا ”واللہ اعلم“ یا ”بصواب“ کا جملہ جھوٹے فتوؤں کی شناخت کا ایک آلہ بن جائے گا یہ اور بات ہے کہ اس طرح نہ تو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا کوئی فتویٰ درست رہے گا۔ اور نہ مولوی غلیل احمد صاحب کا

نہ مفتی عزیز الرحمن صاحب کا اور نہ مفتی حبیب الرحمن صاحب کا۔ اور نہ ہی ان سب کے پیروں میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ کیونکہ کسی فتوے کے آخر میں لکھا ہے واللہ اعلم و علیہ اتم۔ اور کسی کے آخر میں واللہ اعلم یا بصواب واللہ مرجع المساب

## تفسیر اعتراض

مرزا صاحب ماشیہ میں لکھتے ہیں ”کہ یاد رہے کہ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے یہ ہمارا بیان محض نیک فنی کے طور پر ہے۔ ورنہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں“ فقط ”ورنہ“ پہلے کلام کے خلاف آتا ہے۔ ماقبل اور مابعد دونوں نفیض ہونے۔ چاہیں یہ اعجاری کلام ہے۔ چاہیے فضا کہ اس میں پہلے کی تردید ہوئی۔ لیکن یہاں بات ایک ہی ہے۔ کیونکہ پہلی عبارت میں زمانہ کے بہت لوگوں کی نسبت اچھا کیا۔ اور ”ورنہ“ کے بعد بھی بعض کی راستبازی کو زیادہ ثابت کیا ہے اس لیے دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں پس ادبی لحاظ سے یہاں ”ورنہ“ کا استعمال بالکل غلط ہے۔

**جواب :** مختار مدعیہ نے یہ اعتراض ایسے طور پر کیا کہ گویا یہ بھی آجناب کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ کے کفر کی ایک بہت بڑی وجہ ہے کہ انہوں نے ”ورنہ“ کا غلط استعمال کیا جس سے اردو زبان کی توہین ہوگئی اور اردو زبان چونکہ علمائے دیوبند کی زبان ہے لہذا ان کی توہین ہوئی اور علماء کی توہین سے چونکہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوئی۔ لہذا مرزا صاحب کا کفر ثابت اور مرزا صاحب کا فخر اصل بات یہ ہے کہ جب انسان اپنی آنکھوں پر تعصب کی عینک لگا کر کسی کے کلام کو پڑھے تو اس کو حقیقت نظر نہیں آتا کہ وہ ایک سچی اور واقعی بات کو بھی قابل اعتراض سمجھا کرتا ہے۔ جیسا کہ مختار مدعیہ کے حال سے ظاہر ہوا۔ ورنہ لفظ ”ورنہ“ جو حضرت مسیح موعودؑ کے کلام میں استعمال ہوا ہے بجائے خود بالکل درست استعمال ہوا ہے اور اس کو بے محل بتانا بے علم کا نشان ہے کیونکہ ”ورنہ“ کا ماسبق اور ملحق مفہوم کے لحاظ سے ایک نہیں ہے بلکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ماسبق سے تو یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام بہت لوگوں کی نسبت اچھے تھے۔ تو باقی بعض سے درجہ میں برابر ہوں گے اور وہ باقی بعض حضرت مسیح سے افضل نہ ہوں گے۔ اور چونکہ ظاہر یہ کہ ناخفا کہ بعض کا ان سے بہتر ہونا بھی ممکن ہے اور یہ مفہوم پہلے مفہوم کے خلاف تھا۔ اس لیے لفظ ”ورنہ“ لاکر عبارت ملحق میں یہ مفہوم ظاہر کرنے کے لیے لکھا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ کے وقت میں خدا تعالیٰ کی زمین پر بعض راستباز اپنی راستبازی اور تعلق باللہ میں حضرت عیسیٰ سے بھی افضل اور اعلیٰ ہوں۔

مختار مدعیہ سے تو توقع نہیں۔ لیکن ہر غیر متعصب اور فہیم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ”ورنہ“ کے ماسبق اور ملحق کا مفہوم ایک ہی ہے یاد دونوں کے مفہوم میں عظیم الشان فرق موجود ہے اور اس امر کا ثبوت کہ حضرت عیسیٰ

کے وقت میں بعض راستبازوں کا تعلق بائبل میں افضل ہونا ممکن ہے حضرت اقدس نے اسی موقع پر پیش کر دیا اور وہ یہ ہے :

”کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وحیہا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین جس کے یہ معنی ہیں کہ اس زمانہ کے مقربوں میں سے یہ بھی ایک تھے۔ اس سے بیّن ثابت نہیں ہوتا کہ وہ سب سے بڑھ کر تھے بلکہ اسباب کا امکان نکلتا ہے کہ بعض مقرب ان کے زمانہ کے ان سے بہتر تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آئے تھے اور دوسرے ملکوں اور قوموں سے ان کو کچھ تعلق نہ تھا۔ پس ممکن بلکہ قریب نیاں ہیں کہ بعض انبیاء جو لد فقصوص میں داخل ہیں وہ ان سے بہتر اور افضل ہوں گے۔“

**چوتھا اعتراض :** مختار مدعیہ نے چوتھا اعتراض یہ کیا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے گواہان مدعیہ کے اعتراض کے جواب میں جو یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب نے حضرت یحییٰ کی فضیلت پر ”حصور“ سے استدلال کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے ”کیونکہ ایسے قصے اس نام کے لکھنے سے مانع تھے“ یہ عیسائیوں کو جواب دیا ہے یا ان مسلمانوں کو جو مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ نہ تو مسلمان حضرت مسیح کو تمام نبیوں سے افضل مانتے ہیں اور نہ عیسائی قرآن مجید کو صحیح مانتے ہیں جو ان پر قرآن مجید سے استدلال کرنا درست ہو اس لیے یہ مرزا صاحب کی اپنی تحقیق ہے اور وہ ان قصوں کو جو مسیح کی طرف منسوب کئے گئے صحیح خیال کرتے ہیں اور یہ صریح حضرت عیسیٰ کی توہین ہے

**جواب :** کتاب دافع البلاء جس سے یہ حوالہ پیش کیا گیا ہے اس میں جا بجا عیسائیوں کو خطاب کیا گیا ہے چنانچہ صلاً پر لکھا ہے ”اور بالآخر یاد رہے کہ اگر تمام لوگ جن میں مسلمانوں کے ملہم اور آریوں کے پنڈت اور عیسائیوں کے پادری داخل ہیں چپ رہے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں“ اور صلاً پر لکھتے ہیں :

”اور عیسائیوں کے خیالات کے اظہار کے لیے ابھی ایک پادری دائٹ بریجٹ صاحب اور ان کی

انجمن کی طرف سے ہتھیار نکلا ہے اور وہ یہ کہ طاعون کے دودھ کرنے کے لیے اور کوئی تدبیر کافی نہیں

بجز اس کے کہ حضرت مسیح کو خدا مان لیں اور ان کے کفارہ پر ایمان لے آئیں“

اور جن آخری دو اوراق میں سے اعتراض پیش کیا گیا ہے اس کے شروع میں لکھا ہے :

”سر دست ہماری ہمدردی کا قدر یہی ہو گا۔ کہ چہرہ دوبارہ اسلام کے مولیوں اور عیسائی مذہب

کے پادریوں اور ہندو مذہب کے پنڈتوں سے گایاں سنیں“

اس سے بھی ظاہر ہے کہ عیسائیوں کو اس میں خطاب کیا گیا ہے پھر جس حاشیہ کی عبارت بطور اعتراض پیش کی گئی ہے وہ جس عبارت کی توضیح کے لیے لکھا گیا ہے وہ یہ ہے ”بہر حال اس مقابلہ کے وقت معلوم ہو گا کہ ان تمام

مذہب میں کون سا ایسا مذہب ہے جس کا شفاعت کرنا اور منجی کے بزرگ لفظ کا مصداق ہونا ثابت ہو سکتا ہے سچے منجی کو ہر ایک چاہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے پس بلاشبہ اب دن آگئے ہیں کہ ثابت ہو کہ سچا منجی کون ہے ہم مسیح ابن مریم کو بے شک ایک راست باز آدمی جانتے ہیں اور اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ ابھارتا تھا۔ واللہ اعلم۔ مگر وہ حقیقی منجی نہیں تھا۔ یہ اس پر تہمت ہے کہ وہ حقیقی منجی تھا۔ حقیقی منجی ہمیشہ سے اور دنیا مت تک نجات کا پھل کھلا۔ نہ والا وہ ہے جو زمین حجاز میں پیدا ہوا تھا اور تمام دنیا اور تمام زمانوں کی نجات کے لیے آیا تھا اب بتاؤ کہ کیا اس عبارت سے ظاہر نہیں کہ آخری کلام کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں۔ اور ان کے اس عقیدہ کی کہ حقیقی منجی مسیح ہے تردید کی جا رہی ہے اور لفظ ”اکثر“ پر اس حاشیہ کی نشانی ہے جس کی عبارت پر مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے پھر یہیں تک قصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس عبارت کے ماحول میں بھی عیسائیوں کا ذکر ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

”جن لوگوں نے اس کو خدا بنا یا ہے جیسے عیسائی یا وہ جنہوں نے خواہ مخواہ خدائی صفات اس کو دی ہیں جیسا کہ ہمارے مخالف اور خدا کے مخالف نام کے مسلمان وہ اگر ان کو اپراٹھاتے اٹھاتے آسمان پر چڑھائیں یا عرش پر بٹھادیں یا خدا کی طرح پرندوں کا پیدا کرنے والا قرار دیں ان کو اختیار ہے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت عیسائیوں سے متعلق ہے۔ جو مسیح کو خدا مانتے ہیں اور ان کے ساتھ مسلمان بھی ملحوظ رکھے گئے ہیں جو حضرت عیسیٰ کو آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کے قائل ہیں۔ اور ان کو خدا کی صفات دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے انہیں بغیر اکل و شرب زندہ آسمان پر ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید سے استدلال کیا ہے اور عیسائی مسلمانوں پر رجحان قائم کرنے اور مسیح کی خدائی اور اس کی فضیلت و برتری اور اس کا شفعیع ہونا ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس لیے مسیح مؤخروں نے ان کے اس عقیدہ کو کہ مسیح حقیقی منجی ہے اور وہی سب راست بازوں کا سردار ہے بلکہ خدا ہے غلط ثابت کرنے کے لیے ان کی مسلمہ باتوں کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے :

”انسان جب جیا اور انصاف کو چھوڑ دے تو جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے لیکن مسیح کی استبداد اپنے زمانہ میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اگر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا ہو یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یحییٰ کا نام ”حضور“



رکھا۔ مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا۔ کیونکہ ایسے قصے اس نام کو رکھنے سے مانع تھے۔ اور پھر یہ کہ حضرت عیسیٰ نے یحییٰ کے ہاتھ پر جس کو عیسائی یوحنا کہتے ہیں۔ جو پیچھے ایلینا بنایا گیا۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی تھی اور ان کے خاص مریدوں میں داخل ہوئے تھے اور یہ بات حضرت یحییٰ کی فضیلت کو باہدایت ثابت کرتی ہے کیونکہ بالمقابل اس کے یہ بات نہیں کیا گیا کہ یحییٰ نے بھی کسی کے ہاتھ پر توبہ کی تھی پس اس کا محضوم ہونا بدیہی امر ہے۔

یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ مسیح علیہ السلام کی راستبازی اُن کے زمانہ کے دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن باوجود اس کے گوتم اسے خدا بناتے ہوئے اسے خدائی صفات دیتے ہوئے یہ تمہاری خوش فہمی ہے اور تمہارے مسئلہ امور کے بھی مخالف ہے۔

”بلکہ یحییٰ نبی کو اُس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے اگر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا الی آخذہ“

سو چونکہ حضرت مسیح موعود کا یہ فرمانا کہ ”نہیں سنا گیا“ جس کا مفہوم پہلی عبارت کے ساتھ یہ ہے کہ مسیح کے متعلق تو یہ بات سنی گئی اور ”یحییٰ کے متعلق نہیں سنا گیا“ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیم میں ان امور کا نشان نہیں پایا جاتا کیونکہ اگر اسلامی تعلیم میں یہ باتیں ہوتیں تو ان کے لیے ”سنا گیا“ اور ”بعد میں بنایا گیا“ کے الفاظ ہی استعمال میں نہ آتے۔ کیونکہ وہ اپنے عقیدہ میں مذہبی ہوتیں اور تاریخ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ امر یہود اور نصاریٰ دونوں سے سنا گیا۔ اگرچہ دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا۔ عیسائیوں نے تو ان امور کو موجب نہ جان کر نقل کیا۔ لیکن یہود نے ان کو بطور اعتراض کے نقل کیا اور شراب پینے کا ذکر اور یحییٰ کے ہاتھ پر مسیح کے توبہ کرنے کا ذکر انجیل میں پایا جاتا ہے پس عیسائیوں پر حجت تمام کرنے کے لیے اور یہ بنانے کے لیے کہ جس کو تم خدا بنا رہے ہو اس کے متعلق یہ امور تمہاری انجیلوں میں پائے جاتے ہیں پھر وہ دنیا کے تمام راستبازوں سے بڑھ کر اور خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ اور چونکہ فاحشہ عورت کے عطر ملنے اور دیگر وافعات کو یہود نے بطور اعتراض پیش کیا تھا اور قسم قسم کے الزامات مسیح اور ان کی والدہ پر لگائے تھے اس لیے آنحضرت نے ایک حدیث میں ان کے الزامات سے تطہیر فرمائی لیکن بعض مسلمانوں نے اس سے یہ سمجھا کہ مس شیطان سے محفوظ ہونا صرف حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کی خصوصیت ہے اس لیے پھر عیسائیوں نے جیسے ان کے دوسرے عقائد کو مسیح کی الوہیت کی دلیل اور تمام انبیاء پر فضیلت کا سبب مانا تھا۔ اس حدیث کو بھی مسیح کی فضیلت کا موجب گردانا۔ سو عیسائیوں کی اس دلیل کو کہ حدیث سے مسیح کی فضیلت دوسرے راستبازوں پر ثابت ہوتی ہے رد کرنے کے لیے حضور نے آخر میں فرمایا کہ ”مسلمانوں میں یہ جو شہور ہے کہ عیسیٰ اور اس کی ماں مس شیطان سے پاک ہیں



جب یہ معلوم ہو گیا کہ واقعہ البار کی عبارت میں جن قصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ عیسائیوں کے مسلمانوں میں سے ہیں تو لازماً ہمیں ماننا پڑا کہ یہاں عیسائیوں کو ان کے مسلمان کی بنا پر جواب دیا جا رہا ہے کہ مسیح خدا کو گنا اپنے زمانہ کے اور راستبازوں سے بھی راستبازی میں بڑھ کر ثابت نہیں ہوئے۔ اور اگر کہو کہ قرآن مجید کی رو سے ان کی تمام راستبازوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جس طریق پر تم فضیلت ثابت کرنے ہو اس طریق پر یحییٰ کی مسیح پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہاں لفظ ”حضور“ کو خصوصیت سے اس لیے پیش کیا۔ کیوں کہ عیسائیوں نے اس لفظ سے یہ استدلال کیا تھا کہ حضرت یحییٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی رو سے افضل ہیں۔ چنانچہ ایک پادری نے اپنے ایک رسالہ موسومہ ”دلائل اثبات رسالت عیسیٰ مسیح“ (دیکھئے ازالہ الاولیاء) میں یہ لکھا ہے کہ ”اگر محمد کی طرح کوئی شخص اس زمانہ میں ہوتا تو کوئی اس کو اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا۔ آیا وہ نہیں سمجھتا تھا۔ کہ تجھ کو اچھا کام ہے حالانکہ یحییٰ کی صفت میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ وہ سردار تھا اور عورت کے پاس نہیں جاتا تھا اور بنی ثمانیہ کو کاروں میں سے۔ پس محمد کو اقرار تھا اس امر کا کہ یحییٰ اس سے پاک اور بزرگ تھا اور درحقیقت محمد کو یحییٰ سے کیا نسبت تھی“

حضرت یحییٰ کی جو تعریف اس عبارت میں کی گئی ہے وہ آیہ شریفہ سیداً و حصواً و نبیاً من الصالحین کا ترجمہ ہے اب مختاران مدعیہ سوچیں کہ عیسائی تو قرآن کو نہیں مانتا لیکن ان کو قرآن مجید میں سے حضرت یحییٰ کے متعلق جو لفظ حضور آیا تھا۔ اس کو لے کر کبھی آنحضرت پر سخت توہین آمیز طعن کی ہے۔ اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی شخص آپ کی طرح ہوتا تو اس کو کوئی اپنے پاس بیٹھنے کی بھی اجازت نہ دیتا اور حضرت یحییٰ ان سے افضل ہیں۔ کیونکہ وہ عورتوں سے بالکل ہی دور رہتے تھے اور آنحضرت عورتوں کے معاملہ میں اس کے بالکل ہی خلاف تھے اسی وجہ سے یحییٰ علیہ السلام کا نام تو قرآن مجید میں حضور رکھا گیا۔ اور آنحضرت کو یہ نام نہ دیا گیا۔ پس اس طعن کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں پر لوٹا دیا ہے کہ اے عیسائیو اگر تمہارا یہ اعتراض درست ہے۔ کہ آنحضرت کا نام حضور نہ رکھا جانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ عورتوں سے تعلق رکھتے تھے اور یحییٰ کا نام حضور اس لیے رکھا گیا کہ وہ عورتوں سے دور رہتے تھے اور اس سے ان کی آنحضرت پر افضلیت ثابت ہوتی ہے تو تمہیں یہ امر تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت یحییٰ حضرت مسیح سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ آنحضرت جن عورتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ تو ان کی عقیقہ اور صالحہ بیویاں تھیں لیکن جن عورتوں کا حضرت مسیح کے ساتھ رہنا اور غلام کرنا نامانتے ہو وہ ان کی بیویاں نہ تھیں بلکہ بعض ان میں سے بدچلن اور بدکار عورتیں تھیں اور تم جانتے ہو کہ حضرت یحییٰ آبادی سے دور بیابان میں رہتے تھے جہاں عورتوں کا گذر نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت مسیح آبادی میں رہتے تھے اور عورتیں ان کے پاس آتی جاتی تھیں۔ پس تم کو ماننا چاہیے کہ اس وجہ سے خدا نے قرآن شریف میں یحییٰ کا نام حضور رکھا۔

گرمیج کا یہ نام نہیں رکھا کہ اس قسم کے قصے جن سے تم کو بھی انکار نہیں ہے۔ اس نام کے رکھے جانے سے مانع تھے پس حضرت مسیح موعودؑ نے اس جگہ عیسائیوں کے طرز استدلال کو مدنظر رکھتے ہوئے ان پر حجت قائم کی ہے۔ اور انہوں نے جو اعتراض آنحضرتؐ پر کیا تھا وہی ان پر لوٹا دیا ہے۔

اور ایسا ہی گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ کے مسلمہ مقتدا اور شیخ الہند مولانا رحمت اللہ صاحب ہماجریت اللہ مرحوم نے اپنی کتاب ازالۃ الادلہ میں کیا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا طعن کا بھی آپؐ نے ذکر کیا ہے اور پھر بالکل اسی طرح عیسائیوں کی طعن ان پر لوٹائی ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے دافع البلاء میں چنانچہ مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم اپنی کتاب ازالۃ الادلہ میں ص ۳۶ میں پہلے پادریوں کے طعن دوم ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں :

طعن دوم بنیوت را پاکیزگی لازم است محمد پابند شہوات نفسانیہ بود کہ نہ زوجہ نمود اس کے بعد اس طعن کا جواب دیتے ہوئے ص ۳۷ میں فرماتے ہیں :

”دریں طعن علمائے ایں فرقہ مسیحیہ چہ زباں دراز یہاں است کہ بہ نسبت خیر البشر کردہ اند اگرچہ دل سے سوز دے خواہد کہ آں ہمہ را نقل کردہ الزام معکوس سازم مگر خوف طوالت مانع ازیں جہت ہمہ را گذاشتہ فقط قول صاحب دلائل اثبات رسالت مسیح را کہ او موافق زعم خود تمسک بایں قرینہ نمودہ طعن میں نماید۔ اکتفا مے کنیم“

اس عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ دل تو یہ چاہتا ہے کہ علماء مسیحیہ کی ان زبان درازیوں کو جو اس طعن میں انہوں نے کی ہے۔ نقل کر کے الزام ان پر لوٹ دوں مگر خوف طوالت مانع ہے۔ اس لیے مصنف دلائل اثبات رسالت مسیح کے ایک طعن پر جو اس نے اپنے زعم میں آیت قرآنی سے تمسک کیا ہے۔ اکتفا کرتا ہوں۔ پھر آپؐ مولف مذکور کے متعلق لکھتے ہیں :

”در آخر رسالہ خود بزبان اردو دے نگارو۔ ترجمہ او ایں کہ اگر شخصے مثل محمد دریں زماں مے بود کسے نزد خود اجازت نشتن اور اند دے دایا اونے ہمہ کہ تجرد کار نیک است و علائکم در صفت یحییٰ در قرآن مے نویسہ کہ او سر در خواند بود و نزد زن نخواستہ رفت و نبی خواہد بود و از نیکیاں بس خود و اقرا دارد بریں کہ یحییٰ از و پاک بود بزرگ محمد را با یحییٰ چہ مناسبت است“

اس عبارت کا اردو ترجمہ یعنی دلائل اثبات رسالت مسیح سے اوپر گذر چکا ہے۔ اس کے بعد مولوی رحمت اللہ صاحب ان کے اس طعن کو ان پر اس طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

”آریا مسیح و حواریاں از توریہ و کتاب انقضات واقف نبودند کہ دالتندے کہ شراب آں قدر نجس و بدست۔ آریا مسیح و حواریاں نے دالتند کہ ریاضت دروزہ محمودہ است چنانچہ یحییٰ و

شاکر دانِ اولہل سے آ رہند۔ پس چرا دوام ایام خود را بے ریاضتی بسر سے بردند و دائم حریص اکل و شراب شراب بودند۔ آیا مسیح ابن قدر خیال نہ کر دند کہ اجتناب از زناں اجنبیہ خصوصاً فاحشہ ضروریت و محبت داشتن با زناں نامحرم بناید۔ پس باقر مسیح فضیلت یحییٰ بر در فضیلت شاکر دان یحییٰ بر شاکر دان اثبات شد۔ و فی الحقیقت مسیح و شاکر دان اور ابابیکھی و شاکر دان اوچہ مناسبت“ (صلۃ ازالۃ الالوہام)۔

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ آیا مسیح اور حواری شراب کا نجس و بد اور عبادت روزے کا اچھا ہونا نہیں جانتے تھے یحییٰ اور اس کے شاکر دنور روزہ رکھتے اور عبادت کرتے تھے۔ لیکن مسیح اور اس کے حواری کس طرح بغیر عبادت کے بسر کرتے تھے اور نشہ کھانے اور شراب پینے کے حریص رہتے تھے۔ آیا مسیح اس قدر خیال نہیں کرتے تھے کہ اجنبی عورتوں خصوصاً حرام کاروں سے پرہیز ضروری ہے اور نامحرم عورتوں سے محبت نہیں کرنی چاہیے۔ پس باقر مسیح اور ان کے شاکر دوں کو یحییٰ اور ان کے شاکر دوں سے کیا مناسبت۔

اب دیکھنا چاہیے کہ کیا یہ عبارت دافع البلاء کی عبارت کی طرح نہیں ہے اور کیا اس میں وہی طریق اختیار نہیں کیا گیا جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں عبارتیں ایک ہی ایک رنگ کی ہیں اور ایک ہی آیت کے متعلق ہیں اور جس طرح حضرت اقدس کی عبارت یہی ”وجہ“ کے الفاظ ہیں اسی طرح مولانا رحمت اللہ مہاجر بیت اللہ کی عبارت میں فی الحقیقت کے الفاظ ہیں اور جس طرح مولانا کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عیسائیوں کے مقابلہ میں الزامی طور پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا کہ اسی طرح حضرت اقدس کی عبارت میں یہی وجہ کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپ نے عیسائیوں کے معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے عقیدے کی رو سے لکھا ہے۔

## ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ضمیمہ انجام آتھم کا حوالہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب اور مولوی آل حسن صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب کی جو عبارت پیش کی گئی ہے۔ وہ قابلِ اعتراض نہیں ہے اور ان سے تو یہ لازم نہیں آتی۔ کیونکہ انہوں نے تو لکھ دیا ہے کہ یہ بطور الزام کے ہم لکھ رہے ہیں۔ لیکن مرزا صاحب نے تو یہ کہا ہے۔ کہ میں یسوع کے متعلق یہ باقیں کہتا ہوں۔ اور گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یسوع اور عیسیٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔ لہذا مرزا صاحب کی عبارتوں سے مسیح کی تو یہ لازم آتی ہے۔ اس کا جواب اگرچہ گواہان مدعا علیہ کے بیانات میں تفصیل سے آچکا ہے۔ لیکن یہاں بھی اختصار سے ایک دو باتیں کہہ دینی مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

اگر مولوی رحمت اللہ صاحب بریلی اور مولوی آل حسن صاحب اور دیگر اشخاص کے خاص حضرت عیسیٰ کا نام لیتے اور عیسائیت وغیرہ ان کے معجزات جو قرآن مجید سے ثابت ہیں انہیں بھان متی کا نمائشا کرنے والوں کے ہتھکنڈوں سے تشبیہ دینے میں حضرت مسیح کی اس وجہ سے توہین لازم نہیں آتی کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ ہم الزامی طور پر یہ جواب دے رہے ہیں تو حضرت مسیح موعودؑ کا نام لے کر جو لکھا اور یہ تصریح کر دی کہ یہاں حضرت عیسیٰ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ باعثِ توہین ہو سکتی ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کی توہین کیونکر لازم آئے گی ضمیمہ انجامِ آختم سے جو حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل عبارتیں قابلِ غور ہیں :

- ۱۔ ایک مردہ پرست فتح مسیح نام نے فتح گر ٹھہ تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور سے اپنی پہلی بے حیائی کو دکھا کر ایک گندہ اور بدزبانی سے بھلا ہوا خط لکھا ہے (ضمیمہ انجامِ آختم ص ۳)
- ۲۔ یسوع کی تمام پیشگوئیوں میں سے جو عیسائیوں کا مردہ خدا ہے (حاشیہ ص ۴)
- ۳۔ ان دلوں پر خدا کی لعنت جنہوں نے ایسی ایسی پیشگوئیاں اس کی خدائی پر دلیل ٹھیرائیں۔ اور ایک مردہ کو اپنا خدا بنالیا (حاشیہ ص ۴)
- ۴۔ متی کی انجیل سے معلوم ہوتا ہے (حاشیہ ص ۵)
- ۵۔ ایک فاضل یادری صاحب فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی تمام زندگی میں تین مرتبہ شیطانی الہام بھی ہوا تھا (حاشیہ ص ۶)
- ۶۔ عیسائیوں نے بہت سے آپ کے معجزات لکھے ہیں (حاشیہ ص ۶)
- ۷۔ آپ کا یہ کہنا کہ میرے پیرو زہر کھائیں گے اور ان کو کچھ اثر نہیں ہوگا (حاشیہ ص ۶)
- ۸۔ افسوس کہ لائل عیسائی ایسے شخص کو خدا بنا رہے ہیں (حاشیہ ص ۶)
- ۹۔ آپ وہی حضرت ہیں جنہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ ابھی تمام لوگ زندہ ہوں گے کہ میں پھر واپس آ جاؤں گا (حاشیہ ص ۶)

ان تمام عبارات سے ظاہر ہے کہ یہاں مخاطب عیسائی ہیں۔ اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو گندہ دہانی کی ہے تو الزاماً اُن کے رسول یسوع کے متعلق جسے وہ خدا بنا رہے ہیں یہ جوابات دیئے گئے ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کا ایک جگہ ”مگر حق بات یہ ہے“ کہنا بالکل ویسا ہی ہے جیسے مولوی رحمت اللہ صاحب نے اس حوالہ میں جو ادھر گزر چکا ہے فی الحقیقت کہا ہے اور گواہانِ مدعیہ نے باوجود اچھی طرح یہ جاننے کے کہ ان کے اکابر نے عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر اس قدر سخت کلمات استعمال کیے ہیں جن کے مقابلہ میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعودؑ علیہ السلام ان الفاظ کی سختی تو آپ نے پادریوں کے فرضی یسوع کے متعلق لکھے ہیں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی اور باوجود اچھی طرح سے سمجھنے کے کہ جس طرح ان کے

اکابر نے الزامی طور پر سخت الفاظ لکھے ہیں۔ اس طرح حضرت اقدس نے بھی الزامی طور پر لکھے ہیں۔ لیکن پھر بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر تو بہن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا الزام لگا دیا۔ چنانچہ اس میں سے چند کلمات کا ذکر انہوں نے اپنے بیانات میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۱۔

اور حضرت مسیح موعود نے اسی حاشیہ ضمیمہ انجام آٹھم کے آخر میں جس کے کلمات پر گواہان مدعیہ نے اعتراض کیا ہے یہ تحریر فرمایا ہے

”بالآخر ہم لکھتے ہیں کہ ہمیں یادیوں کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی انہوں نے ناحق ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسوع کا کچھ ٹھوڑا سا حال ان پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اس پلید۔ نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زانی لکھا ہے اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں پس اس طرح اس مردود اور غیبت فرقہ نے جو مردہ پرست ہے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ ہم بھی ان کے یسوع کے کسی قدر حالات لکھیں اور مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور رب مار لکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے“ (حاشیہ ضمیمہ

انجام آٹھم ص ۸، ۹، ۱۰)

اور انجام آٹھم کے ص ۱۱ پر بھی فرمایا ہے :

”اور یاد رہے کہ یہ ہماری رائے اس یسوع کی نسبت ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور پہلے نبیوں کو چور اور بٹار کہا۔ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بجز اس کے کچھ نہیں کہا کہ میرے بعد جھوٹے نبی آئیں گے۔ ایسے یسوع کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں“

پس آپ نے تصریح فرمادی کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے مسیح کے لیے نہیں جو خدا تعالیٰ کے ایک راستباز بندہ اور نبی تھا۔ بلکہ عیسائیوں کے اس فرضی اور موهوم یسوع کی نسبت ہے جس کے متعلق وہ سمجھتے ہیں کہ وہ خدا تھا۔ اور خدائی صفات اپنے اندر رکھتا تھا اور یہ بھی فرض محال کے طور پر ہے ورنہ ایسے یسوع کا بھی کوئی وجود نہیں ہے جیسے کہ مولوی محمد قاسم صاحب بھی فرماتے ہیں :

”مفروضی المحبت اس کا محب نہیں جس کی محبت کا مدعی ہونا ہے بلکہ اپنی خیالی تصویر کا محب

ہوتا ہے۔ ہدایتہ الشیعہ ص ۲۴۵۔

اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں :

”نصاری جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے ہیں تو حقیقت میں ان سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کا بیٹا ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معلوم البتہ ان کے خیال میں تھی۔ سو وہ اپنی تصویر خیالی کو پوجتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے (ہدینۃ الشیعہ ص ۲۴۵)

کیا مولوی محمد قاسم صاحب کی عبارت محولہ بالا سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعود نے حاشیہ ضمیمہ انجام آٹھم یا کسی اور کتاب میں جو کچھ عیسائیوں کے مفروضہ خدا کے متعلق لکھا ہے وہ ان کی ایک خیالی تصویر کے متعلق ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق۔ جو خدا تعالیٰ کے ایک بنی تھے پس یہاں یہ سوال نہیں پیدا ہو سکتا کہ مسیح کا نام تو یسوع بھی تھا ہو اگر سے لیکن آپ نے دو یسوع کی صفات بیان کر کے تحقیق کر دی ہے کہ وہ یسوع مراد نہیں بلکہ وہ مراد ہے جو خدا ہونے کا مدعی تھا اور ایسے فرضی طور پر کلام کرنے کا ثبوت گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں مثالوں کے ساتھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ ص ۲۴

پس جس طریق پر حضرت مسیح موعود نے یسوع کے متعلق کلام کیا ہے ایسے کلام کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کا ذکر کرتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۚ اَلَمْ نَجْزِیْكَ بِالْظَّالِمِیْنَ (سورۃ انبیاء)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کر کے جنہوں نے خدا کے لیے ولد بنایا ہے فرمایا کہ خدا تو اتنا ذوالد سے پاک ہے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو خدا کا بیٹا بنایا ہے وہ خدا کے معزز اور مقرب بندے تھے۔ اور پھر آخر میں فرمایا ہے کہ جو ان میں سے یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو اس کو اس کے اس بدلے میں جہنم کی سزا دیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح یہ سزا دیا کرتے ہیں۔

اب آخری کلام کہ جو شخص یہ کہے کہ میں خدا کے سوا معبود ہوں ان لوگوں کے اعتقاد کی بنا پر کی گئی ہے کہ جنہوں نے خدا کے لیے ولد تجویز کیا تھا۔ ورنہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کے لیے کوئی ولد نہیں اور نہ کسی نبی نے یہ کہا۔ کہ میں خدا کا حقیقی ولد ہوں اور نہ ہی کسی نبی سے یہ ممکن ہے کہ وہ کہے میں خدا کے سوا معبود ہوں جیسا کہ آیت دَمًا كَانَ بَشَرًا اِنْ يُّوتِيْهِ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحَكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّىْ (ال عمران) سے ظاہر ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ کتاب حکم اور نبوت دیتا ہے اس سے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ نبی بھی ہو۔ اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ اور تم میرے بندے بنو۔ پس جیسا کسی نبی سے یہ متصور نہیں تھا کہ وہ لوگوں سے کہے کہ مجھے خدا کے سوا معبود بناؤ تو پھر خدا تعالیٰ کا یہ





آپ خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور ایسے پاکوں کو جو ہزار ہا درجہ اس سے بہتر تھے۔ گایاں دیں۔ سو ہم نے اپنے کلام میں ہر جگہ عیسائیوں کا فرضی مسیح مراد لیا ہے۔ اور خدا کا عاجز بندہ عیسے ابن مریم جو نبی تھا۔ جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ ہمارے درشت مخاطبات میں ہرگز مراد نہیں اور یہ طریق ہم نے برابر چالینس برس تک پادری صاحبوں کی گالیوں کو سن کر اختیار کیا ہے“ (تبلیغ رسالت جلد چہارم ص ۲۵۷)

۲۔ ”ہمیں حضرت مسیح کی شان مقدس کا بہر حال لحاظ ہے اور صرف فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اس نادان نے بہت ہی شدت سے گایاں آنحضرت کو نکالی ہیں اور ہمارا دل دکھایا ہے“ (نور القرآن مطبوعہ ص ۱۸۹۵)

۳۔ اس رسالہ کے ص ۱۳ پر پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”یقیناً جو کچھ تم مقدس نبوی کی نسبت بڑا کہو گے وہی تمہارے فرضی مسیح کو کہا جائے گا۔ مگر اس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا اور جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور ان پر ایمان لایا۔“

۴۔ اور فرماتے ہیں :

”پڑھنے والوں کو چاہیے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کا مصداق حضرت عیسیٰ کو نہ سمجھ لیں بلکہ وہ ہمارے کلمات اس یسوع کی نسبت لکھے گئے ہیں جس کا قرآن و حدیث میں نام و نشان نہیں“ (تبلیغ رسالت جلد پنجم ص ۷)

۵۔ اور فرماتے ہیں :

”ہم لوگ جس حالت میں حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور نیک اور استباز مانتے ہیں تو پھر کیونکر ہماری قلم سے اُن کی شان میں سخت الفاظ نکل سکتے ہیں“ (کتاب البریہ ص ۹۳ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

۶۔ اور فرماتے ہیں :

”ہم اس بات کے لیے بھی خدا تعالیٰ کا کفر سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور استباز نبی مانیں اور اُن کی نبوت پر ایمان لائیں۔ سو ہمارا ہی کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو اُن کی شان بزرگ کے برخلاف ہو اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے

دلا ہے اور جو ٹاپے“ (ایام الصلح ٹائپل پیج ص ۱۸۹۹ء)

۷۔ اور فرماتے ہیں :

”حضرت مسیح کے حق میں کوئی بے ادبی کا کلمہ مرے منہ سے نہیں نکلتا یہ سب مخالفوں کا افتزار ہے

ہاں چونکہ درحقیقت کوئی ایسا یسوع مسیح نہیں گزرا۔ جس نے خدائی کا دعویٰ کیا ہو۔ اور اُنے والے نبی خاتم الانبیاء کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت موسیٰ کو ڈاکو کہا ہو۔ اس لیے میں نے فرض محال کے طور پر اس کی نسبت ضرور بیان کیا ہے کہ ایسا مسیح جس کے یہ کلمات ہوں۔ راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ لیکن ہمارا مسیح ابن مریم جو اپنے تئیں بندہ اور رسول کہلاتا ہے اور خاتم الانبیاء کا مصدق ہے اس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ (ترتیب القلوب حاشیہ ص ۳۷)۔

۸۔ اور فرماتے ہیں :

”میں (مسیح ابن مریم کی) عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفتر اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا (کشتی نوح ص ۱۶)۔

۹۔ اور فرماتے ہیں :

”اور یاد رہے کہ ہم عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں۔ اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آج کل شائع ہوتے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دکھانا منظور ہے کہ جس طرح یہود شخص تعصب سے حضرت عیسیٰ اور ان کی انجیل پر حملے کرتے تھے۔ اسی رنگ کے حملے عیسائی قرآن اور آنحضرت پر کرتے ہیں عیسائیوں کو مناسب نہ تھا کہ اس طریق میں یہودیوں کی پیروی کرتے (ختمہ مسیح مقدمہ ص ۱)۔ اور فرماتے ہیں :

۱۰۔ ”ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی میں معہ تمام لوازم کے کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد ششم ص ۳۲ اشہار ۲۸ فروری ۱۹۹۷ء)۔ اور فرماتے ہیں :

۱۱۔ ”ہذا ما کتبنا من الاناجیل علی سبیل الزام۔۔۔۔۔ کو امر الربلا غم حاشیہ ص ۷) (ترجمہ) یعنی جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اناجیل سے بطور الزامی جواب کے لکھا ہے ورنہ ہم خود حضرت مسیح کی عزت کرتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ آپ متقی اور معزز انبیاء میں سے تھے۔

## حضرت مسیح نبی اللہ ہیں

۱۔ ”اس بات میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح سچے نبی ہیں“ (اربعین ۲ ص ۲۵)

۲۔ اور فرماتے ہیں :

”اس لیے ظاہر پرستی کی شامت سے یہودیوں کو روپیچے نبیوں کی نبوت سے منکر رہنا پڑا یعنی مسیح اور

بیجی سے "ازالہ ادہام ص ۱۱۲)

۳۔ اور فرماتے ہیں :

اور اللہ جل شانہ کی قسم ہے کہ مجھے صاف طور پر اللہ جل شانہ نے فرما دیا ہے کہ حضرت مسیح بلا تفاوت ایسا ہی انسان تھا جیسا کہ اور انسان۔ مگر خدا تعالیٰ کا سچا نبی اور اس کامرسل اور برگزیدہ ہے۔"

(حجت الاسلام ص ۹)

۴۔ اور فرماتے ہیں :

"اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ وہ (یعنی مسیح) سچے نبی ضرور تھے۔ رسول تھے۔ خدا تعالیٰ کے پیارے تھے مگر خدا نہیں تھے (حجت الاسلام ص ۱۲)

۵۔ اور فرماتے ہیں :

"اس وجہ سے ہم ان پر ایمان لائے کہ وہ سچے نبی تھے اور برگزیدہ ہیں اور ان تہمتوں سے پاک ہیں جو ان پر اور ان کی ماں پر لگائی گئیں (اعجاز احمدی ص ۱۳)

۶۔ اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ بے شک خدا کا پیارا نبی تھا نہایت اعلیٰ درجہ کے اوصاف اپنے اندر رکھتا تھا (مجموعہ اشتہارات مرتبہ مفتی محمد صادق ص ۱۵۳)

۷۔ اور فرماتے ہیں :

"حضرت مسیح اپنے اقوال کے ذریعہ اور اپنے افعال کے ذریعہ اپنے تئیں عاجز ہی ٹھہراتے ہیں خدا کی کوئی بھی صفت ان میں نہیں۔ ایک عاجز انسان ہیں ہاں نبی اللہ بے شک ہیں خدا تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں" (جنگ مقدس ص ۱۵)

۸۔ اور فرماتے ہیں :

"ایک شریہودی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بے گانہ عورت پر آپ عاشق ہوئے تھے لیکن جو بات دشمن کے منہ سے نکلے وہ قابل اعتبار نہیں۔ آپ خدا کے رسول اور پیارے تھے خبیث ہیں وہ لوگ جو آپ پر یہ تہمت لگاتے ہیں۔ (اعجاز احمدی ص ۱۵۲)

۹۔ اور فرماتے ہیں :

حضرت عیسیٰ خدا نہیں وہ صرف ایک نبی ہے۔ ایک ذرہ اس سے زیادہ نہیں۔ اور بخدا میں سچی محبت اس سے رکھتا ہوں۔ جو نہیں مرگز نہیں اور جس نور کے ساتھ میں اسے شناخت کرتا ہوں۔ تم ہرگز

اسے شناخت نہیں کر سکتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایک خدا کا پیارا اور برگزیدہ نبی تھا اور ان میں سے تھا۔ جن پر خدا کا ایک خاص فضل ہونا ہے اور جو خدا کے ہاتھ سے پاک کئے جاتے ہیں،  
(ردعی حق ص ۵ مشمولہ حقیقۃ الوحی)

۱۰۔ اور فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھتے ہیں اور ہم ان یہودیوں کے ان اعتراضات کے مخالف ہیں جو آجکل شائع ہوتے ہیں (چشمہ مسیح ص ۱)

ان تمام حوالہ جات سے بھراحت و وضاحت ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت عیسیٰ کو خدا تعالیٰ کا نبی اور راستباز اور مقرران بارگاہ الہی سے سمجھتے تھے اور ان کی نبوت پر ایمان لاتے تھے اور ان کے متعلق آپ نے کسی قسم کا توہین آمیز لفظ استعمال نہیں۔

ان تصریحات کے ہونے ہوئے کسی شخص کا حق نہیں ہے کہ وہ آپ کو توہین حضرت عیسیٰ کا مرتکب قرار دے جسے اور مختار مدعیہ کا باوجود مذکورہ بالا واضح عبارتوں کے یہ اعتراض کرنا کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے نہ صرف دیانت اور امانت ہی کے خلاف ہے بلکہ گواہ مدعیہ مل کے بیان کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس نے براگرت کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ کسی شخص کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ اس کی دیگر تفصیلات کو دیکھ کر اس کا صحیح عقیدہ معلوم کیا جائے۔

پس اسی اصل کی رو سے بھی دیکھا جائے تو مختار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود نے حضرت عیسیٰ کی توہین کی ہے بالکل لغو اور باطل ہے اور جو اعتراض مختار مدعیہ نے معجزات مسیح کے متعلق کیا ہے اس کا مفصل جواب گواہان مدعیہ کے بیان میں موجود ہے۔

## لازم مذہب۔ مذہب نہیں ہوتا

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بہت سے الزامات آپ کی عبارتوں سے غلط استنباط کر کے لگائے ہیں چنانچہ ہر اکتوبر کی بحث میں کہا ہے۔

۱۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ابن مریم نہیں آسکتے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں اور اگر نازل ہوں تو وہ امتی ہوں گے اور براہین احمدیہ میں لکھتے ہیں کہ رحمانی دین کے لیے ضروری ہے کہ اس میں امتی نبی آئیں اور نبی امتی بن نہیں سکتا۔ لازم آیا کہ اسلام اور باقی سب ادیان شیطان اور لعنتی ہوں۔ جب مرزا صاحب کے اقرار سے اسلام لعنتی دین ہوا۔ تو اپنے اقرار سے آپ کافر ہوئے۔ لہذا نکاح فسخ ہوا۔ حالانکہ مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کی عبارت

سے جو نتیجہ نکالا ہے۔ وہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ آپ کی تحریرات کا یہ نشانہ ہے کہ اگر ایک مستقل نبی کا دوبارہ آنا مانا جائے تو یہ ماننا اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کہ اس کے امتی نبی ہونے کا یقین کیا جائے اور اس کا امتی نبی ہونا محال ہے۔ کیونکہ امتی کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اس نے تمام کمالات و مراتب دوسرے کی اتباع سے حاصل کیے ہوں۔ لیکن حضرت عیسیٰ پر یہ تعریف صادق نہیں آسکتی۔ البتہ ایک امتی شخص نبی ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کی برکت سے اس مقام پر پہنچ جائے کہ خدا تعالیٰ اسے عند الفوت نبوت کے مقام پر سرفراز فرمائے۔ اور دین کی اصلی غرض خدا تعالیٰ سے ملنا اور اس کے قرب کی راہیں بتا کر منزل مقصود تک پہنچانا ہوتی ہے۔ اس لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس دین کی متابعت سے انسان اپنے محبوب ازلی سے ہم کلام نہیں ہو سکتا وہ دین دین ہی نہیں ہے اور نیز آپ نے اپنی تمام کتب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس وقت اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ حقیقی طور پر جس کی پیروی کرنے والا انسان اپنے خدا سے ہکلائی کا شرف حاصل کر سکتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”آپ ان معنوں سے خاتم الانبیاء ہیں کہ ایک تو تمام کمالات نبوت آپ پر ختم ہیں اور دوسرے ان کے بعد کوئی نئی شریعت لانے والا رسول نہیں اور نہ کوئی ایسا نبی ہے جو ان کی امت سے باہر ہو۔ بلکہ ہر ایک کو جو شرف مکالمہ الہیہ ملتا ہے وہ انہی کے فیض اور انہی کی وساطت سے ملتا ہے اور وہ امتی کہلاتا ہے نہ کوئی مستقل نبی“ (ضمیمہ چشمہ معرفت ص ۹)

اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ ”مرزا صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا شریعت لانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک ہے اور اسلام کی بربادی تو ان سے زیادہ درجہ رکھنے والے کا آنا کیوں اسلام کی بربادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں۔ اگر حضرت عیسیٰ جیسے گھٹیل نبی کے آنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اسلام کی بربادی ہو جاتی ہے تو ان سے افضل نبی کے آنے سے تو بہت زیادہ ہتک اور بہت زیادہ بربادی ہونی چاہیے۔“

۲۔ مختار مدعیہ کا یہ استنباط بھی صریح طور پر غلط ہے کیونکہ حضرت مسیح موعود نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ جو مستقل نبی ہیں ان کے آنے سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت ٹوٹی ہے اور یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد روحانی اتنی ناقص ہے کہ اس میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو امت محمدیہ کی اصلاح کر سکے بلکہ اس امت کو دینی اصلاح کے لیے ایک ایسے نبی کا محتاج ماننا پڑتا ہے جو مستقل نبی ہے اور اس کو نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں بطور انجام نہیں ملے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مستقل نبوت کو ماننے سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ لیکن حضرت مسیح

موجود جس نبوت کو اپنے لیے ثابت کرنے میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور فیضان کا نتیجہ ہے اور آپ حضور کے روحانی بیٹے ہیں۔ اور آپ کو جو کمالات حاصل ہوئے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع اور پیروی کی برکت سے ظلی طور پر حاصل ہوئے ہیں۔

۳۔ مختار مدعیہ نے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲۳ کا حوالہ پیش کر کے کہا ہے کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی روح تین دفعہ جوش مارے گی۔ اس عبارت میں مرزا صاحب یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اصل عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور رسول مقبول آپ کے ظل ہیں۔ اور نیز لازم آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہوئے اور حضرت مسیح کے متعلق مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس سے ہر شان میں بڑھ کر ہوں تو مرزا صاحب رسول مقبول سے ہر شان میں بڑھ کر افضل ہوئے اور میری کفر ہے مختار مدعیہ نے جو نتائج مذکورہ بالا عبارت سے نکالے ہیں۔ وہ بالکل غلط اور باطل ہیں اور حضرت مسیح موجود علیہ السلام کے وہ عقائد نہیں ہیں آئینہ کمالات اسلام میں نہ ایک جگہ بلکہ متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سردار انبیاء اور افضل الانبیاء ہونے کا ذکر موجود ہے اور اس سے حضرت عیسیٰ کا اصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ پس کسی کی قوم کا گمراہ ہونا اور اس کے لیے اس کی روح کا جوش مارنا تا کوئی اس کی قوم کی اصلاح کرے۔ اس کی فضیلت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

۴۔ اسی طرح مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام ص ۱۲۳ پر لکھا ہے۔۔

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح بہت دفعہ امت محمدیہ میں ظاہر ہوئی اور اس نے حلول کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہزاروں نبی ہوئے اور مرزا صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ اس امت میں میں ہی نبی قرار دیا گیا ہوں۔ کوئی نبی بھی نہ ہوا۔ یہ بھی جھوٹ ہے تو یہ صریح کفر اور ارتداد ہے اس لیے نکاح فسخ ہوا۔“

آئینہ کمالات اسلام کی مذکورہ بالا عبارت میں نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن باوجود اس کے مختار مدعیہ نے اپنے پاس سے اس عبارت کا ایک مفہوم وضع کر کے کفر و ارتداد کا فتویٰ مے دیا ہے۔

(۵) مختار مدعیہ نے ۱۲ اکتوبر کی بحث میں دافع البلاء کا حوالہ پیش کر کے مندرجہ ذیل نتائج نکالے ہیں۔

۱) خدا خدائی کے قابل نہیں (۲) عیسیٰ نبوت کے قابل نہیں (۳) نبوت ایک ایسا مرتبہ ہے کہ معاذ اللہ بدعت اور رندی بازوں کو بھی مل جاتا ہے اس سے تمام شریعت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور مرتبہ نبوت کی کھلی توہین ہے اس سے مرزا صاحب کا فرمودہ ہوئے اور اسی طرح کیا ہے۔ اور چونکہ بعثت من القبور بھی ضروریات دین سے ہے اور قبروں سے اٹھنے والے کو دروں کیا ابروں میں اور مرزا صاحب نے ہر ایک کے قبر سے اٹھنے کا انکار کیا ہے۔ لہذا بے شمار وجہوں سے کافر اور مرتد ہوئے۔ پھر جب قیامت کا ہی انکار ہے تو حوض کوثر یا

انا اعطیناک الکوشکا بھی انکار ہوا اور وہ بھی کفر ہے۔ جب یثا ہی نہیں تو شفاعت کبریٰ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے وہ بھی گئی جب جنتی میں ہوں گے اور دورخی دوزخ میں تو پل صراط بھی ندارد ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جو مختار مدعیہ نے ازراہ افتراء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی ہیں اور ایسی باتیں جو کسی شخص کے کلام سے اس کی منشا اور تصریحات کے خلاف نکالی جائیں لازم مذہب کہتے ہیں اور اس طرح لازم مذہب پر تکفیر کرنے والوں کے متعلق ائمہ سلف صالحین نے تحریر فرمایا ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہو کرتا۔ چنانچہ البیواقیت والجمہور جلد ۲ ص ۱۲۸ میں ہے۔  
والصحيح ان لازم المذهب ليس بمذهب وان لا كفر بمجمد الزوم۔ کہ صحیح بات یہ ہے کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا اور مجر د لازم سے کفر لازم نہیں آتا۔

اور اسی طرح امام ابن حزم لکھتے ہیں :

واما من كفر الناس بما تؤول اليه اقوالا لم يخطا ولا نه كذب على الخصم وتقويل له ماله  
يقول يمين الكفر (كتاب الفصل في الملل والفعل جلد ۳ ص ۲۵)۔

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے لوگوں کی ان کے اقوال سے نتائج اور لوازم نکال کر تکفیر کی ہے۔ اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ وہ قدر مقابل پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اور اس کی صرف ایسی بات منسوب کرتا ہے۔ جو اس نے نہیں کی۔ اور اگر اس سے وہ بات لازم بھی آئے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تناقض ثابت ہوگا اور تناقض کفر نہیں ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ کفر سے دور بھاگ گیا۔

اور خود مختار مدعیہ نے بھی اپنے مکررین کو جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

”تکفیر مراحث کی بنا پر ہے۔ لزوم میں تکفیر خانی صاحب (بریلوی) کے نزدیک بھی نہیں ہو سکتی۔“

الطین اللزب ص ۳ مصنف مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ص ۲

اور اس کتاب کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور بعض محال مان بھی لیں کہ وہ کفریات بطریق کنایہ یا لزوم ان عبارات سے ثابت بھی ہوتے ہیں تو گفتگو اس میں ہے کہ خلاف صاحب لزوم اور کنایہ پر بھی کفر کا فتویٰ ہو گیا ہے۔

اور لکھتے ہیں :

اور اگر وہ عبارات جن کی مراحث کا دعویٰ کیا ہے نہ دکھاسکیں تو اس مضمون ہی کو دوسری عبارت صحیحہ میں دکھا دیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو ان مضامین کو بطریق لزوم ہی ثابت کر دیں گے لزوم مثبت تکفیر نہیں (تذکیر انخواطر ص ۱۱ مصنف مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ص ۲)۔



اور ص ۱۵ پر لکھتے ہیں۔

”تکفیر تو ان امور کی تصریح اور صراحت پر موقوف ہے اور صراحت بھی کسی جس میں جانب مخالف ضعیف کا احتمال بھی نہ ہو۔ حالانکہ جن عبارات کو کتب مذکورہ سے خاں صاحب نے نقل فرمایا ہے ان عبارات میں ان معانی کا ضعیف سے ضعیف بھی احتمال نہیں۔ اور اگر مصنفین کے حالات اور سیاق و سباق کلام کے مقدم و مؤخر کو دیکھا جائے۔ تو ان معانی کفریہ کی تو بھی نہیں بلکہ خلاف کی تصریح۔ پھر یہ تکفیر بے جا درگناہ کبیرہ اور جہل و نادانیت ہو اے نفس۔ حُب جاہ۔ عداوت اسلام وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ص ۱۵ پر لکھتے ہیں :

”اگر مضامین کفریہ صراحتاً تو نہ ہوں۔ مگر احتمال اور لزوم کے طور پر یہوں تب ایسی صورت میں قاضی مفتی کو تکفیر حرام دانا جائز ہے۔ جب تک کہ قائل کی مراد معلوم نہ ہو جائے۔ کہ اس نے معنی کفریہ ہی مراد لیے ہیں۔“

پس مختار مدعیہ کا یہ کہہ کر کہ انہ اُقوال سے یہ امور لازم آتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر ناجب کہ ان اُقوال میں معانی کفریہ کی تو بھی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ مصنف کے حالات اور ان کتب کے مطالعہ اور ان عبارات کے سیاق اور سباق سے اس کے خلاف صراحت سے ثابت ہوتا ہے۔ تکفیر بے جا۔ اور گناہ کبیرہ اور جہل و نادانیت۔ ہو اے نفس۔ حُب جاہ۔ عداوت اسلام۔ وغیرہ وغیرہ نہیں تو اور کیا ہیں۔ مختار مدعیہ حضور مسیح موعود علیہ السلام کی کسی کتاب سے قیامت تک یہ نہیں دکھا سکتے کہ آپ نے قیامت سے انکار کیا ہے یا پل صراط یا بعث بعد الموت یا دیگر امور آخرت سے انکار کیا ہے۔ یا اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دی ہو یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کیا ہو۔ پس قائل کی منشاء کے خلاف اس کے قول کا مفہوم لے کر تکفیر کرنا سوائے ان لوگوں کے جو تکفیر کے عادی ہیں اور اسلام کے دشمن ہیں کسی ایماندار شخص کا کام نہیں۔

### توہین صحابہ کا الزام اور اس کا جواب

مختار مدعیہ نے صحابہ کے توہین کی ایک وجہ یہ بھی فرار دی ہے۔ کہ آپ نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا ہے کہ جو شخص میری جماعت میں داخل ہوا۔ وہ درحقیقت میرے سردار و خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا یعنی غیر صحابہ کو صحابہ کے ساتھ شریک کر دینا یہ صحابہ کی سخت توہین ہے لیکن اکابر بزرگان اسلام نے امام ہمدی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بروز مانا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت تھی جو آدم علیہ السلام میں جلوہ گر ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی روحانیت بصورت حضرت ہمدی ظاہر ہو گئی پس اسی روحانیت اور بروزیت کے لحاظ سے ہمدی کے اصحاب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں داخل ہونے والا کہنا صحابہ کی توہین کا موجب کیوں ہو گا صحابہ میں داخل ہونے کا تو یہی مطلب ہے کہ انہیں بعض امور میں صحابہ سے شائبہ حاصل ہو گئی تھی اس سے

توہین کا کیا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء امتی کا نبیاری بنی اسرائیل فرما کر علماء امت کو انبیائے بنی اسرائیل کا شبیہ و شبیل قرار دیا ہے کیا اس سے انبیاء بنی اسرائیل کی کوئی توہین ہوگی۔ اگر نہیں تو کسی کے شبیل و شبیہ صحابہ ہونے سے صحابہ کی توہین کیا معنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی امت کے دو گروہوں کے لیے کہ ایک ان میں وہ ہے جس میں خود حضور بنفس نفیس تشریف فرما تھے۔ اور ایک وہ جو آخری زمانہ میں ہونے والا تھا۔ یہ فرمایا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے۔ لایدری ادلہ خیراً ام آخرہ، مشکوٰۃ ص ۵۸۳ جس کے متعلق ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری تو کیا مختار مدعیہ یہ فتویٰ نکلے گا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے آخری گروہ کو صحابہ کے ساتھ اتنا ہم رنگ قرار دے کر کہ گویا ایک ہی ٹھہر کر یہاں تک فرما دیا کہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون بہتر ہے اور کون نہیں ہے یعنی دونوں ہی بہتر ہیں۔ اپنے اصحاب کی توہین کی ہے اور غیر صحابہ کو صحابہ سے ملا دیا ہے جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفر و ارتداد ہے استغفر اللہ والاحول والاقوۃ الی اللہ ابد ہے کہ اب مختار مدعیہ نے جس امر پر اعتراض کیا ہے وہ صحابہ کی توہین سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن اگر اب بھی کچھ کسر باقی رہ گئی ہو تو پھر اس کو دیوبندیوں کے شیخ الہند مولوی محمود حسن صاحب خلیفہ مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ کا یہ شعر دیکھ لینا چاہیے جو انہوں نے اپنے پیرو مرشد مولوی رشید احمد صاحب کی وفات پر لکھا ہے

زبان پر اہل اہمو کی ہے کیوں اعلیٰ جہل شاید  
اٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

پس جب مولوی رشید احمد کو سید الاولین والآخرین افضل المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی کہنے سے مختار مدعیہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک نہیں ہوتی۔ تو امت محمدیہ میں سے کسی کے شبیل صحابہ ہونے سے ہتک کے کیا معنی۔

## اہل بیت کی توہین

مختار مدعیہ نے ایک الزام حضرت مسیح موعود پر توہین اہل بیت کا لگایا ہے اور کہا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ میرے اہل بیت کی کشتی نوح کی مثال ہے لیکن چونکہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیم کو کشتی نوح قرار دیا ہے۔ لہذا اہل بیت کی توہین ہو گئی۔ یہ ایسی بات ہے کہ جس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم جس کو آپ نے کشتی نوح قرار دیا ہے وہ یہی تعلیم ہے کہ ”نوع انسان کے لیے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لیے کوئی رسول اور شفیع نہیں۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کو شش کو دو کہ تم سچی محنت اس جاہ و جلال کے نبی کے ساتھ رکھو۔ اور اس کے غیر کو اس پر کشتی نوح کی برائی مت

دو۔ تا تم آسمان پر بجات یافتہ لکھے جاؤ (کشتی نوح ص ۳)

اگر اس تعلیم کو حکم خداوندی کشتی نوح قرار دینے سے اہل بیت کی توہین لازم آتی ہے تو اہل بیت کو کشتی نوح قرار دینے سے اصل کشتی نوح کی ضرورت توہین لازم آئے گی پس مختار مدعیہ کے طرزا استدلال سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ فتویٰ کہاں جا کر لگتا ہے۔

## امام حسین کی توہین

ایک اعتراض مختار مدعیہ نے یہ کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب اعجاز احمدی میں امام حسین کی توہین کی ہے اور ان پر اپنے آپ کو فضیلت دی ہے اور یہ امر امام حسین کی توہین کا موجب ہے یاد رہے کہ اعجاز احمدی میں ان غالی شیعوں سے خطاب ہے جو مشرکوں کی طرح امام حسین سے مرادیں مانگتے اور ان کو تمام مخلوق کا سردار تمام انبیاء سے افضل اور سب کا شفیع اور مہی ٹھہراتے ہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کی شفاعت کا محتاج بتاتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہو اس کو موجب توہین قرار دینا درست نہیں کیوں کہ ایسے موقعوں پر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ بغرض توہین نہیں ہوتا۔ بلکہ بغرض اصلاح عقائد مخاطب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسۃ العلوم دیوبند ہدینۃ الشیعہ ص ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ ”اہل ہند جو تمام ولایتوں کے لوگوں کے نامزدہ بن میں امام ہیں۔ ان میں کوئی بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے پیٹی نہیں دیتا۔ جیسا کہ حضرت امیر (حضرت علی) نے اپنی بیٹی کو حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیا آپ بھی دیکھتے رہے اور صاحبزادے بھی۔ پھر صاحبزادوں میں بھی ایک وہ ہتھے جنہوں نے تیس ہزار فوج تتر کا مقابلہ کیا۔ پس اگر حضرت اقدس کا غالی شیعوں کے مقابلہ میں کچھ لکھنا حضرت امام حسین کی توہین کا موجب ہے تو محمد قاسم بانی مدرسۃ العلوم دیوبند کا وہ لکھنا جو ابھی نقل کیا گیا ہے نہ صرف حضرت امام حسین علیہ السلام بلکہ ان کی ہمیشہ رضی اللہ عنہا اور بڑے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام پھر والد ماجد امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بھی ہتک اور توہین کا موجب ہو گا۔ اور یہ توہین اس توہین سے جس پر مختار مدعیہ معترف ہے بچ گونہ زیادہ ہوگی۔ اور اگر مولانا محمد قاسم کا لکھنا موجب توہین نہیں ہے تو حضرت اقدس کا لکھنا موجب توہین کیوں رہا فضیلت کا اعتراض تو ایک کی فضیلت سے دوسرے کی توہین کا نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں۔ بعض انبیاء کی بعض دوسرے انبیاء پر فضیلت مسلمہ فریقین ہے لیکن ان دوسرے انبیاء کی اس سے کوئی توہین اور ہتک نہیں ہونی چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء سے عموماً اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے خصوصاً افضل ہونا مسلم ہے لیکن کیا اس سے تمام انبیاء اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی ہتک ہو جاتی ہے۔ امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے تو کیا اس سے تمام امتوں کی توہین ہو گئی ہو گز نہیں اور امام مہدی کے متعلق تو تمام اکابر۔

علماء صلی وا دیائے امت نے تسلیم کیا ہے کہ وہ صحابہ بلکہ بعض انبیاء سے بھی افضل ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خان نے حج المکرّمہ ص ۳۸۶ میں امام محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے اور شرح قصص الحکم میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہمدی جو آخر زمانہ میں آئیں گے وہ احکام شرعیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں گے اور معارف اور علوم اور حقیقت کے علم میں تمام انبیاء و اولیاء اس کے تابع ہیں۔ کیونکہ اس کا باطن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن بزرگا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بیان گواہ مدعا علیہ۔ پس اگر کلام ہو سکتا ہے تو اس امر میں شک کہ وہ ہمدی کون ہے نہ اس میں کہ اس کا امت محمدیہ کے بزرگوں میں دوسروں سے افضل ہونا۔ ان دوسروں کی ہتک کا موجب ہے کیونکہ اُس کے افضل ہونے کو نوا کا بر صلی وا دیائے امت نے تسلیم کیا ہے اور اس کے دوسروں سے افضل ہونے سے دوسروں کی ہتک کا خیال باطل ہے خلاصہ یہ کہ حضرت اقدس نے اعجاز احمدی میں جو کچھ لکھا ہے وہ بغرض تو بین ہرگز نہیں۔ بلکہ بلحاظ حمایت حق اور تائید توحید ہے اسی وجہ سے حضور نے اعجاز احمدی ص ۳۸ میں فرمایا ہے جس کو مختار مدعیہ نے پیش کیا ہے ”کہ میں نے اس قصیدہ میں جو امام حسین کے متعلق لکھا ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت بیان کیا ہے یہ انسانی کارروائی نہیں خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاموں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؑ جیسے یا حضرت عیسیٰ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعدہ من عاد و لیا لی دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔ پس مبارک وہ جو آسمان کے مصالح کو سمجھتا ہے اور خدائی حکمت عملیوں پر غور کرتا ہے“

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ کلام تو بتائید توحید اور بتائید امر حق لکھا گیا ہے۔ قابل اعتراض نہیں ہے جیسا کہ مولوی محمد قاسم صاحب ہدایت الشیعہ ص ۳۴۶ میں لکھتے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام کا پچھڑے کے پوچنے کے مقدّمے میں بے قصور ہونا کلام اللہ سے ثابت ہے اور پھر بایں ہمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ان پر غصے ہونا یہاں تک حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال گھینچنے تک نوبت آئی تو خود کلام اللہ میں ہی موجود ہے سو جب حضرت ہارون تو ہوں بے قصور کہ وہ بے قصور تھے ہی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یوں کچھ کہہ نہیں سکتے کہ وہ اپنے عند یہ میں بے جا غصے نہیں ہوئے تھے بلکہ بایں نظر کہ ان کے بڑے بھائی پر غصے ہونے کا کوئی منصب نہیں تھا۔ مگر خدا واسطہ کی بات نہ ہوتی تو حضرت ہارون ان کا خون بھی کر دیتے تو دم نہ مارتے ہدایت الشیعہ ص ۳۴۶۔

پس اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصود ان لوگوں کے مقابلہ میں جو حضرت امام حسین کو منجی اور شفیع قرار دیتے ہیں کہ شرک تک نوبت پوچھتے ہیں اور انہیں تمام انبیاء سے افضل ٹھہراتے ہیں بتائید توحید اور بتائید حق ہے نہ بغرض تو بین ورنہ حضرت اقدس حضور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ۵

جان و دلم فدائے جمال محمد است      خاکم نثار کو چہ آل محمد است

اور اسی طرح اعجاز احمدی میں ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے آپ نے حضرت امام حسین کے متعلق راستباز اور رضی اللہ عنہ کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں اور اسی طرح ائمہ کمالات اسلام ص ۳۲ پر آپ فرماتے ہیں۔

”اور اسی طرح علما کی عادت رہی اور ایسے سعیدان میں سے بہت ہی کم نکلے جنہوں نے مقبولان با نگاہ الہی کو دقت پر قبول کر لیا۔ امام کا مل حسین رضی اللہ عنہ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک یہی سیرت اور خصلت ان ظاہر پرست مدعیان علم کی جلی آئی کہ انہوں نے دقت پر کسی سرود خدا کو قبول نہیں کیا۔“

پس اعجاز احمدی میں حضرت اقدس نے جو کلام کیا ہے وہ ان شیعوں کے مقابلہ میں ہے جو امام حسین کو انبیاء سے بڑھ کر اور تمام مخلوقات سے افضل بتاتے ہیں اور ایسے رنگ میں ہے جس رنگ میں کہ مولوی محمد قاسم صاحب اور دیگر علماء نے بھی ان کے متعلق کلام کیا ہے۔ اسی طرح ”صدحین است در گریبانم“ سے امام حسین کی کوئی تو بہن لازم نہیں آتی۔ بلکہ اس میں دشمنوں کی ایذا رسانی کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح کہ بلا میں یزید کے شکاروں نے حضرت امام حسین پر ظلم کیا تھا اور سخت ایذا پہنچائی تھی اسی طرح آج میں اپنے آپ کو ہر آن کر بلا میں پاتا ہوں یعنی میرے دشمن میرے لیے مصائب کا نیا شاخسانہ کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ پس ان دشمنوں کی ہر روز نئی ایذا و رسالہ تادیبوں کے مقابلہ میں گویا میں ان کے لیے ہر روز ایک نیا حسین ہوتا ہوں اور اس شعر کے ایک یہ معنی بھی ہیں کہ میری جماعت کے بہت سے افراد مصائب و آلام کا نشانہ بنائے جائیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح مظلومانہ حالت میں قتل کئے جائیں گے۔ پس اس شعر میں تو بہن کیسی۔ اس میں تو امام حسین کی عظمت کا اظہار ہے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کی نظر میں حضرت امام حسین اور آپ کے واقعہ شہادت کی عظمت نہ ہوتی تو آپ اپنی اس مصیبت اور شدت کے ظاہر فرمانے کے لیے جو قوم کی طرف سے آپ کو پہنچی۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مثال کیوں دیتے۔ صدحین است در گریبانم کا ایک یہ بھی مطلب ہے کہ قوم کی مخالفت اور یورش نے ایسی شدت اختیار کر لی ہے کہ میں صدحین است در گریبانم کا مصداق ہو رہا ہوں اور یزیدی الطبع مخلوق نے مجھ پر اس طرح حملہ کیا ہے کہ جس طرح میرے گریبان میں سو حسین ہیں۔ جن کے ایذا دینے اور قتل کرنے کے لیے وہ آمادہ ہیں۔ اور واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ازالہ ادہام حاشیہ ص ۶۱ و ص ۶۲ میں تحریر فرمایا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کا مظلومانہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور فرماتے ہیں حضور امام مظلوم حسین رضی اللہ عنہ کا درد ناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشگوئی اسلام کی طرز میں حدیث نبوی میں خبر دی گئی ہے اس کی عظمت و وقعت دلوں میں بیٹھ جائے۔ ازالہ ادہام حاشیہ ص ۶۱ اور پھر آپ امام موصوف کے لیے فرماتے ہیں۔

در بلا شبہ وہ سرداران بہشت میں سے ہے اور ایک ذرہ گیمہ رکھنا اس سے موجب سلب ایمان ہے اور اس امام کے تقویٰ اور محبت الہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتداء کرتے ہیں جو اس کو ملی تھی، (البلیغ ص: ۳۰۲) کیا جس کی تحقیر و تذلیل و ہتک و توہین منظور ہو اس کے متعلق یہ کہا جا

ہو سکتا ہے کہ اس کے حالات ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں اور ہم اس معصوم کی ہدایت کی اقتدار کریں گے

### اولیاء کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ ذیل شعر

تکون ماہ السابقین وعیننا  
إلى آخره لا یامرہ تنکدس

سے تمام ادبیار کے متعلق کہا ہے کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر وغیرہ کے چشمے خشک ہو گئے اور اس میں اجمالی طور سے تمام ادویا کی توہین کی ہے۔

اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ مختار مدعیہ کے نزدیک پہلے ادیان جیسے دین موسوی اور دین ابراہیمی وغیرہ دین اسلامی سے منسوب ہو گئے تو گو یا دین اسلام نے ان سب کی توہین کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام رسولوں سے افضل ہیں اس لیے گویا آپ نے تمام انبیاء کی توہین کی ہے۔ اگر مختار مدعیہ کی طرز استدلال اختیار کی جائے تو دنیا کا نہ کوئی ولی ایسا ہو سکتا ہے نہ نبی اور رسول۔ جسے دوسروں کی توہین کا مرتکب نہ ماننا پڑے۔ کیونکہ اگر حضرت اقدس کے مندرجہ بالا شعر سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور دوسرے ادبیار کی توہین لازم آتی ہے تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شعر

افلت شمع اولین وشمسنا  
ابداعلیٰ افق العلیٰ لا تخرب

سے ادبیار سابق کی توہین لازم آئے گی کیونکہ اس شعر کے معنی یہ ہیں۔

کہ پہلوں کے تو سورج غروب ہو گئے۔ لیکن ہمارا سورج بندھ کر افق پر چمکتا ہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔ اب اس شعر میں اولین کا لفظ ہے جو ان تمام لوگوں پر اطلاق پاتا ہے جو پہلے گذر چکے ہیں جن میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دوسرے ادبیار بلکہ پہلے انبیاء بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ تو کیا مختار مدعیہ اس شعر کی عمومیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر ادبیاء کی توہین کا مرتکب مان کر کافر و مرتد قرار دے گا۔ اسی طرح حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ

قد می هذا علی رقبۃ کل ولی  
(مقامات احمد ربانی)

کہ میرا قدم ہر ایک ولی کی گردن پر ہے۔ لفظ کل میں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور دیگر تمام ادبیار شامل ہیں۔ کیا مختار مدعیہ یہاں بھی عمومیت کو لے کر حضرت سید عبدالقادر جیلانی کو کافر و مرتد قرار دے گا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں کافر و مرتد قرار نہیں دے گا۔ تو کیا وجہ ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر میں اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو انہیں موجب توہین گردان کر کفر و ارتداد کا فتویٰ دیا جاتا ہے حضرت مسیح موعود کے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ

پہلے اولیاء و غیرہ نے جو طرق نکالے تھے وہ سب طرق اب بند کئے گئے ہیں اب کوئی شخص ان طرق کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب تک کہ وہ میرا طریق اختیار نہ کرے جو طریقہ مرے سید و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس کے اس قول پر بھی اعتراض کیا ہے کہ غرض اس حصہ کثیر و جی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا، "حقیقۃً لوجی ص ۳۹" اور اس قول کو بھی موجب توہین قرار دیا ہے۔ حالانکہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ اور صحیح العقل انسان اس کو موجب توہین نہیں کہہ سکتا۔ اس عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں پایا جاتا جس سے پہلے ابدال۔ اقطاب اور اولیاء کی توہین ہوتی ہو۔ اس قسم کے بے سرو پا اعتراضوں سے یہ ظاہر ہونے کے سوا کہ مقرر صاحب اعتراض کر دینا جانتے ہیں اور ان کو اعتراض کرنے کا بہت اشتوق ہے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بہت بڑا نقصان ہے کیونکہ مختار مدعیہ کے اس مسلک کو غلطی سے کوئی درست سمجھ لے تو پھر بڑی مشکل پیش آئے گی اور بڑوں بڑوں تک نو بہت پہنچے گی اور ان کو مقدسین سابقین کا اہانت کرنے والا ماننا پڑے گا مثلاً امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی جو تمام دیوبندی علماء کے مسلمہ مقتدا و پیشوا ہیں اور جن کے سامنے حضرات دیوبند کو دم مارنے کی بھی جرات نہیں ہو سکتی فرماتے ہیں :

گرم صدی کے سر پر ایک مجدد آتا رہا۔ لیکن اس صدی کا مجدد اور ہے اور ایک ہزار کا مجدد اور ہے جیسے ایک سو اور ہزار میں فرق ہے۔ ایسے ہی پہلی صدی کے مجدد ہیں اور ایک ہزار کے مجدد ہیں۔ بلکہ اس بھی زیادہ (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۱۴)

اب جو مختار مدعیہ کے مسلک کو صحیح سمجھ لیں انہیں امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنے سے پہلے تمام مجددین کی ہتک کرنے والا ماننا پڑے گا۔ سبحان اللہ یہ خوب مسلک ہے جس کی بنا پر حضرت مجدد الف ثانی جیسے بزرگ وار بھی توہین بزرگاں کرنے والے ٹھہرتے ہیں۔

## اے بد ذات فرقہ مولویاں

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس فقرہ کو کہ اے بد ذات فرقہ مولویاں تمام اولیاء کی توہین کا موجب قرار دیا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی جگہ بھی شریف علماء کو جو دشنام دہی اور سب و شتم و غیرہ یہودیہ یا نہ خصلتوں کے ظاہر کرنے سے اجتناب کرتے ہیں کبھی ایسے الفاظ کا مصداق نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ آپ نے اپنی متعدد کتب میں اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ ہمارے بعض سخت الفاظ کے مصداق محض دہی مولوی ہیں جنہوں نے شرارت اور خیانت کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور وہ دہی مولوی ہیں جن کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جب اسلام کا نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف ان میں صرف رسمی طور پر ہوگا مسجدیں تو بہت بڑی بڑی

ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان نام کے مسلمانوں کے جو مولوی ہوں گے وہ بدترین مخلوقات ہوں گے اور وہی تمام فتنوں کی جڑ ہوں گے انہیں میں سے فتنہ نکلے گا۔ اور اس کا نقصان انہیں پر لوٹے گا اور یہ وہی علماء ہیں جن کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب بھی فرمایا ہے کہ اگر تو یہود کا نمونہ دیکھنا چاہے تو اس زمانہ کے مولویوں کو دیکھ (الغور الکبیر ص ۱۳۱)

پس ایسے یہودی سیرت مولوی جنہوں نے حضرت یحییٰ موعود علیہ السلام کی سخت مخالفت کی اور آپ کے حق میں زبان درازی انتہا تک پہنچا دی۔ اور فحش مضمون کے اشتہارات نکالے جو کسی شریف انسان کی زبان اور قلم سے صادر نہیں ہو سکتے تھے اور یہ مولوی لوگ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے مصداق ہو گئے تھے جس میں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ یہود کے قدم بقدم چلیں گے۔ پس جس طرح مسیح موسوی علیہ السلام نے اپنے زمانہ کے مولویوں اور فقیہوں کے دل آزار رویہ کو دیکھ کر انہیں سانپ بلکہ سانپوں کے بچے اور منافق اور ریاکار اور حرام کار اور شریر اور بدکار وغیرہ القاب سے ملقب کیا۔ اور ان پر لعنتیں بھیجیں۔ جس کا ذکر قرآن شریف ان الفاظ میں فرماتا ہے (لَعْنُ الدِّينِ كَعَنْدَ امِيٍّ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ) اسی طرح حضرت مسیح محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی قسم کے خبیث فطرت۔ محسوس القلب اور سیاہ باطن مولویوں کے حق میں نہ کہ شریف الطبع مولویوں کے حق میں یہ الفاظ استعمال فرمائے :

”اے بد ذات فرقہ مولویاں تم کب تک حق کو چھپاؤ گے۔ کب وہ وقت آئے گا کہ تم یہودیہ خصلت کو چھوڑ دو گے اے ظالم مولویو تم پر افسوس کہ تم نے جس بے ایمانی کا پیا لایا وہی عوام کا لالچام کو بھی پلایا (انجام آتھم حاشیہ ص ۱۱۱)

اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہاں خطاب مولوی محمد حسین بٹالوی اور اس کے ہم مشرب مولویوں کو ہے جنہوں نے اس جیسی خصلتوں کا اظہار کیا۔ نہ کہ ان لوگوں سے جنہوں نے مذکورہ لوگوں کی حرکات سے کوئی حصہ نہیں لیا۔ پس اعتراض کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ الفاظ انہیں مذکورۃ الصدرا صاحب سے مخصوص ہیں۔ سب کے لیے نہیں۔ اگر کوئی ان حرکات شنیعہ کا مرتکب نہیں۔ تو اس کو ان الفاظ کا مخاطب سمجھنا یا قرار دینا غلط ہے۔ اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہے تو جو کچھ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے وہ اس کا مستحق ہے۔ پس اعتراض فضول ہے اور اگر مولویوں کی بدزبانی کا نمونہ دیکھنا ہو تو میں عدالت کے سامنے کشف الغطاء ص ۱۹ دکھاتا ہوں اور نیز کتاب البریہ میں ان کی بدزبانوں کا کچھ نمونہ دیا گیا ہے۔

پھر مختار مدعیہ نے حضرت اقدس علیہ السلام کے کفر و تہاد کی ایک وجہ یہ بھی قرار دی ہے کہ آپ نے امت کو گایا دی ہیں۔ اور اس اپنے اس زعم باطل کو ثابت کرنے کے لیے نغم الہدیٰ کا ایک شعر پیش کیا ہے اور آئینہ کمالات اسلام میں سے ذریعۃ البغایا کے الفاظ نقل کیے ہیں شعر کے الفاظ یہ ہیں۔



جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالکل ایسا ہی دیکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

رأيت في المنام كأن في حجر عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها وأنا ارضع ثديها الايمن  
ثم اخبرجت ثديها الايسر فوضعتہ فدخل رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا عائشة  
هذا دلالة نأخفاً (قلادۃ الجواهر فی مناقب شیخ عبد القادر ص ۷۱)

یعنی میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہ ام المومنین کی گود میں ہوں اور میں ان کی دائیں پستان چوس رہا ہوں پھر انہوں نے اپنی بائیں پستان نکالی۔ تو میں نے وہ بھی چوسی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو فرمایا کہ اے عائشہ یہ بہا رہی بچہ ہے۔

پس کیا مختار مدعیہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پر بھی یہ الزام لگا کر کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توہین کی ہے کفر و ارتداد کا فتویٰ دے گا۔ شاید مختار مدعیہ کہے کہ یہ واقعہ تو حضرت عائشہ کے متعلق ہے اور ہم حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر کر رہے ہیں۔ تو اگرچہ یہ کہنا قابل التفات سمجھے جانے کے لائق نہ ہوگا۔ تاہم اسی طبیعت کی رعایت سے ہم ایک مثال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی پیش کیے دیتے ہیں اور وہ مثال بھی مولوی محمد علی گابری کے پیر و مرشد کے کشف کی ہے جن کا نام نامی مولوی محمد علی صاحب نے جو دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و رہنما ہیں اپنی کتاب ارشاد رحمانی و فضل رحمانی میں اس طرح لکھا ہے۔

”حضرت فادۃ الکملار واسوۃ الفضلار ہادی مراحل شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت و

معرفت مبطل رجال کرام و مرجع خواص و عوام و قطب دوراں و غوث زمان مرشدنا و مولانا افضل

الرحمن صاحب و امت برکاتہم و ظلت فیوضاتہ“

اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب یہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے گئے۔

”کہ ہمارے گھر میں مجھے جاتے ہوئے شرم آئی اس لیے تامل کیا حضرت نے مکرر فرمایا جاؤ ہم کہتے

ہیں۔ میں گیا اور حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف رکھتی تھیں۔ آپ نے سینہ مبارک بالکل کھول کر

مجھے سینہ سے لگا لیا“ (ارشاد رحمانی ص ۵۸)

مختار مدعیہ کے ان اعتراضوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس کو بزرگان اسلام کے حالات سے قطعاً ناواقف

اور تعلیم اسلام سے بالکل بے گانگی ہے اور اس کا جو کچھ کہنا ہے وہ اسی ناواقف کی وجہ سے ہے۔ اور یا وہ بزرگان اسلام

سے بھی صاف نہیں ہے۔ جو حالت حضرت اقدس نے بیان کی ہے۔ وہ حالت کشف کی ہے۔ اور کشف کی حالت سے

کسی کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ پھر حضرت مسیح موعود نے تو یہ لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مادر مہربان کی طرح

میرا سراپہ زانو پر رکھ لیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ میں بجائے ان کے فرزند کے ہوں۔ اور مجھے مناسبت ہے حضرت حسین

ان العداء صاروا لخنزیر الفلا ولساء هم من دونهم الا کلب

یعنی دشمن ہمارے بیا بانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی خورتیں کتبیوں سے بڑھ گئی ہیں

نخار مدعیہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نے تمام امت کے لوگوں کو جنگی خنزیر کہا ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے جس کا پہلے بھی کئی مرتبہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی تحریریں صرف انہی لوگوں کے حق میں ہیں جنہوں نے ازراہ منارات آپ کے حق میں طعن و تشنیع اور دشنام دہی کی ہے اور کتوں اور خنزیروں کی صفات دکھائی ہیں۔ نہ کہ ہر ایک شریف اور قوم کے خواص لوگوں کے لیے۔ چنانچہ اس شعر میں لفظ خدا خود بتلاتا ہے کہ مراد آپ کے وہ دشمن لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے حق میں بدزبانی کی اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے مختلف بلا دیں آپ کے سپا پے کئے۔ اور رقم قسم کی گالیاں دیں۔ اگر مختار مدعیہ کا مقصد عدالت کو مغالطہ دینا نہیں یا لفظ خدا سے وہ اس مفہوم کو سمجھ نہیں سکتا تھا تو اس کے بعد کا شعر اس مفہوم کی بالکل وضاحت کر رہا تھا اور وہ یہ ہے

سبوا دما ادری لای جریمۃ سبوا النعمی الحب و انتجتب (ص)

یعنی انہوں نے گالیاں دیں اور یس نہیں جانتا کہ کیوں دیں کیا ہم اس درست کی مخالفت کریں۔ یا کنار کریں۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ یہاں پر دشمنوں سے مراد بھی وہ دشمن تھے جنہوں نے ناحق آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے حق میں سخت نازیبا الفاظ استعمال کئے اور وہ وہی لوگ ہیں جو مولوی کہلانے والے ہیں جنہوں نے آپ کے حق میں اور آپ کے مخالف نہایت گندے اور مکروہ الفاظ استعمال کیے تھے اور انہی لوگوں کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشکونی موجود تھی جس میں آپ نے فرمایا :

تكون في امتي فرقة فيصير الناس الى علماء هم فاذ اهتم فتردة و خنازير

کنز العمال جلد ۱ ص ۱۹

یعنی میری امت میں ایک ایسا حادثہ ہوگا جس سے امت میں گھبراہٹ پیدا ہوگی تو لوگ اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے مولویوں کے پاس جانے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حادثہ ایسا ہوگا جو دین سے تعلق رکھتا ہے یعنی اسلام پر قسم قسم کے اعتراض پیدا ہوں گے۔ لوگ ان اعتراضوں کا جواب معلوم کرنے کے لیے اپنے مولویوں کے پاس جائیں گے تو جب مولویوں کے پاس جائیں گے تو انہیں بند را اور سور پائیں گے۔ بند را تو اس لیے کہ وہ دوسروں کی نقل کا عادی ہوتا ہے اسی طرح اس وقت کے مولوی لکیر کے فقیر ہوں گے اور لکیر سوچے سمجھے پہلی نقول پر چلنے والے ہوں گے اور ان نقول پر جو اعتراض پیدا ہوں گے تو ان کے جواب میں صرف اتنا کہیں گے کہ جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے وہی صحیح ہے ہم کچھ نہیں سنتے۔ اور ان کے پاس آنے والے لوگ کہیں گے کہ پھر آپ کی ان روایات پر جو غیر مذاہب کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے اس کا ہم کیا جواب دیں۔ تو آگے سے کافر قرار دینا اور گالیاں دینا شروع کر دیں گے یعنی خنزیری مصفت

کا اظہار کریں گے۔ پس جی مولویوں کے متعلق اس حدیث میں بندر اور سور کا لفظ استعمال کیا گیا ہے انہی کے متعلق حضرت مرزا صاحب نے خنزیر کا لفظ استعمال کیا ہے اور اگر اظہار حقیقت گالی ہو سکتا ہے تو ماننا پڑے گا۔ کہ قرآن کریم نے بھی سب کافروں کو گالیاں دی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ایک کافر کی کتے سے مثال دے کر فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مَثَلُ الَّذِي كَذَّبَ بِآيَاتِ اللّٰهِ

کہ یہ مثال سب ان لوگوں کی ہے جنہوں نے خدا کی آیات کی تکذیب کی اور اسی طرح یہودیوں کے مولویوں کی گدھے سے مثال دی۔ کہ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے گدھا کتابیں اٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک جگہ کفار کے متعلق فرمایا کہ ہم بشر البریہ کہ وہ بدترین مخلوقات ہیں اور پھر صحر بکھر چکی ہلکڑیاں ہیں۔ بہرے گونگے اندھے فرمایا۔ پس جیسے یہ الفاظ اپنے اپنے محل پر چسپاں ہیں ویسے ہی حضرت مسیح موعود کے الفاظ انہیں مولویوں کے متعلق ہیں۔ جنہوں نے خنزیر پر سی صفات کا اظہار کیا اور ان کی انہیں عورتوں کے متعلق ہیں۔ کہ جنہوں نے جیاد شرم کو بالائے طاق رکھ کر گالیاں دینے میں کتوں کی سی صفات کا اظہار کیا ہے

## ذریۃ البغایا

ذریۃ البغایا کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں مفصل جواب دیا تھا۔ اور لغت کی رو سے یہ ثابت کیا تھا کہ اس کے معنی ان لوگوں کے ہیں۔ جو رشاد اور ہدایت سے محروم ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ عربی زبان میں مفسد و شریر کو یا حاسدوں کی کینگی ظاہر کرنے کے لیے بھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جیسا کہ یا بن الفاعلہ۔ زانیہ کے بیٹے یا بن الفاحشہ یا لولائیا ابن اللقیطہ وغیرہ کہہ دیتے ہیں جس سے مراد محض ان کی بدخصلتی کا اظہار ہوتا ہے چنانچہ متنبی کا شعر ہے۔

اتمکرو موقعہ طنا سہیل طلعت بموت اولاد الزناء

یعنی اے علی بن اسحاق آپ ان حاسدوں اور خلیفوں کی موت پر تعجب کرتے ہیں حالانکہ میں سہیل ستارہ ہوں جو ان حیوان سرشت بد باطنوں کی موت کے لیے طلوع ہوا ہوں۔

پس مخار مدعیہ نے ذریۃ البغایا کے جو معنی کئے ہیں۔ یہ معنی ضروری نہیں ہیں۔ ذریۃ کا لفظ صرف حقیقی اولاد کے معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوتا۔ بلکہ جو کسی قسم کا کام کرے تو اس سے پہلے جو اس قسم کا کام کرنے والے لوگ ہوں اُسے ان کی ذریۃ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں آتا ہے اَفْتَحْذٰنْہٗ ذٰلِیْہٖ اُولِیْکُمْ دُوْلَہٗ (کیا تم شیطان اور اس کی ذریۃ کو میرے سوا دوست پکڑتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تو ذریۃ شیطان ہے۔ تو اس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ شیطان والے کام کرتا ہے نہ کہ شیطان کے لفظ سے پیدا ہوا ہے

اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ گدھے کا بچہ ہے تو اس سے مراد اس کی بے وقوفی کا اظہار ہوتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سور کا بچہ ہے تو مقصود اس کی بدلیوں کا اعلان ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی ذریعہ البغایا سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو بغایا والا کام کرتے ہیں جس طرح ایک بدکار عورت اپنے اصلی خاوند کو چھوڑ کر غیر کی طرف رجوع کرتی ہے اسی طرح وہ شخص جو اسلام کی تائید میں لکھی ہوئی کتابوں سے منہ پھیر لیتا ہے اور دشمنوں کی تائید کرتا ہے اور اس شخص کو کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت دنیا پر ثابت کی اور اسلام کی ایک نمایاں خدمت انجام دی اس کو کافر اور دشمن اسلام قرار دیتا ہے اور اس کی ان کتابوں کو جن میں اسلام کی صداقت ظاہر کی گئی ہے بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اور اس کے مقابل میں عیسائیوں کی اور دیگر دشمنان اسلام کی تائید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کے حقیقی روحانی باپ ہیں۔ انہیں چھوڑ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضور پر فضیلت دیتا اور حضور کو چھوڑ کر ان کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہے۔ تو وہ بھی اس بدکار عورت کے مشابہ ہے۔ پس ایسے لوگوں کو استعاذۃ ذریعہ البغایا قرار دیا جانا بالکل درست ہے۔

حضرت میح موعود علیہ السلام نے جو کتابیں لکھی ہیں اور جن کتابوں کا ذریعہ البغایا کے الفاظ سے پہلے ذکر ہے۔ وہ براہین احمدیہ، سرسہ چشمہ آریہ، آئینہ کمالات اسلام وغیرہ ہیں۔ جن میں قرآن مجید کی حقانیت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہر ایک مسلمان ان کو بنظر استحسان دیکھتا ہے۔ اور یاد رہے کہ ذریعہ البغایا کا استعمال تمام مولویوں کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس سے خاص طور پر وہی مولوی مراد ہیں جو مخالفت میں پیش از پیش ہیں۔ جنہوں نے آپ کو ہر قسم کی گالیاں دی ہیں اور جنہوں نے تمام ان غیر احمدی شریف زادیوں کو جو احمدیوں کے گھروں میں تھیں۔ زانیہ اور ان کی اولادوں کے زنا کی اولاد ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور امام ابو حنیفہ بھی فرماتے ہیں۔

من شہد علیہا بالزنا فمؤولہ الزناء (کتاب الوصیہ ص ۳ مطبوعہ معین آباد)

یعنی جو حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے وہ خود مؤولہ الزناء ہے پس جب حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگانے والے کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤولہ الزناء کہنا جائز ہو تو ان مولویوں کو جنہوں نے ہزار ہا پاک باز صالحہ عورتوں کو اپنے فتویٰ کی رو سے زنا کی تہمت دی۔ اور ان کے نکاحوں کو فسخ قرار دیتے ہوئے ان کی اولاد کو زنا کی اولاد قرار دیا کیوں ذریعہ البغایا نہ کہا جائے۔

پس اگر ذریعہ البغایا کے استعمال کو ان معنوں میں کیا جاوے جیسا کہ امام ابو حنیفہ نے لیا ہے تو اس سے مراد صرف وہ فتویٰ دینے والے مولوی ہیں جو شریف زادیوں کو زانیہ قرار دیتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ اس کے مصلک تمام لوگ نہیں ہیں یہ ہے کہ حضرت اقدس نے آئینہ کمالات اسلام ہی میں فرمایا ہے۔

”عرض ایسے لوگ جو مولوی کہلاتے ہیں انصار دین کے دشمن اور یہودیوں کے قدم پر چل رہے ہیں۔ مگر



لیتے تھے۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا کہ وہ ذریتہ البغایا ہیں۔ اور وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ تمام مولویوں کے لیے جو اختلاف کو اختلاف کی حد تک رکھتے ہیں۔ کیمنگی اور زندگی نہیں دکھاتے ہیں۔ شریف الطبع اور اپنے طور پر نیک مزاج ہیں۔ حضرت اقدس نے یہ الفاظ ہرگز نہیں لکھے۔ جیسا کہ خود آپ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ اسی طرح مسیح نامہ صری نے بھی انجیل میں یہودی مولویوں کے متعلق فرمایا کہ نہ اپنے باپ ابراہیم کی اولاد پر ہو۔ انہوں نے کہا کہ کیا بھلا! باپ ابراہیم نہیں انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم ابراہیم کی اولاد ہوتے تو تم ابراہیم کے سے کام کرتے تمہارا باپ ابلیس ہے (یوحنا باب ۱)۔

## ازواجِ مطہرات کی توہین

مختار مدعیہ نے ازواجِ مطہرات کی توہین کی یہ وجہ قرار دی ہے کہ احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو ام المومنین کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں صرف آنحضرت صلعم کی بیبیاں ہی مومنوں کی مائیں قرار دی گئی ہیں اور کسی نبی کی بیوی ام المومنین قرار نہیں دی گئی۔

اگر قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کی بیبیاں مومنوں کی مائیں نہیں قرار دی گئی۔ ہیں تو قرآن مجید میں دوسرے نبی مومنوں کے باپ بھی قرار نہیں دیئے گئے ہیں اور قرآن میں ایسا ذکر کہیں نہیں ہے۔ لیکن کیا اس عدم ذکر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کے باپ نہ تھے۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ عقائد کی کتب میں لکھا ہوا موجود ہے۔ دہلی رسول اب لامنتہ (شرح عقائد نسفی)۔ یعنی ہر ایک رسول اپنی امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ تو یقیناً اس رشتہ کے لحاظ سے ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہوں گی اور ان کی بیویوں کا مومنوں کی مائیں کہلانا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے لیے موجب توہین نہیں ہے جس طرح دوسرے نبیوں کا ابو المومنین یعنی مومنوں کا باپ کہلانا آنحضرت صلعم کے لیے موجب توہین نہیں۔ پس مختار مدعیہ کا اعتراض غلط ہے۔

## حضرت فاطمہ الزہراء کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین کی ہے۔ اور توہین کی بنیاد یہ قرار دی ہے کہ آپ نے ایک کشف میں دیکھا کہ آپ کا سر حضرت فاطمہ کی ران پر رکھا ہوا ہے۔ مختار مدعیہ کی غرض صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جاوے جا اعتراض کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اپنی اس ہوائی کوپرا کرنے کے لیے وہ یہ بھی نہیں سوچتا کہ اگر کسی کے خواب یا کشف میں ایسا دیکھنے سے دوسرے کی توہین لازم آجایا کرتی ہے تو پھر امت کے دوسرے بزرگوں کو بھی توہین کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ جتنا قطب ربانی حضرت سید عبد القادر

علیہم السلام سے۔ لیکن مختار مدعیہ اس کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین بتلاتا ہے۔ اگر اس کا یہ کہنا صحیح ہے تو حضرت مولانا فضل الرحمن کی بابت وہ کیلکے گا۔ کیا یہی کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب سے بدرجہا زیادہ توہین اور ہتک اور تذلیل اور تحقیر کی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے مادرہر بان کی طرح جیسا کہ وہ بچوں کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ کا آپ کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لینا کھٹا ہے۔ لیکن حضرت مولانا فضل الرحمن کے کشف میں تو یہ بات نہیں ہے۔ پس مختار مدعیہ حضرت مولانا فضل الرحمن کو بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہتک کا سب سے بڑا مرتکب قرار دے کر کہ انہوں نے اپنے سینہ کو فاطمہ کے سینہ سے ملایا۔ کافر و مرتد قرار دیا گلیہ نتیجہ ہے حق کی مخالفت کا کہ جو اعتراض حضرت اقدس مسیح موعودؑ پر کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا یا بالکل وہی اعتراض دوسرے مقدموں پر بھی عائد ہوتا ہے۔

## بیت اللہ کی توہین

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعرے

زمین قادیان اب محترم ہے      ہجوم خلق سے ارض حرم ہے

سے بیت اللہ کی توہین نکالی ہے اور کہا ہے کہ قرآن مجید میں بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو بھی حرم قرار دیا ہے۔ اگر ہم کسی کو حرم قرار دیں گے تو یہ بیت اللہ کی توہین ہوگی اور مختار مدعیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے بجواب جرح یہ کہا ہے کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ مختار مدعیہ کے دیگر مخالفوں کی طرح یہ بھی ایک مخالف ہے۔ ورنہ گواہ مدعا علیہ نے جرح کے جواب میں ہرگز یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یہ تسلیم کیا تھا کہ شعر مذکورہ حضرت اقدس کا شعر ہے۔ مختار مدعیہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کو بار بار بگاڑ کر بیان کرتا ہے حضرت اقدس نے زمین قادیان کو ہجوم خلق کی وجہ سے ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی جس طرح لوگ محض دین کی خاطر حج کے لیے ارض حرم پر ہجوم کرتے ہیں۔ یہاں بھی ہجوم کرنا دین ہی کے لیے ہے۔ کیونکہ اعلائے دین حق۔ اسلام کی تجویزیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلام کی خوبیاں اور نبی کریم کے فضائل بیان ہوتے ہیں اور کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ دینے سے مشابہت کی توہین نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ مشابہت سے اس کی فضیلت اور برتری ثابت ہوا کرتی ہے۔ مختار مدعیہ کو ہر بات میں توہین ہی نظر آتی ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ایک امر بھی ایسا نہیں ہے جس کو اس نے موجب توہین قرار دیا ہو اور وہی یا اسی کی طرح کوئی اور امر اکابر اسلام یا اکابر دیوبند کی تحریروں میں نہ نکل آیا ہو۔ چنانچہ یہ امر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں رہا۔ مختار مدعیہ نے زمین قادیان کے ارض حرم سے تشبیہ دینے کو حرم کعبہ کی توہین قرار دیا ہے لیکن ایک مشہور شعر میں بزرگان اسلام نے دل کو کعبہ بلکہ سوزہ رکعبوں سے بھی بہتر بتایا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است      ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

اور بعض نے فرمایا ہے کہ تحقیق بیت اللہ تو دل ہی ہے۔ چنانچہ کتاب علم الکتاب میں لکھا ہے۔ دل متصف بارگاہی  
حق بر سبیل دوام بیت اللہ دیگر است و قبلہ توجہ سالکان بلکہ بیت اللہ تحقیق ہمیں است۔ چنانچہ ابن حدیث قدسی  
مشعر ازیں است۔ لا یسعی ارض ولا سماء و لکن یسعی قلب عبدی المؤمن (علم الکتاب ص ۱۱۴)

پس کیا مختار مدعیہ ان تمام اہل اللہ کو بھی یہی کہے گا کہ انہوں نے بیت اللہ کی توہین کی ہے اور اس وجہ سے یہ کافر  
و مرتد ہے۔ اور نیز جب اس کے نزدیک قرآن مجید میں صرف بیت اللہ کو حرم قرار دیا گیا تھا۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کو حرم قرار دینے سے بھی بیت اللہ کی توہین نکالے گا اور کیا مختار مدعیہ مولوی عبد الملک  
مشیر مال ریاست بہاولپور والد ماجد مولوی اختر علی صاحب فاضل آبادی کو بھی کافر و مرتد قرار دے گا۔ جنہوں نے جامع مسجد  
بہاول پور کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کو مسجد اقصیٰ کی مثال اور کعبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے دو شعر جو مسجد میں کندہ  
ہیں یہ ہیں۔

ہزار شکر کہ دست ہواد ہر مومن ! برائے زینت اس کعبہ گوہر افشاں شد  
فرشتہ گفت بچہ را ملک سن تعمیر مثال مسجد اقصیٰ بلند الیواں شد

اور کیا مختار مدعیہ ان لوگوں کو بھی جنہوں نے یہ مسجد تعمیر کی اور اس کام کو پسند کیا۔ اسلام کی صف سے نکال کر  
کفار و مرتدین کی صف میں کھرا کرے گا۔ یہ تو تھا حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود کا زمین قادیان کو بھوم خلق کی وجہ سے  
ارض حرم کے ساتھ تشبیہ دینا جس سے حضرت اقدس کے قلب مبارک میں ارض حرم کی وقعت و عظمت کی حالت بخوبی ظاہر  
ہوتی ہے کیونکہ مشر بہ تشبیہ افضل و برتر ہونا مسلمہ فطریق ہے حضرت اقدس کے لحاظ بھوم خلق زمین قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ  
دینے سے ارض حرم کی فوقیت و برتری ظاہر ہوئی۔ لیکن تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا و پیشوا اور شیخ الہند مولوی محمد  
صاحب نے یہی کچھ فرمایا ہے اور وہ نہ تو عموماً بیت کے ساتھ ارض حرم کے لیے فرمایا ہے اور نہ اس کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ  
دی ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ خاص بیت اللہ کے لیے فرمایا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے اور بیت اللہ کا جو درجہ قرار  
دیا ہے وہ اس شعر سے ظاہر ہے۔

پھرتے تھے کعبہ میں بھی بوچھٹے گنگوہ کار ستہ  
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

یعنی کعبہ میں فقہان عرفان کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے تھے

لا یسعی ارض ولا سماء و لکن یسعی قلب عبدی المؤمن



ان کو گنگوہہ کا رستہ پوچھنا پڑا تھا جو عرفان کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا۔ وہ گنگوہہ پہنچ کر حاصل کریں۔ کیونکہ کعبہ اگر آنحضرت صلیع کا مولد ہے تو گنگوہہ مولوی رشید احمد کا مولد و مسکن، یہ ہے نقطہ نظر دیوبندیوں کے شیخ الہند کا خاص بیت اللہ کے متعلق اور بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اب رہی مدینہ منورہ کی حالت۔ اس کے متعلق بھی یہی شیخ الہند صاحب فرماتے ہیں۔

تمہاری تربت انور کو بھی دے کر طور سے تشبیہ  
کہوں ہوں بار بار انی مری دیکھی بھی نادانی !

یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر آپ انی کہتے ہیں اور جب قبر کو طور سے تشبیہ دے کر انی کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آرزو میں کہا تھا تو تشبیہ دینے والے صاحب نے اس پیرایہ میں اپنے آپ کو کس سے تشبیہ دی۔ اور صاحب قبر کو کس سے نہایت صفائی سے ظاہر ہے۔ کہ کسی کی قبر کو طور سے تشبیہ دے کر انی کہنے والا اپنے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے اور صاحب قبر کو اللہ جل شانہ سے تشبیہ دے رہا ہے اور یہ مختار مدعیہ کے نزدیک سب کچھ جائز ہے نہ اس سے طور کی توہین لازم آتی ہے۔ نہ ہی حضرت موسیٰ کی نہ کعبہ کی نہ مدینہ منورہ کی۔ نہ رسول اللہ صلیع کی اور نہ اللہ تعالیٰ عز اسمہ کی۔ لیکن حضرت اقدس نے ارض قادیان کو ارض حرم سے تشبیہ دی اور اس کو عزت والی فرمادیا کیونکہ حرم عزت والی جگہ کو ہی کہتے ہیں تو اس سے بیت اللہ کی توہین لازم آگئی سبحان اللہ یہ ثوب لازم آتا ہے۔ اور حضرت اقدس کے الہام۔ من دخلہ کان آمناً سے جو مسجد مبارک قادیان کے متعلق ہے حرم بیت اللہ کی خصوصیات میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس کے متعلق حضرت اقدس نے صاف فرمادیا ہے کہ جو شخص بیت الذکر یعنی مسجد مبارک قادیان میں باخلاص و قصد تعبد و صحت نیت و حسن ایمان داخل ہوگا وہ سو خاتمہ سے امن میں آجاوے گا اور یہ وہ بات ہے کہ اس سے خصوصیات بیت اللہ میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے خصوصیات اسی کے ساتھ ہیں۔ اور مسجد مبارک کے متعلق بھی یہ فضل ظلی طور پر ہے مستقل طور پر نہیں۔ یعنی جب اسی قسم کی عبادت کے قصد سے جو بیت اللہ میں ہوتی ہے کوئی شخص بشرائط مذکورہ مسجد مبارک میں داخل ہوگا تو وہ سو خاتمہ سے امن میں آجاوے گا۔ کیا مختار مدعیہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ داخل ہونے پر سو خاتمہ سے امن میں آجانا بیت اللہ کے ساتھ ہی خصوصیت رکھتا ہے۔ مختار مدعیہ یہ کہہ نہیں سکتا۔ کیونکہ سو خاتمہ سے امن میں آنا بیت اللہ میں داخلہ کے ساتھ ہرگز مشروط نہیں۔ کہ وڑ در کوڑ بلکہ بے گنتی بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جن کو بیت اللہ میں داخلہ کا موقع نہ ملا ہوگا۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سو خاتمہ سے مامون اور محفوظ رہیں گے اور جب یہ ہے تو یہ امر بیت اللہ کے مخصوص نہ رہا بلکہ عام ہو گیا۔ اور جب عام ہو گیا۔ تو یہ اعتراض کہ جو امر بیت اللہ کے ساتھ خاص تھا۔ وہ دوسرے مقام کے لیے تسلیم کر کے اس کو بیت اللہ کی خصوصیت میں شریک کر دیا ہے خود بخود

## حج کی توہین

پھر مختار مدعیہ نے ایک الزام احمدیوں پر یہ لگا یا ہے کہ انہوں نے حج کی بھی توہین کی۔ کیونکہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ نے برکات خلافت میں لکھا ہے کہ ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ لہذا حج کی توہین ہوئی۔ مختار مدعیہ نے جو طرز استدلال کی ایجاد کی ہے اس کی رو سے اگر کوئی اپنے بیٹے کا نام محمد رکھے تو اس میں اسم محمد کی توہین لازم آجائے گی اگر کوئی کہہ دے کہ فلان شخص حضرت ابوبکر و عمر کی طرح تو اس سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی توہین لازم آجائے گی۔ چنانچہ تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد صاحب بریلوی کی ہر کے متعلق لکھا ہے۔

”سید احمد صاحب کی ہر جس پر اسمہ احمد لکھا ہوا تھا“۔۔۔۔۔ ہر نامہ اور مراسلہ کے خاتمہ پر سید صاحب کی مہر ثبت ہو کر تھی تھی (سوانح احمدی ص ۱۸)

۲۔ اور مولوی محمد اسماعیل صاحب کی ہر جس پر اذکرفی الکتاب اسماعیل کندہ تھا۔ (سوانح احمدی ص ۱۸)۔  
 ۳۔ آپ کے بڑے خلیفوں میں مولوی عبدالحی اور مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید ہیں یہ دونوں بزرگ بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح ہیں آپ کے خلعائے راشدین میں سے تھے (سوانح احمدی ص ۱۲)  
 ۴۔ سید احمد صاحب بریلوی فرماتے ہیں۔

”اور جن لوگوں نے مجھے زہر دیا وہ بھی حکمت سے خالی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی ذریعہ سے میرے جدا مجد

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مجھ پر جاری کر دیا۔ (سوانح احمدی ص ۱۸)

اب مختار مدعیہ کے طرز استدلال اختیار کرتے ہوئے مذکورہ بالا اقوال سے ماننا پڑتا ہے کہ سید احمد صاحب بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے جب کہ اپنی زہر خورانی کے واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زہر خورانی کے واقعہ سے تشبیہ دی۔ اور اپنی مہر پر اسمہ احمد کندہ کروا کر آیت اسمہ احمد کی توہین کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ اور مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید نے آیت اذکرفی الکتاب اسماعیل کی توہین کے علاوہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی توہین کی۔ اور مولوی عبدالحی اور مولوی اسماعیل صاحب شہید کو بمنزلہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر قرار دے کر حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی توہین کی اور مولوی فضل الرحمن صاحب دیوبند نے مولوی محمد قاسم صاحب کی تاریخ وفات یہ نکالی ہے ۵

وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے۔ (ملاحظہ ہو حالات طیب مولوی محمد قاسم صاحب مطبوعہ صادق

الانوار بہاولپور ص ۳)

مختار مدعیہ کے طرز استدلال پر تیس قول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین لازم آئی۔ کیونکہ جب مولوی محمد قاسم صاحب

کی دفات سرور عالم آنحضرت صلعم کی دفات کا نمونہ قرار دی گئی تو مولوی محمد قاسم صاحب آنحضرت کا نمونہ ٹھہرے۔ پس کیا مختار مدعیہ ان مذکورہ بالا بزرگوں کو بھی کافر اور مرتد قرار دے گا۔

## مقبرہ ہشتی

مختار مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک الزام یہ بھی لگایا ہے کہ آپ نے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی بھی توہین کی۔ کیونکہ آپ نے اپنے قبرستان کے متعلق کہا کہ جو اس میں دفن کیا جائے گا وہ ہشتی ہوگا۔ لہذا آنحضرت صلعم کے قبرستان کی اس سے توہین ہوئی۔

اگر ایک قبرستان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بوجی الہی یہ فرمادیا کہ اس جگہ وہی دفن کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہشتی ہوگا تو اس سے آنحضرت صلعم کے قبرستان کی توہین نکالنا اہل عقل کی سمجھ سے بالکل بالا ہے۔ دیکھو مجدد الف ثانی صاحب فرماتے ہیں۔

”کہ جیسے زمین روضہ منورہ خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم زمین جنت سے ہے۔ چنانچہ حدیث میں مابین بیت و منبر روضۃ من ریاض الجنۃ اس پر دال ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے کمال فضل بباعث عنایت اتباع حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرے روضہ کی زمین کو بھی جنت کہا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی میری قبر سے ایک مشت خاک لے کر اپنی قبر میں ڈالے تو اس کی نجات کے واسطے امید عظیم ہے۔ فکیف من دفن فیہ“ (مقامات امام ربانی ص ۱۸)۔

اور اسی طرح آپ کے متعلق لکھا ہے :

”ایک روز ایک قبرستان میں تشریف لے گئے۔ دل میں گذرا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اگر عالم کسی مقبرہ پر گزے تو چالیس دن تک اس قبر کا عذاب موقوف ہو جاتا ہے۔ بمجرد اس خطرہ کے اہام ہوا کہ تیرے گزرنے کی وجہ سے ان اہل قبور کا تاقیامت عذاب موقوف کیا“ (مقامات امام ربانی ص ۱۸)۔

عبارت بالا میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے روضہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے مانند قرار دیا ہے اور مختار مدعیہ کے نقطہ نظر کے لحاظ سے یہ بہت ہی بڑی ہتک ہوئی تو کیا مختار مدعیہ امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی روضہ بنی صلعم کی امانت کا مرتکب قرار دے کر کافر اور مرتد ٹھہرائے گا اور فتویٰ کفر لگائے گا۔

یہ تھے جوابات مختار مدعیہ کے الزامات بلکہ اتہامات توہین کے اور ان سے ظاہر ہے کہ ان کے یہ اتہامات کیسے لغو اور باطل ہیں۔

## کیا تکفیر وجہ ارتداد و فسخ نکاح ہو سکتی ہے؟

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ احمدیوں کے ارتداد کی یہ قرار دی تھی کہ چونکہ احمدی غیر احمدیوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ لہذا مسلمانوں کی تکفیر کرنے کی وجہ سے خود کافر اور مرتد ہیں۔ اس لیے ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت سے درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اگر تکفیر وجہ ارتداد اور فسخ نکاح ہو سکتی ہے تو مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کی تکفیر کر کے مرتد ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کے نکاح فسخ ہونے چاہئیں اور انکی اولاد کافر قرار دینا چاہیئے نیز منہاج السنۃ ابن تیمیہ کے حوالہ سے ثابت کیا تھا کہ خوارج حضرت علی کو بالاتفاق کافر کہتے تھے۔ مگر یہ ثابت نہیں کہ حضرت علیؑ نے ان کی تکفیر کی وجہ سے ان کو مرتد اور دین سے خارج خیال کر کے ان کے نکاح و غیرہ فسخ کئے ہوں بلکہ انہیں مسلمان قرار دیا اور مسلمانوں والے ان سے معاملات کئے۔

نیز گواہ مدعیہ نے ۱۲ راکست کو جواب جرح یہ کہا ہے۔ جن ائمہ نے اس حدیث یعنی من تلک الصلوۃ متعمداً فقد کفر کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ ان لوگوں کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ نیز احمد رضا خاں بریلوی جس نے دیوبندیوں پر کفر و ارتداد کا فتویٰ لگایا۔ ان کے متعلق گواہ مدعیہ نے جواب جرح کہا ”ہم احمد رضا خاں بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خاں کو بھی ہم کافر نہیں سمجھتے“ پس اس سے ظاہر ہے کہ محض کسی کو کافر کہنا وجہ کفر اور ارتداد نہیں ہو سکتی پس اول تو یہاں یہ بحث نہیں کہ احمدی غیر احمدیوں کو کیا سمجھتے ہیں۔ بلکہ صرف بحث یہ ہے کہ احمدی مسلمان ہیں یا نہیں۔ پس اگر احمدی دیگر مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہوں اور دائرہ اسلام سے خارج جانتے ہوں۔ تو پھر بھی محض تکفیر ان کے کفر اور ارتداد کی وجہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے ایک فرستادہ کے منکر ہیں۔ مختار مدعیہ نے آئینہ صداقت ص ۳۵ کا حوالہ دیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ان مسلمانوں کو بھی جنہیں دعوت نہیں پہنچی۔ خارج از دائرہ اسلام قرار دیا ہے۔ سو میں اس کتاب سے اس کی تشریح بیان کرتا ہوں آپ فرماتے ہیں۔

”میرے نزدیک کفر کی یہ تعریف ہے کہ ایسے اصول میں سے کسی اصل کا نہ ماننا جن کے نہ ماننے سے نہ ماننے والا خدا تعالیٰ کا باغی قرار پادے اور جن کے نہ ماننے سے رومانیت مرجائے۔ یہ نہیں کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے عجز مجد و عذاب میں مبتلا کیا جاوے اور چونکہ اسلام کے احکام کی بنا ظاہر یہ ہے۔ اس لیے جو لوگ کسی نبی کو نہیں مانتے خواہ اس وجہ سے نہ ماننے ہوں کہ انہوں نے اس کا نام نہیں سنا کافر کہلائیں گے گو خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ سختی عذاب نہ ہوں گے کیونکہ ان کا نہ ماننا ان کے کسی قصور کی وجہ سے نہ تھا چنانچہ سب مسلمان بالاتفاق ان لوگوں کو جو مسلم نہیں ہوئے خواہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا

ہے یا نہ سنا ہو کافر سی کہتے چلے آئے ہیں۔ اور آج تک ایک شخص نے بھی آئیس لینڈ کے اسکیموز یا امریکہ کے ریڈ انڈینز یا افریقہ کے پانٹاس یا آسٹریلیا کے وحشیوں کے مسلمان ہونے کا فتویٰ نہیں دیا۔ اور نہ ان ہزاروں لاکھوں عیسائیوں کی نسبت فتویٰ اسلام دیا ہے۔ جو پہاڑوں یا اندرون یورپ کے رہتے والے ہیں اور جنہیں رسول کریم کی تعلیم کا کوئی علم نہیں“ اور صفحہ ۸۵ میں آپ نے فرما دیا ہے :

”بے شک ہم ان کو کافر بائبل یعنی دہریہ نہیں کہتے۔ مگر ان کے کافر یا ملامور ہونے میں کیا شبہ ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مرزا صاحب کو راستباز مانتے ہیں۔ پھر ہمیں کیوں کافر کہا جائے۔ وہ سوچیں کیا راستباز جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب راستباز تھے تو پھر ان کے دعوؤں کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اور ہمارا یہ عقیدہ بعینہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ جو وہ مسیح موعود کی نسبت رکھتے ہیں“ چنانچہ گواہ مدعیہ ۴ نے بھی جواب جرح ۳۱۸ گسٹ کو تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا مسلمان نہیں ہوگا۔

گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ مرزا صاحب نے انجامِ اٹھم میں لکھا کہ میرا دشمن جہنی ہے۔ حالانکہ یہ امر قابلِ اعتراض نہ تھا۔ کیونکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ نے اپنی کتاب منصبِ امامت میں بڑی وضاحت سے اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں :

”ازاں جملہ توقف بجات اُخرویست بر طاعت اور یعنی امام وقت یعنی چونکہ اگر کسی ہزار وجہ در معرفت الہیہ دہنذیب نفس جد و جد تمام سعی مالا کلام بجا آورد اما وقتیکہ ایمان بالمرسل نذر دہر گز بجات اخروی بدست نخواہد آورد۔ و خلاص از غضب جبار و درکات نامہ نخواہد یافت ہمچنین ہر چند عبادات شریعہ و طاعات و نییہ بجا آورد و جد و جد تمام در اعتغال احکام اسلام بروی کار آرد اما وقتیکہ در طاعت امام وقت گردن نہد و اقرار با امامت او نکند ہر گز عبادت مذکورہ در آخرت کار آمدنی نیست و از دار و گیر رب تدبیر خلاص یافتنی نہ من لم یعرف امام زمانہ قدمات ہیئتہ جاہلیہ منصب امامت“ ۶۴، ۶۵

پھر گواہان مدعا علیہ نے اور اماموں کے اقوال بھی پیش کئے تھے کہ جو شخص اسلام کا اقرار کرتا ہے وہ تمام معاملات میں ائمہ اور حکام کے نزدیک بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ وہ درحقیقت کافر و مستوجبِ جہنم ہو۔ ان اقوال میں سے ایک قول منصبِ امامت مصنفہ مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید کا پیش کیا تھا۔ جس کے متعلق مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو دعویٰ اسلام کا کرتے ہیں۔ اور ان کا ایمان و اسلام ظاہر ہے اور کفر چھپا ہوا ہے اور



پس در صورت اہل کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے۔ اور عکس اس کے ناجائز اور بصورت ازداد ہر طرح ناجائز ہوگا۔ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱)

پس مسلمان بھی اہل کتاب ہیں۔ اس لئے احمدیوں کے نزدیک ایک احمدی مرد کا سنی عورت سے نکاح قرآن و حدیث کی رو سے جائز ہے۔ اس لیے مدعیہ کا دعویٰ خارج ہونا چاہیے۔ اور نکاح کو بحال رکھتے ہوئے فیصلہ بحق مدعا علیہ ہونا چاہیے۔

## کیا مدعیہ مشرکہ ہے؟

مختار مدعیہ نے ۸ اکتوبر کی بحث میں احمدی سے سنی عورت کا نکاح جائز نہ رکھنے کی ایک وجہ اختلاف عقائد کے علاوہ یہ قرار دی ہے کہ احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اس کے بچوں کی بھی نماز جائزہ نہیں پڑھتے۔ اور نیز حضرت خلیفہ المسیح الثانی کے ایک خطبہ مندرجہ الفضل ۲۵ اپریل ۱۳۹۳ء میں لکھا ہے کہ ساری دنیا ہی دشمن ہے اور آپ کی تقریر تقدیر الہی ص ۲۹ میں لکھا ہے کہ پہلے مسیح کو اس کے دشمنوں نے سولی پر چڑھایا اب یہ مسیح آیا تو دشمنوں کو سولی پر لٹکائے اس لیے ڈر ہے کہ جب وہ کسی سنی عورت سے شادی کریں تو اسے سولی پر نہ لٹکا دیں۔

مختار مدعیہ نے جس سادگی سے اس شبہ کا اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے۔ گویا احمدیوں کے گھروں میں سولیاں کھڑی ہوئی ہیں۔ جہاں کوئی سنی عورت کسی احمدی کے گھر گئی اور انہوں نے اسے سولی پر لٹکایا جس دشمنی کا حضرت خلیفہ المسیح الثانی نے ذکر فرمایا ہے۔ وہ وہی ہے جو مولوی لوگوں کی طرف سے ہو رہی ہے اور احمدیوں کے خلاف افترا پر دازی سے کام لے کر عوام الناس کے خیالات کو مسموم کرتے ہیں

مختار مدعیہ کو مسلم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے برہنہ قرآن ایک یہودی عورت کے ساتھ شادی کرنا جائز ہے لیکن اس جواز کے ساتھ ہی یہود کو مومنوں کا سخت دشمن قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے تعبدن اشد الناس عداۃ للذین امنوا الیہود والذین اشد کوا (مائدہ ۱۱۶) کہ اے مخاطب تو یہودیوں اور مشرکوں کو مومنوں کا بہ نسبت دوسرے لوگوں کے سخت دشمن پائے گا۔ پس باوجود یہود کے تلخ ترین دشمن ہونے کے مسلمانوں کے لیے ایک یہودی عورت سے نکاح کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ نظر برآں اگر غیر احمدی ہمارے دشمن بھی ہوں تو بھی ایک احمدی کا اپنے دشمن قوم کی عورت سے نکاح جائز ہے۔ جیسا کہ ایک مسلمان کا اپنے سخت ترین دشمن قوم یہودی کی عورت سے نکاح جائز ہے۔

راہِ غیر احمدی اہام کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا سوال تو وہ ایک عورت سے نکاح کرنے کے وقت اٹھ ہی نہیں سکتا اور اس کی جو اولاد ہوگی وہ احمدی ہوگی۔ اس لیے ان کے نماز جنازہ کا بھی سوال پیش نہیں آتا۔ اور اگر اس قسم کے امور شادی کے جواز میں مانع ہو سکتے ہیں تو مسلمانوں کی شادی یہودی یا نصرانی عورت سے بھی ناجائز ہونی چاہیے۔ کیونکہ وہ مسلم نہ تو اس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے نہ اس کی نماز جنازہ اور نہ ان سے رشتہ نامہ وغیرہ کرنا جائز سمجھتا ہے۔

پس بیان مذکورہ سے نہایت صفائی کے ساتھ ثابت ہے کہ مختار مدعیہ کی بیان کردہ وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی از روئے قرآن مجید جس میں صریح طور پر یہودی اور نصرانی عورت سے شادی جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک احمدی کی فرقہ بائی اسلام میں سے کسی فرقہ کی عورت سے شادی کے جواز میں روک نہیں ہو سکتی۔

اگرچہ مختار مدعیہ کے متعلق سولی پر لٹکا دیئے جانے کا جو خدشہ پیش کیا ہے میں اس کے متعلق کافی وجوہ تسکین پیش کر کے اطمینان دلا چکا ہوں لیکن چونکہ مختار مدعیہ سولی سے بہت ہی خائف نظر آتا ہے اس لیے میں زیادہ سے زیادہ تسکین دہنی کی غرض سے وہ تعلیم بھی پیش کئے دیتا ہوں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں ساتھ حسن سلوک کے متعلق دی ہے آپ فرماتے ہیں:

”جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان کے ساتھ معاشرت نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔۔۔۔۔ ہر ایک مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے۔ وہ میری جماعت سے نہیں ہے۔“ (کشتی نوح ص ۷۱)

## احمدی شریعت اسلامیہ کے پابند ہیں

۱۰۔ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ کسی اہل کتاب مرد سے لڑکی نکاح نہیں کر سکتی۔ البتہ اہل کتاب کی لڑکی سے مرد نکاح کر سکتا ہے۔ فرقہ ثانی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اگر کوئی احمدی لڑکی غیر احمدی مرد سے نکاح کرے۔ تو وہ نکاح فسخ نہیں ہو جاتا۔ پس شریعت اسلامیہ کا مسئلہ تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان لڑکی اہل کتاب کے نکاح میں نہیں آ سکتی لیکن شریعت احمدیہ میں ہے کہ مسلمان لڑکی اہل کتاب کے ہاں جاسکتی ہے۔ یہ شرعی حکم ہوا جو پہلے شریعت اسلام میں موجود نہیں۔ لیکن یہ بھی منجملہ اور مغالطات کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ بالکل نہیں کہا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح جائز ہے۔ بلکہ گواہ مدعا علیہ نے یکم مارچ کو بحجوب جرح اس امر کی تصریح کی ہے کہ احمدی اپنی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی سے کرنا جائز نہیں سمجھتے اور پھر یہ کہا ہے کہ ”احمدی میاں بیوی سے اگر کوئی مرتد ہو جاوے یعنی غیر احمدیوں میں شامل ہو جاوے تو اس کا نکاح جیسا کہ تعامل ہے باقی رہے گا۔“



اور ۱۲ مارچ کو بحواب جرح اس کی توضیح بھی کر دی تھی۔

”اگر کوئی احمدی اس وقت غیر احمدی سے اپنی لڑکی کا نکاح کرے تو ہم اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس کی اولاد زنا کی اولاد سمجھی جاوے گی۔ البتہ ہمارے نزدیک نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر کرے تو نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور نکاح فسخ ہونے کی وجہ بھی بیان کر دی تھی۔“

کہ جب کوئی حکومت اسلامیہ شریعہ قائم ہو تو اس میں چونکہ قاضی اور مفتی اور حد لگانے والے سب محکمہ موجود ہوں گے اس لیے مرتد کے فسخ نکاح کے لیے بھی قضاء قاضی کی ضرورت ہوگی اور جہاں حکومت اسلامیہ قائم نہ ہو تو جو قانون رائج ہے۔ اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اور شریعت اس کے فیصلوں کے متعلق یہ حکم نہیں لگائے گی کہ یہ نکاح باطل ہے اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔

اور اگر کوئی اسلامی ریاست ہوگی۔ تو اس کا جو قانون رائج ہے۔ وہ جاری ہوگا یعنی اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ صاف اور واضح بیان تھا کہ جس کے بعد مذکورہ بالا اعتراض کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اس میں صاف طور سے یہ ذکر کر دیا گیا تھا کہ احمدی لڑکی کا غیر احمدی مرد سے نکاح تو جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی کرے تو وہ نکاح شریعت کے رائج اس وقت قانون کی وجہ سے فسخ اور باطل نہیں ہوگا۔ اور جو معاملات نکاح وغیرہ کے کسی قانون کے ماتحت کیے جائیں۔ انہیں شریعت باطل نہیں ٹھہرائی۔ فرض کرو ایک مسلمان مرد مرتد ہو گیا اور فقہ حنفیہ کی رو سے مرتد ہونے کی حالت میں اس کا کسی سے بھی نکاح جائز نہیں جیسا کہ ۳۱ اگست کو گواہ نمبر ۱۱ نے کہا ہے :

”مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ حرہ یا لونڈی کے نکاح کا اختیار ہے“ اور یہی بات کتب فقہ ہدایہ وغیرہ میں لکھی ہے۔ لیکن موجودہ وقت میں اگر کوئی مرتد نکاح کرے جو قانوناً جائز ہے اور پھر اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کا پہلے نکاح کو باطل قرار دے کر اس کی پہلی اولاد کو اولاد حرام قرار نہیں دیا جائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ جب کسی قانون کے ماتحت نکاح کیا جاوے تو اگرچہ وہ شریعت کی رو سے جائز نہ بھی ہو تو بھی اس کے متعلق شریعت فسخ اور باطل ہونے کا فتویٰ دے کر اس سے پیدا شدہ اولاد کو حرام کی اولاد قرار نہیں دیتی۔

اس امر میں احمدیوں سے گواہانِ ماعلیہ کا ضرور اختلاف ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک تو ان مسلمان فرقوں کے نکاح جنہیں وہ اپنے زعم میں کافر اور مرتد خیال کرتے ہیں۔ باطل اور ان کی اولاد حرام کی اولاد ہے۔ جیسا کہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ ۱۱ اپنی کتاب الکوکب الیسمانی علی اولاد الزدانی کے ٹائٹل پیج پر لکھتے ہیں۔

”مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی اور اس کے جملہ معتقدین مردوں عورتوں کا نکاح دنیا میں

کسی سے صحیح نہیں۔ باطل محض و زنائے صرف ہے جس کی بنا پر اولاد کا بھی حرامی اور محروم الارث ہونا لازم آتا ہے۔“

اور صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں :

”اور ان کی عورتوں مردوں کا مسلمان عورت و مرد سے نکاح جائز نہیں۔ بلکہ آپس میں بھی اگر نکاح کریں تو وہ بھی زنائے محض ہے۔“

اور مولوی احمد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں :

”کہ مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے۔۔۔۔۔ اور مرد مرتد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبرائے و ہابیہ (یعنی مولوی اسماعیل صاحب شہید وغیرہ شمس) :

اور مولوی رشید احمد صاحب لنگوہی فرماتے ہیں :

”جس کے نزدیک رافضی کا فرسہ وہ فتویٰ اول ہی سے بطلان نکاح کا دیتا ہے۔ اس میں اختیار زوج کا کیا اعتبار ہے۔ پس جب چاہے علیحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے۔ اور جو فاسق کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک یہ امر ہرگز درست نہیں کہ نکاح اول صحیح ہو چکا ہے۔ اور بندہ اول مذہب رکھتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم علیٰ هذا رافضی اولاد سنی کو ترکہ سنی سے نہ ملے گا۔“ رفاوی رشیدیہ حصہ دوم ص ۳۲۱۔

پس گواہان مدعیہ اور اس کے ہم خیالوں کے نزدیک تو رافضی اور دیوبندیوں کے نزدیک رضا خانیوں اور رضا خانیوں کے نزدیک دیوبندیوں اور اس طرح مقلدوں کے نزدیک غیر مقلدوں اور غیر مقلدوں کے نزدیک مقلدوں کے نکاح باطل اور زنا محض ہیں اور آج کل مسلمان فرقوں کا گزادہ ان کے نزدیک زنا پر ہی چل رہا ہے۔ اور ان کی اولادیں بھی حرام کی اولادیں ہیں کیونکہ ہر ایک فرقہ ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دے کر ان کے نکاح فسخ اور باطل قرار دے چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کے نکاح درست ہیں اور فسخ اور باطل نہیں۔ کہ ان کی اولادوں کو اولاد زنا قرار دینا پڑے۔ کیونکہ وہ ایک رائج الوقت شرعی قانون کے ماتحت کئے گئے ہیں اور اس قانون کی رو سے تمام مدعیان اسلام مسلمان قرار دیئے گئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی ریاست مولویوں کی اس خاص شریعت کو جس کے بعض فتاویٰ کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جاری کرنا چاہتی ہے۔ تو اسے اختیار ہے۔ لیکن کسی مقدمہ پر اس قانون خاص کو جاری کرنے سے پہلے شرعاً قانوناً اور عقلاً یہ ضروری ہے کہ وہ اس قانون کو اپنی ریاست میں شائع کرے۔

مذکورہ بالا تمام تقریر سے ظاہر ہے کہ گواہان مدعیہ نے یکم اور ۲ مارچ کو جو بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت اسلامیہ کے قطعاً مخالف نہیں ہے اور مختار مدعیہ کا آخر بحث میں یہ کہنا کہ گواہان مدعیہ نے تسلیم کیا ہے

کہ جب کوئی مسئلہ قرآن و حدیث میں مصرح نہ ہو تو وہاں فقہ حنفیہ پر عمل ہوگا۔ ایک مخالط ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے یکم مارچ کو جواب جرح کر لیا آپ فقہ حنفیہ کے پابند ہیں؟ یہ کہا تھا کہ فقہ حنفیہ سے اگر یہ مراد ہو کہ جو کچھ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے ان سب باتوں کے ہم پابند ہیں تو نہیں۔ لیکن قرآن مجید اور احادیث کے بعد ان میں جو بات قرآن و حدیث کے اقرب ہو اس کو لیں گے۔

پھر مختار مدعیہ نے نبی المصلی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت پیش کی تھی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فقہ حنفیہ پر عمل کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ نے وہ پوری عبارت نہیں لکھوائی تھی۔ بلکہ اس کے ساتھ کے فقرہ کو چھوڑ دیا تھا۔ پوری عبارت یہ ہے۔

”ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث محاض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو۔ اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ قرآن میں اور نہ سنت میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موقوفہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خدا داد اجتہاد سے کام لیں۔“

اس لیے مقدمہ ہذا میں مدعا علیہ کے عقیدہ کو دیکھا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ احمدی مرد غیر احمدی سنی عورت سے شرعاً نکاح کر سکتا ہے اور چونکہ رائج الوقت شرعی قانون کی رو سے غیر احمدیوں اور احمدیوں کو مسلمان تسلیم کیا گیا ہے اس لیے اگر کوئی احمدی عورت کا غیر احمدی یا غیر احمدی عورت کا احمدی مرد سے نکاح کر دیا۔ تاہم وہ نکاح باطل اور فسخ سمجھ کر اس کی اولاد کو زنا کی اولاد نہیں سمجھا جائے گا۔ جماعت احمدیہ کا فقہ حنفیہ سے بعض موجودہ تغیرات کی بنا پر مرتد کے احکام کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔

اور جو حوالے فقہ حنفیہ کی کتب سے ختم نبوت کے بارے میں پیش کئے گئے ہیں۔ اگر (لیکن جیسا کہ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں وضاحت سے بتا دیا ہے۔ کہ انہوں نے ختم نبوت سے اس قسم کی نبوت کا بند ہونا مراد نہیں لیا جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود کو ہے) ان سے مراد اس قسم کی نبوت ہے جس کا دعویٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا ہے۔ تاہم حضرت مسیح موعود نے جہاں مذکورہ بالا تحریر جس میں فقہ حنفی پر عمل کرنے کے لیے لکھا ہے اسی جگہ ختم نبوت کے معنی بھی تحریر کر دیئے ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں :

”ایسا ہی چاہیے کہ نہ تو ختم نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کریں۔ اور نہ ختم نبوت کے یہ معنی سمجھ لیں کہ جس سے امت پر مکالمات اور مخاطبات الہیہ کا دروازہ بند ہو جاوے۔ اور یاد ہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے

کوئی نبی نہیں جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پاسکتا ہو۔ بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے۔ اور متابعت نبوی سے نعمت وحی حاصل کرنے کے لیے قیامت تک دروازے کھلے ہیں۔ وہ وحی حق جو اتباع کا نتیجہ ہے۔ کبھی منقطع نہیں ہوگی مگر نبوت شریعت یا نبوت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے۔ ولا سبیل الیہا الی یوم القیامتہ ومن قال انی لست من ائمة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وادعی انہ نبی صاحب الشریعة اذ من دون الشریعة ولیس من الامة فمثله کمثل رجل غمره السیل المنہم۔ فالنفاہ وراءہ ولم یغادر حتی مات“ (نہج المصلی ص ۱۱۰ بحوالہ ربو یو یہ مباحثہ محمد حسین بٹالوی و جیکڑ الوہی)

## اصولی اختلاف

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کے جواب کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں ایک لحاظ سے فروعی اور ایک لحاظ سے اصولی اختلاف ہے کے متعلق کہا ہے کہ جب گواہ کو مسلم ہے کہ فردعی بھی اختلاف ہے اور اصولی بھی اس لیے نماز روزہ و حدائیت وغیرہ دونوں ایک نہیں ہو سکتے اور یہ مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ ہے کیونکہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں وضاحت کے ساتھ اپنے عقائد لکھ کر یہ بتا دیا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا کوئی عقیدہ خدا اور رسول کے فرمودہ کے خلاف نہیں ہے۔

اور خلیفہ اول کا یہ فرمانا کہ احمدیوں اور غیر احمدیوں میں اصولی اختلاف ہے اس سے قطعاً یہ مراد نہیں کہ نماز روزہ وغیرہ احکام میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے عدالت کو دیدہ و دانستہ مغالطہ دینے کے لیے کہا ہے کیونکہ جو حوالہ خلیفہ اول کا نہج المصلی سے دیا گیا ہے اس میں یہ صاف لکھا ہے۔

”جس طرح پڑھنا کہ نماز پڑھتے ہیں ہم بھی اسی طرح پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ اور حج اور روزوں کے متعلق ہمارے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے“ (نہج المصلی ص ۱۱۴)

اس تصریح کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اصولی اختلاف سے مراد نماز روزہ وغیرہ میں اختلاف ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ اور اصولی فرق کی بھی حضرت خلیفہ اولؑ نے تشریح کر دی ہے۔ فرمانے ہیں:

”میرا سمجھ میں ہمارے اور ان کے درمیان اصولی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اس کے ملائکہ پر کتب سماویہ پر اور اس کے رسل پر۔ خیر و شر کے اندازہ پر

اور بعثت بعد الموت پر۔ اب غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے مخالف بھی یہی امر مانتے ہیں اور اس کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن یہاں سے ہی ہمارا اور ان کا اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ ایمان با رسل اگر نہ

ہو تو کوئی شخص مومن مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور ایمان بالرسول میں کوئی تخصیص نہیں عام ہے خواہ وہ نبی پہلے آئے ہوں یا بعد میں ہندوستان میں ہو یا کسی اور ملک میں کسی مامور من اللہ کا انکار کفر ہو جاتا ہے۔ ہمارے مخالف حضرت مرزا صاحب کی ماموریت کے منکر ہیں۔ بتاؤ کہ یہ اختلاف فروعی کیونکر ہو قرآن مجید میں تو لکھا ہے لا تفرق بین احمد بن رسولہ۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ کے انکار میں تو تفرقہ ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ قرآن مجید میں خاتم النبیین فرمایا ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے تو بالاتفاق کافر ہے یہ جملہ امر ہے کہ ہم اس کے کیا معنی کرتے ہیں اور ہمارے مخالف کیا؟ (رہج المصلی ص ۴۷)۔

پس اصولی اختلاف مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ماموریت کے لحاظ سے ہے نہ کہ نماز و روزہ وغیرہ احکام کے لحاظ سے اور گواہ مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ فروعی اختلاف بھی ہے اور اصولی بھی بلکہ اس نے یہ کہا تھا کہ ایک لحاظ سے فروعی اختلاف بھی ہو سکتا ہے اور ایک لحاظ سے اصولی اور اس کا منشا یہ تھا کہ قرآن مجید کو خدا تعالیٰ کا کلام مانتے ہیں اور نماز و روزہ و زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت میں کچھ اختلاف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں تو اسی لحاظ سے دوسرے معمولی اختلافات فروعی کہلائیں گے۔ اور اصولی اختلاف اس لحاظ سے کہ قرآن مجید میں ایک اصل ایمان کا ایمان بالرسول ذکر کیا گیا ہے۔ مسیح موعودؑ چونکہ خدا کے مامور ہیں اور قرآن مجید و احادیث کی رو سے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ اس لحاظ سے اصولی فرق ہے۔ پس گواہ مدعا علیہ کا یہ قطعاً منشا نہیں تھا کہ فروعی اختلاف سے مراد نماز و روزہ و زکوٰۃ و حج وغیرہ میں اختلاف ہے۔

## کیا مدعا علیہ اور مدعیہ کا علیحدہ علیحدہ مذہب ہے

مختار مدعیہ نے فریقین مقدمہ کے علیحدہ علیحدہ مذہب ہونے کے ثبوت میں ۸ اکتوبر کی بحث میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ مدعیہ اپنے استدلال اور مذہب کا معیار یہ مقرر کرتی ہے کہ جو قرآن سے ثابت ہے اور جو حدیث اور ائمہ سے ثابت ہے اور مدعا علیہ کہتا ہے کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے۔ یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک صریح مغالطہ ہے۔ مدعا علیہ اور اس کے گواہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ جو قرآن مجید و حدیث سے ثابت ہو وہ اس کو نہیں مانتے بلکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے مطابق وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم کرتے ہیں اور اس کے بعد حدیث کو اور اس کے بعد ائمہ کے اقوال کو بشرطیکہ کوئی ان میں سے قرآن کے صریح طور پر محارض نہ ہو۔ مختار مدعیہ کا سوال گواہان مدعا علیہ سے صرف حدیث کے متعلق تھا کہ اس کا قرآن مجید کے مطابق ہونا کون ثابت کرے گا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ نے کہا کہ ہر ایک شخص جو ثابت کر دے گا کہ فلاں روایت قرآن مجید کے خلاف ہے وہ اس کے نزدیک قرآن مجید کے خلاف ہوگی اور گواہ نے کہا کہ جس کی تصدیق مرزا صاحب یا ان کے خلفاء کر دیں وہ ہمیں مسلم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم سے علم میں زیادہ ہیں اور ان کا ہر فیصلہ بعد تحقیق ہوتا ہے۔ اس لیے ان کا فیصلہ ہمارے لیے درست اور قابل تسلیم ہوگا۔ آخر ہر شخص جو کسی کی اقتدار کرتا ہے اور اس کو اپنا امام تسلیم کرتا ہو تو یہی سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ اس سے علم میں زیادہ ہے اور اسی وجہ سے وہ اس کے اقوال کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔

مختار مدعیہ کو شاید معلوم نہ ہو کہ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کا احادیث کے قبول کرنے کے بارے میں یہی مذہب ہے جو گواہان مدعا علیہ نے بیان کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

”کہ اہلسنت کلام اللہ کے سامنے کسی کی نہیں سننے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں اگر موافق نکلے تو ذہا ورنہ موافق مثل مشہور کالاء زبوں بریش خاند اس کو راولوں کے سرمارنے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ راولوں کا قصور ہے۔ القصہ عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں۔“ (ہدینۃ الشیعۃ ص ۷۸)۔

اب مختار مدعیہ بتائے کہ احادیث کے موافق قرآن یا مخالف ہونے کا فیصلہ کون کرے گا۔ آن خود ہی کرے گا جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کے نزدیک حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے خلفاء اس بات کی اہلیت رکھتے ہیں اس لیے وہ ان کا فیصلہ ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ احادیث جو قرآن کے معارض نہیں ہیں ان کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :

”ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی کوئی درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں“ (ریپولیویر مباحثہ چکڑالوی)

مزداسے کہتے ہیں جو مسلمان ہو اس کے بعد اسلام سے پھر جائے جیسا کہ مختار مدعیہ نے، اگر انکوہر کی بحث میں کہا ہے لیکن مدعا علیہ کو اقرار ہے کہ وہ مسلمان ہے اور مذہب اسلام پر قائم ہے اور اس کے سوا کسی اور مذہب کو اختیار کرنا موجب لعنت خیال کرتا ہے اور قرآن شریف یا احادیث میں کوئی ایسی نص نہیں ہے کہ ایک مدعی اسلام ہو اور وہ کہے کہ میں مذہب اسلام پر بھی قائم ہوں اور اس کے سوا میں نے کسی دین کو اختیار نہیں کیا تو وہ مرتد قرار دیا جائے۔

## مختار مدعیہ کے نزدیک فسخ نکاح کی ایک وجہ

مختار مدعیہ نے فسخ نکاح کے متعلق ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے اور اس امر کا اس نے اپنے جواب دعویٰ میں اقرار کیا ہے اور گواہ ۲ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ غیر احمدی سے احمدی اور احمدی سے غیر احمدی ہو جانے کو مذہب اختیار کرنا کہا جاسکتا ہے۔ اور مذہب بدلتا اور مذہب اختیار میرے نزدیک ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اور مذہب تبدیل کیے جانے کی حالت میں نکاح قائم نہیں رہ سکتا۔ جیسا کہ مرزا صاحب نے بھی چشمہ معرفت میں لکھا ہے پس یہ نکاح فسخ ہو جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ مختار مدعیہ کی یہ تینوں ہی باتیں غلط ہیں۔

پہلی اس لیے کہ مدعا علیہ نے ان معنوں میں ہرگز مذہب تبدیل نہیں کیا جن معنوں میں مختار مدعیہ نے عدالت کو یقین دلانا چاہا ہے۔ اس امر کے ثبوت میں اس نے جس بیان کا فقرہ مدعا علیہ کی طرف سے منسوب کیا ہے وہ مدعا علیہ کا نہیں بلکہ منصف احمد پور شریقیہ نے مدعا علیہ کے بیان سے بطور نتیجہ اخذ کر کے خود لکھا تھا اور چونکہ اس بیان سے وہ مغالطہ پیدا ہو سکتا تھا۔ جو مختار مدعیہ نے پیدا کرنا چاہا ہے۔ اس لیے مدعا علیہ نے اسی وقت درخواست دے کر غلط کر دیا تھا کہ جو خلاصہ میرے اعتقاد کا اخذ فرمایا گیا ہے وہ میرے اصل اعتقاد مذہبی سے مغائر ہے۔ ”میں خدا کو وحدہ لا شریک اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم

کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو اہامی کتاب مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر ایمان رکھتا ہوں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسط اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کوئی نئی شریعت نہیں لائے بلکہ شریعت محمدیہ کے تابع اور اشاعت کرنے والے تھے ان پر وحی والہام بہر برکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔“

یہ ہے خلاصہ اس درخواست کا جو مدعا علیہ نے ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو دی ہے اور مسل میں موجود ہے۔ مگر کیسی عجیب جرات ہے کہ باوجود اسی درخواست کی موجودگی کے مختار مدعیہ نے عدالت کو یہ یقین دلانا چاہا ہے کہ چونکہ مدعا علیہ نے اپنا مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے سے نکاح قائم نہیں رہتا۔ لہذا عدالت کو نکاح فسخ کر دینا چاہیے حالانکہ جن معنی میں مذہب کی تبدیلی سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے وہ معنی اس موقع پر سرگز نہیں پائے جاتے مذہب کا لفظ اسلامی فرقوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے کہ حنفی مذہب۔ شافعی مذہب۔ مالکی مذہب حنبلی مذہب اور اسی لحاظ سے ان فرقوں کے لیے مذاہب اربعہ الفاظ بولے جاتے ہیں اور مذہب کا لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ دین موسوی۔ دین عیسوی۔ دین اسلام وغیرہ۔ اگر پہلے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی حنفی الذہب انسان شافعی الذہب ہو جائے یا بالعکس تو اس کو دین کی تبدیلی نہیں کہتے اور تبدیلی سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اور اگر مذہب دوسرے معنی کے لحاظ سے تبدیلی ہو یعنی کوئی شخص مذہب اسلام میں سے نکل کر مذہب موسوی یا عیسوی میں داخل ہو جائے تو اس کو دین کی تبدیلی کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ کسی غیر احمدی کا احمدی ہو جانا دوسری قسم کی تبدیلی نہیں ہے جس سے نکاح کا فسخ ہو جانا لازم آوے۔

جیسا کہ خود مدعا علیہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جو اس نے درخواست مذکورہ بالا میں لکھا ہے کہ میں خدا کو وحدہ لا شریک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں اور قرآن کریم کو اہامی کتاب مانتا ہوں کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے الخ

پس مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لیا ہے اور مذہب بدل لینے کو اس موقع پر دین بدل لینے یعنی اسلام ترک کر دینے کے معنوں میں لینا قطعاً باطل ہے اور چونکہ مدعا علیہ بفضلہ تعالیٰ اسلام پر قائم ہے اس لیے اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

دوسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے مذہب بدل لینے کو ان معنوں میں نہیں لیا ہے جن معنوں میں مختار مدعیہ نے ظاہر کرنا چاہا ہے یعنی دین اسلام کو چھوڑ دینے کے معنوں میں بلکہ فرقے کو بدل لینے کے معنی میں لیا ہے جیسا کہ گواہ مذکور کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ مذہب کے معنی روشن اور طریقے کے ہیں جس پر ایک انسان چلتا ہے اس لیے غیر احمدی سے احمدی ہو جانا یا احمدی سے غیر احمدی ہو جانا مذہب اختیار کرنا کہنا



جاسکتا ہے ملاحظہ ہو جرح برگواہ مدعا علیہ ۲ بتاریخ ۲۳ مارچ غرض چونکہ گواہ نے مذہب بدل لینے کو دین بدل لینے کے معنوں میں نہیں کیا جن میں کہ مختار مدعیہ لینا چاہتا ہے بلکہ طریقہ بدل لینے کے معنوں میں لیا ہے اور طریقہ بدل لینے سے نکاح فسخ نہیں ہو سکتا اس لیے مقدمہ کا خارج کر دیا جانا ضروری ہے۔

تیسری بات مختار مدعیہ کی اس لیے غلط ہے کہ حضرت اقدس نے چشمہ معرفت میں جو لکھا ہے کہ کسی کے مذہب تبدیل کرنے کی حالت میں اس کی عورت حاکم دفت کے سامنے خلع کی درخواست کر کے اس سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے تو اس موقع پر آپ کی مراد تبدیلی مذہب سے دین کی تبدیلی ہے۔ جیسے کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین یعنی دین عیسوی یا دین موسوی وغیرہ اختیار کرے۔ چنانچہ جس مضمون میں آپ نے یہ لکھا ہے وہ غیر مسلموں یعنی آریوں کے مقابلہ میں ہے جو آریہ مذہب پر اسلام کی فضیلت ثابت کرنے کے لیے لکھا گیا ہے۔

غرض چونکہ چشمہ معرفت کے مضمون میں مذہب کی تبدیلی سے دین کی تبدیلی مراد ہے اور مدعا علیہ نے دین کی تبدیلی نہیں کی اس لیے چشمہ معرفت کے مضمون کی رو سے مدعا علیہ کی منکوحہ یعنی مدعیہ کو علیحدگی کی درخواست کرنے کا کوئی حق ثابت نہیں ہوتا پس اس مقدمہ کو خارج ہونا چاہیے۔

## فسخ نکاح کی ایک اور وجہ

مختار مدعیہ نے نکاح فسخ کر دینے جانے کی ایک وجہ کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اب تک فسخ نکاح کی راہ میں دو روکیں واقع تھیں اول یہ کہ اس معاملہ کے متعلق علماء ممالک غیر کا کوئی فتویٰ موجود نہیں تھا دوسری یہ کہ عدالت ہائے ہائی کورٹ کے فیصلہ جات موجود تھے کہ احمدی مسلمان ہیں اور اب یہ دونوں روکیں دور ہو چکی ہیں اس لیے نکاح فسخ ہو جانا چاہئے پہلی روک تو اس طرح دور ہو گئی کہ ملک شام احمدیوں کے خلاف فتویٰ آگیا ہے اور دوسری روک دربار معلیٰ نے یہ کہہ کر دور کر دی کہ جج ماجا ہائی کورٹ مدراس نے اپنے فیصلہ میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ علماء اسلام ہی اس امر کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں لیکن مختار مدعیہ کا یہ بیان بھی اس طرح غلط ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلا بیان کیونکہ جس چیز کا نام وہ شام کا فتویٰ رکھتا ہے وہ درحقیقت کوئی فتویٰ نہیں بلکہ میرے ٹریکٹ ”شی عن عقائد الجماعۃ الاحمدیہ“ کے جواب میں رشید ہاشم کی ایک تحریر ہے جو علماء میں سے نہیں بلکہ ایک تاجر آدمی ہے اور اس کی قابلیت اور دماغی حالت معلوم کرنے کے لیے اس کی یہی تحریر دیکھ لینی کافی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے میرے متعلق جو اس کی یہ عبارت دکھائی ہے وہ یہ ہے:

”جو عبارت میں نے تیرے رسالہ صفحہ دو تین چار سے نقل کی ہے یہ تیرے کفر پر دلالت کرتی ہے“

اور وہ اس عبارت سے پہلے انہیں صفات کی یہی عبارت نقل کر کے اس کے متعلق یہ بھی لکھ چکا ہے کہ تیری یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ تو مسلمان ہے اور ایک ہی عبارت کے متعلق اس کی یہ دو متضاد رائیں اس کی دماغی حالت کا اچھا مظاہر ہیں اور اس کی شہرت کی یہ حالت ہے کہ جب جرج میں گواہ مدعیہ ۳۲ سے دریافت کیا گیا کہ رشید ہاشم کو جانتے ہو تو انہوں نے انکار کر دیا اور اس سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ملاحظہ ہو جواب جرج ۲۹، اگست ۳۲۔

پس چونکہ جس چیز کا نام فتویٰ رکھا جاتا ہے وہ کوئی فتویٰ نہیں بلکہ ایک شخص کی جوابی تحریر ہے اس لیے قابل التفات نہیں اور اس کے روسے کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کسی طرح نہیں کیا جاسکتا اس لیے نکاح قائم رکھنا اور مقدمہ خارج کر دیا جانا چاہیے۔

مختار مدعیہ نے حسام الحرمین کے متعلق جو علمائے دیوبند پر علماء حرمین کا فتویٰ کفر کہا ہے کہ اس کی صف اول میں مرزا غلام احمد کا نام ہے میں کہتا ہوں کہ اس میں کسی کا نام صف اول میں ہو یا صف آخر میں مگر اس سے اس فتوے کے علماء دیوبند کے حق میں ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی۔ البتہ احمدیوں نے اس فتویٰ کو اپنے حق میں بھی تسلیم نہیں کیا۔

### مختار مدعیہ کا صریح مغالطہ

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ یہ فتویٰ اصل میں احمدیوں پر ہے دیوبندی اس کے ضمن میں داخل کر لیے گئے ہیں بالکل غلط اور سراسر مغالطہ ہے دیوبندیوں کو احمدیوں کے ذیل میں قرار دے کر ضمنی طور پر کفر کا فتویٰ ہرگز نہیں دیا گیا بلکہ مستقل طور پر دیا گیا ہے اور ان کا ان سب فرقوں سے جن پر فتویٰ دیا گیا ہے کفر میں سخت ہونا ظاہر کیا گیا ہے چنانچہ ص ۴۲ میں یہ لکھا ہے۔

”تو ان میں سے کسی کو اصل دین کا انکار کرتے پائے گا اور اس میں کوئی ختم نبوت کا منکر ہو کر نبوت کا مدعی ہے اور کوئی اپنے آپ کو عیسیٰ بناتا ہے اور کوئی مہدی اور ظاہر میں ان سب میں ہلکے اور حقیقت میں ان سب سے سخت یہ وہابیہ ہیں۔ خلا ان پر لعنت کرے اور ان کو رسوا کرے اور ان کا ٹھکانہ اور ان کا مسکن جہنم کرے بے پڑھے جاہلوں کو جو چو پاؤں کی طرح ہیں دھوکے دیتے ہیں کہ وہ پیر وان سنت ہیں۔“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو ان تمام فرقوں سے جن پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے سخت تر کافر کہا گیا ہے کیونکہ وہابیوں سے دو گروہ مراد ہیں ایک وہ جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ دیوبندی خیال والوں سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ جو مولوی نذیر حسین دہلوی سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ حسام الحرمین صفحہ ۱۳ و ۱۴ پر وہابیوں کی قسمیں لکھ کر ظاہر کر دیا مثلاً وہابیہ امتالیہ خواتمیہ وہابیہ امیریہ وہابیہ قاسمیہ، وہابیہ کذابیہ، وہابیہ شیطانیہ، وہابیہ نذیریہ، اور ان کو مولوی امیر حسن و امیر احمد سہیلانی و

مولوی محمد ناسم صاحب النور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی نذیر حسین دہلوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

مختار مدعیہ نے ان فتوؤں کی طرف سے جو علمائے اہلسنت والجماعت ہندو حرمین شریفین نے دیوبندیوں کے حق میں دیئے ہیں عدالت کی توجہ مبثا دینے کی غرض سے کہا ہے کہ یہاں دیوبندیوں کے کفر و اسلام کی کوئی بحث نہیں ہے مگر یہ کہنا بالکل غلط اور دانستہ حقیقت الامر کو پوشیدہ کرنا ہے کیا مختار مدعیہ کو اپنا وہ ٹکڑا یاد نہیں رہا جو اس نے فیصلہ دربار معلیٰ کے حوالہ سے چنا اور پیش کیا ہے کہ ”علماء اسلام ہی اس کے متعلق بہترین فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا احمدی عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں اور کیا اس نے یہ امر بھی فراموش کر دیا ہے کہ دربار معلیٰ نے یہ مقدمہ شرع شریف کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے اس عدالت میں واپس کیا ہے یہ امر کسی طرح نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں کہ جو علماء اس امر کا فیصلہ کرنے والے قرار دیئے جائیں کہ فلاں شخص یا فلاں گروہ کے عقائد مطابق اسلام ہیں یا نہیں تو قبل اس کے کہ اس نہایت ہی نازک اور مہتمم بالنتان امر کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کا تقرر عمل میں آئے خود ان کے متعلق بھی یہ باور کیئے جانے کے کہ یہ دنیائے اسلام میں کیا سمجھے جاتے ہیں اور ان کے عقائد بھی مطابق اسلام ہیں یا نہیں قطعی اور یقینی وجہ موجود ہونا اشد ضروری ہے ورنہ کفر و اسلام جیسے مسئلہ میں ان کی رائے قابل توجہ تو کیا لائق التفات بھی نہیں ہو سکتی بہت صاف بات ہے کہ اگر وہ خود عقائد اسلامیہ نہ رکھتے ہوں اور اگر ان کے عقائد کی وجہ سے دنیائے اسلام کے مشرق سے لے کر مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک کے تمام علماء نے کفر کے فتوے دیئے ہوں حتیٰ کہ علماء حرمین شریفین نے بھی تو پھر وہ دوسروں کے کفر و اسلام کا فیصلہ کرنے کے کس طرح اہل سمجھے جاسکتے ہیں اس بیان سے ظاہر ہے کہ کیا اس معاملہ میں علماء دیوبند کے کفر کا کوئی سوال نہیں ہے یا علمائے دیوبند کے کفر و اسلام کا سوال ایک بڑا ہی ضروری سوال ہے کیا اتنی اہم بات ایسی آسانی سے نظر انداز کی جاسکتی ہے۔

اور کیا ایک ایسا معاملہ جو اپنے نتائج کے لحاظ سے نہایت وسیع الاثر اور بغایت مہتمم بالنتان ہے بعض غیر ذمہ دار اداؤں کے پیچ و خم اور نشیب و فراز کی بھول بھلیوں میں گم کر دیئے جانے کے لائق ہے دیوبندی علماء دوسروں کو کافر ٹھہرانے کے لیے فتوے لکھیں شہادتیں دیں محشیں کریں اور کوئی امکا فی کوشش اٹھانہ رکھیں لیکن جب بینات کرنے کے لیے کہ جو خود مرند اور کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیئے گئے ہوں جن کا کفر تمام روئے زمین کے کفار سے اشد اور اعظم بتایا گیا ہو وہ کسی کے کفر و اسلام کا فیصلہ کس طرح کر سکتے ہیں اس فیصلہ کے لیے تو فیصلہ کرنے والے کا خود مسلمان بلکہ اعلیٰ درجہ کا مسلمان ہونا شرط ہے تو مختار مدعیہ کو یہ کہہ کر مثال دینا چاہیے کہ یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے اگر یہاں دیوبندی علماء کے کفر و اسلام کا سوال نہیں ہے تو پھر جو ٹکڑا مختار مدعیہ نے دربار معلیٰ کے فیصلہ سے چن کر پیش کیا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور اس مقدمہ

کا شرع شریف کے مطابق فیصلہ کیا جانا کیا مطلب رکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ چونکہ اپنے عقائد کے لحاظ سے دیوبندی علماء خود مترادف قرار پا چکے ہیں نہ ایک بار بلکہ بار بار اور نہ صرف سنی حنفی علماء ہند ہی نے انہیں کافر و دائرہ اسلام سے خارج ٹھہرایا ہے بلکہ علمائے حرمین شریفین نے بھی اس لیے وہ کسی کے کفر و اسلام کا ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتے اور چونکہ ان کو احمدیوں کے ساتھ پہلے سے بغض و عناد چلا آتا ہے۔ اور وہ اس مقدمہ میں شہادت دینے سے قبل احمدیوں کے ساتھ اپنے بغض و عناد کا پورا پورا اظہار کر چکے ہیں جو طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے چنانچہ مولوی محمد شفیع گواہ ۱ نے کتاب ختم نبوت لکھی ہے اور مولوی مرتضیٰ حسن درجنگی گواہ ۲ نے اشد العذاب شائع کی ہے جس کا دوسرا نام دین مرزا کفر خالص رکھا ہے اور جس کے صفحہ صفحہ سے احمدیوں کے ساتھ بغض و عناد ظاہر ہوتا ہے اور اس کے بہت سے غلط الزامات و اتہامات و بہتانات اس نے عدالت میں بھی سنائے ہیں اور مولوی نور شاہ گواہ ۳ نے بھی اپنی ایک مخالفانہ تحریر عدالت میں دکھائی تھی جس کا نام الکفار اٹلحدین تھا اس لیے احمدیوں کے متعلق ان کا بیان قطعاً قابل التفات نہیں ہے اور چونکہ ان کی حالت مدعیانہ حالت سے بھی بدرجہا بڑھی ہوئی ہے لہذا ان کی شہادت اور یہ مقدمہ خارج ہو جانا چاہیے۔

مختار مدعیہ نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا کہ دوسرے محاکم کی نسبت حرمین کا فتویٰ بہت اوجھا ہے لیکن باوجود اس اقرار کے دیوبندیوں کا اس اونچے فتوے کے نیچے آنا اسے گوارا نہیں ہے بلکہ اس کے اونچے ہونے کا اقرار بھی اسی وقت تک ہے جب تک کہ دیوبندیوں کا نام درمیان میں نہ ہو۔

اگر دیوبندیوں کا نام درمیان میں آجائے تو پھر حرمین کا فتویٰ کیا؟ خود علماء حرمین بھی اونچے نہیں سمجھتے وہ بھی نیچے ٹھہرائے جانے اور باعتبار علم و فضل اور تقویٰ اللہ و خشیتہ اللہ۔ دیوبندی علماء کے مقابل میں پیچ۔ حتیٰ کہ ناقابل فتویٰ بتائے جاتے ہیں جیسا کہ فتویٰ حسام الحرمین کو علماء دیوبند کے حق میں قبول نہ کرنے اور نہایت صریح و صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں علماء حرمین کی ہجو کر کے علماء دیوبند کے مقابلہ میں انہیں خلاف شرع دے احتیاط اور روپیہ لے کر غلط فتویٰ لکھ دینے والے قرار دینے سے ظاہر ہے چنانچہ مولوی غیل احمد و مولوی رشید احمد کی طرف منسوب کتاب البراہین القاطعہ کے صفحہ ۱۸، ۱۹ سے اس بیان کی کما حقہ تصدیق ہوتی ہے ان میں لکھا ہے کہ علماء دیوبند کا حال جو کچھ ہے وہ سب گردش ہے اور کچھ دور نہیں جس مسلمان کا دل چاہے پچشم خود دیکھ لے کہ ظاہر لباس و میت موافق شرع کے رکھتے ہیں اور نماز کو باجماعت بخوبی ادا کرتے ہیں اور امر بالمعروف میں بشرط قدرت کوتاہی نہیں کرتے اور تحریر فتویٰ پر رعایت غنی فقیر کی نہیں حتیٰ جواب دیتے ہیں اور جو ان کو کوئی متنبہ کسی خطا پر کرے تو بشرط صحت قبول سے کبھی دریغ نہیں بسر و چشم

معترف ہوتے ہیں یہ سب اوصاف واضح ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے امتحان کر لیوے اور یہی قبولیت و نداشت کا نشان ہے (صفحہ ۱۱۸ البیہرین الفاطعہ شروع سطر سے) یہ تو دیوبندی علماء کی مدرج جو بلا امتیاز تمام علماء کے لیے ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ دیوبندی علماء میں سے ایک بھی ان صفات سے خالی نہیں ہے اب ملاحظہ ہو علماء حرمین کی جو جو انہیں حضرات اکابر دیوبند نے اسی کتاب میں اسی صفحہ اسی مقام پر عبارت منقولہ سے بالکل متصل تحریر کی ہے۔

”اور علماء مکہ کا حال جس نے عقل و علم کے ساتھ دیکھا وہ خوب جانتا ہے جو نہیں گیا وہ ثقافت کے بیان سے مثل مشاہدہ جانتا ہے اور اکثر وہاں کے علماء نہ کہ سب کیونکہ اکثر وہاں متقی بھی ہیں اس حالت میں کہ لباس ان کا خلاف شریع اسباب آستین اور دامن کا چٹخہ اور قمیص میں کرتے ہیں ریش اکثر کی قبضہ سے کم نماز میں بے احتیاطی امر بالمعروف کا باوصف قدرت کے نام و نشان نہیں اکثر انگوٹھی پھیلے غیر مشروع ہاتھوں میں پہنے ہوئے قطع صفوف شائع ہے فتویٰ نویسی میں کچھ دے کر جو چاہو لکھو الوائے کے عصیان اسے کوئی مطلع کرے تو مارنے کو موجود ہو جاویں اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں اور بغدادی رافضی سے کچھ روپیہ لے کر ابوطالب کو مومن لکھ دیا۔ خلاف روایات صحاح احادیث کے۔“

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بمقابلہ دیوبندی علماء کے یہ علماء حرمین کی تحقیر و تذلیل اور مذمت و بوجہ ہے یا نہیں اور اگر کسی کو اس کی کھلی کھلی جو ہونے میں ذرا بھی تامل ہو تو خود بوجہ کرنے والوں کا یہ اقرار کہ درحقیقت یہ بوجہ ہے اس کی تسلی کے لیے موجود ہے۔ چنانچہ صاحب عبارت نے منقولہ بالا عبارت کے آگے ہی لکھا ہے ”اور علیٰ ہذا کہاں تک لکھوں کہ طول ہے اور شرم بھی آتی ہے کہ بوجہ علماء حرمین کی لکھوں مگر بنا چاری لکھنا پڑا پس اگر کسی نے ایسی حالت میں علماء دیوبند کو علماء حرمین پر ترجیح بوجہ اعتماد کے دے دی تو کون سا غضب کیا اہل فہم انصاف کریں کہ ایسی حالت میں علماء دیوبند کا فتویٰ قابل اعتماد ہو گا یا علماء حرمین کا یہ ہے دیوبندی صاحبوں کی نظر میں دیوبندی مولویوں کے مقابلہ میں علماء حرمین کی وقعت اور ان کے فتوے کے مقابلہ میں ان کے فتوے کی عظمت اور بات یہاں تک پہنچ کر بھی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ موافق منقولہ مشہور ہے۔

بلکہ جو کی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سے رہ جاتی ہے وہ ان کے روحانی فرزند و خلیفہ اور دیوبندیوں کے شیخ الہند جناب مولوی محمود حسن صاحب اپنے مصنفہ مرثیہ میں پوری کر دیتے

ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

پھر میں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کارستہ  
جو رکھتے اپنے سینوں میں تھے ذوق و شوق عرفانی

جب کعبہ میں دیوبندیوں کے شیخ الہند کے نزدیک فقدان عرفانی کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ وہاں جانے والوں میں سے جو ذوق و شوق عرفانی رکھنے والے ہیں ان کو گنگوہ کارستہ پوچھنے کے لیے مارا مارا پھیرنا پڑتا ہے تا جو عرفانی کعبہ میں پہنچ کر بھی حاصل نہ ہو سکا تھا اور جس کا نام و نشان نظر نہ آیا تھا وہ گنگوہ پہنچ کر حاصل کریں کہ کعبہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد ہے تو گنگوہ مولوی رشید احمد صاحب کا یہ ہے کعبہ شریف کے متعلق جو بیت اللہ سمجھا جاتا ہے موجودہ دور کے سب سے بڑے دیوبندی اور تمام دیوبندیوں کے مسلمہ شیخ الہند اور امام کا نقطہ نظر جب بیت اللہ کے متعلق نقطہ نظر یہ ہے تو بیت اللہ کے شہر یعنی مکہ معظمہ کے متعلق جو کچھ ہو گا وہ محتاج بیان نہیں اب رہی مدینہ منورہ کی حالت تو اس کے متعلق موصوف الصدور دیوبندی شیخ الہند صاحب کا ارشاد قابل ملاحظہ ہے فرماتے ہیں ۔

تمہاری تربت اور کو دے کر طور سے تشبیہ  
کہوں ہوں بار بار آری میری دیکھی بھی نادانی !

مختار مدعیہ نے دیوبندیوں کو علمائے حرمین کے فتویٰ کفر کی زد سے بچانے کے لیے مذکورہ بالا عذر کے بعد دوسرا عذر یہ پیش کیا ہے کہ علماء حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ اس عذر سے اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ان فتوؤں کے دیوبندیوں کی بابت ہونے سے تو مختار مدعیہ کو بھی انکار کی گنجائش نہیں مل سکتی ہے۔ اور اتنا تو اسے بھی ماننا پڑا ہے کہ وہ فتوے دیئے تو دیوبندیوں ہی کے لیے گئے تھے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ اب ان کا کوئی اثر باقی نہیں با کیونکہ علمائے حرمین نے وہ فتوے واپس لے لیے۔ بہت خوب ؟ اب میں اس امر کی تحقیق شروع کرتا ہوں کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ فتوے درحقیقت علمائے حرمین نے واپس لے لیے تھے یا یہ بھی منجملہ اور مغالطوں کے مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ مذکور فتوؤں کے واپسی کے ثبوت میں رسالہ المہند پیش کر کے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ علمائے حرمین نے چھبیس<sup>۲۶</sup> سوالات دیوبندیوں کے عقائد کی بابت دیوبند بھیجے تھے جن کے جوابات دیوبند سے لکھے گئے اور علماء حرمین نے ان جوابات کے صحیح اور مطابق عقائد اہلسنت ہونے کی تصدیق کر دی اور اس طرح وہ کفر کے فتوے جو علمائے حرمین کی طرف سے دیوبندیوں پر دیئے گئے اور حسام الحرمین میں چھپے تھے

واپس ہو گئے لیکن یہ بالکل غلط ہے اور وہ فتوے ہرگز واپس نہیں کیے گئے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جن سوالات کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ علماء حرمین شریفین نے اہل دیوبند کے عقائد کی تحقیقات کے لیے دیوبند بھیجے تھے وہ علمائے حرمین نے نہیں۔ بلکہ بعض دیوبندی مولویوں نے جو اس زمانے میں وہاں گئے ہوئے تھے۔ اس غرض سے بھیجے تھے کہ ان کے جواب اپنے دیوبندی عقائد کے خلاف اور اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق لکھ دیئے جائیں نا علمائے حرمین شریفین ان کو اپنے عقائد کے مطابق پا کر ان کی تصدیق میں اپنے اپنے دستخط اور مہر میں ثبت کر دیں۔ اور پھر وہ جوابات مع تصدیقات علمائے حرمین ہندوستان میں شائع کئے جائیں اور یہ مشہور کیا جائے کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ دھوکے سے دیا تھا کیونکہ دیوبندیوں کے مخالفوں نے غلط عقائد پیش کر کے ان سے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ دیوبندیوں کے عقائد میں لیکن جب علمائے حرمین کو یہ شبہ پیدا ہوا کہ ہم کو دھوکہ دے کر فتویٰ لیا گیا ہے تو انہوں نے دیوبندیوں کے عقائد کی بابت سوالات لکھ کر دیوبند سے جواب طلب کئے۔ اور جب جواب دیکھے تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ دیوبندیوں کے عقائد صحیح ہیں اور اس پر دستخط اور مہر میں کر دیں پس ثابت ہو گیا کہ جو فتوے حماد الرحمن میں چھپے تھے وہ غلط تھے اور ان کا اب کوئی اثر نہیں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور سوالات بھیجے گئے اور پھر ان کے ایسے جوابات دیئے گئے جو دیوبندیوں کے خلاف اور اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق تھے اور کئی موقعوں پر دیوبندیوں کی کتابوں میں جو عبارتیں تھیں اور جن کی بنا پر پہلے علماء حرمین ان پر کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ تبدیل کر کے پیش کر دیں یعنی جو عبارتیں کتابوں میں تھیں وہ تو پیش نہیں کیں۔ بلکہ ان کی جگہ اور عبارتیں اہلسنت والجماعتہ کے عقائد کے مطابق اپنی طرف سے وضع کر کے پیش کر دیں پھر ان مغالطہ انگیز جوابوں پر ہندوستان کے دیوبندی مولویوں سے تصدیقیں کرائیں کہ یہی ہمارے اور ہمارے اکابر کے عقائد ہیں۔ علاوہ اس کے ایک رسالہ وہابیوں کے عقائد کے رد میں یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ جب ہم وہابیوں کا رد کرتے ہیں تو پھر ہم خود کہاں وہابی ہو سکتے ہیں لکھا گیا اور پھر علمائے حرمین کے سامنے حسب موقعہ کہیں مذکورہ سوالات اور کہیں وہ رسالہ رد وہابیہ پیش کر کے دستخط و مواہر حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور کچھ دستخط و مواہر اس طریقہ سے حاصل کیے گئے اور پھر وہ سب المہند میں نقل کئے گئے۔ اور تیس<sup>۲۳</sup> مہر میں علامہ برزنجی کے رسالہ سے المہند میں اتاری گئیں۔ جو دیوبندیوں کے جواب پر نہیں تھیں بلکہ علامہ برزنجی کے ایک رسالہ پر تھیں اور المہند کے صلا پر درج ہیں اور یہ سب بائیں المہند سے ثابت ہیں۔

پہلی بات کا کہ سوالات مذکورہ علمائے حرمین میں سے کسی نے نہیں کیے بلکہ دیوبندی مولویوں میں سے جو اس وقت وہاں موجود تھے کسی نے بھیج دیئے تھے ثبوت یہ ہے کہ تیسویں سوال میں مولوی رشید احمد صاحب گگڑی

کے لیے علامہ زماں کے الفاظ لکھے گئے ہیں یعنی سوال ان الفاظ میں کیا گیا۔ کہ کیا علامہ زماں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نعوذ بآپ بھوت بوتنا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ علمائے حرمین جو مولوی رشید احمد صاحب پر کچھ ہی مدت پہلے کفر کا فتویٰ دے چکے تھے وہ انہیں نو تحقیقات سے پہلے ان کو علامہ زماں نہیں لکھ سکتے تھے۔ پھر اکیسویں سوال کے جواب میں سوال کرنے والوں کو مخاطب کر کے یہ لکھا گیا ہے کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ وہابیات و موضوع روایات بیان ہوتی ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ سوال کرنے والے وہ لوگ تھے جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں خوب دیکھے ہوئے تھے اور جوابی اچھی طرح سن چکے تھے کہ ان مجلسوں میں وہابیات اور موضوع روایات بیان ہوا کرتی ہیں اور ایسے لوگ جو ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں شریک ہوں اور اردو زبان کی تقریروں میں وہابیات اور موضوع روایات کا بیان ہونا معلوم کر لیں ہندوستانی مولوی ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ علماء حرم۔

پھر المہند کے صاحبزادے علامہ سید احمد صاحب برزنجی کی تحریر میں ان سوالات کے متعلق یہ لکھا ہے کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور اس عالم کا نام ظاہر نہیں کیا گیا حالانکہ اگر علمائے حرمین نے وہ سوالات دیوبند کو بھیجے ہوتے تو برزنجی صاحب کو علم ہوتا مگر اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو ان کا بھیجا جانا علامہ برزنجی صاحب کے علم میں تھا اور نہ مولوی خلیل احمد صاحب نے وہ رسالہ پیش کرتے وقت جن میں وہ سوالات اور ان کے جوابات تھے ان پر ظاہر کیا کہ سوالات کس کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پس صرف اتنا ہی ظاہر کیا کہ کسی عالم کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ علاوہ اس کے سوالات کے آخر میں بھی یہ امر ظاہر نہیں کیا گیا کہ سوالات بھیجنے والے کون حضرات ہیں اور یہ سب امور ثابت کر رہے ہیں کہ سوالات بھیجنے والے علمائے حرمین نہیں بلکہ دیوبندی مولوی صاحبان ہی تھے۔ دوسری بات یہ کہ سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ دیوبندی عقائد کے مطابق نہیں بلکہ عقائد اہلسنت کے موافق ہیں یہ ثبوت ہے کہ المہند موجود ہے دیکھ لی جائے بلا استثناء ہر سوال کے جواب کی یہی حالت ملے گی۔

نمونہ کے طور پر چند جوابوں کے متعلق میں عرض بھی کرتا ہوں۔ بارہواں سوال یہ تھا کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی حلال سمجھتا تھا مسلمانوں کے خون۔۔۔۔۔ مال اور ابرو کو اور تمام لوگوں کو منسوب کرتا تھا شرک کی جانب اور سلف کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک ان کا حکم وہی ہے جو صاحب درمختار نے فرمایا ہے کہ خوارج ایک جماعت ہے شرک والی جس نے امام پر چڑھائی کی تھی اس سے آگے چل کر۔ والمختار، علامہ شامی سے نقل کیا جیسا کہ ہم کہہ رہے ہیں عبد الوہاب کے تابعین سے سرزد ہوا کہ نجد سے نکلا حرمین شریفین پر متغلب ہوئے اپنے کو حنبلی



مذہب بتاتے تھے۔ مگر عقیدہ ان کا یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک ہے۔  
پھر لکھا کہ عبدالوہاب اور اس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلہ مشائخ میں نہیں ہے۔

اس جواب سے یہ ظاہر ہے کہ دیوبندیوں کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ وہابیوں کے عقیدوں سے سخت بیزار ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو خارجیوں کی طرح سمجھتے اور تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دینے والا جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ جواب حقیقت کے بالکل ہی خلاف ہے اور عبدالوہاب کے متعلق دیوبندیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اور یہ عقیدہ توسی حنفی حضرات کا ہے۔ جو دیوبندیوں نے علماء حرمین کو مغالطہ دے کر ان سے اپنے موافق فتویٰ حاصل کرنے کے لیے اپنے عقیدے کی جگہ پیش کر دیا ہے ورنہ خود ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروؤں کا عقیدہ نہایت عمدہ ہے اور عقائد میں دیوبندی اور وہابی سب متحد ہیں۔ ہاں اعمال میں کچھ فرق ہے وہ بھی ایسا ہی جیسا کہ حنفی۔ شافعی اور مالکی جنسلی میں ہے۔

چنانچہ تمام دیوبندیوں کے مسلم مقتدا اور امام جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ جلد اول ص ۱۱۹ مطبوعہ جدید برقی پریس میں فرماتے ہیں :

”محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد اُگیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی مالکی حنبلی کا ہے۔“

یہ وہ وہابیوں اور ان کے عقائد کے متعلق دیوبندیوں کا عقیدہ اور اسی وجہ سے کہ وہ وہابیوں کے عقیدوں کو عمدہ بتاتے اور ان کے ساتھ عقائد میں متحد ہیں۔ وہابیہ دیوبند کہلاتے ہیں۔ لیکن علمائے حرمین کے سامنے اس کے بالکل برخلاف پیش کر دیا کہ ہم محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیرو وہابیوں کو خارجیوں کی طرح سمجھتے ہیں۔

اور اسی پر علمائے حرمین نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عقیدہ صحیح اور اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ہے تو اس فتویٰ سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ علمائے حرمین نے دیوبندیوں کے عقیدے کو عقیدہ اہلسنت کے مطابق قرار دیا اور وہابیہ عقائد کی وجہ سے جو کفر کا فتویٰ حسام الحرمین میں ان پر دیا تھا وہ اٹھا لیا ہے انیسواں سوال یہ تھا۔ کیا تمہاری رائے ہے کہ ملعون شیطاں کا علم سید اکسانات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے۔ اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا کیا حکم ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم

علیہ السلام سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جاسکتا ہے۔

لیکن جو میاں خلیل احمد صاحب انٹھی نے یہ جواب دیا ہے۔ وہی نہایت جسارت سے اپنی کتاب براہین قاطعہ کے ص ۱۷ میں یہ لکھ چکے ہیں کہ ”شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو مطلقاً منقطع طبعہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سے ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نقص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔“

اس عبارت میں شیطان و ملک الموت کو علم محیط زمین کا حاصل ہونا اور ان کی یہ وسعت علم آیت سے ثابت مانی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط زمین اور آپ کی وسعت علم کے متعلق کسی آیت کی موجودگی سے انکار کیا ہے اور اہلسنت و جماعت سے پوچھا ہے کہ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نقص قطعی ہے یعنی کوئی بھی نہیں ہے شیطان و ملک الموت کے لیے تو علم محیط زمین کا تسلیم کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے علم محیط زمین کے تسلیم کرنے کو شرک قرار دیا ہے اور یہی وہ عقیدہ تھا جس کی وجہ سے علمائے حریم نے دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اب علمائے حریم کے سامنے براہین قاطعہ کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے خلاف یہ لکھ دیا گیا کہ جو شخص نبی کریم علیہ السلام کے علم سے کسی کے علم کو زیادہ بتا دے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اور اس کے ساتھ ایک ایسی عبارت بڑھا دی گئی جس کا براہین قاطعہ میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ اگر اس جواب کو علمائے حریم نے صحیح اور درست کہا اور عقائد اہلسنت کے موافق بتایا تو اس سے دیوبندیوں کے عقیدے کو صحیح اور درست بتانا کہاں ثابت ہوا اور جو فتویٰ کفر کا ان پر حسام الحرمین میں دیا تھا۔ اس کا واپس لے لینا کس طرح لازم آیا۔ کیونکہ المہند تو علمائے حریم نے اہلسنت کے اس عقیدے کی تصویب و تصدیق کی ہے نہ کہ دیوبندیوں کے عقیدے کی جو براہین قاطعہ ص ۱۷ کی عبارت سے ثابت ہے۔

بیسوال سوال یہ تھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم زید بکر اور چوپاؤں کے علم کے برابر ہے یا اس قسم کے خرافات سے تم بری ہو اور مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ حفظ الایمان میں یہ مضمون لکھا ہے یا نہیں اور جو یہ عقیدہ رکھے اس کا کیا حکم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک افتراء اور جھوٹ ہے کہ کلام کے معنی بدلے اور مولانا کی مراد کے خلاف ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد ایک لمبی عبارت اپنی طرف سے لکھ کر اسکو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

کی عبارت کا حاصل بتا دیا ہے اور پھر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے نام سے یہ عبارت پیش کی ہے۔ پھر یہ کہ حضرت کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا اطلاق اگر بقول زید صحیح ہو تو ہم اس سے دریافت کرتے ہیں کہ اس غیب سے مراد کیا ہے یعنی غیب کا ہر ہر فرد یا بعض غیب کوئی غیب کیوں نہیں ہو۔ پس اگر بعض غیب مراد ہے تو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تخصیص نہ رہی۔ کیونکہ بعض غیب کا علم اگرچہ مقصور اسات ہے۔ زید و عمر بلکہ ہر بچہ اور دیوانے بلکہ جملہ حیوانات اور چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کئی کئی ایسی بات کا علم ہے کہ دوسرے کو نہیں ہے تو اگر مسائل کسی پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق بعض غیب کے جاننے کی وجہ سے جائز رکھنا ہے تو لازم آتا ہے کہ اس اطلاق کو مذکورہ بالا تمام حیوانات پر جائز سمجھے اور اگر مسائل نے اس کو مان لیا تو یہ اطلاق کمالات نبوت میں سے نہیں رہا۔ کیونکہ سب شریک ہو گئے۔ اور اگر اس کو نہ مانے تو وجہ فرق پوچھی جائے گی اور وہ ہرگز بیان نہ ہو سکے گی۔ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا۔

بڑی دلیرمی سے یہ عبارت مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی عبارت بتائی گئی ہے اور خاتمہ پر نہایت جسارت سے لکھا گیا ہے کہ مولانا تھانوی کا کلام ختم ہوا پھر علمائے حریمین سے کہا وہ کہ خلافت پر رحم فرمائے ذرا مولانا کا کلام ملاحظہ فرماؤ۔

بدعتیوں کے جھوٹ کا کہیں پتہ بھی نہ پاؤ گے اور اس قول میں نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ جو عبارت پیش کی گئی ہے وہ بلفظہا حفظ الایمان میں موجود ہے۔ حالانکہ یہ بالکل دروغ بے فروغ ہے اور حفظ الایمان میں عبارت مندرجہ بالا ہرگز موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف اس میں یہ عبارت ہے۔ ”آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اور حد یہ حفظ الایمان کے اسی مضمون کی عبارت ہے جس کے متعلق تمام سنی علماء نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ اس میں مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دہلوی نے علم غیب کی دو قسمیں کی ہیں علم کل اور علم بعض۔ پہلی قسم یعنی غیب کے علم کل کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے نفی کر دی ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی علم بعض غیب تو یہ حضور کے لیے ثابت مانا ہے۔ مگر اسی علم بعض غیب کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے مانا ہے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

اس میں کیا شک ہے کہ یہ صریح طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو بچوں۔ دیوانوں اور جانوروں

کے علم کے برابر بنانا ہے علمائے حریمین کے فتویٰ کے بموجب جو اشد درجہ کافر ہے اور علماء ہند و عرب بالخصوص علمائے حریمین نے اسی وجہ سے بھی دیوبندیوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ مولوی خلیل احمد صاحب انٹھی دیوبندی نے اپنے جواب میں حفظ الایمان کی یہ عبارت تو پیش نہیں کی جو میں نے نقل کی ہے اور جس پر علمائے حریمین وغیرہ نے کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ بلکہ اپنی طرف سے ایک عبارت گھڑ کر پیش کر دی کہ حفظ الایمان میں یہ عبارت لکھی ہے پس مولوی خلیل احمد کی گھڑی ہوئی عبارت پر علمائے حریمین نے جو اسے ظاہر کی وہ مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان کے کفریہ مضمون کی بابت نہیں ہو سکتی اور اس سے کبھی طرح یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حفظ الایمان کے مضمون کی بنا پر علمائے حریمین نے صام الحرمین میں دیوبندیوں پر جو کفر کا فتویٰ دیا تھا وہ واپس لے لیا ہے۔ کیونکہ علمائے حریمین کا فتویٰ کفر تو حفظ الایمان کی عبارت کے متعلق تھا۔ نہ کہ اس عبارت کے متعلق جو مولوی خلیل احمد نے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کی ہے۔

ایک سوال سوال: مجلس مولود شریف یعنی ذکر ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا کہ تم اس کو شرعاً قبیح اور بدعت سیئہ اور حرام سمجھتے ہو یا کچھ اور۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر ملکہ آپ کی جوتیوں کے بخار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح اور بدعت سیئہ یا حرام کہے وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سا بھی علاقہ ہے ان کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ کے بول و براز اور نشت و برخاست اور بیداری خواب کا تذکرہ ہو۔ جیسا کہ ہمارے رسالہ براہین قاطعہ میں متعدد جگہ بصراحت مذکور اور ہمارے مشائخ کے فتاویٰ میں مسطور ہے۔

پھر اس کی تائید میں مولوی احمد علی صاحب سہانپوری کے فتوے کی عبارت اس ذکر کے ساتھ درج کی ہے کہ مولانا سے کسی نے سوال کیا تھا کہ مجلس شریف کس طریقہ سے جائز ہے اور کس طریقہ سے ناجائز تو مولانا نے اس کا یہ جواب لکھا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر صحیح روایات سے ان اوقات میں جو عبادات واجہہ سے خالی ہوں۔ ان کیفیات سے جو صحابہ کرام اور اہل قرون ثلاثہ کے طریقہ کے خلاف نہ ہوں۔ جن کے خیر ہوئے شہادت حضرت نے دی ہے ان عقیدوں سے جو شرک و بدعت کے موہم نہ ہوں اور ان آداب کے ساتھ جو صحابہ کی اس سیرۃ کے مخالف نہ ہوں جو حضرت کے ارشاد مانا علیہ واصحابی کی مصداق ہے ان مجالس میں جو منکرات شرعیہ سے خالی ہوں بدبخی و برکت ہے بشرطیکہ صدق نیت اور اخلاص اور اس عقیدے سے کیا جائے کہ یہ بھی منجملہ دیگر افکار حسنہ کے ذکر حسن ہے۔ کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں

پس جب ایسا ہوگا تو ہمارے علم میں کوئی مسلمان بھی اس کے ناجائز یا بدعت ہونے کا حکم نہ دے گا الخ۔  
 مولوی احمد علی صاحب کا یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد مولوی خلیل احمد دیوبندی انہی لکھتے ہیں اس سے  
 معلوم ہو گیا کہ ہم ذکر ولادت شریفہ کے منکر نہیں بلکہ ان ناجائز امور کے منکر ہیں جو اس کے ساتھ مل گئے ہیں۔  
 جیسا کہ ہندوستان کی مولود کی مجلسوں میں آپ نے خود دیکھا ہے کہ وہاں روایات و موضوع روایات بیان ہوتی ہیں۔  
 مردوں عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے چراغوں کے روشن کرنے اور دوسری آرائشوں میں فضول خرچی ہوتی ہے۔  
 اور اس مجلس کو واجب سمجھ کر جو شامل نہ ہو اس پر طعن و تکفیر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور منکرات شریعیہ ہیں  
 جن سے شائد ہی کوئی مجلس میلاد خالی ہے۔ پس اگر مجلس مولود منکرات سے خالی ہے تو حاشا کہ ہم یوں کہیں کہ  
 ذکر ولادت شریفہ ناجائز اور بدعت ہے اور ایسے قول شیعہ کا کسی مسلمان کی طرف کیونکر گمان ہو سکتا ہے۔  
 پس ہم پر یہ بہتان بھوٹے ملحد دجالوں کا افتراء ہے۔ المہند ص ۲۳، ۲۵۔

اس جواب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کا مخالفت ہونا اور  
 اس کو قبیح و بدعت یا حرام کہنا تو کیا معنی۔ دیوبندی تو آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کے تذکرے کو بھی  
 قبیح و بدعت یا حرام نہیں کہتے۔ اور جن حالات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذرا سا بھی تعلق ہو۔  
 وہ دیوبندیوں کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔ خواہ ذکر ولادت شریفہ ہو یا آپ  
 کے بول و بلاز وغیرہ کا تذکرہ اور اپنے اس خیال کی تصدیق کے لیے دو تحریریں پیش کی ہیں ایک وہ فتویٰ جو اس  
 سوال کے جواب میں کہ مجلس میلاد شریف کس طریقہ سے ہونی چاہیے۔ مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری نے  
 دیا ہے اور دوسری براہین قاطعہ جس میں متعدد جگہ اپنے عقیدہ مذکورہ کے مسطور ہونے کا ذکر کیا ہے۔  
 اب میں یہ دکھانے کے لیے کہ اس معاملہ میں درحقیقت دیوبندیوں کا عقیدہ کیا ہے، ان کی مسلمہ کتب  
 کی طرف متوجہ ہوں اور سب سے پہلے براہین قاطعہ ہی کو لیتا ہوں۔

اس کے صفحہ ۱۴۸ میں مجلس میلاد شریف اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف  
 کا ذکر آنے کے وقت قیام کرنے یعنی کھڑے ہو جانے کے متعلق مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ درج کیا گیا  
 ہے اور اس قیام کے متعلق تو یہ بتایا ہے کہ اگر وہ اس لیے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح دنیا  
 میں آئی ہے تو قیام معاذ اللہ کنہیا کے سوانگ کی طرح ہے۔ جو ہندو دہر سال بناتے ہیں اور ایک ہندو  
 خرافات ہے اور حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق ہے اور ایسا کرنے والے کنہیا کا سوانگ بنانے والوں سے  
 بھی بڑھ کر ہیں اور پھر قیام کے متعلق کئی صورتیں قائم کر کے دکھائے۔

”الحاصل یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت و منکر اور دوسری صورت میں حرام و فسق اور تیسری

صورت میں کفر و شرک اور چھٹی صورت میں اتباع ہوا اور کبیرہ ہوتا ہے یہ فتویٰ تو قیام کے متعلق تھا اور مجلس مولود شریف کو مجلس پر اثر اور معاصی وغیرہ مشروعات جمع فساق و فجار اور محض بدعات و شرور لکھا ہے اور مجلس میلاد شریف منعقد کرنے والوں کو مبتدع فاسق و فاجر و مرتکب حرام و کفر و شرک قرار دے کر آخر میں یہ لکھ دیا ہے کہ خود یہ مجلس میلاد ہمارے زمانے کی بدعت و منکر ہے اور شرعاً کوئی صورت جواز اس کے نہیں ہو سکتی۔ المراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی علماء حرمین کے سامنے جو جواب پیش کیا گیا ہے۔ اس میں تو آنحضرت صلی علیہ وسلم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو بھی قبیح و بدعت سیئہ یا حرام کہنے سے نفرت و بیزاری اور اس سے اپنی بریت ظاہر کی گئی ہے۔ اور اس کی تصدیق و تائید کے لیے براہین قاطعہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور براہین قاطعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گدھے کے پیشاب کے ذکر کو نہیں بلکہ جس مجلس میں خود حضور کا ذکر و ولادت شریف کیا جائے۔ اس مجلس کو بحیثیت مجموعی معاذ اللہ کنہیا کا سوانگ اور حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق قرار دیا ہے اور اس کے منعقد کرنے اور شرک ہونے والوں کو مجمع فساق و فجار کہا اور کفار سے بدتر ٹھہرایا ہے اور قیام کو حرام و فسق اور کفر و شرک تک پہنچایا ہے اور بالآخر مجلس ذکر میلاد شریف کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت نہیں ہو سکتی اور دیوبندی صاحبوں کے اس جواب میں جو علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کیا ہے اور اس بیان میں جو براہین سے میں نے نقل کر دیا ہے۔ جو فرق ہے وہ ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

لیکن اس کے متعلق ایک عذرنا واقفوں کو مغالطہ دینے کے لیے کیا جاتا ہے کہ مجلس ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت نہیں کی گئی ہے۔ اس کو حرکت قبیحہ قابل لوم اور کنہیا کا سوانگ نہیں کہا ہے اس کی حرمانت نہیں کی ہے اور وہ شرعاً ناجائز نہیں بتائی گئی ہے۔ بلکہ اس میں جو غیر مشروع باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ یہ سب ان کے متعلق اور ان کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ یہ عذر بڑی کثرت سے پیش کیا جا چکا ہے اور برابر پیش کیا جاتا ہے۔ مگر فی الحقیقت اس کی بھی اصلیت نہیں ہے۔ اور یہ بڑا مغالطہ ہے۔ کیونکہ اگر مجلس ذکر میلاد شریف میں کوئی بات بھی غیر مشروع نہ ہو اور وہ بالکل اس طریقہ سے کی جائے جس طریقہ سے دیوبندی صاحبوں کے مسلم مقتدا مولوی حاجی شہناہ امداد اللہ صاحب یا اور بزرگان دین کرتے رہے ہیں۔ تو بھی ان حضرات کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کے لیے میں مسلم مقتدا و پیشوائے دیوبندی جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتویٰ پیش کرتا ہوں۔

سوال کیا گیا کہ مولود شریف اور عرس کہ جس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو جیسے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے آپ کے نزدیک جائز ہے یا نہیں اور شاہ صاحب واقعی مولود و عرس کیا کرتے تھے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب پوری توجہ کے بعد جواب ملاحظہ ہو۔ مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔

## جواب

۱۔ ”عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو۔ مگر اہتمام و تداعی اس میں بھی ہے۔ لہذا اس زمانے میں درست نہیں۔ و علیٰ ہذا عرس کا جواب ہے۔ بہت اشیاء کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت میں منع ہو گئیں۔ مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے“ فقط رشید احمد گنگوہی عفی عنہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۹۲۔

۲۔ پھر سوال کیا گیا کہ انعقاد مجلس میلاد بدوں قیام بروایات صحیحہ بھی درست ہے یا نہیں تو اس کے جواب میں مولوی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں :

”انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے۔ تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے۔“ فقط

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۸۳۔

۳۔ پھر سوال کیا گیا ہے محفل میلاد میں جس میں روایات صحیحہ پڑھی جائیں اور لاف و گزاف اور روایات موضوعہ اور کاذبہ نہ ہوں شریک ہونا کیسا ہے۔

اس کا جواب مولوی صاحب نے صاف یہ دیا ہے کہ ناجائز ہے بسبب اور وجوہ کے۔

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۸۸)

اب ان تمام فتاویٰ سے ظاہر ہے کہ مولود دیوبندیوں کے نزدیک ہر حال میں ناجائز ہے۔ لیکن المہند میں صریح اس کے خلاف لکھا گیا ہے۔ پس علماء حرمین کا جو فتویٰ دیوبندیوں پر فحواہ اپنی صورت پر باقی رہا۔ اور جو عذر مختار مدعیہ نے پیش کیا تھا کہ ہم پر فتویٰ تو لگایا گیا لیکن وہ علماء حرمین نے واپس لے لیا تھا۔ مذکورہ بالا بیان سے بالکل غلط ثابت ہوا اور علماء حرمین کے نزدیک وہ ان عقائد کی بنا پر جو ان کے مقدّموں کی کتابوں میں موجود ہیں کافر ہوئے اور کافر بھی ایسے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔ لہذا ان کی شہادتیں مقدمہ ہذا میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں بلکہ رد کرنے کے لائق ہیں۔ کیونکہ وہ علماء اسلام سے نہیں ہیں۔

### ۳۳۵۔ گواہان مدعا علیہ پر تنقید کا جواب

مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر تنقید کرتے ہوئے گواہ ۱ کے متعلق کہا ہے کہ اس نے یکم مارچ کو مختار مدعیہ کے سوال بجز کے جواب میں کہا کہ سلسلہ احمدیہ کا لٹریچر میری نظر سے نہیں گذرا جو اس وقت تک شائع ہوا ہے اور چونکہ گواہان مدعا علیہ کو مسلم ہے کہ حکم کسی پر اس وقت لگایا جائے گا جب کہ اس کی تصنیفات سے آگاہی

حاصل ہو۔ لہذا مرزا صاحب کے مسلمان ہونے کے بارے میں ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ کسی کا اسلام ثابت کرنے کے لیے سب باتوں کا علم ہونا چاہیے اور چونکہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے ایسا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے سلسلہ احمدیہ کی تمام کتابوں سے ناواقفیت کا اعتراف گواہان مدعیہ پر عائد نہیں ہو سکتا۔

### جواب

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کی عبارت محرف کر کے پیش کی ہے اور اس سے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ گویا گواہ مذکور کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے واقفیت کا انکار ہے لیکن یہ مختار مدعیہ کا صریح مخالف ہے جو اس نے عدالت کو دینا چاہا ہے مدعا علیہ کے گواہ نے جو کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”سلسلہ احمدیہ کی طرف سے اس وقت تک جس قدر لٹریچر شائع ہو چکے ہیں وہ سب کا سب میری نظر سے نہیں گزرا۔“

اور ظاہر ہے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام لٹریچر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کے علاوہ دوسرے بہت سے احمدی مصنفین کی کثیر التعداد کتب اور جرائد اور مجلات سب شامل ہیں جن کا پڑھنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے پیروں کا اسلام ثابت کرنے کے لیے ہرگز ضروری نہیں بلکہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا پڑھ لینا کافی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ کے اسلام ثابت ہونے کا دار و مدار حضرت مسیح موعود کی کتب پر ہے اور مدعا علیہ انہی معتقدات کا پابند ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تھے اور جو قرآن مجید و احادیث صحیحہ کے بالکل مطابق ہیں۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ کسی کے عقیدے کو کفر یہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے اس کی تمام تصانیف کا دیکھا جانا ضروری نہیں قطعاً باطل ہے کیونکہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کوئی مبہم یا ذوالوجہ عبارت غلط فہمی کا موجب ہو اور خلاف منشاء متکلم معنے لے لینے کی وجہ سے موجب کفر سمجھ لی جائے۔ حالانکہ درحقیقت وہ موجب کفر نہ ہو۔ پس کسی کے کلام کو موجب کفر قرار دینے کے لیے بہت بڑی ضرورت ہے کہ اس کے مابقیہ والی پر بھی خوب غور سے نظر کی جائے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہ کر کے اس کی دوسری تصانیف بھی اچھی طرح دیکھ لی جائیں تا اس امر کے متعلق کہ درحقیقت اس کے کلام کا مطلب اور اس کا عقیدہ کیا ہے۔ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے اور کسی کے متعلق کفر جیسے نازک اور خطرناک امر کی بابت رائے دینے میں غلطی نہ ہو جائے۔ مختار مدعیہ کا اس کے خلاف بیان کرنا اور جس کے خلاف کفر کا فتویٰ دینا ہو۔ اس کے اسی کلام کی بابت جو موجب کفر معلوم ہوتا ہو یہ تحقیق کرنے کے لیے کہ درحقیقت وہ موجب کفر ہے بھی یا نہیں اس کی اور تصانیف کے دیکھنے کو غیر ضروری بتانا عقل و انصاف کے خلاف ہونے کے علاوہ گواہ مدعیہ کے بیان پر بھی پانی پھیر دینے والا ہے۔ کیونکہ



اس نے ۲۸ اگست کو بحواب جرح یہ اصل بیان کیا ہے۔

”ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کرایا جائے اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کردینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔“

اور واضح رہے کہ فتویٰ دینے کے بارے میں گواہ مدعیہ ۱ کا قول بہ نسبت مختار مدعیہ کے قول کے زیادہ معتبر اور ماننے کے قابل ہے کیونکہ گواہ مدعیہ ۱ بقول اس کے دارالعلوم دیوبند کے مفتی ہیں اور مختار مدعیہ ایک معمولی آدمی ہے جو کسی یونیورسٹی کا سند یافتہ نہیں ہے۔ پس کسی کے عقیدے کو کفریہ عقیدہ ثابت کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اس کی کسی کتاب کا ایک جملہ پیش کر دیا جائے۔ بلکہ اس کا مابقی و لاحق اور اس کی دوسری تصانیف کا دیکھنا بھی ضروری ہے۔ لیکن گواہان مدعا علیہ ۱ نے بحواب جرح اقرار کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کا سوائے ان عبارات کے جو پر غرض کئے اسے مطالعہ نہیں کیا۔ اور یہ صورت ایسی ہے کہ ان کی شہادت کو قابل التفات نہیں رہنے دیتی۔

(۲)

## دربارِ معلیٰ کی توہین

مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مدعا علیہ کے گواہ ۱ نے اپنے بیان میں یہ ذکر کیا ہے کہ گواہان مدعیہ نے فتویٰ تکفیر کی بنیاد بعض علماء کے اقوال پر رکھی ہے اور اس میں دربارِ معلیٰ کی صریح توہین ہے۔

”ممولوی صاحب موصوف نے بطور دلائل کئی ایک آیات قرآن شریف پیش کیں جن میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔“

اس کا جواب یہ ہے کہ شیخ الجامعہ کی شہادت کے متعلق دربارِ معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے ایک طرفہ رائے ہے جو قانوناً کسی طرح قابل قبول نہیں ہے۔ دربارِ معلیٰ میں مدعا علیہ کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اُسے اس پر جرح کا موقعہ دینا چاہیے۔ یہاں تک کہ مدعا علیہ کی طرف سے ایک عالم جرح کے لیے پیش بھی ہوئے۔ مگر دربارِ معلیٰ نے اسے جرح کرنے سے روک دیا۔ ان حالات میں دربارِ معلیٰ کی مذکورہ بالا رائے قطعاً قابل اعتناء نہیں ہے۔ علاوہ اس کے مختار مدعیہ ۱ کے مذکورہ بالا قول کو دربارِ معلیٰ کی توہین کا موجب بتانا اپنے آپ کو مدعی سست گواہ چست کی مثل کو اصلی کر دکھانا ہے۔ کیونکہ دربارِ معلیٰ خود بھی اپنی رائے کو ایک طرفہ سمجھتے ہوئے قطعی نہیں قرار دیتا۔ چنانچہ نقلی تجویز اجلاس خاص منعقدہ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۱ء منظور شدہ ۲۵ جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھا ہے

دو گروہم اس مقدمہ کو فیصلہ کرنے کے لیے شیخ الجامعہ صاحب کی رائے کو کافی نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ دیگر ہندوستان کے بڑے بڑے علماء دین اس رائے سے اتفاق نہ رکھتے ہوں۔ اس لیے ہمارے خیال میں یہ مقدمہ مزید تحقیقات کا محتاج ہے اور مدعا علیہ کو بھی موقع دینا چاہیے کہ شیخ الجامعہ صاحب کے بالمقابل اپنے دلائل پیش کرے۔

اور جب مدعا علیہ کی طرف سے ان تمام دلائل کو جو گواہان مدعیہ اور شیخ الجامعہ نے اس امر کے اثبات میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ غلط ثابت کر دیا اور بتا دیا گیا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت اور صحاح میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس سے یہ نکلتا ہو۔ کہ جس قسم کی نبوت کا مدعا علیہ قائل ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہے اور گواہان مدعیہ کوئی آیت یا حدیث ایسی پیش نہیں کر سکے جس میں مدعا علیہ کے موافق عقیدہ رکھنے والوں کو کافر کہا گیا ہے۔ بلکہ اس کو کافر ثابت کرنے کے لئے علماء کے قول پیش کئے گئے تو گواہ مدعا علیہ ملے گا یہ کہنا کہ فتویٰ تکفیر کی بنیاد علماء کے اقوال پر رکھی گئی ہے۔ بجائے خود بالکل صحیح اور درست ہے اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانات میں ثابت کر دیا ہے کہ مدعا علیہ کا یہ عقیدہ :

”کہ میں خدا تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہوں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتا ہوں۔ قرآن کریم کو الہامی مانتا ہوں۔ کلمہ طیبہ پر میرا ایمان ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور توسل اور آپ کی شریعت مقدسہ کی اطاعت سے حضرت مرزا صاحب کو امتی نبی تسلیم کرتا ہوں۔ حضرت مرزا صاحب کو نئی شریعت نہیں لائے۔ بلکہ شریعت محمدی کے تابع اور انشاء عن کرنے والے ہیں ان پر وحی الہام بابرکت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وارد ہوتے تھے۔ ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء“

قرآن مجید اور حدیث کی رو سے بالکل درست ہے اور ائمہ سلف صالحین نے یا تو ایسی نبوت کے متعلق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ نہ ہو بلکہ آپ کے اتباع میں ملے سکوت اختیار کیا ہے یا اس کے ملنے کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے۔

پس محتار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ملے پر مذکورہ بالا اعتراض بالکل باطل ہے۔

عدالت میں شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی شہادتیں بھی ہوئی ہیں۔ لیکن چونکہ ان دونوں کی شہادتوں میں دہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو دوسرے گواہان مدعیہ نے بیان کی ہیں اور انہوں نے جو باتیں بیان کی ہیں گواہان مدعا علیہ نے ان کا مسکت جواب دے دیا ہے۔ اس لیے شیخ الجامعہ اور مولوی محمد حسین کی گواہیاں باطل اور

قابل انتقادات ہو گئیں اور ان کے متعلق علیحدہ جرح کی ضرورت نہ رہی۔

(۳)

## گواہ مدعا علیہ ۱ کی معلومات پر بحث کا جواب

- ۱۔ مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ۱ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ اس کی معلومات ناقص ہیں۔ کیونکہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے الحجر الرائق سے بہت سی عبارات نقل کی ہیں، رمارچ کو جب الحجر الرائق کا اصول تکفیر دریافت کیا گیا۔ تو لا علمی ظاہر کی اور
- ۲۔ فتوحات مکیہ کے متعلق یکم مارچ کو جواب جرح کہا۔ کہ میں نے بالاستیعاب یعنی پوری کی پوری نہیں پڑھی ہے اور اس طرح منصب امامت اور اشارات فریدی کے متعلق بھی کہا ہے۔
- ۳۔ اور ہدیہ مجددیہ اور جامع الشواہد اور جہو نچال بر لشکر دجال کے مصنفین کے نام نہ بتائے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے جو علماء کی شہادت کے قبول نہ کرنے کے متعلق مبسوط کا حوالہ دیا تھا۔ اس کی بابت کہا کہ میں نے مبسوط نہیں دیکھی۔
- مختار مدعیہ کی یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو گواہ ۱ کی شہادت پر ایک سر مو بھی اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ پہلی اس لیے کہ وہ خلاف واقعہ ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے، رمارچ کو جواب جرح اس کا جواب دیا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔
- ”لیکن بحر الرائق میں یہ لکھا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے لیکن باوجود اس کے مولیوں نے اس کے خلاف فتوے دیئے ہیں۔“
- دوسری اس لیے کہ فتوحات مکیہ اتنی ضخیم کتاب ہے کہ جس غرض سے گواہ مدعا علیہ ۱ نے اس کا مطالبہ کیا تھا اس غرض کے لیے اسے بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں تھا۔
- دوسری کتابوں کے متعلق یہ جواب ملے کہ ان سے جو عبارات پیش کی گئی ہیں ان کے خلاف ان کتب میں کوئی عبارت نہیں ہے جس سے پیش کردہ عبارت کے مفہوم میں فرق آ سکے۔ اس لیے ان کتابوں کا بالاستیعاب پڑھنا ضروری نہیں ہے۔
- گواہ مدعا علیہ ۱ نے ہدیہ مجددیہ کے متعلق جو سوال کیا تھا اس کا یہ جواب دیا تھا۔ کہ ان کا مذہب مجھے

اس لحاظ سے معلوم نہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے آپ کو کس فرقہ کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف نے کتاب کی غرض خود بیان کر دی ہے اور ہدیہ مجددیہ کے مصنف کا نام کتاب پر لکھا ہوا ہے اس وقت مجھے یاد نہیں۔

اور مختار مدعیہ نے جامع الشواہد کے مصنف کے متعلق جو جواب گواہ مدعا علیہ کے طرف منسوب کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس کا جواب جو ۱۲ مارچ کی جرح میں درج ہے یہ ہے۔  
”کہ جامع الشواہد اور بھونجال بر لشکر دجال کے مصنفین کے متعلق ان کی کتابوں سے معلوم ہو سکے گا۔“

کہ وہ مقلدین تھے یا غیر مقلدین۔“

علاوہ ازیں بیسیوں کتابوں میں سے جن کا شہادت میں ذکر آیا ہے کسی کتاب کے مصنف کا نام بھول جانے سے گواہ کی معلومات پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن گواہ مدعیہ کے کا جو بقول دارالعلوم دیوبند کے مفتی بھی ہیں۔ مندرجہ ذیل امور سے عدم علم کا اظہار کرنا ان کے معلومات کو ضرور ناقص ثابت کرتا ہے۔

- ۱۔ ۲۱ اگست کو نجواب جرح کہا۔ مجھے یاد نہیں کہ دیوبندیوں نے بھی کسی کو احدیوں کے سوا کافر کہا ہے یا نہیں۔
- ۲۔ مسئلہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ اور مجھے علم نہیں کہ قرآن شریف کے مقابلہ میں کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہیں۔

۳۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔ امام بخاری۔ امام نسائی۔ سید عبدالغادر جیلانی۔ شیخ محی الدین ابن عربی پر علماء کے فتوے لگانے کا مجھے علم نہیں۔

اسی طرح گواہ مدعیہ نے ۲۲ اگست کو نجواب جرح کہا مسلم کے دونوں شارحین کو میں نہیں جانتا۔ اور اسی طرح گواہ مدعیہ نے ۳۱ اگست کو نجواب جرح کہا۔ مجھے معلوم نہیں کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کس سن میں فتویٰ دیا اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنی ہمر کے کس نے کئے ہیں اور مجھے معلوم نہیں کہ خاتم الاولیاء مرزا صاحب نے لکھا ہے یا نہیں۔

پس مختار مدعیہ کا یہ اعتراض خود اس کے گواہوں پر پڑتا ہے۔

## گواہ مدعا علیہ کے جوابات میں تعارض کا رد

مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ کے پر ایک یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ وہ اپنے بیان میں مکر رہا ہے اور اس کے جوابات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

(۱)

مختار مدعیہ نے پہلا تعارض یہ بیان کیا ہے کہ ۹ مارچ کو جواب جرح اس نے اجماع کے متعلق کہا۔ کہ کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بلا استثناء اجماع کرے اور پھر یہ جواب دیا کہ امت کے مسلمہ اکابر اور بزرگ اسے مانتے چلے آتے ہوں۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”اگر کسی منصوص مسئلہ پر تمام امت بغیر استثناء کے اجماع کر لے تو اس کا ماننا ضروری ہے ہمارے نزدیک اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ امت کے تمام بزرگ اور مسلم اکابر اس کو مانتے چلے آئے ہوں“ دیکھو جواب جرح ۹ مارچ ۱۹۳۳ء۔

ظاہر ہے کہ اس عبارت میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے۔ پہلے قول میں ”تمام امت بلا استثناء“ کے الفاظ تھے اور دوسرے میں اس کی تفسیر کر دی کہ ”تمام امت بلا استثناء“ اجماع کرنے سے امت کے اکابر تمام بزرگ اور مسلمہ اکابر کا مان لینا مراد ہے۔ اس میں تعارض بتانا مختار مدعیہ ہی کا کام ہے۔

(۲)

گواہ نے ۹ مارچ کو جواب جرح کہا۔ کہ اشارات فریدی جلد سوم خواجہ محمد بخش صاحب نے مولوی رکن الدین سے سبقاً سبقاً سنی اور ۱۲ مارچ کو جواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی پس دونوں بیان میں تعارض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میں نے جو پہلے لکھوایا ہے کہ اشارات فریدی جلد سوم جس سے حضرت مرزا صاحب کے مسلمان

ہونے پر شہادت پیش کی گئی ہے۔ خواجہ محمد بخش صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور اس کی تصحیح

فرمائی یہ صحیح نہیں بلکہ خواجہ غلام فرید صاحب نے سبقاً سبقاً سنی اور تصحیح کی ہے۔“

کیا اس جواب کو پڑھ کر کوئی عقل مند کہہ سکتا ہے کہ گواہ کے بیان میں تعارض ہے۔ ہرگز نہیں! کیونکہ

گواہ نے خود ہی غلطی دور کر دی اور پہلے جواب کی تصحیح کر دی ہے۔

(۳)

گواہ مدعا علیہ نے ۱۱ مارچ کو جواب جرح کہا کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے

بعد احمدی مسلمان ہے اور گواہ ۱۔ کا یہ جواب مرزا محمود احمد صاحب کے اس قول سے کہ جو بیعت میں داخل نہ ہو وہ احمدی نہیں ہے مناقض ہے۔

**جواب :**

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جو شخص تین مہینے تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا۔ لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔“

(ملاحظہ ہو جواب جرح ۱۱ مارچ ۱۹۳۳ء)

اور اس میں برائے نام بھی تناقض نہیں تھا۔ کیونکہ نظام جماعت سے خارج کر دیا جانا اور بات ہے اور احمدیت سے خارج کر دیا جانا اور بات۔ لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تناقض نظر آتا ہے حالانکہ اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ ۱۔ نے ۲ مارچ کو اقرار کیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہیں اور نبی کسی مشرکانہ عقیدہ پر نہیں ہو سکتا لیکن براہین میں آپ کو مسیح کہا گیا اور آپ (حیات مسیح) مشرکانہ عقیدہ پر قائم رہے۔

**جواب :**

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جس وقت مرزا صاحب مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق حیات مسیح مانتے تھے۔ اس وقت

تک آپ نے دعویٰ نبوت نہیں کیا تھا۔ مسیح موعود نبی ہیں لیکن اس وقت تک (یعنی براہین

کے زمانہ تک) آپ پر حقیقت نہ کھلی تھی“ (ملاحظہ ہو اعجاز احمدی ص ۷)

اور حیات مسیح کے عقیدہ کے مشرکانہ عقیدہ ہونے سے جو مراد ہے اس کی بحث ہو چکی ہے۔ پس یہاں بھی گواہ کے جواب میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ ۱۔ نے جواب جرح کہا۔ بخاری کی حدیثیں بھی بشرط موافقت قرآن معتبر ہیں۔ حالانکہ گواہان اور مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ ہے۔ سب حدیثوں سے صحیح بخاری کی حدیثیں ہیں۔



(۶)

گواہ مدعا علیہ ملے، رمارچ کو بحواب جرح کہا کہ اگر کوئی حکم بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو کوئی حرج نہیں اور گواہ کا یہ قول ازالہ ادہام ص ۲۳ کی اس عبارت کے خلاف ہے کہ اگرچہ ایک ہی دفعہ بذریعہ جبرئیل وحی نازل ہو۔ تو یہ امر بھی ختم نبوت کے منافی ہے۔

**جواب :**

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جبرئیل کے ذریعہ سے نئے احکام اور نئی شرعی وحی بند ہے۔ اگر ایسے نبی پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہو کوئی حکم شریعت محمدیہ کا بذریعہ جبرئیل بھی نازل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔“

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہ کتاب ازالہ ادہام میں ایسے نبی پر جس کا گواہ ملے کے جواب میں ذکر ہے وحی بذریعہ جبرئیل کے نزول سے انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہاں مستقل ثبوت کا ذکر ہے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کے نزول کو ماننے سے لازم آتی ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور مدعا علیہ ملے کے بیان میں کوئی تناقض نہیں۔

(۷)

گواہ مدعا علیہ ملے، رمارچ کو بحواب جرح کہا ہے۔ کہ ادبیار اور انبیار دونوں پر ایک قسم کی وحی ہو سکتی ہے اول تو یہ بداعتقاد باطل ہے۔ لیکن گواہ نے بحوالہ علم الکتاب تسلیم کیا ہے۔ کہ وحی کا لفظ ولی کے اہام پر اطلاق نہیں پاسکتا۔

**جواب :**

اگر مختار مدعیہ کا مقصود عدالت کو مخالطہ نہ دینا ہوتا۔ تو گواہ مدعا علیہ ملے کے الفاظ اس کو اس اعتراض سے باز رکھنے کے لیے کافی تھے۔ چنانچہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں :

”میرے نزدیک جو وحی انبیار کو ہوتی ہے۔ وہی وحی ادبیار کو بھی ہو سکتی ہے لیکن فرق کمیت اور کیفیت میں ہے اور صوفیہ نے نبیوں کی حق کو بھی کہا ہے اور دوسرے ادبیار کی وحی کو وحی الہام اور کبریت احمد ص ۱۷ حاشیہ العواقیت الجواہر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ وہ فرشتہ کی زبان پر بھی ہو سکتی ہے۔“ ملاحظہ ہو بحواب جرح، رمارچ۔

اور گواہ مدعا علیہ ص ۲۱ گسٹ کو بحواب جرح بحوالہ فتوحات تسلیم کر چکا ہے کہ ادبیار امت کو انبیار کی



طرح دہی ہوتی ہے اور فرق تشریح اور غیر تشریح کا ہے۔

گواہ مدعا علیہ مل کے ان الفاظ کی موجودگی میں اور گواہ مدعیہ مل کے اقرار کے ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراض کی جہاں تک گنجائش ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن وہ ان الفاظ کی موجودگی میں بھی اعتراض سے باز نہ رہ سکا۔ کہ علم الکتاب میں بھی اسی اصطلاح کے مطابق اولیاء کی وحی کو الہام کہا گیا ہے۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ مل نے کہا ہے کہ نعمت اللہ ولی پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار نہیں ہوا اس کے لیے وہ نبی نہیں ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کیسی چیز ہے حالانکہ گواہ مانتے ہیں کہ نبوت وہی ہے۔  
جواب :

نبوت کے لیے کثرت اظہار امور غیبیہ کی شرط کا ہونا اس کے وہی ہونے کے منافی نہیں ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو ازراہ موبہت نبی بناتا ہے تو اسے کثرت اظہار امور غیبیہ کی نعمت سے مشرف کرتا ہے۔

(۹)

گواہ مدعا علیہ مل نے مارچ کو بخواب جرح اہل کتاب کی تعریف یہ کی کہ جن کو کتاب ملی ہے اور گواہ مدعا علیہ مل نے ۲۱ مارچ کو بخواب جرح کہا کہ اہل کتاب وہ ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ پس گواہ مل کی تعریف گواہ مل کی تعریف سے متعارض ہے۔

جواب :

گواہ مدعا علیہ مل کے الفاظ یہ ہیں۔

”اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں مسلمانوں سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کا لفظ یہود و نصاریٰ پر بھی استعمال ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ مسلمانوں کے لیے بظاہر لفظ اہل کتاب استعمال نہیں ہوا۔ ورنہ وہ بھی اہل کتاب ہیں۔ اور گواہ مل نے مکرر بیان میں کہا ہے کہ مسلمان اہل کتاب ہیں۔ پس گواہان مدعا علیہ کے بیانات میں کوئی تناقض نہیں ہے۔“

(۱۰)

گواہ مدعا علیہ مل نے عبد اللہ بن مسعود کے متعلق کہا ہے کہ وہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں لیکن مرزا صاحب نے ازالہ ادبام میں لکھا ہے کہ وہ ایک معمولی آدمی تھا۔

جواب :

حضرت مہج موعود علیہ السلام کا ابن مسعود کو معمولی انسان لکھنا گواہ کے جواب کے منافی اور معارض نہیں ہے

کیونکہ آپ نے نبی اور رسول کے مقابلہ میں انہیں معمولی انسان لکھا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔  
 ”حق بات یہ ہے کہ ابن مسعود ایک معمولی انسان تھا نبی اور رسول تو نہیں تھا اس نے جو شہر میں آ کر غلطی کھائی تو کیا اس کی بات کو ان ہواداحی یوحی میں داخل کیا جائے؟“

(ازالہ اوہام بارہم ص ۲۳۷)

پس نبی اور رسول کے مقابلہ میں ابن مسعود کو معمولی انسان لکھنا ان کے جیل القدر صحابی ہونے کے میاں نہیں ہے۔ علامہ محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔

”اور سنیں گے نزدیک گو حضرت زید اکابر اولیاء میں سے ہوں لیکن تاہم آدمی ہیں جب تک سند نہ ہو کیونکہ معلوم ہو کہ انہوں نے جس سے یہ بات سنی وہ معتبر ہے کہ نہیں؟“ (بدیۃ النبی ص ۲۳۱)  
 کیا مولوی قاسم صاحب کا حضرت زید کو آدمی کہہ دینا ان کے اکابر اولیاء میں سے ہونے کے منافی ہے؟ ہرگز نہیں۔

## گواہ مدعا علیہ ۱ کے علم کے متعلق اعتراضات کا جواب

گواہ مدعا علیہ ۱ سے پوچھا گیا کہ قرآن میں ملائکہ کی تعریف ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں حالانکہ قرآن مجید میں ان کی تعریف بل عباد مکرمون موجود ہے۔

جواب:

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”مجھے کوئی تعریف ملائکہ کی جن طرح مختار مدعبہ چاہتے معلوم نہیں۔ البتہ ملائکہ کے کاموں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔“

اور مختار مدعبہ کا بل عباد مکرمون کو ملائکہ کی تعریف قرار دینا بالکل غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اس آیت میں ملائکہ کی تعریف نہیں بلکہ ان کے اوصاف کا ذکر زیادہ موزوں معلوم دیتا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے گذشتہ رسولوں کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رِجَالٍ إِلَّا نُوْحِيَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ - الآية

یعنی ہم نے تجھ سے پہلے کسی مرد کو رسول نہیں بنایا مگر ہم اس کی طرف وحی کرتے رہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری عبادت کرو۔ اور لوگوں نے کہا کہ رحمان خدا نے اپنے لیے ولد بنایا ہے۔ خدا اس سے پاک ہے۔

کہ اس کے لیے کوئی بیٹا نہیں بلکہ وہ تو خدا تعالیٰ کے مقرب اور معزز بندے ہیں وہ اس سے قول میں سبقت نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم پر عامل ہوتے ہیں اور خدا تعالیٰ جانتا ہے اس چیز کو جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ کسی کے حق میں شفاعت نہیں کرتے مگر جس کے لیے خدا تعالیٰ پسند کرے اور وہ اس کی خشیت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جو ان میں سے کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں تو ہم اس کو بدلے میں جہنم دیں گے۔ اسی طرح ہم ظالموں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ کسی فرشتہ کی طرف ایسے طور پر خدائی کا دعویٰ منسوب نہیں کیا گیا کہ کسی فرشتہ نے اگر لوگوں کو یہ تعلیم دی ہو کہ وہ اسے خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ لیکن دنیا میں ایسی اقوام موجود ہیں جو اپنے انبیاء کے حق میں کہتی ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بیٹے تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو خدا کہا اس لیے ہم پر ان کی پرستش اور عبادت لازم ہے۔ جیسے کہ عیسائی اور ہندو وغیرہ اور یہ آیت عصمت انبیاء کی زبردست دلیل ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ملے، رمارچ کو جواب جرح کہا کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہے حالانکہ یہ تعریف صحیح نہیں۔ غنیۃ الطالبین میں اہل سنت کی تعریف رسول مقبول کا طریقہ اور صحابہ کا متفقہ طریقہ بھی ہے اور یہ اصل تعریف ہے۔

جواب :

فقہار مدعیہ نے غنیۃ الطالبین کی عبارت تو پیش کر دی مگر یہ نہ سمجھ سکا کہ غنیۃ الطالبین میں جو تعریف بیان کی گئی ہے۔ وہ اہلسنت والجماعت کی تعریف نہیں بلکہ سنت اور جماعت کی تعریف ہے اور گواہ مدعا علیہ سے جو سوال کیا گیا ہے۔ وہ سنت اور جماعت کے متعلق نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت کے متعلق تھا۔ جس کے جواب میں گواہ مدعا علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

”عام طور پر اہلسنت سے حنفی شافعی مالکی حنبلی مراد لیے جاتے ہیں۔ لیکن ہر ایک وہ شخص بھی ہو کہے کہ میں سنت کا تابع ہوں اس سے مراد لیا جاسکتا ہے۔“ ملاحظہ ہو جواب جرح ۷، رمارچ ۱۹۳۳ھ

(۳)

گواہ مدعا علیہ ملے، رمارچ کو جواب جرح ۷، رمارچ کو کہا۔ جو کسی حدیث کا واقعی طور پر قرآن کے موافق ہونا ثابت کرے اس کا قول مسلم ہے۔ پس اگر یہی اصول ہے تو یہ دین بازیچہ طفلان ہو جائے گا۔

جواب :

گواہ مدعا علیہ نے یہ نہیں کہا بلکہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”جو شخص کسی حدیث یا قول کو واقعی طور پر قرآن کریم کے خلاف ثابت کر دے تو اس کا قول معتبر ہوگا۔“

اور گواہ کے اس قول پر از روئے عقل و انصاف کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور یہ وہ بات ہے جس کے خلاف اہل علم میں سے کسی کو ذرا بھی گنجائش چون و چرا نہیں ہے اور اس کی صحت و درستی کے ثبوت کے لیے اس سے زیادہ اور کون سی دلیل کی ضرورت ہے کہ تمام دیوبندیوں کے مسلمہ مقتدا و امام جناب مولوی محمد قاسم صاحب نالوتوی نے سکوت سے گواہ کے اس قول پر ان الفاظ میں اپنی ہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ کہ اہلسنت

”کلام اللہ کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے۔ یہاں تک کہ احادیث کو بھی اس پر مطابق کر کے دیکھتے ہیں۔ اگر موافق نکلے تو فیہا ورنہ موافق مشہور کالائے زبول برلش خاوند اس کو راویوں کے سرمارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راوی کا قصور ہے۔“ (ہدیتہ الشیعہ ص ۱)

اب تمام دیوبندیوں کو محمد قاسم صاحب اہل سنت کا یہ عظیم الشان کارنامہ بیان فرما رہے ہیں کہ وہ قرآن شریف کے سامنے کسی کی بھی نہیں سنتے حتیٰ کہ احادیث کو بھی قرآن شریف سے مطابق کر کے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر مطابق ہو تو قبول کرتے ہیں۔ اور مطابق نہ ہوں تو ردی کی ٹوکری میں بھی نہیں ڈالتے بلکہ کالائے زبول سمجھ کر نہایت تحقارت سے راویوں کے سرمارتے ہیں اور اس کے خلاف مختار مدعیہ یہ کہنا ہے کہ اگر یہی اصل ہے تو یہ دین بازیچہ طفلان بن جائے گا۔ اور اس طرح وہ گواہ مدعا علیہ پر ہی بے جا اعتراض نہیں کرتا بلکہ مولوی محمد قاسم صاحب کو بھی بازیچہ طفلان بنا دینے والا ٹھہرتا ہے۔

(۱۲)

گواہ مدعا علیہ نے ۱۲ مارچ کو جواب جرح کہا کہ جن احادیث کے متعلق مرزا صاحب نے ردی میں چمکنے کے متعلق کہا ہے اس سے مراد وہ احادیث ہیں جو قرآن کے معارض ہیں اور صحیح احادیث کے متعلق جو دجی غیر متعلق ہیں تسلیم کیا ہے کہ وہ قرآن کے معارض ہو سکتی ہیں۔ لیکن مرزا صاحب کی دجی کے متعلق کہا کہ آپ کی کوئی دجی قرآن کی معارض نہیں ہے۔

**جواب :**

یہ اعتراض محض قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو حدیث قرآن کے مخالف ثابت ہوگی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں ہوگی۔ بلکہ ماننا پڑے گا۔ کہ وہ غلط طور پر آپ کی طرف منسوب کی گئی اور وہ آپ پر افترا ہے۔ بخواد ناواقفان حقیقت اسے کیسی ہی صحیح سمجھتے اور خیال کرتے ہوں اور کہتے ہوں۔ جب کہ توضیح تلویح علی التبیان ص ۲۶۳ مطبوعہ مصری فاعرضہ علی کتاب اللہ ذکر کر کے لکھا ہے۔

”عَدَلَ هَذَا الْحَدِيثَ عَلَى أَنَّ كُلَّ حَدِيثٍ يَخَالِفُ كِتَابَ اللَّهِ فَانْهَ لَيْسَ بِحَدِيثِ الرَّسُولِ“

علیہ السلام وانما هو مفتوی

یعنی اس حدیث کا مدلول اور ماحصل یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جو کتاب اللہ کے مخالف ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں۔ بلکہ محض افتراء اور وضعی قول ہوگا اور دیوبندیوں کے مقتدا و امام مولوی محمد قاسم صاحب نے بھی ایسی حدیث کو راویوں کے سر بار دینے کا اظہار کیا ہے۔ پس ایک قول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افتراء کیا گیا ہے اس کا قرآن شریف کے خلاف ہونا ذرا بھی محل تامل نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقبول میں سے ایک کامل فرد پر جو مسیح موعود و مہدی مہمود کے درجہ پر ممتاز کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ جو وحی فرمائے۔ تو وہ کسی طرح قرآن شریف کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ اور جو خلاف قرآن شریف ہو وہ وحی نہیں کوئی شیطانی دوسوسہ ہوگا۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ نے جواب جرح یہ کہا ہے کہ دان من امة الاخلا فیہا نذیر کے عموم کے لحاظ سے کرشن ہونے کا دعویٰ خلاف قرآن نہیں ہے۔ پس اس اصل کی رو سے تو آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نہا کم عنہ فانتهو کوئی حدیث بھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی۔

جواب

سوال تو یہی ہے کہ کسی روایت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا کیسے ثابت کیا جائے۔ اسی کے لیے تو یہ اصول باندھا گیا ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد قرآن شریف کے مخالف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کوئی روایت ایسی ہو۔ جو قرآن کی نصوص کے مخالف ہو۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوگی۔ اور زیر حکم آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نہا کم عنہ داخل نہیں ہو سکے گی۔ اور گواہ کے اصل الفاظ سے کرشن ہونے کے دعویٰ کی قرآن شریف سے مطابقت بالکل ظاہر ہے۔ چنانچہ وہ الفاظ یہ ہیں۔

”کرشن ہونے کا دعویٰ آپ نے وحی الہی کی بنیاد پر کیا ہے۔ اور آپ کی وحی قرآن مجید کے معیار کی رو سے جو وحی من اللہ ہونے کے لیے قرآن مجید میں بیان ہوتے ہیں سچی ہے۔ لہذا آپ کے کرشن ہونے کا دعویٰ کرنا قرآن مجید کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے و لقد بعثنا فی کل امة رسولا۔ کہ ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے اور اسی طرح فرمایا وان من امة الا خلا فیہا نذیر کہ ہر امت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والے آئے

اس لیے ہندو قوم کی اصلاح کے لیے اگر کرشن کو خدا تعالیٰ کا نبی سمجھ لیا جائے تو قرآن کریم کی تعلیم کے ذرا بھی مخالف نہیں چنانچہ علماء نے اس امر کو تسلیم کیا ہے اور خواجہ غلام فرید صاحب نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے؟ جیسا کہ پہلے مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

## گواہ مدعا علیہ ۲ پر تبصرہ

(۱)

گواہ ۲ نے ۲۳ مارچ کو جواب جرح کہا۔ جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے۔ وہ قرآن و حدیث میں تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے۔ اور ۲۱ مارچ کو جواب جرح کہا میرے نزدیک خلیفہ اول و ثانی کے اقوال سند ہیں اور اس کے سوا میرے نزدیک اور کوئی سند نہیں۔ لہذا دونوں بیانات میں تناقض ہے۔

جواب :

احادیث کو قرآن شریف کے مطابق کرنے کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے اور گواہ مدعا علیہ ۲ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میرے نزدیک قرآن شریف کے سوا اور کوئی چیز مسلم نہیں سوائے اس کے جو قرآن شریف کے ساتھ تطابق رکھتی ہو جو قرآن شریف پڑھتا ہے وہ خود تطابق کر سکتا ہے اور میرے نزدیک میرے واجب الاطاعت اماموں اور میری اپنی مطابقت مسلم ہے“

ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص اپنی مطابقت کو جب اسے اس کی صحت پر یقین ہو اور اپنے واجب الاطاعت اماموں کی مطابقت کو صحیح تسلیم کرتا ہے اور ۲۱ مارچ کو گواہ مدعا علیہ ۲ نے وہ جواب نہیں دیا جو مختار مدعیہ نے بیان کیا ہے بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”میرے نزدیک حضرت مرزا صاحب علیہ السلام اور ان کے دلوں خلفاء کی تخریرات ان کی اپنی کتابوں سے حجت اور معتبر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا قول ہو جسکی ان کتب میں تصحیح نہ ہو تو وہ قول حجت نہ ہوگا“

پس مختار مدعیہ نے گواہ ۲ کے جواب کو محرف مبدل کر کے اعتراض کیا ہے۔

(۲)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ضروریات دین کے معنی اپنے بیان میں دیئے ہیں لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔ پس

گواہ ۲۔ ضروریات دین کی تعریف بھی نہیں جانتا اور بالکل ناداقت ہے۔  
جواب :

گواہ ۱۔ نے ضروریات دین کی تشریح اپنے بیان میں وضاحت سے کر دی ہے نیز ۲۳ مارچ کو جواب  
جرح ضرورت دین کی یہ تعریف بھی کی ہے۔

”ضرورت دین وہ چیز ہے جس کا ماننا اس دین کے اندر داخل ہونے کے لیے نہایت ضروری ہے  
قرآن شریف کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن کو قرآن کریم کی بنا پر قطعیت کا درجہ  
حاصل ہے۔“

پھر باوجود اس کے مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ ۱۔ نے ضروریات دین کی تعریف نہیں کی صریح مغالطہ ہے  
اگر یہ تعریف غلط تھی تو اس پر اعتراض کرنے سے پہلے لازم تھا کہ وہ اُسے غلط ثابت کر لیتا۔  
(۳)

گواہ مدعا علیہ ۲۔ نے کہا ہے کہ نبوت کے لغوی معنی ہیں خبر دینا یعنی خدا کی طرف سے غیب کی خبر پاکر  
اطلاع دینا۔ یہ تعریف لغت میں نہیں لکھا۔  
جواب :

نبوت کے مذکورہ بالا معنی لغت کی بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتابوں میں بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ منجد  
میں لکھا ہے۔

”النبوة والنبوة الاخبار عن الغیب أو المستقبل بالعام من الله۔ الاخبار من الله وما  
يتعلق به تعالى والنبی المخبر من الغیب أو المستقبل بالعام من الله“

یعنی نبوت خدا تعالیٰ سے بذریعہ الہام غیب یا مستقبل کے متعلق خبر دینے کو کہتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ اور جو  
امور اس کے متعلق ہیں ان سے خبر دینے کو اور نبی غیب یا مستقبل کے متعلق بذریعہ الہام الہی خبر دینے والوں کو  
کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں جس پر کثرت سے امور غیبیہ کا اظہار ہو۔ پس گواہ ۱۔ لغوی لحاظ سے نبوت  
کے جو معنی بیان کیے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ ۲۔ نے نبوت کے جو لغوی  
معنی بیان کیے ہیں وہ لغت میں نہیں ہیں قطعاً باطل ہے۔

(۴)

گواہ مدعا علیہ ۲۔ بعض کتب کے مضمون کا نام نہ بتا سکا اور بعض کتب کے بالاستیعاب نہ پڑھنے کا انکار  
کیا۔ چونکہ اس سوال کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ اس لیے دوبارہ جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

(۵)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے خواجہ غلام فرید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ابتدائی تعارف میں تو بہت کچھ پیش کیا۔ لیکن جرح کے جواب میں کہا کہ خواجہ صاحب میرے واجب التعظیم بزرگ نہیں بلکہ احمدی ہونے کے بعد دوسروں کی طرح ہیں۔

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک خلاف واقعہ قول ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔  
 ”واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے مسلم بزرگ نہیں ہیں۔ ویسے مسلم بزرگ ہیں جیسے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اور سابقین احمدی حضرات مبرے بزرگ ہیں؟“  
 اور اس قول اور مختار مدعیہ کے قول میں جو فرق ہے۔ وہ معمولی اردو نواں بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

(۶)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۲۱ مارچ کو جواب جرح کہا۔ احمدیت سے ارتداد اسلام سے ارتداد نہیں۔ اور سوالات مکرر کے جواب میں کہا کہ اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد ایک ہی چیز ہے۔

جواب :

اصل الفاظ گواہ کے یہ ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا انکار کرنے والا اور آپ کو مسلمان سمجھ کر کافر کہنے والا مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ کیونکہ مرتد کے معنی مان کر انکار کرنے والے کے ہیں۔“ دیکھو جواب جرح ۲۱ مارچ ۱۹۲۳ء اور مکرر بیان میں اس نے کہا ہے۔

”اسلام سے ارتداد اور احمدیت سے ارتداد بلحاظ مرتد ہونے کے تو ایک ہی ہے۔ قطعاً کوئی فرق نہیں کیونکہ احمدیت عین اسلام ہے۔ لیکن اس لحاظ سے فرق ہے کہ مسلمان کہلانے والا شخص مرتد ہو کر کسی غیر از اسلام مذہب یعنی ہندو مذہب یا عیسائی مذہب وغیرہ میں شامل ہوتا ہے۔ لیکن احمدیت سے مرتد ہونے والا اسلام کے مخالف مذہبوں میں شامل ہونا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتا بلکہ عام مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔“

چونکہ ان اصل جوابات پر مختار مدعیہ کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اس لیے اس نے اعتراض کرنے کی غرض سے گواہ کے جوابات حرف و مبدل کر کے پیش کیے ہیں۔



(۷)

گواہ ۲ نے ۲۰ مارچ کو جواب جرح کہا۔ ہندوستان میں احمدی کہتے ہیں جو مرزا صاحب کو ماننے ہیں اور سولہ مکر کے جواب میں کہا مولوی رشید احمد گنگوہی کو ماننے والے احمدی کہلاتے ہیں۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”میرے خیال میں جب کوئی شخص احمدی کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتا یا بولتا ہے یا اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کا فرد ہے اور جماعت احمدیہ وہ ہے جو حضرت مرزا صاحب کو مانے“ ملاحظہ ہو جواب جرح ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء۔

اور مکر بیان کے الفاظ یہ ہیں۔ ”فوائد فریدیہ میں جس فرقہ کا ذکر ہے اس فرقہ احمدیہ سے مراد رشید احمد گنگوہی کے ماننے والے ہوں گے۔“

پس مختار مدعید گواہوں کے بیانات کے خلاف متناقض بیانات اپنی طرف سے ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور پھر تناقض دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ ان دونوں قولوں میں کہ ہندوستان میں احمدی سے مراد جماعت احمدیہ کے افراد لیے جاتے اور فوائد فریدیہ میں جماعت احمدیہ کے سوا کسی فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے کوئی تعارض نہیں۔

(۸)

گواہ مدعا علیہ ۲ نے ۲۳ مارچ کو جواب جرح کہا کہ خواجہ غلام فرید صاحب کی وفات سے قبل تریاق القلوب اور بیسیوں کتابیں شائع ہو چکی تھیں اور مکر بیان میں یہ کہا کہ تریاق القلوب خواجہ صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی دونوں بیانات میں تناقض ہے۔

جواب :

گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”تریاق القلوب جس کے طعنے اشتہار میں گورنمنٹ کو مسلمان فرقہ احمدیہ لکھنے کی طرف توجہ دلائی ہے لکھی جا چکی اور چھاپ دی گئی تھی۔ بیسیوں کتابیں اس سے پہلے بھی شائع ہیں۔ جن میں جماعت کے نام احکام تھے اور مکر بیان میں اس کے یہ الفاظ ہیں۔

”اشتہار ۴ نومبر ۱۹۰۹ء جس میں احمدیوں کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ رکھا ہے۔ وہ تریاق القلوب کے ساتھ بھی شامل کیا گیا تھا۔ تریاق القلوب ۱۸۹۹ء میں تصنیف ہو کر چھپ چکی تھی لیکن شائع نہیں کی گئی تھی صرف ایک دو صفحہ اس وقت لکھے گئے اور ایک دو اشتہار جو پہلے لکھے گئے تھے

ساتھ لگا دیئے گئے۔“

پس گواہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ تریاق الغلوب خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے چھپ تو چکی تھی لیکن اس وقت شائع نہیں ہوئی تھی اور اس کی اشاعت ۱۹۰۳ء میں خواجہ صاحب کی وفات کے بعد ہوئی ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں بیانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے لیکن مختار مدعیہ کو اس میں تعارض نظر آتا ہے۔

## مختاران مدعیہ کی صریح غلط بیانی

گواہان مدعا علیہ کی پوزیشن ان تمام الزامات اور ہتانات سے جو مختار مدعیہ نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔ بالکل میرا ہے۔ اور ان کے بیانوں میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ان کی شہادت کو ذرا بھی کمزور ثابت کر سکے اب میں عدالت کی توجہ ان صریح غلط بیانیوں کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو مختاران مدعیہ نے اپنی بحث میں کی ہیں

(۱)

۱۔ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق کہا کہ اس نے بحر الرائق سے بہت سی عبارتیں نقل کیں۔ لیکن جب اس سے بحر الرائق کا اصول دریافت کیا گیا تو لاعلمی ظاہر کی۔ اور یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ ؎ نے ۷ مارچ کو جواب جرح یہ جواب دیا ہے۔

”لیکن بحر الرائق میں یہ لکھا ہے کہ ان میں سے اکثر کے متعلق میں فتویٰ نہیں دیتا۔ اور اگر کسی کے کلام کا محمل حسن نکل سکے تو اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی فقہ کی کتابوں میں آیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے نکل سکیں اور ایک احتمال ایمان کا تو اس کو کفر کا فتویٰ نہیں دیتا چاہیے۔“

(۲)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق کہا کہ اس نے جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ چندہ ادا نہ کرنے والا بیعت سے خارج ہونے کے بعد احمدی مسلمان ہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جو شخص تین ماہ تک چندہ نہ دے وہ نظام جماعت سے خارج سمجھا جاتا ہے اگر وہ احمدیت سے انکار نہیں کرتا تو وہ احمدی کہلائے گا لیکن نظام جماعت سے خارج سمجھا جائے گا۔

اب دیکھنا چاہیے کہ مختار مدعیہ نے گواہ کی عبارت محرف و مبدل کر کے پیش کی ہے۔“

(۳)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ؎ کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس نے ۸ مارچ کو جواب

جرح یہ تسلیم کیا کہ کفر جس جگہ داخل ہوتا ہے۔ وقوع نہیں ہوتا اور یہ مختار مدعیہ کی نہایت ہی صریح غلط بیانی ہے گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”جس چیز پر یہ لفظ کفر داخل ہوتا ہے اس میں اکثر وقوع نہیں ہوتا“ ملاحظہ ہو ۸ مارچ ۱۹۳۳ء۔  
 ”اکثر“ کے لفظ کو مختار مدعیہ نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے ترک کر دیا۔ اور گواہ کے جواب کو محرف کر کے پیش کیا۔

(۴)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں درج ہیں وہ نزدیک کے لیے ہیں نہ کہ تائید کے لیے یعنی مفسرین نے ان باتوں کو درج کر کے ان کی تردید کی ہے اور یہ ایک نہایت عظیم الشان غلط بیانی ہے جس کا ذکر معہ تفاسیر کے عنوان کے ماتحت آگے کیا جائے گا۔

(۵)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ۱ کے متعلق کہا کہ اس نے ۹ مارچ کو جواب جرح تسلیم کیا کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ محدثیت کا ذکر آیا ہے۔ حالاں کہ گواہ کے یہ الفاظ نہیں بلکہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر شرعی نبی ہونے کا دعویٰ تو توضیح المرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پہلے آپ محدث کا لفظ بھی استعمال کرتے تھے لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے اور آپ کے اہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔ اور وہ اہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے اور آپ نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دال ہے۔“

(۶)

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ بھی غلط بیانی کی ہے کہ مرزا صاحب (نحوہ باشد) میلہ کذاب سے بھی بڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علیحدہ کلمہ جاری کیا جو یہ ہے۔  
 لا الہ الا اللہ احمد جری اللہ

حالاں کہ سب جانتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کوئی نیا کلمہ جاری نہیں کیا۔ بلکہ آپ کا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی تھا چنانچہ آپ ازالہ اوہام جلد اول ص ۱۷۷ میں فرماتے ہیں:

”ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب باب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“

اور انوار الاسلام ص ۳ میں فرماتے ہیں:

”ہمارا کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے“

اور اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الہ الا اللہ۔ محمد رسول اللہ اور آپ اس کلمہ کو بدلنے اور نیا کلمہ بنانے والے کو ملعون و بیدین اور میلہ کذاب کا بھائی قرار دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

”جو شخص تحقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا ہے تو وہ ملحد و بیدین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا۔ اور عبادت میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تبدیل و تغیر کر دے گا۔ پس بلاشبہ وہ میلہ کذاب کا بھائی ہے۔“ (حاشیہ انجام اتھم ص ۲)

اور مضمون چشمہ معرفت میں ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”ایسا ہی آپ لوگ بھی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لے آئیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“  
(مضمون لمحہ چشمہ معرفت ص ۱۳ مطبوعہ ممی ۱۹۰۸ء)

(۷)

۱۰ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے عقائد کے متعلق جو حوالے دیئے ہیں وہ ۱۹۱۰ء سے قبل کے ہیں۔

حالا یہ کہ گواہان مدعا علیہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ مواہب الرحمن اور کشتی نوح سے عقائد کے متعلق حوالے پیش کئے ہیں اور مواہب الرحمن ۱۹۰۳ء اور کشتی نوح ۱۹۰۲ء کی تصنیف شدہ ہیں۔ پس ان حوالوں کی موجودگی میں مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہان مدعا علیہ نے جو حوالے عقائد کے متعلق دیئے ہیں وہ ۱۹۱۰ء سے پہلے کے ہیں صریح غلط بیانی ہے۔

(۸)

مختار مدعیہ نے گذشتہ ائمہ اور اکابر پر تکفیر کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں کہا کہ گواہ مدعا علیہ نے مارچ کو بحواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ جس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ ان وجوہات سے برات کا اظہار کرتے رہے۔ حالانکہ گواہ کے اصل الفاظ یہ نہیں بلکہ یہ ہیں۔

”باد جو دیکھ ان کی طرف جو غلط باتیں منسوب کی گئی تھیں وہ ان سے برات کا اظہار کرتے رہے اور نیز ان باتوں کو لے کر جنہیں وہ صحیح سمجھتے تھے مولویوں نے انہیں کفر سمجھ کر انہیں کافر قرار دیا۔“

گواہ کا جواب تو یہ ہے کہ گذشتہ اماموں اور بزرگوں کی جن امور کی بنا پر مولویوں نے تکفیر کی ان میں سے بعض امور سے تو وہ برات کا اظہار کرتے رہے۔ اور بعض کو صحیح تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ نے گواہ کی طرف یہ منسوب کیا کہ

وہ ان وجوہات سے جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی برائت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۹)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہ مدعا علیہ ۱ کے متعلق یہ کہا کہ اس نے ۹ مارچ کو جواب جرح بیان کیا۔ کہ مرید کا قول مطلقاً پیر کے حق میں معتبر نہیں۔ حالانکہ یہ مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہ نے یہ کہا تھا۔ ”کہ ہر مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی حیثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا۔“

(۱۰)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی بھی کی ہے کہ گواہ نے کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ ضروریات دین میں تاویل کرنے والوں کو کافر نہیں کہا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ مدعا علیہ ۱ نے اپنے بیان میں یہ لکھوایا تھا کہ گواہ مدعیہ ۱ نے اپنے بیان میں تسلیم کیا ہے کہ خوارج سے جب بعض ضروریات دین کا انکار ثابت ہوا تو ان کا نماز روزہ ان کو حکم کفر سے رہا نہ کر سکا لیکن جبکہ امام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ جلد ۳ ص ۶۲۶ میں لکھا ہے اور گواہ ۱۲ جواب جرح اس کو تسلیم کر چکا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس بات کی تصریح کی ہے۔

”بأخفهم مومنون لم یسوا کفارا“

کہ وہ مومن ہیں کافر نہیں۔ اور لکھا ہے کہ صحابہ اور تابعین نے نہ ان کی تکفیر کی اور نہ ان کو مرتد قرار دیا اور اسی طرح البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۵۱ میں لکھا ہے۔

”وانما لا تکفر الخوارج باستحلال الدماء والاموال لتاویلهم وان کان باطلا بخلاف المستحل بلا تاویل“

یعنی ہم خوارج کو باوجودیکہ انہوں نے مسلمانوں کے خون اور اموال کو حلال سمجھا ان کے تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔ بخلاف اس کے جو بغیر تاویل کے ان کو جائز سمجھے۔

بیان مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ گواہ مدعیہ ۱ کے بیان کے مطابق خوارج نے ضروریات دین کا انکار کیا تھا۔ اور گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیان میں ثابت کر دیا ہے کہ انہیں تاویل کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔ پس گواہ مدعا علیہ ۱ کے بیان میں اس امر کے موجود ہوتے ہوئے مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا قول کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

(۱۱)

مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں کہا۔ کہ اولیاء اللہ نے یہ نہیں کہا کہ ہم پر آیات نازل ہوئیں صرف علم الکتاب کا حوالہ پیش کیا تھا کہ آیات انہیں۔ یہ بھی مختار مدعیہ کی صریح غلط بیانی ہے کیونکہ گواہان مدعا علیہ کے

بیانات میں کتاب اثبات الہام والبعثۃ اور فتوح الغیب اور مقامات امام ربانی کے حوالے اسی غرض کے لیے پیش کیے گئے تھے۔ اور ان میں آیات کے اہام ہونے کا ہی ذکر ہے۔

## ۱۲۔ الزام خیانت کا رد

ہر اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ غلط بیانی کی ہے۔ کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالات میں دل کھول کر خیانت کی ہے اور اگلی اور پھلی عبارت کو ترک کر دیا ہے۔ اور اس امر کے اثبات کے لیے اس نے تین حوالے پیش کئے ہیں ان میں سے ایک حوالہ تحذیر الناس کا ہے دوسرا حج الکرامہ کا تیسرا البحر الرائق کا ہے۔

## تحذیر الناس کا حوالہ

تحذیر الناس سے جو عبارت گواہان مدعا علیہ نے پیش کی ہے وہ یہ ہے۔

”بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے“  
(تحذیر الناس ص ۲۸)

اس عبارت سے جو نتیجہ گواہان مدعا علیہ نے اخذ کیا ہے اس عبارت کا ماسبق بھی اس کی تائید کرتا ہے جو

یہ ہے۔

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس بیچ مدان نے عرض کیا ہے۔ تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط افراد کے انبیاء خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقلدہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض الخ“

اب ظاہر ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب خاتمیت کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کسی نبی کا آنا جو بزرگنا خاتمیت کے منافی نہیں ہے۔ یہ عبارت ص ۲۸ کی ہے اور مختار مدعیہ کہتا ہے کہ اس کی تشریح ص ۱ میں موجود ہے ہم نہیں سمجھتے کہ ص ۲۸ کی عبارت کی تشریح ص ۱ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ پس چونکہ عبارت بالکل واضح اور غیر مبہم ہے۔ اس لیے ص ۱ کی عبارت میں خاتمیت زمانی کے معنی ایسے نہیں لئے جاسکتے جو اس عبارت کے خلاف ہوں۔

## حج الکرامہ کا حوالہ

مختار مدعیہ نے حج الکرامہ ص ۲۲۲ کے حوالہ ”در حدیث ابن عمری است کذاب“ کے متعلق یہ کہا ہے کہ گواہ مدعا علیہ نے اس میں خیانت سے کام لیا ہے۔ کیونکہ ”یا زیادہ“ کے الفاظ کو ترک کر دیا ہے اس کے متعلق میں صرف اتنا کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مختار مدعیہ غالباً اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھ سکا کہ جس عبارت کے آگے لفظ ”ڈلے“ جاتے ہیں۔ ان سے اسی امر کا اظہار مفسود ہوتا ہے کہ وہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ چنانچہ گواہ مدعا علیہ نے بھی الفاظ ”سی است کذاب“ کے بعد نقطے دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہاں سے عبارت چھوڑی گئی ہے۔ اور مسل میں بھی نقطے موجود ہیں۔ پس اس کو خیانت سے تعبیر کرنا اپنی لاعلمی کا مظاہرہ کرنا ہے۔

نیز گواہ مدعا علیہ اس حوالہ سے جو امر ثابت کرنا چاہتا ہے ”یا زیادہ“ کے الفاظ اس کو باطل نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ ان کا عدم ذکر اس کو ثابت کر سکتا ہے۔ کیونکہ ابن عمر کی اس روایت اور دوسری روایت جو طبرانی نے روایت کی ہے۔ جس میں کذابوں کی تعداد ستر بتائی گئی ہے۔ ان دونوں کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے اور میزان میں دعویٰ نبوت کا بھی ذکر نہیں ہے۔ پس جبکہ ”یا زیادہ“ کے الفاظ گواہ کے مدعا کے خلاف نہیں ہیں تو ان پر نقطے ڈال کر چھوڑ دینے سے گواہ پر خیانت کا الزام لگانا سراسر بے انصافی اور صریح غلط بیانی ہے۔

(۲)

اور حج الکرامہ ص ۲۳۲ کے حوالہ کے متعلق مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ گواہان مدعا علیہ نے جو یہ بیان کیا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریحی نبوت کا دعویٰ کیا۔ بالمقابل کا لفظ حج الکرامہ میں نہیں ہے۔ اپنی طرف سے ملا کر جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ وہ بالمقابل لفظ حج الکرامہ میں تلاش کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حج الکرامہ کی عبارت کا یہ ترجمہ بطور خلاصہ اور مفہوم کے ہے اور بالمقابل سے یہی مراد ہے کہ اس نے شراب و زنا کو حلال قرار دیا اور فریضہ و نماز کو ساقط کر دیا۔ اور قرآن مجید کے مقابل میں سورتیں لکھیں۔ ایسی نبوت کا دعویٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بالمقابل نہیں تو اور کیا ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بخواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیلمہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا۔

## البحر الرائق کا حوالہ

مختار مدعیہ نے ان کلمات کفریہ کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے البحر الرائق سے نقل کئے تھے۔ کہا ہے کہ ان کے

نقل کرنے میں گواہان مدعا علیہ نے یہ خیانت کی ہے کہ انہوں نے البحر الرائق جلد ۵ ص ۱۳۵ سے ص ۱۳۶ تک کے جوابات پیش کیے لیکن درمیان میں ص ۱۳۳ کی عبارت چھوڑ دی ہے ”کہ کفر کا فتویٰ اس وقت دیا جاتا ہے جب اس پر اتفاق ہو متفق علیہ ہو۔ کلام میں کوئی تاویل نہ ہو۔“

حالانکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ جن علماء کے اقوال کی بنا پر گواہان مدعیہ نے مدعا علیہ کو کافر قرار دیا ہے۔ ان کی طرز افکار کے متعلق بعض فتاویٰ کا ذکر کیا تھا اور ساتھ ہی البحر الرائق کی عبارت پیش کر دی تھی۔ کہ فتاویٰ میں جو تکفیر کے معرود الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ حقیقتاً اسلام سے ارتداد کا موجب ہیں اور بزازہ میں لکھا ہے کہ جو ان کلمات کو صرف تخویف و تہویل پر محمول کرنا ہے اور کفر کا موجب نہیں سمجھتا۔ اس کا قول لغو اور باطل ہے اور جن کلمات کے موجب کفر اور باعث ارتداد ہونے میں علماء کا اختلاف تھا۔ اس کا بھی مولف البحر الرائق نے ساتھ ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ جسے پیش کرتے ہوئے گواہان مدعا علیہ نے صاف ظاہر کر دیا ہے۔ کہ یہ کلمہ بعض کے نزدیک موجب کفر و ارتداد ہے چنانچہ انہی کلمات میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص تمام انبیاء پر ایمان لانے کا اظہار کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے کی عدم معرفت کا تو وہ بعض کے نزدیک کافر ہوگا۔ یعنی آنحضرت کا آخر الانبیاء ہونا ان ضروریات دین سے نہیں جن کے نہ جاننے کی وجہ سے انسان کافر ہو جائے اور پھر مولف البحر الرائق نے ص ۱۳۳ پر جامع الصغیر سے یہ عبارت پیش کی ہے۔

اگر کوئی شخص بغیر اعتقاد رکھے عمداً کلمہ کفر کہے تو ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر ضمیر سے متعلق ہے اور اس نے کفر کی دل میں نیت نہیں کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ وھو الصیح عندی اور یہ بعض کا قول کہ وہ کافر ہو جاوے گا میرے نزدیک صحیح ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اتفاق کا ہونا ضروری ہوا۔ پس جب اس بات پر ہی علماء کا اتفاق ثابت نہ ہوا کہ کس وقت کفر کا فتویٰ دیا جانا چاہیے اور مختار مدعیہ نے یہ کہا ہے کہ مولف البحر الرائق کے نزدیک جب تک وہ مسئلہ متفق علیہ نہ ہو کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا تو اس اصول کی رو سے کسی پر بھی فتویٰ کفر نہیں لگانا چاہیے کیونکہ علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کب کسی پر فتویٰ کفر لگانا چاہیے۔

بہر حال جو کلمات گواہ مدعا علیہ نے پیش کیے تھے۔ ان کے متعلق مختار مدعیہ کو چاہیے تھا کہ وہ ثابت کرتا کہ ان کے موجب کفر ہونے پر علماء کا اتفاق نہیں ہے جب کہ مصنف نے خود مختلف فیہ اقوال کو نقل کرتے ہوئے اختلاف کا ذکر کر دیا تھا اور علاوہ ازیں گواہان مدعا علیہ نے شرح فقہ اکبر اور الاشباہ والنظائر کے جو حوالے پیش کئے تھے ان کے متعلق مختار مدعیہ نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے اور نیز یاد رہے کہ جو حوالے گواہان مدعیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ماننے والوں کو کافر ہونے کے متعلق الاشباہ والنظائر اور شرح فقہ اکبر اور البحر الرائق



سے پیش کیے ہیں وہ بھی منجملہ انہی کلمات کے ہیں جنہیں گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں پیش کیا۔ اور جن کے متعلق مختار مدعیہ نے گواہان مدعا علیہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان کے بیان کرنے میں انہوں نے خیانت سے کام لیا ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے تو خیانت کوئی نہیں کی تھی۔ البتہ مختار مدعیہ کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ اگر ہم پہلے علماء کے فتوؤں کو اب جاری کریں تو موجودہ زمانہ کے تمام مسلمانوں کے نکاح فسخ اور ان کی اولادوں کو حرام کی اولاد ماننا پڑے گا۔ پس اس ڈر سے مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ گواہان مدعا علیہ نے حوالے بیان کرنے میں خیانت کی اپنا پیچھا چھوڑنا چاہا ہے۔ لیکن دنیا میں کون سا عقل مند ایسا ہے۔ جو ان اقوال میں سے ایک قول کو تو موجب کفر و ارتداد ٹھہرائے اور اس کے ساتھ جو دوسرے اقوال کفریہ قرار دیئے گئے ہوں ان کو باطل اور لغو سمجھ لے۔

(۱۳)

## تفسیر دل کے متعلق

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعا علیہ پر ایک یہ الزام لگایا ہے کہ انہوں نے تمام تفسیرین مطلقاً غلط قرار دی ہیں۔ اور ان کے حوالے قطع و برید کر کے پیش کئے ہیں۔ اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کا حوالہ محرف کر کے پیش کیا۔ اور گواہ نے ابن خرم کا قول بلا دلیل پیش کیا۔ اور تفسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں ہیں وہ تردید کے لیے درج کی گئی ہیں۔ نہ تائید کے لیے۔ اور گواہ نے تفسیر تفتان سے جو حوالہ ہذا تفسیر انطواء کا پیش کیا ہے وہ تردید کی طور پر نقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے آخر میں ضمیمہ نظر لکھا ہے۔ یہ سب مختار مدعیہ کی مخالطہ سازیاں ہیں۔ گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں یہ کہیں نہیں لکھوایا۔ کہ تفسیرین مطلقاً غلط ہیں۔ بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ کتب تفسیر میں صحیح باتیں بھی ہیں اور غلط بھی اس لیے ہمیں مفسرین کے اقوال کو بلا تحقیق نہیں مان لینا چاہیے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون سے جو حوالہ پیش کیا تھا وہ بطور مفہوم کے ذکر کیا تھا اور نقل کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

حوالہ تیان بقول الغیر علی ما هو علیہ بحسب المعنی مظهر انہ قول الغیر (رشیدیہ) کہ نقل کسی دوسرے کے قول کو اس کے معنی کے لحاظ سے بیان کرنا ہے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ غیر کا قول ہے اور گواہ مدعا علیہ نے مقدمہ ابن خلدون کے اصل الفاظ پیش کئے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ نے اس کی طرف بھی وہی الفاظ منسوب کر دیئے جو گواہ مدعا علیہ نے لکھے تھے اور معنوی لحاظ سے اصل عبارت اور گواہ مدعا علیہ نے جو بطور مفہوم پیش کیا ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ گواہ مدعا علیہ نے تو یہ کہا کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ متقدمین کی تفسیر میں عمدہ اور ردی دونوں

باتوں سے پر ہیں۔ اور مقدمہ ابن خلدون کی اصل عبارت کا ترجمہ جسے گواہ مدعا علیہ ۲ نے اپنے بیان میں پیش کیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”کچھ متقدمین نے تفسیری باتیں جمع کیں۔ اور ان کا خوب احاطہ کیا۔ مگر ان کی کتب میں اور درج شدہ باتوں (یعنی منقولات) میں اعلیٰ و ناقص مقبول و مردود قسم پائی جاتی ہیں۔“

اور ابن خلدون نے جن باتوں کے متعلق حکم لگایا ہے وہ تین ہیں۔ ناسخ و منسوخ کی شناخت۔ اسباب نزول۔ آیات کے معانی و مقاصد اور ص ۲۶۱ میں لکھا ہے۔ وصلوا الکتب بهذا المنقولات (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۶) اور انہوں نے کتب تفسیر ان منقولات سے بھر دی ہیں۔ پھر مختار مدعیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ بات احکام سے تعلق نہیں رکھتی لیکن مقدمہ متنازعہ فیہا میں احکام کے متعلق جھگڑا نہیں ہے۔ بلکہ آیات کی تفاسیر اور ان عقائد میں ہے جو ان آیات سے متنبط ہوتے ہیں اور مختار مدعیہ نے یہ کہہ کر کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ تردیدی طور پر ہیں۔ غلط بیانی کے علاوہ اپنی لاعلمی کا ثبوت دیا ہے۔

گواہان مدعا علیہ نے بہت سی مثالیں پیش کی تھیں۔ مگر مختار مدعیہ نے سب کو نظر انداز کر کے صرف ایک حوالہ خازن کا لے کر یہ کلی حکم لگا دیا کہ تفاسیر میں انبیاء کی عصمت کے خلاف جو بیان کیا گیا ہے۔ وہ تردیدی طور پر ہے۔ حالانکہ اگر وہ گواہان مدعا علیہ کے بیانوں کا بغور مطالعہ کرتا تو اسے بے آسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ گواہان مدعا علیہ کا ایک مقصد تو ان حوالجات کے ذکر کرنے سے مفسرین کا آپس میں آیات کی تفاسیر میں اختلاف دکھانا ہے نہ دوسری کتب تفاسیر سے بعض آیات کی ایسی تفاسیر دکھانا مد نظر ہے۔ جو عقل و نقل کے بالکل مخالف بلکہ قرآن مجید کی دوسری آیات کے بھی مخالف ہیں۔

پس مختار مدعیہ کا تفسیر خازن سے آیت محبوب و محبوبہ کی تفسیر میں متقدمین کی تفسیروں کی تردید میں قول پیش کرنا ہی مدعا علیہ کے دعویٰ کو ثابت کرتا ہے کہ مفسرین نے آیات کی تفاسیر میں اختلاف کیا ہے۔ اور خود خازن میں یہ لکھا ہے کہ امام بغوی اور اکثر مفسرین کا یہی قول ہے کہ حضرت یوسف نے اپنا پانچواں کھول دیا اور اپنے کپڑے درست کرنے لگے۔ انہی میں سے سعید بن جبیر مشہور تابعی اور امام حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔ پس خازن کا جو کہ تفسیر کبیر ان معنوں کو رد کرنا ہی مدعا علیہ کے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔ کہ مفسرین کے اقوال بلا تحقیق قبول کرنا نہیں چاہئیں۔ نیز گواہان مدعا علیہ نے اس کے لیے ابن جریر کا بھی حوالہ دیا تھا۔ مگر مختار مدعیہ نے اس کی طرف منہ نہیں کیا۔ اگر مختار مدعیہ کا مذکورہ بالا ادعا غلط بیانی اور دھوکہ دہی پر مبنی نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابن جریر سے ان معنی کی تردید ثابت کرے جو گواہان مدعا علیہ نے اپنے بیانوں میں اس کی طرف منسوب کئے ہیں۔

اسی طرح آیت وجعلہ دکا اور خد موسیٰ صرعا اور آیت ما دہم علی موتہ الابدان الارض وغیرہ آیات کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے جو اقوال تفاسیر سے نقل کئے تھے وہ بھی تردید کے لیے نہیں ہیں پس مختار مدعیہ کی یہ ایک غلط بیانی ہے کہ تفاسیر میں جو اقوال عصمت انبیاء کے خلاف پائے جاتے ہیں وہ تردید کے لیے ذکر کئے گئے ہیں۔ پھر جلالین میں جو یہ لکھا ہے کہ شیطان نے آنحضرت صلعم کی زبان پر تلتک انحرانیق العیوان شفا عتھن لتجی کے کلمات جاری کر دیئے۔ مختار مدعیہ یہ بتائے تو یہی کہ کس جلالین میں اس کی تردید کی گئی ہے۔

گواہ مدعا علیہ ۲ نے جلالین میں بین السطور سے امام ابن حرم کا قول لکھا تھا کہ انہوں نے آیت متوفیک کے ظاہر معنے لے کر مسیح کی موت کو تسلیم کیا ہے لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے کہ یہ قول بلا دلیل پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ گواہ کا تو صرف اتنا ہی فرض تھا کہ وہ تفسیر سے امام ابن حرم کا قول لکھا ہوا دکھا دیتا سو وہ اس نے دکھا دیا تھا۔ اور مختار مدعیہ کا گواہ مدعا علیہ ۲ کے اتقان سے پیش کردہ حوالے کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تردید اسی جگہ ذبیہ نظر سے کر دی گئی ہے بالکل غلط ہے کیونکہ ذبیہ نظر اس قول سے کہ ابن عباس کی طرف تو لمبی لمبی تفسیر سبب کی گئی ہیں وہ ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی مجہول ہیں متعلق نہیں ہے بلکہ اس کے بعد کے قول سے جو ابن جریج کے متعلق ہے۔ اور ابن عباس کے متعلق جو قول ہے وہ مقدمہ فتح البیان میں بھی مذکور ہے۔ اور اس کی تائید اتقان جلد ۲ ص ۲۳۵ سے بھی ہوتی ہے کہ امام شافعی نے فرمایا:

”ثم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشیة بماتہ حدیث

یعنی ابن عباس سے تفسیر میں تقریباً ایک سو حدیث کے سوا کچھ ثابت نہیں ہے۔“

اور نیز اس کی تائید فوائد المجموعہ للشوکانی ص ۱۱۱ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے۔

”ومن جملة التفسیر التي لا یوثق بها تفسیر ابن عباس فانه مروی من

طریق الكذابین كالکلبی والسدی ومقاتل ذکر معنی ذلك السیوطی وقد سبقه

الی معناه ابن تیمیہ۔“

اور ان تفسیروں میں سے جو غیر معتبر ہیں۔ ابن عباس کی تفسیر بھی ہے۔ کیونکہ وہ کلبی اور سدی اور مقاتل جیسے کذابوں سے مروی ہے۔ اسی کے مطابق سیوطی نے لکھا ہے اور اس سے پہلے ابن تیمیہ نے بھی یہی کہا ہے۔

پس مختار مدعیہ کا گواہان مدعا علیہ کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے تفسیروں کے حوالجات پیش کرنے میں قطع و برید سے کام لیا ہے۔ بالکل غلط ہے اور مفسرین کی تفسیروں کو بلا تحقیق قبول کر لینا خود مفسرین کے اصول کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی تفسیر کو غلط ٹھہراتے آئے ہیں۔ جیسا کہ کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔

## آیت قرآنیہ کے ترجمہ میں خیانت کا الزام

پھر مختار مدعیہ نے گواہ مدعا علیہ پر ایک یہ الزام دیا ہے کہ اس نے آیت فلما جاء نصر رسولہوا لینیات بمعندہ من العلم کے ترجمہ میں خیانت کی ہے کہ اس میں انبیاء کے پیرومراد لے لیے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد یہود اور کفار تھے اور یہ کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔

سو یہ بھی مختار مدعیہ کی ایک غلط بیانی ہے۔ گواہان مدعا علیہ نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ نبی وہی ہوتا ہے جس کو جھٹلایا جائے۔ بلکہ مذکورہ بالا آیت سے یہ استدلال کیا تھا۔ کہ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ علماء ہمیشہ خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے اور ان کے لیے علم حجاب اکبر بن گیا اور وہ اپنے خشک علم کی بنا پر خیال کرنے لگے کہ ہم جیسا کوئی عالم نہیں۔ اس لیے ہم غالب رہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فرستادہ کی تائید کی۔ اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ درحقیقت وہ علم حقیقی سے جاہل و بے خبر تھے۔

اور مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ اس آیت میں یہود اور کفار کے عالم مراد ہیں نہ کہ انبیاء کے پیرو۔ بالکل بے معنی اور لغو ہے۔ کیونکہ نہ تو آیت میں یہود کا لفظ ہے۔ اور نہ کفار کا ذکر۔ نیز کہا یہود انبیاء کے پیرو نہ تھے؟ اور ان کی طرف انبیاء مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ پس اس آیت کا وہی ترجمہ صحیح ہے۔ جو گواہان مدعا علیہ نے کہا ہے۔ اور جاتو تھو میں ہم کی ضمیر تمام ان لوگوں کی طرف پھرتی ہے جن کی ہدایت کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے رسول بھیجے گئے تھے چاہے وہ یہود ہوں یا کوئی اور۔ بہر حال اس آیت سے ثابت ہے کہ مولوی انبیاء اور خدا تعالیٰ کے فرستادوں کی مخالفت کرتے رہے۔

(۱۲)

مختار مدعیہ نے ۱۰ اکتوبر کی بحث میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ مندرجہ ذیل کتب فریقین کے نزدیک ہیں۔ حج الکرامہ۔ اقرب الساعۃ۔ فتح البیان جامع الشواہد۔ بھونچال رشک و جال۔ انوار احمدیہ۔ حیات جاوید اور ارم پارچ کی بحث میں شہاب علی البیضاوی اور روح المعانی کے متعلق یہی بات کہی ہے۔ اور یہ مختار مدعیہ نے غلط بیانی ہی نہیں کی۔ بلکہ عمدتاً عدالت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ فریق مدعا علیہ نے اسے کب اپنا مختار بنایا تھا۔ جو اس نے یہ کہا کہ حج الکرامہ وغیرہ فریقین کے نزدیک غیر مسلم ہیں۔

فریقین کے معنی دو فریق کے ہیں نہ کہ صرف ایک فریق کے۔ اور فریق مدعا علیہ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ کتابیں غیر مسلم ہیں بلکہ اس کے گواہوں نے بحجواب جرح ایک جامع اصول بیان کر دیا تھا کہ جو روایت قرآن مجید کے مخالف ہوگی۔ وہ قابل قبول نہیں اسی طرح اگر کسی کتاب سے کوئی حوالہ پیش کیا جائے اور وہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ یا واقعات تابستہ کے خلاف نہ ہو تو وہ صحیح ہوگا اور اگر مارچ کو گواہ مدعا علیہ نے بحجواب جرح یہ تصریح کی ہے۔

”اگر کسی کتاب سے کوئی نقل پیش کی گئی ہے اور وہ اس اصول کی رو سے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں درست ہے تو وہ ہمارے نزدیک صحیح ہے۔“

پھر یہی نہیں کہ اس نے فریق مدعا علیہ کی طرف سے بیجا و کالت شروع کی۔ بلکہ گواہان مدعیہ کے اقوال کے بھی خلاف کہا ہے۔

چنانچہ تفسیر روح المعانی اس نے غیر مسلم قرار دی ہے۔ حالانکہ گواہ مدعیہ ۳۲۱ نے اپنی تائید میں روح المعانی کا حوالہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح شہاب علی البیضاوی کا مصنف نہایت اعلیٰ پایہ کا امام شمار کیا گیا ہے۔ اور اس نے بہت سی کتب بھی تالیف کی ہیں اور وہ قاضی القضاۃ بھی رہا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعیہ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے۔

”علامہ خفاجی شفا قاضی عیاض کی شرح میں لکھتے ہیں“ اور یہ علامہ خفاجی شیخ احمد بن محمد بن عمر الملقب تو وہی شہاب الدین الخفاجی ہیں جنہوں نے تفسیر البیضاوی کی شرح کی ہے۔ پس ایسی حالت میں کہ گواہان مدعیہ نے جو عدالت کے سامنے پیش ہوئے ہیں شہاب کے مصنف کو قابل اعتبار مانا یہاں تک کہ اس کی تصنیف سے حوالہ بھی دیئے ہیں۔ مختار مدعیہ کے کہہ دینے سے شہاب کے غیر مسلم قرار دیئے جانے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

مختار مدعیہ نے حج الکرامہ اور اقرب الساعۃ اور فتح البیان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ صرف یہ بیان کی کہ وہ غیر مقلد تھے اور مقلدین کو مشرک کہتے تھے۔ لیکن مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی ان کتب کے فریق مدعیہ کے نزدیک غیر مسلم ہونے کے لیے کافی وجہ نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کتب سے وحی و نبوت کے متعلق جو باتیں ذکر کی گئی ہیں موجب کفر ہیں تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ بلکہ انہیں کافر کہنا چاہیے۔ لیکن گواہ مدعیہ نے ۲۱ اگست کو بحجواب جرح یہ کہا ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کو میں مسلمان سمجھتا ہوں۔ اور ان کی کتاب میں مظاہر آنست سے عبارت ہے۔ اور گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بحجواب جرح کہا۔

حج الکرامہ ص ۳۲۲ میں جو واقعات مسلمانہ کے ساتھ نسبت کئے گئے ہیں وہ وقوع میں آئے ہوئے ہیں پس گواہان مدعیہ ۳ کے روبرو جب حج الکرامہ کا ذکر آتا ہے تو وہ اس میں جو واقعات ذکر ہوئے ہیں ان کی تصدیق

کرتے ہیں اور اس کے مولف نواب صدیق حسن خان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مختار مدعیہ انہیں متعصب اور مقلدوں کو مشرک کہنے والا سمجھ کر ان کی کتب کو غیر مسلم قرار دے رہا ہے۔ پس یہ گواہان مدعیہ کی شہادتوں کو نظر انداز کر کے خود گواہ بننا چاہتا ہے اور ان کے گواہوں کو اپنے حق میں مفید نہ پا کر بعد از وقت ان کے فرائض کو خود ادا کرنے کے لیے ہے۔

پھر جو حوالہ حج الکرامہ سے مسئلہ وحی کے متعلق ذکر کیا گیا ہے۔ بعینہ کتاب الاشاعتہ لاشراط الساعۃ مصنفہ سید شریف محمد بن رسول الحسینی البرزنجی ثم المدنی مطبوعہ مصر کے ص ۲۲ میں موجود ہے اور جو حوالہ اقتراب الساعۃ سے گواہان مدعا علیہ نے لاجبی بعدی کے متعلق بیان کرنے کے لیے پیش کیا ہے وہ بعینہ کتاب الاشاعتہ لاشراط الساعۃ کے ص ۲۱ میں امام ملا علی قاری سے منقول ہے پس نواب صدیق حسن خان کا گناہ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے۔ اس طرح جو حوالہ فتح البیان سے ذکر کیا گیا وہ دوسری تفاسیر میں بھی موجود ہے اور مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی تائید میں نواب صاحب کی تفسیر کا حوالہ پہلے ائمہ کی تفاسیر کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”صدیق حسن خان مرحوم رئیس عاملین بالمحدثات اپنی تفسیر میں اور قاضی شوکانی اور ابن کثیر اور بیضاوی اور مدارک وغیرہ تفاسیر میں یہ معنی ادلی الامر کے قبول کرتے ہیں“ سبیل الرشاد ص ۳۶

اور نواب صدیق حسن خان کو جو پوزیشن علماء دیوبند کے نزدیک ہے وہ مندرجہ ذیل حوالوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۔ حاشیہ فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۱۰ میں لکھا ہے۔

”مولانا نواب سید صدیق حسن صاحب قنوجی رحمت اللہ علیہ روضۃ الغنیۃ فی شرح الدرۃ البہیہ میں فرماتے ہیں“

۲۔ چنانچہ نواب مولانا سید صدیق حسن خان صاحب نے تکریم المومنین میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحت میں تکلم ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۵۵۔

۳۔ نواب مولوی صدیق حسن خان صاحب رئیس بھوپال اپنے رسالہ تعلیم الصلوٰۃ میں ارقام فرماتے ہیں خطبہ منجملہ شعائر دین کے ہے۔ یہ خطبہ عربی زبان میں ہے۔ نہ عجمی اور نہ ہونہ نظم سلف سے یہی طریقہ چلا آیا ہے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول حاشیہ ص ۱۳۔

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ اکابر دیوبند اور ان کے خاتم المحدثین تو نواب صدیق حسن خان کے اقوال سے سند پکڑتے ہیں۔ اور مختار مدعیہ ان کے اور گواہان مدعیہ کے خلاف ان کی کتب کو ان حوالوں کی بنا پر جو دوسری کتب سے بھی ثابت ہیں غیر مسلم قرار دیتا ہے۔ اور اسی سے اس امر کی حقیقت آئینہ ہو جاتی ہے جس کے اثبات کی غرض

سے یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے اور جامع الشواہد اور بھونچال بر لشکر دجال اور حیات جاوید کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا تو سوال ہی نہیں اٹھ سکتا۔ کیونکہ گواہان مدعا علیہ نے یہ دکھانے کے لیے کہ مسلمانوں کے فرقوں نے ایک دوسرے کو کافر قرار دیا ہے ان میں سے فتاویٰ پیش کئے ہیں اور اگر مولویوں کی تکفیر کی بنا پر کسی کو کافر اور مرتد قرار دے کر نکاح فسخ قرار دیئے جاسکتے ہیں تو پھر مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر و مرتد قرار دے کر کافر و مرتد ہو گئے۔ اس لیے ان سب کے نکاح باطل اور فسخ قرار دے کر سب کی اولاد دلدل الزنا قرار دے دینی چاہیے۔ غرض چونکہ مذکورہ کتابوں سے اس امر کی تائید میں چند فتاویٰ تکفیر یہ پیش کئے گئے ہیں۔ پس ان کے مسلم اور غیر مسلم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور ہدیہ مجددیہ اور انوار احمدیہ کے غیر مسلم ہونے کی مختار مدعیہ نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ وہ کیوں غیر مسلم ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ان اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں جو مخالف مولویوں نے امام ربانی مجدد الف ثانی پر کئے تھے اور ان کے مصنف مولانا حکیم ذکیل احمد صاحب سکندر پوری نے جابجا مجدد صاحب کی تحریر اپنے جواب میں پیش کی ہیں۔

## مسلم اور مسلمان ہونے میں فرق

مختار مدعیہ نے ایک یہ نظریہ بھی قائم کیا ہے کہ کسی کو محض مسلمان مان لینے سے اس کا مسلم ہونا ثابت نہیں ہو جاتا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقدمہ میں بحث چونکہ کفر و اسلام پر تھی۔ اس لیے صرف ان کے مسلمان ہونے کے متعلق سوال کیا گیا۔ ورنہ وہ لوگ جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔ وہ مسلمہ امام ہے۔ چنانچہ اس امر کی تائید میں اکابر دیوبند کے چند حوالجات پیش کرتا ہوں۔

۱۔ ملا علی قاری کے متعلق۔ ملا علی قاری شرح مناسک میں فرماتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص ۲۸۲۔

اور صفحہ ۳۶ میں ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے موضوعات کبیرہ میں تحریر فرمایا ہے

۲۔ حضرت شیخ ملا علی قاری نے موضوعات کبیرہ میں واضعین حدیث کے دل چسپ واقعات نقل کیے ہیں۔

القاسم جلد ۵ نمبر ۱۱ بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۸۔

۳۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری مرقات میں فرماتے ہیں۔

سبیل السلاصۃ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن گواہ مدعیہ مسلمہ بحوالہ برکات الاملاہ ص ۱۱۰۵۔

۴۔ بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرنے میں اس کا پتہ بھی حدیث میں

ملتا ہے اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے۔ یہ بھی درست معلوم

ہوتا ہے۔ دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط رشید احمد غنی عنہ۔

فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۶۔

کیا جس شخص کے احوال سے یہ سند پکڑی جاتی ہے اور اس کے فتاویٰ بطور دلیل پیش کیے جاتے ہیں وہ نرا مسلمان ہی ہے یا مسلمہ امام ہوگا؟

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ شیخ الصوفیہ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے امام فخر الدین کو ایک خط لکھا ہے۔

(القاسم ۱ جلد ۵ ص ۳۳)

۲۔ حفظ الایمان مولفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے صفحہ ۷ میں حضرت موصوف کو شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے

۳۔ تفسیر غایتہ البرہان کے مقدمہ ص ۱۶ میں حضرت موصوف کو امام ہمام شیخ اکبر محی الدین رضی اللہ عنہ لکھا ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ عارف محمدانی امام ربانی مجدد الطریقۃ السویتی علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب البیوا قیامت اٹھا کر یکھو

کتاب المؤمن والافلاق میں پڑھو کہ ابنا عصر کی ان مظالم ہائے محمدانہ کے فسانے کن دردناک لفظوں میں ارقام فرماتے ہیں۔ القاسم ۵ جلد ۷ ص ۱۵۔

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۸ میں بھی حضرت ممدوح الصدر کو امام ربانی عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ

مولوی محمود حسن دیوبندی شیخ الہند خلیفہ مولوی رشید احمد گنگوہی سابق صدر المدرسین مدرستہ العلوم دیوبند اپنی کتاب الجہد المقل ص ۲۸ میں فرماتے ہیں۔

۱۔ حضرت امام العارفین وقدرۃ الواصلین مسجد رسول اللہ صفی عباد اللہ منبع فیض نامہ ودوسر ائمہ

کثوف وشہود سر دفتر و تخمین امت سر حلقہ بگوشاں اتباع سنت سلطان المحققین رئیس التکلمین حاجی

مشرک حامی شریعت وطریقۃ قیوم ربانی ومقبول سبحانی امانا ومجتبنا حضرت شیخ مجدد الف ثانی حشر

اللہ تعالیٰ مع الانبیاء والصلیقین وجعلنا فی اتباعہ یوم الدین آمین اپنے مکتوبات میں ارشاد فرماتے ہیں

۲۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۷۹ میں حضرت ممدوح الصدر کو مولوی محمد مسعود صاحب نقشبندی خلیفہ

مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ لکھ کر اپنی تائید میں



آپ کی عبارت نقل کی ہے۔

۳۔ گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ  
”شیخ مجدد رحمۃ اللہ علیہ میرے نزدیک مسلم صاحب کشف ہیں۔“

مولوی رحمت اللہ صاحب ہاجر کی

۱۔ ”مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق ہیں اور باقرار علماء مکہ اعلم ہیں۔“

البراہین القاطعہ مولفہ مولوی خلیل احمد صاحب مصدقہ مولوی رشید احمد گنگوہی ص ۲۶۲۔

۲۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ میں لکھا ہے

”اور خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ علیہ کے ساتھ کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔“

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ مولوی حبیب احمد کیرانوی نے اپنے خط میں جو مولوی اشرف علی صاحب کو ارسال کیا ہے۔ ابن تیمیہ کو شیخ

الاسلام ابن تیمیہ لکھا ہے۔ انقاسم ۷ جلد ۵ ص ۵۔

۲۔ مولوی شبیر احمد غمانی نے بھی علامہ ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام اور ان کی کتاب کو بیش بہا لکھا ہے۔

انقاسم ۷ جلد ۵ ص ۱۱۔

۳۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ”اقتضاء الصراط المستقیم“ میں فرماتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم حاشیہ ص ۹۔

مولوی محمد اسماعیل صاحب شہید

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

۱۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنت کے جاری

کرنے والے اور قرآن اور حدیث پر پورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے۔ اور تمام عمر

اسی حالت میں رہے۔ آخر کار فی سبیل اللہ جہاد میں کفار کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ بخ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان اولیئک اولا المتقون اور کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رد شرک و بدعت

میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور

عمل کرنا عین اسلام ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص ۲۱۔

۲۔ حجت اللہ ابوالفتح حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے اور صراط مستقیم و تقویۃ الایمان

جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۱۳۷۔

اور ص ۴۹ میں عالم متقی ولی اللہ اور قطعی جنتی لکھ کر لکھا ہے کہ ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے

اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافروں کا ہی ہے اس طرح سبیل الرشاد ص ۴۶ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق فرماتے ہیں۔

”حجتہ اللہ البالغہ میں شیخ شیخو خا شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں“

اب مختار مدعیہ کا یہ کہنا بھی عدالت کے سامنے کہ کسی کو مسلمان ماننا اور چیز ہے اور اس کو معلم ماننا شے دیگر اور بزرگان موصوف الصدر کو اکابر دہلویوں کا امام ہمام اور شیخ الشیوخ اور عارف باللہ اور ولی اور شہید اور شیخ الاسلام و شیخ الصوفیہ اور علامہ شیخ اکبر عارف امام ربانی مجدد السطریقہ امام الصادقین و قدودہ الاصلین وغیرہ تسلیم کرنا بھی عدالت کے سامنے ہے۔

مختار مدعیہ نے ۹ اکتوبر کی بحث میں ایک یہ غلط بیانی کی کہ مرزا صاحب کی عبارتیں آپس میں متعارض ہیں۔ اس لیے ہماری پیش کردہ عبارتوں کا جواب نہیں ہو سکتیں۔ جتنی عبارتیں موافق اسلام ہیں قابل اعتبار نہیں لیکن مخالف اسلام عبارتیں قابل اعتبار ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لیے کفریہ کلمات کہنے کی کیا ضرورت اور ۸ اکتوبر کی بحث میں اس نے یہ کہا ہے کہ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ وہ ایک وقت میں کچھ کہتے اور دوسرے وقت میں کچھ اور۔ آہستہ آہستہ جس قدر لوگ برداشت کرتے چلے گئے وہ بیان کرتے گئے۔ چنانچہ اس نے اپنی تائید میں حقیقتہ النبوة ص ۱۴۲ کا حوالہ بھی دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض باتوں کو رفتہ رفتہ ظاہر کرتا ہے۔

جواب :

مختار مدعیہ ان اکابر اسلام کو جن میں حضرت شیخ اکبر اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی جیسے بزرگ بھی شامل ہیں مسلمان تو کہہ سکتا ہے مگر مسلم ہونا اور بات ہے۔ وہ ان کو مسلم ماننے کو تیار نہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی عارف ربانی امام عبدالوہاب شاعرانی قیوم صمدانی حضرت مجدد الف ثانی کو اس کے نزدیک مسلمان کہہ دینا تو ہو سکتا

ہے مگر مسلم ہونا اور بات اس کے نزدیک نہیں کیوں مسلم نہیں صرف اس لیے کہ ان حضرات کے اقوال سے حضرت اقدس مرزا صاحب کی تائید ہوتی ہے۔ ان مقدسوں کے متعلق جو اسلام کی روح ہیں یہ کہنا کہ ان کو مسلمان مان لینا اور بات ہے اور مسلم سمجھنا اور بات تمام مسلمانوں کے لیے عموماً اور عدالت کے لیے خصوصاً قابل توجہ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام میں کوئی تعارض نہیں ہے اور مختار مدعیہ نے ۸ راکتوبر کی بحث میں جو مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں قطعاً کوئی تعارض نہیں پایا جاتا۔ ان کے بیان کرنے میں مختار مدعیہ نے ویسے ہی مغالطہ سازی سے کام لیا ہے جیسا کہ عیسائی قرآن مجید اور آنحضرت صلیع کے کلام میں تعارض ثابت کرنے کے لیے لیا کرتے ہیں۔ میں بطور نمونہ ایک دو مثالوں کا جواب دے دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔

۱۔ مختار مدعیہ نے کہا ہے کہ مرزا صاحب نے تحفہ گو لڑویہ میں توبہ لکھا کہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں وہ مسیح موعود ہوں جس کے متعلق نبیوں کی پیش گوئیاں ہیں۔ لیکن ازالہ اوہام میں یہ لکھا کہ اس عاجز نے جو قبیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس سے کم فہم لوگوں نے مسیح موعود سمجھ لیا ہے۔ یعنی ازالہ اوہام میں تو آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ صرف قبیل مسیح ہونے کا لیکن جب زمانہ گزر گیا تو تحفہ گو لڑویہ میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

اور یہ مختار مدعیہ کا نرا مغالطہ ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں بھی مسیح موعود ہونے کا ویسا ہی دعویٰ کیا ہے جیسا کہ تحفہ گو لڑویہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ ”واضح ہو کہ وہ مسیح موعود جس کا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا تھا۔ وہ تو اپنے وقت پر اپنے نشانوں کے ساتھ آگیا۔ اور آج وہ وعدہ پورا ہو گیا۔ جو خدا تعالیٰ کی مقدس پیش گوئیوں میں پہلے سے کیا گیا تھا۔“ ازالہ اوہام ص ۱۶۷ بار پنجم۔

۲۔ اور قبیل موسیٰ آنحضرت صلیع کا یہی سوانح میں اور دوسرے تمام نتائج میں جو قوم میں ان کی طاقت میں انکی سرکشی کی حالت میں مؤثر ہو گئے اس مسیح سے مشابہ ہو گا جو موسیٰ کو دیا گیا تھا اب جو امر کہ خدا نے تعالیٰ نے میرے پرستش کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مسیح موعود میں ہو گا۔ لیکن یہ ایک خاص پیش گوئی کے مطابق جو خدا تعالیٰ کی مقدس کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ مسیح موعود کے نام پر آیا ہے۔ ازالہ ص ۶۹۔

۴۔ اور منجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارہ میں پائی جاتی ہیں ص ۲۸ ان عبارات کی موجودگی میں حضرت اقدس کی عبارت کے قول میں ”اس عاجز نے جو مثل موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے جس کو کم فہم لوگ مسیح موعود خیال کر بیٹھے ہیں“ کا یہ مطلب لینا جو مختار مدعیہ نے لیا ہے معکم کی منشاء کے صریح مخالف ہے۔ اصلی بات یہ ہے کہ اس جگہ آپ نے اپنے مخالف علماء کے عقیدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ



کے ذریعہ کسی زمانہ میں پورا کر دیوے جو منجانب الہ ثلیل مسیح کا مرتبہ رکھتا ہو۔ اور ہر ایک آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعہ سے بعض خدمات کا پورا ہونا درحقیقت ایسا ہی ہے کہ گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں۔ بالخصوص جب بعض متبعین فنا فی الشیخ کی حالت اختیار کر کے ہمارا ہی روپ لے لیں۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ رتبہ ظلی طور پر بخش دیوے۔ جو ہمیں نخواستہ اس صورت میں بلاشک ان کا ساختہ پر داختہ ہمارا ساختہ پر داختہ ہے۔ کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے۔ وہ ہم سے جدا نہیں۔ اور جو ہمارے مقاصد و رسم میں سے ہو کر پورا کرتا ہے۔ وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے۔ اس لیے وہ جزو اور شناخت ہونے کی وجہ سے مسیح موعود کی پیش گوئی میں بھی شریک ہے۔ کیونکہ وہ کوئی جدا شخص نہیں۔ پس اگر ظلی طور پر وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ثلیل مسیح کا نام پائے اور موعود میں بھی داخل ہو تو کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ گو مسیح موعود ایک ہی ہے۔ مگر اس ایک میں ہو کر سب موعود ہی ہیں۔ کیونکہ وہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی مقصد موعود کے روحانی یگانگت کی راہ سے منم و مکمل ہیں۔ اور ان کو ان کے پھلوں سے شناخت کر دے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے جو اس کے رسولوں اور محدثوں کی نسبت ہوتے ہیں کبھی تو بلا واسطہ اور کبھی بالواسطہ اس کی تکمیل ہوتی ہے۔“ ازالہ صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴۔

پس جو دعویٰ مسیح موعود ہونے کا آپ نے تحفہ گولڈویہ میں کیا ہے وہی ازالہ اوہام میں بھی موجود ہے۔

(۲)

ازالہ اوہام میں تو یہ لکھا ہے کہ مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں آگئے اور ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر ہے۔

بولب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہیں یہ نہیں لکھا کہ وہ اس معنی کے لحاظ سے امتی ہیں جن معنی کے رو سے آپ نے ضمیمہ براہین پنجم میں حضرت عیسیٰ کو امتی قرار دینا کفر لکھا ہے بلکہ ازالہ اوہام میں بھی آپ نے بالتفصیل بیان فرما دیا ہے کہ وہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”بیکن افسوس کہ مولوی صاحب مرقوم کو یہ سمجھ نہ آیا کہ صاحب نبوت تامہ ہرگز امتی نہیں ہو سکتا اور جو شخص کامل طور پر رسول اللہ کہلاتا ہے۔ اس کا کامل طور پر دوسرے نبی کا مطیع اور امتی ہو جانا مقصود قرآنہ اور حدیثہ کی رو سے بجلی متع ہے۔“ ازالہ صفحہ ۲۳۵

پس جس خیال کا اظہار آپ نے ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم میں کیا ہے وہی ازالہ اوہام سے ثابت ہے۔

ازالہ ادہام میں مرزا صاحب نے کہا ہے کہ وہ ابن مریم جو آنے والا ہے۔ نبی نہیں ہوگا۔ لیکن حقیقتہً الوحی میں لکھا ہے ”جس نے آنے والے مسیح کا پستہ چلتا ہے۔ اس کا یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی ہوگا۔“

جواب :

یہ بھی مختار مدعیہ کا ایک مغالطہ ہے۔ کیونکہ جیسے حقیقت الوحی میں آپ نے آنے والے مسیح کا نشان اس کا نبی ہونا قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ازالہ ادہام میں آپ نے فرمایا۔

”ازانجلہ ایک یہ ہے کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے۔ اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پلنے والا۔ لیکن اس جگہ نبوت نامہ کاملہ مراد نہیں کیونکہ نبوت نامہ کاملہ بدرمہر لگ چکی ہے بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتی ہے۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے“ ازالہ ادہام ص ۲۸۵

اور فرماتے ہیں۔

”اور مسلم میں اس بارہ میں حدیث بھی ہے کہ مسیح نبی اللہ ہونے کی حالت میں آئے گا۔ اب اگر مثالی طور پر مسیح یا ابن مریم کے لفظ سے کوئی امتنی شخص مراد ہو جو محدثیت کا مرتبہ رکھتا ہو تو کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی۔ کیونکہ محدث من وجہ نبی ہوتا ہے۔ مگر وہ ایسا نبی ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ اور اپنی طرف سے براہ راست نہیں بلکہ اپنے نبی کے طفیل سے علم پاتا ہے؟“ ازالہ ادہام ص ۲۹۲

(۴)

ازالہ ادہام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے اور بدھ مارچ میں لکھتے ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں

جواب :

بدھ مارچ ۱۹۰۹ء میں جو یہ لکھا ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ تو ساتھ ہی نبی کی تشریح بھی کر دی ہے کہ ”ہم نبی ہیں۔ ہاں یہ نبوت تشریحی نہیں۔ جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نبی کتاب لائے۔ ایسے دعویٰ کو ہم کفر سمجھتے ہیں؟“

اور ازالہ ادہام میں جو آپ نے فرمایا کہ نبوت کا دعویٰ نہیں بلکہ محدثیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نبوت سے مراد نبوت مستقلہ ہے۔ اور جس قسم کی نبوت کے دعویٰ کا اظہار بدر میں کیا ہے۔ اس سے آپ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ پھر جیسے

ازالہ کے حوالوں سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ نیز ایک غلطی کے ازالہ میں آپ نے بالتقریح ذکر فرمادیا ہے کہ آپ نے جہاں کہیں نبوت سے انکار کیا ہے تو اس سے مراد نبوت مستقل اور شریعت والی نبوت ہے۔ البتہ مشق سے پہلی کی تحاریر میں آپ نے اس قسم کی نبوت کو محدثیت سے بھی تعبیر کیا ہے۔ لیکن جب کثرت سے خدا تعالیٰ کے الہامات میں نبی اور رسول کا لفظ آپ کے حق میں استعمال ہوا اور آپ پر یہ حقیقت کھلی کہ اس قسم کی نبوت رسالت پر بھی نبی اور رسول کا اطلاق کرنا درست ہے اور یہ کہ نبی اور رسول کا نام ملنے کے لیے ضروری نہیں کہ شریعت لائے یا شریعت کے بعض احکام کو نسخ کرے جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے۔ تو اس وقت آپ نے نبی اور رسول کے الفاظ کو بتا دیل محدث لینے کی بجائے اپنے حق میں نبی اور رسول کا استعمال شروع کر دیا۔ پس آپ کا ایک جگہ نبی ہونے سے انکار کرنا اور دوسری جگہ نبی ہونے کا اقرار کرنا مختلف معانی کے لحاظ سے ہے اور اگر معانی اور نسبتوں کے لحاظ نہ رکھا جائے تو پھر قرآن مجید اور احادیث میں بھی بکثرت اختلاف پیدا ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ مختار مدعیہ کی طرح عیسائیوں نے بھی مختار مدعیہ کے اصول کے مطابق قرآن مجید میں اختلافات اور تعارضات نکالے ہیں۔ میں ان آیات اور احادیث میں سے جنہیں عیسائیوں نے مختار مدعیہ کی طرز پر آپس میں متعارض قرار دیا ہے چند بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان امماتہم الا الہی ولدا نفہم وانہم لیقولون منکر امن القول ذرورا (مجادلہ) یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ کر پکارتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں اور برا قول کہتے ہیں۔ ان کی مائیں تو صرف دہی ہیں۔ جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ لیکن سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وازولجا امماتہم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

ایک جگہ تو کہا کہ کسی کی ماں صرف دہی ہوتی ہے جو اسے جنے۔ لیکن سورہ احزاب میں نبی کی بیویوں کو جنہوں نے مومنوں کو جنا نہیں ان کی ماں قرار دیا۔

۲۔ سورہ نجم میں فرمایا ماضل صاحبکم دماغواہی۔ کہ آنحضرت صلعم گمراہ نہیں ہوئے لیکن سورہ الصفا میں فرمایا۔ وجدک ضال فہدئی کہ تجھے گمراہ پایا تو ہدایت دی۔

۳۔ سورہ طہ میں فرمایا۔ ونحشرہ یوم القیامۃ اعلیٰ کہ ہم اس شخص کو جو خدا کے فکر سے اعراض کرے گا۔ قیامت کے روز اٹھا اٹھائیں گے اور سورہ ق میں فرمایا فبھزک الیوم حدید اس دن نظریں تیز ہوں گی۔ اور ہر ایک چیز کی حقیقت کا دیکھشتم خود مشاہدہ کریں گے۔

۴۔ یوم تاتی کل نفس تجادل عن نفسها۔ یعنی جس دن ہر نفس اپنے نفس سے دفاع کے لیے جھگڑے گی اور دوسری جگہ فرمایا ہذا الیوم لا ینطقون ولا یؤذن لہم قیعتذارون۔ یعنی یہ وہ دن ہوگا

جس میں نہ وہ بولیں گے اور نہ انہیں عذر خواہی کی اجازت ہی دی جاوے گی۔

۵۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا۔ فلا النسأ بینہم لیومئذ ولا یصلحون۔ یعنی وہ اس دن ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسری جگہ فرمایا و اتقبل بعضهم علی بعض یتسألون۔ یعنی وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

۶۔ اسی طرح ایک مقام پر فرمایا۔ وقضوہم انہم مسئلون۔ کہ انہیں ٹھہراؤ۔ ان سے پوچھا جائے گا اور دوسری جگہ فرمایا۔ فیومئذ لا یسأل عن ذنبہ النس ولا الجن۔ یعنی اس دن جن و انس سے اپنے گناہوں کے بارہ میں پوچھا ہی نہیں جائے گا۔

رباختیار مدعیہ کا یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے دعویٰ میں لوگوں کی برداشت مد نظر رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ ترقی کرتے گئے۔ سیویہ بھی کوئی نیا اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ پہلے انبیاء پر بھی کیا گیا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب میں بھی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ انبیاء پر تمام امور کی حقیقت کیوں نہیں کھول دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا منشا انبیاء کی بعثت سے لوگوں پر تمام حجت کرنا ہوتا ہے تا وہ لوگ جن میں رشد و ہدایت پائی جاتی ہے۔ اس نبی کو قبول کر کے اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہوں اور دوسرے لوگ تمام حجت ہو کر خدا کے عذاب اور سزاؤں کے مورد بنیں اور اسی طرح خدا تعالیٰ کے مامور جو نہایت رحیم و کریم ہوتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ لوگ ہلاک ہوں اس لیے جب تک کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ الہام صراحت کے ساتھ ان پر کسی چیز کی حقیقت نہ کھول دی جائے۔ وہ اسی پر قائم رہتے ہیں جو لوگوں کے خیالات کے قریب ہوتا وہ جلدی میں آکر انکار نہ کریں۔ لیکن دنیا دار لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ان کا مکر ہوتا ہے اور ایسے لوگ اگر خود لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایسا طریق اختیار کریں تو وہ اسے حکمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ بندوں پر رحم کرنے کے لیے اپنے مامور پر آہستہ آہستہ حقائق ظاہر کرے تو وہ اسے مکر اور فریب سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب سے حکیم ہے پھر کیونکر وہ حکمت کو اختیار نہ کرے اور چونکہ انبیاء کو اپنی بڑائی کا کچھ خیال نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ ان خطابات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں ملتے ہیں۔ اپنے لیے استعمال کرنے میں نہایت احتیاط سے کام لیتے ہیں اور ہر پہلو پر

غور کرتے ہیں اور ابتدا میں ڈرتے ہی ہیں۔ کہ مبادا یہ آپ کے متعلق کا ہی دھوکہ ہو۔ اور اگر ان کی ایسی تاویل ہو سکتی ہو جو لوگوں کے خیالات کے اقرب ہو تو وہ اس کی تاویل کر لیتے ہیں۔ اور اسی پر قائم رہتے ہیں۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ اس کثرت الہام کے ذریعہ سے یہ واضح نہیں کر دیتا۔ کہ اس کی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب یہ وضاحت و صراحت ہو جائے تو پھر کوئی پروا نہیں



کرتے اور بلا خوف و ممتہ لائم وہ خطابات بھی نئے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ تدریجی دعویٰ کی مثال خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں بھی ہمیں ملتی ہے۔ سب سے پہلے جب آپ پر غارِ مرہ میں فرشتہ کا ظہور ہوا اور اس نے آپ کو خوب بھیجتا اور تین بار پڑھنے کے لیے کیا اور اقرا باسم ربك الذی خلق کی وحی آپ پر نازل ہوئی تو آپ کانپتے ہوئے دل کے ساتھ خدیجہ رحمہ کے پاس آئے اور کپڑا اوڑھانے کے لیے ارشاد فرمایا۔ اور جب کچھ تسلی ہوئی تو فرمایا کہ ولقد خشیت علی نفسی (بخاری جلد ۱ ص ۲) یعنی میں ڈرا مبادا میرے نفس کا ہی یہ دھوکا ہو۔ یا اپنی جان کا صرف ہو۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

جس نے اپنا حال سنکر بتایا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر اترا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے پاس فرشتہ آتا ہے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے آپ کو اس معاملہ کی حقیقت و ورقہ بن نوفل سے معلوم ہوتی ہے۔ اور ولقد خشیت علی نفسی کے معنی امام ملا علی قاری نے یہ کئے ہیں کہ میں ڈرا کہ مجھے جنون نہ ہو جائے یا میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ پھر اس کے بعد کچھ دیر کے لیے وحی کا آنا بند ہو گیا تو آپ کی جو حالت ہوئی وہ امام بخاری کے نزدیک مندرجہ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

وزاد البخاری حتی قرن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما بلغنا آخر تاعدا متہ سوارالی من روشی شواہق انجیل فکلما اونی بذوۃ جبل لکی یلقی نفسه منہ تبدی لہ جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقانیکن لذلک جائشہ و تفر نفسہ (مشکوٰۃ ص ۵۲۲)

یعنی وحی کے بند ہونے کے بعد آپ ایسے سخت غمگین ہوئے کہ آپ نے بار بار پہاڑ کی بلند چوٹیوں پر سے گرنے کی خواہش کی۔ پس جب کبھی کسی پہاڑ کی بلند چوٹی پر چڑھتے کہ اپنے آپ کو گرا دیں تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ سے کہتے کہ اے محمد تو درحقیقت خدا کا رسول ہے۔ تو اس سے آپ کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ سو جبریل علیہ السلام کا بار بار ظاہر ہو کر آپ سے یہ کہنا کہ تو سچ مچ خدا کا رسول ہے۔ بتاتا ہے کہ بندہ میں خدا تعالیٰ کے مامورین کو اپنے دعویٰ کی شناخت میں کیسی مشکلات ہوتی ہیں۔ پس وہ اس وقت تک اس کو ظاہر نہیں کرتے جب تک کہ بارش کی طرح وحی کے ذریعہ انہیں اس کی صحت کا علم نہیں دیا جاتا۔ دیکھنا چاہیے کہ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے کس حکمت سے آہستہ آہستہ آپ کو تبلیغ کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔ پہلے آپ پوٹیدہ طور پر تین سال تک اللہ تعالیٰ کی فطر لوگوں کو دعوت دیتے رہے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے فاصلہ مہما تو مروض عن المشرکین کا ارشاد فرمایا تو آپ نے علانیہ طور پر اپنی دعوت کا اظہار کیا۔

(زاوالمعاد جلد اول صفحہ ۲) آپ کی ترتیب دعوت کا ذکر امام ابن قیم نے اس طرح کیا ہے  
 ”پہلے تو آپ کو یہ حکم ہوا اقدربا سمر بک الذی خلق ذلک اذل نبوة یہ آپ کی نبوت کی ابتدا  
 ہے اس وقت آپ کو اپنے آپ پڑھنے ہی کا حکم دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر آپ پر آیات یا ایہما  
 المدثر قم فانذر نازل ہوئیں اس میں آپ کو دوسروں کے ڈرانے کا بھی حکم دیا گیا۔ ثم  
 امر ان یبذرعشیرتہ الاقریین پھر آپ کو اپنے قریبی خاندان والوں کے ڈرانے کا حکم دیا گیا  
 (جیسا کہ آیت وانذر عشیرتک الاقریین سے ظاہر ہے) ثم انذر قومک ثم انذر  
 من حولہم من العرب ثم انذر العرب قاطبۃ ثم انذر العالمین پھر آپ  
 نے اپنی قوم کو ڈرایا پھر اس کو جو اس کے ارد گرد عرب میں رہتے تھے پھر تمام عربوں کو (جیسا کہ آیت  
 تشذروا عما اتاہم من الذیر من قبلك سے ظاہر ہے) پھر اس کے بعد تمام جہانوں کو  
 (جیسا کہ آیت لتکون للعالمین نذیرا میں ظاہر ہے) فأقام بضع عشرة سنة بعد نبوة  
 بالذعوة بغير قتال ولا خیرة ویومربا لکف والصبر والصفح ثم اذن له فی  
 الحجرة واذن له فی القتال المشرکین حتی یکون الدین کلامہ للہ الی آخرہ“

(زاوالمعاد جلد اول صفحہ ۳۳۲)

پھر اپنی نبوت کے تیرہ سال بغیر قتال کے لوگوں سے کہ اپنا دعویٰ سنا کر ڈرنے رہے اور آپ کو جنگ سے  
 رکے رہنے اور صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ پھر آپ کو ہجرت کی اجازت ہوئی اور اس کے بعد قتال کی پھر آپ  
 کو حکم ہوا کہ جو آپ سے لڑے اس سے قتال کیا جاوے اور جو نہ لڑے اس سے قتال نہ کیا جاوے  
 پھر آپ کو مشرکین سے قتال کرنے کا ارشاد ہوا یہاں تک کہ تمام دین الٹ کر کے پڑے ہو۔ مذکورہ  
 بالا ترتیب سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے تدبیر فرمائی اور اپنے رسول سے اپنا دعویٰ لوگوں تک پہنچانے کے لیے  
 ارشاد فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغ دعوت میں مذکورہ بالا طریق اختیار کرنے کی وجہ سے آپ پر عیسائیوں  
 نے وہی اعتراض کیا ہے جو مختار مدعیر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیا ہے۔

اسی طرح پہلے تو آپ نے اپنی نبوت اپنی ذات تک محدود رکھی پھر آپ نے کئی بار اپنے آپ کو پہاڑ سے گرنے  
 کی خواہش کی۔ یہاں تک کہ ہر بار حضرت جبریل نے آپ سے کہا کہ آپ واقعی خدا کے رسول ہیں (یعنی کسی تردید کی  
 اس میں ضرورت نہیں) پھر جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کی تبلیغ کی۔ مدینہ میں پہنچ کر جہاں یہود کثرت  
 سے آباد تھے۔ فرمایا:

لا تخیرونی علی موسیٰ فان الناس یعمضون لیوم القیامتہ فأکون اول من یفقی فاذا

موسیٰ باطش فجاہت العرش (بخاری جلد ۴ ص ۸۸)

کہ تم مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو۔ کیونکہ لوگ قیامت کے روز جب بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔ تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کے ایک پہلو کو پکڑے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد وہ وقت آیا کہ آپ نے خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ کیا اور فرمایا۔

والذی نفسی محمد بیدہ لو بد ملکھ موسیٰ فأتبعوہ وتوکتھونی لضللتھن من سواہ  
النسیل ولو کان حیاً وادرك تنوحتی لا تبغی (مشکوٰۃ ص ۳۲) یعنی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تھکے لیے موسیٰ ظاہر ہوں اور تم اس کی پیروی کرو اور مجھے چھوڑ دو۔ تو تم سیدھے راستہ سے گمراہ ہو جاؤ۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو ضرور میری پیروی کرتے ایک اور حدیث میں ہے۔  
لو کان موسیٰ حیاً لما وسعہ الاتباعی کہ اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ ایک وقت میں تو یہ فرمایا لا تفضلونین انبیاء اللہ (مشکوٰۃ ص ۸)

یعنی تم خدا کے نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت مت دو۔ لیکن پھر دوسرا زمانہ آیا جب کہ آپ نے فرمایا  
فضلت علی الانبیاء بیست (مشکوٰۃ ص ۱۱۲ بحوالہ مسلم) یعنی مجھے تمام انبیاء پر چھ باؤں میں فضیلت دی گئی ہے  
اسی طرح ایک وہ زمانہ تھا کہ آپ نے علی الاعلان فرمایا۔ من قال انا خیر من یونس بن متی فقد کذب۔  
(بخاری جلد ۳ ص ۸۳) یعنی جو کہے کہ میں یونس بن متی سے اچھا ہوں تو اس نے جھوٹ کہا۔ لیکن آپ نے اپنے متعلق فرمایا۔

انا اکرم الاولین والآخرین علی اللہ ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۱۱۴ بحوالہ ترمذی و دارمی)

یعنی میں پہلوں اور پچھلوں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اشرف اور مکرم ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

نیز فرمایا:

انا سید ولما دمر یوم القیامۃ ولا فخر و بیدہ لواء الحمد ولا فخر و ما من نبی

یومئذ الا دمر فمن سورۃ تحت لوائی (مشکوٰۃ ص ۱۱۳ بحوالہ ترمذی)

یعنی میں قیامت کے روز تمام نبی آدم کا سردار ہوں اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور اس میں فخر نہیں اور آدم اور ان کے سوا جس قدر انبیاء ہیں تمام میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز فرمایا۔

انا قائد المرسلین ولا فخر و انا خاتم النبیین ولا فخر و انا شافع و مشفع

ولا فخر (مشکوٰۃ ص ۱۱۴ بحوالہ دارمی)

یعنی میں بغیر کسی فخر کے رسولوں کا قائد ہوں۔ اور خاتم النبیین اور شافع ہوں اور ایسا شافع ہوں

جس کی شفاعت قبول کی جاوے گی۔

حضرت مسیح موعود کا برابر ابن احمد یہ ہیں آپ کو ثیل مسیح ہونے کا الہام ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ کو مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق اس وجہ سے کہ آپ پر وفات مسیح کی فضیلت منکشف نہ ہوئی تھی زندہ لکھ دینا اور اسی طرح باوجودیکہ الہامات میں آپ کے حق میں نبی و رسول کے الفاظ استعمال ہوئے تھے۔ لیکن چونکہ نبی اور رسول کے معنی یہ سمجھے جاتے تھے کہ جو نبی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور یہ تعریف آپ پر صادق نہ آئی تھی۔ اس لیے آپ کا لفظ نبی اور رسول بتاویل بمعنی محدث لینا جلئے اعتراض نہیں ہے لیکن جب آپ پر اللہ تعالیٰ نے بار بار کے الہام سے یہ حقیقت منکشف کر دی کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ہیں۔ اور جب آپ نے یہ سمجھا کہ وہ جس پر کثرت امور غیبیہ کا اظہار ہو وہ بھی بنی ہوتا ہے۔ چاہے وہ نبی شریعت نہ لائے اور نہ ہی پہلی شریعت کے بعض احکام منسوخ کرے اور نہ ہی وہ مستقل ہو بلکہ پہلے نبی کا پیرو ہو تو آپ نے وفات مسیح کا اعلان کر دیا اور لفظ نبی اور رسول کو بتاویل محدث لینے کی بجائے اپنے آپ کو امتی نبی اور رسول کہنا شروع کر دیا۔ کہ میں بنی ہوں یعنی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والا اور رسول یعنی خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی آپ نے تصریح فرمادی کہ

”ہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ کے ساتھ پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلا واسطہ میرے پر نہیں ہیں۔ بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس نے خود حالی افاضہ میرے شامل حال ہے۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ (ایک غلطی کا ازالہ)

## حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ

۱۔ اکتوبر کی بحث میں مختار مدعیہ نے ایک یہ اعتراض کیا ہے کہ آج تک یہ پتہ نہیں کہ مرزا صاحب کیا چیرلے کر آئے اور نہ مرزا صاحب کے صحابہ ہی ثابت کر سکے اور دعویٰ کی تعیین نہیں۔ متعدد عادی کئے ہیں۔ مبلغ اسلام مجدد مصلح وغیرہ ذلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ اظہر من الشمس ہے۔ کہ آپ خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے مامور کئے گئے۔ باقی جس قدر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاب دیئے گئے ہیں۔ وہ اسی کے ذیل میں آجاتے ہیں۔ آپ مجدد تھے اور مصلح تھے اور ہر نبی مجدد اور مصلح ہوتا ہے۔ آپ مبلغ اسلام بھی ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مبلغ اسلام تھے۔ اور آپ کو ہی سب سے اول (یا دعا الرسول) بلغ ما انزل الیک تبلیغ کا حکم ہوا۔ آپ محدث بھی ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے آپ سے کلام کی آپ نبی بھی ہیں کہ خدا تعالیٰ نے کثرت سے امور غیبیہ پر آپ کو اطلاع دی۔ آپ رسول بھی ہیں۔ ان معنوں میں کہ آپ خدا کی طرف سے دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے۔ آپ ان پیش گوئیوں کے بھی مصداق ہیں جو انبیاء کی کتابوں اور احادیث میں پائی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی اصلاح کے

یہ مبعوث ہونے کی وجہ سے آپ ہمدی اور عیسائیوں کے لیے مسیح اور ہندوؤں کے لیے کرشن ہیں۔ پس آپ کو مختلف اقطاب اور اسماء دیئے جانے سے آپ کے دعادی متعدد نہیں ہو گئے ورنہ اس طرح تو یہی اعتراض آنحضرت صلعم پر بھی آئے گا کہ آپ کے دعووں کا پتہ نہیں چلتا۔ کیونکہ آپ کے دعادی متعدد ہیں۔ نبی۔ رسول۔ خاتم النبیین۔ حامی۔ حاشر۔ حاکم۔ وغیرہ۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ آپ کی کتب سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔

## گواہان مدعیہ کی شہادتیں

بوجہ بات ذیل حضرت مسیح موعود و ہمدی معہود اور آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں

وجہ اول :

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مسیح موعود اور ہمدی معہود ہونے کا ہے۔ اور گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں نحو الحج اکر امہ ص ۳۶۳ اور مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۵۵ جلد ۲ ص ۱۱۱۱ یہ ثابت کر دیا ہے کہ مولوی لوگ جو تقلید اور اپنے بزرگوں کی اقتدا کے نوکر اور کفر کا فتویٰ دینے کے عادی ہونگے۔ ہمدی موعود کو کافر اور گمراہ اور دین کو تباہ کرنے والا قرار دیں گے اور علماء و خواہر مسیح موعود کے باریک اجتہادات کا انکار کریں گے اور اپنی مخالف کتاب و سنت جان لیں گے۔ اور قرآن مجید بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ جزوا۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں مدعیان علم ان کی تکذیب کیا کرتے ہیں جیسا کہ آیت فلما جاء قہر رسولہم بالبینات فخرحوا بما عندہم من العلم (المومن) سے ظاہر ہے اس لیے حضرت مسیح موعود و ہمدی معہود کے کفر اور اسلام کے متعلق مولویوں کی شہادت قرآن وحدیث کی رو سے قابل قبول نہیں ہے۔

وجہ دوم :

گواہان مدعیہ حضرت مرزا صاحب اور آپ کی جماعت سے اپنے حسد و بغض اور تعصب و عداوت کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اگر گواہان کی شہادتوں کو دیکھا جائے تو اس میں احمادیوں اور ان کے امام کے خلاف جن جذبات کا اظہار کیا گیا ہے اور باوجودیکہ اس امر کا فیصلہ کہ آیا احمدی ہونا اسلام سے ارتداد ہے یا نہیں۔ عدالت کا حق غنا نہ کہ گواہوں کا گواہوں نے بار بار حضرت مسیح موعود اور احمادیوں کے حق میں کافر اور مرتد اور محد وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے ان کی جماعت احمدیہ اور مدعا علیہ سے عداوت و بغض بالکل واضح ہے اور ایسے شخص کی گواہی جس کی عداوت مدعا علیہ سے روز روشن کی طرح آشکار ہو چکی ہے کوئی عدالت چھوٹی ہو یا بڑی قبول نہیں کرتی۔ چنانچہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے جیسا کہ ہدیہ مجددیہ ص ۱۱ میں لکھا ہے۔

”ذکر فی البسوط فی مذہب مالک اندلا یجوز شہادۃ الفقاری یعنی العلماء لا نھمو  
اشد الناس تحاسدا و تنبا غضا“

یعنی بسوط میں امام مالک کا یہ مذہب لکھا ہے کہ مخالف علماء کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ  
اول درجہ کے حاسد اور بغض رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے فاضل حجام مدراس ہائیکورٹ نے بھی مقدمہ پر عنوان  
میں مونوٹون کی شہادت Narantahath Avullah VS Parahuhal Mammur and Others.  
کو احمد نول کے خلاف اسی وجہ سے رد کیا ہے چنانچہ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

But we can not accept their opinion as settling the question, as argued for  
the accused, particularly as they are interested as orthodox Mohammadans in  
denouncing the members of the new sect as unbelievers. Indian Cases Vol. 71

اس لیے گواہان مدعیہ کی شہادتیں حضرت مسیح موعود و آپ کی جماعت کے متعلق قابل قبول نہیں ہیں۔  
وجہ دوم :

گواہان مدعیہ کے بیانات اصولی مسائل ہیں ایک دوسرے کے متناقض ہیں چنانچہ  
۱۔ گواہ مدعیہ ۱ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح کہا ”عیسیٰ کو ہم پہلے نبی مانتے ہیں اس کے سوا جو وحی ہے وہ  
وحی نبوت نہیں ہے لفظ وحی کا اس پر اطلاق ہوگا۔ لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو  
جواب جرح کہا۔ وحی نبوت نہیں آئے گی نہ کسی نئے نبی پر نہ پرانے نبی پر۔  
پس گواہ مدعیہ ۱ تو حضرت عیسیٰ پر وحی نبوت کے نزول کو تسلیم کرتا ہے۔ لیکن گواہ مدعیہ ۱ کہتا ہے کہ  
وحی نبوت پرانے نبی پر بھی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ گواہ مدعیہ ۱ نے جواب جرح ۲۱ اگست کو یہ تسلیم کیا ہے۔ ”مسیح علیہ السلام پر اگر کوئی جبرئیل علیہ السلام کے  
نازل ہونے کا قائل ہے تو اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ اور پھر جج الکرامہ کی عبارت ”ظاہر است کہ آئندہ وحی  
مسوئے“ (یعنی مسیح علیہ السلام شمس) جبرئیل علیہ السلام باشند بلکہ یہ ہمیں یقین داریم و دران ترددی کنیم کی  
تردید نہیں کرتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نزول جبرئیل کو جائز قرار دیتا ہے لیکن برخلاف اس  
کے گواہ مدعیہ ۱ نے ۳۱ اگست کو جواب جرح یہ کہا ہے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر رسول اللہ کے  
بعد اب کسی شخص پر نازل نہیں ہو سکتا۔ حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت بھی ان پر جبرئیل نہیں آئیں گے۔  
۳۔ گواہ مدعیہ ۱ نے اپنے بیان میں لکھوایا ہے کہ کتب لغت میں سے کوئی حوالہ ایسا نہیں ملتا کہ جس سے  
قطعا یقیناً یہ ثابت ہو کہ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین کے ہی ہوتے ہیں اور اس کے خلاف گواہ مدعیہ

۳۹ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے۔

”کہ لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ قائم بفتح القاف ہر کے معنوں میں بھی ہے“

پس گواہ ۳۹ کے اس قول کے مطابق لغت کی رو سے برخلاف گواہ ۳۸ نبیوں کی ہر کے معنی ہو سکتے ہیں۔

۴۔ گواہ مدعیہ الف دگواہ مدعیہ ۳۸ اپنے بیانات میں کہتے ہیں کہ وحی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ نبوت نہیں کیونکہ وحی لازمی چیز ہے لیکن اس کے برخلاف گواہ مدعیہ ۳۸ نے نجواب جرح ۴۱ اگست کو یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلق وحی کے دعویٰ کو کفر نہیں کہا گیا۔ اور گواہ مدعیہ ۳۸ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر وحی نبوت ہوگی اور اس کے سوا جو وحی ہے وہ وحی نبوت نہیں۔ پس گواہان مدعیہ الف یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت مسلم کے بعد وحی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ وحی لازمہ نبوت ہے لیکن گواہ مدعیہ ۳۸ اگست کو نجواب جرح بحوالہ فتوحات اور گواہ مدعیہ ۳۸ اور گواہ مدعیہ ۳۹ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہو سکتی ہے اور نیز گواہ ۳۸ نے ۳۱ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ مسیح علیہ السلام پر غیر تبلیغی وحی ہوگی۔

۵۔ گواہ مدعیہ ۳۸ نے ۲۴ اگست کو نجواب جرح کہا کہ حضرت عیسیٰ رسول الی بنی اسرائیل تھے اور میں نہ پہلے وہ ہمارے ہی طرف مبعوث ہوئے تھے اور نہ اب۔ اور جب آئیں گے تو وہ منصب نبوت پر نہ ہوں گے۔ لیکن برخلاف اس کے گواہ مدعیہ ۳۸ نے ۳۱ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ موجب نازل ہوں گے تو وہ رسول ہوں گے اور ان کے نزول کے وقت جو شخص ان کو نہ مانے گا وہ مسلمان نہ ہوگا۔

۶۔ گواہ ۳۸ نے ۲۱ اگست کو نجواب جرح کہا کہ آیت دما حان بشر میں جو طرق وحی کے بیان کیے گئے ہیں وہ امت محمدیہ پر بند ہیں مگر گواہ ۳۸ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا کہ ام موسیٰ اور مریم پر جو وحی ہوئی وہ قرآن کے بیان کردہ تین طرق میں داخل ہے اور گواہ ۳۸ اور مختار مدعیہ کے نزدیک وہ وحی جو وحی نبوت نہ ہو وہ امت محمدیہ کے افراد کو ہو سکتی ہے جیسے کہ حضرت مریم اور ام موسیٰ کو ہوئی کیونکہ وہ نبی نہ تھیں اور وہ وحی گواہ ۳۸ کے نزدیک آیت دما حان بشر میں مذکورہ طرق میں داخل ہے جو گواہ مدعیہ ۳۸ کے قول کے بالکل مخالف ہے۔

گواہان مدعیہ کے بیانات میں ایسے تناقضات اور بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن انہیں پر اکتفا کرتے ہوئے میں ان تناقضات کی طرف بھی اشارہ کر دیتا ہوں۔ جو ہر گواہ کے اپنے بیان میں پائے گئے ہیں مثلاً گواہ مدعیہ ۳۸ نے ۲۱ اگست کو نجواب جرح حدیث من تزلۃ الصلوۃ متعمداً فقد کفرت کے متعلق کہا کہ امت اس کے یہ معنی سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا۔ یعنی عمداً نماز کا تارک امت کے نزدیک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن پھر اس کے بعد یہ اقرار کیا کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر قرار دے کر ان سے نکاح وغیرہ معاملات کو حرام قرار

دیا ہے۔ اور ان دونوں قولوں میں مخالفت پایا جاتا ہے اور اسی طرح گواہ ۳ نے اپنے بیان مورخہ ۲۵ اگست کو کہا کہ مسیح نسخ بروز دغیر یہ پانچوں اصطلاحیں آسمانی دینوں میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن اس نے ۲۹ اگست کو بحواب جرح تسلیم کیا کہ آیت کو نواقرۃ غاسنین کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ وہ مسیح ہو گئے تھے پس ان دونوں قسم کے تناقضات کی موجودگی میں گواہان مدعیہ کی شہادتیں قابل قبول نہیں ہیں۔

وجہ سوم ۱

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام کتب کا سوائے ان عبارات کے جس پر انہوں نے اعتراض کیا ہے مطالعہ نہیں کیا۔

گواہان مدعیہ نے جیسا کہ شاہد مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بحواب جرح تسلیم کیا ہے۔  
 ”کہ میں نے مرزا صاحب کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا جس قدر کہ مجھے حکم دینے کے لئے ضرورت ہوئی اس قدر میں نے مطالعہ کیا“

اور گواہ مدعیہ ۳ نے ۳۱ اگست کو بحواب جرح کہا میں نے تمام کتابیں مرزا صاحب کی مطالعہ نہیں کیں اور مختار مدعیہ نے بھی ۱ اکتوبر کی بحث میں گواہان مدعیہ کے اس نقص کو چھپانے کے لیے یہ کہا کہ کسی کا کفر ثابت کرنے کے لیے اس کی دوسری کتابوں کا دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے دوسری کتابوں کے دیکھنے کا اعتراض گواہان مدعیہ پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن گواہ مدعیہ ۳ نے ۲۹ اگست کو بحواب جرح یہ اصل تسلیم کیا ہے۔

”کہ ایک مصنف کے قول کا ماقبل و مابعد جب تک معلوم نہ ہو اور اس کی دوسری تصانیف سے اس کا صحیح عقیدہ معلوم نہ کر لیا جائے۔ اس وقت تک کوئی ایک جملہ کسی کتاب کا پیش کر دینا عقیدہ ثابت کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ اور اس طرح گواہ مدعیہ ۳ نے ۳۱ اگست کو بحواب جرح کہا  
 ”کہ متکلم کے مہم کلام کو اس کے مصرع کلام پر چل کیا جائے گا“

پس اس اصل کے مطابق کسی کا عقیدہ معلوم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی دوسری کتابوں کو دیکھا جائے اور اس کے تمام اقوال کو یکجائی نظر سے دیکھ کر پھر اس پر حکم لگایا جائے۔ لیکن گواہان مدعیہ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے معترف ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا کما حقہ مطالعہ نہیں کیا۔ اس لیے ان کی شہادت حضرت مسیح موعودؑ کے کفر و اسلام کے متعلق کوئی وزن نہیں رکھتی اور رد کرنے کے لائق ہے

وجہ چہارم :

رد باہلی نے اپنے فیصلہ میں علماء اسلام کی آراء حاصل کرنے کے متعلق لکھا تھا۔ اور علماء اسلام کہلانے کے دہی مستحق ہو سکتے ہیں جنہیں مسلمانوں کے تمام فرقے عالم اسلام سمجھتے ہوں۔ مگر گواہان مدعیہ عالم اسلام تو کجا رہے علماء جرہین اور علماء ہند کے نزدیک مسلمان بھی نہیں ہیں۔ بلکہ مرتدا اور خارج از دائرہ اسلام ہیں جیسا کہ پہلے



ثابت کیا جا چکا ہے۔ اس لیے ان کی شہادتیں رد کرنے کے لائق ہیں۔  
وجہ پنجم :

## گواہان مدعیہ کے صریح کذب

چونکہ گواہان مدعیہ اپنے اکابر علماء و ائمہ کی تعلیم کے مطابق ایسے معاملات میں کذب صریح کو جائز خیال کرتے ہوئے اپنے بیانیوں میں جا بجا کذب صریح کے مرتکب ہوئے ہیں اس لیے ان کی شہادت ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور ان کے صریح کذبات سے چند بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱)

### پہلا کذب صریح

گواہ مدعیہ الف نے اپنے بیان میں یہ کذب صریح استعمال کیا ہے کہ مرزا صاحب نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے آپ کو خالق جانا اور حوالہ آئینہ کمالات اسلام کا دیا ہے۔ حالانکہ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ واقعہ میں نے خواب میں دیکھا اور وہیں اس کی تعبیر بھی حضور نے بیان فرمادی ہے۔

(۲)

### دوسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ الف نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف بحوالہ بشری جلد ۲ ص ۶۹ یہ بھی منسوب کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان سے کہا۔

”جس طرح میں قدیم اور ازیلی ہوں۔ اس طرح تیرے لیے میں نے ازلیت کے انوار کر دیئے ہیں اور تو بھی ازیلی ہے۔“

اور یہ گواہ مذکور کا نہایت ہی صریح کذب ہے۔ کیونکہ عبارت البشری میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

(۳)

### تیسرا کذب صریح

گواہ مدعیہ ب نے اپنے بیان میں بحوالہ توضیح مرام ص ۳۷ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے۔

کہ آپ ملائکہ کو مکاروں کی ارواح مانتے ہیں۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے جیسا کہ ملائکہ کی بحث میں ذکر آچکا ہے۔ پس گواہ مدعی کا آپ کی طرف یہ عقیدہ منسوب کرنا اس کا ایک کذب صریح ہے۔

(۴)

## چوتھا کذب صریح

گواہ مدعی نے اپنے بیان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بحوالہ توضیح مرام ص ۵۷ یہ عقیدہ ظاہر کیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے نجوم کی تاثیر سے ہو رہا ہے حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ بحث ملائکہ میں ذکر آچکا۔ پس گواہ مذکور کا یہ ایک بھوٹ ہے۔

(۵)

## پانچواں کذب صریح

گواہ مدعی نے ۲۱ اگست کو جواب جرح یہ صریح جھوٹ بولا کہ مسیلہ کذاب نبوت مستقلہ کا مدعی نہیں تھا۔ اس نے اسلامی شریعت کے خلاف کوئی شریعت قائم نہیں کی۔ قرآن شریف کے مقابلہ میں اس نے کوئی آیات قائم کی تھیں یا نہ مجھے علم نہیں وہ شریعت قرآن شریف کا متبع تھا یا نہ مجھے معلوم نہیں۔ حالانکہ نہایت قلیل علم رکھنے والا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ مسیلہ کذاب نے نماز و روزہ وغیرہ کو ترک اور شراب و زنا وغیرہ کو جائز کر دیا تھا۔ چنانچہ گواہ مدعی نے ۲۹ اگست کو جواب جرح تسلیم کیا ہے کہ مسیلہ نے نبی کریم کے بعد احکام میں تغیر و تبدل کیا تھا اور حج اکرامہ ص ۳۳ میں جو واقعات رحیل غمر اور نسخ نماز و روزہ اور قرآن کے مقابلہ میں سورتیں بنانے کے (مسیلہ کی طرف نسبت کئے گئے ہیں یہ وقوع میں آئے ہیں۔

(۶)

## چھٹا کذب صریح

گواہ مدعی نے ۲۱ اگست کو جواب جرح کہا ”ہم احمد رضا خاں بریلوی کے فرقہ کو کافر نہیں کہتے۔ احمد رضا خاں کو بھی ہم کافر نہیں کہتے اس کے اقوال کا تاویل کرتے ہیں“ حالانکہ یہ سراسر غلط اور قطعاً کذب صریح ہے

(۷)

## سأوال کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۱ اگست کو بحواب جرح حدیث من تترك الصلوة متعمداً فقلک کفر یہ کہا کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ کفر کا سا فعل کیا یعنی عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا۔ لیکن جب اور زیادہ جرح کی گئی تو حق بات بیان کرنی پڑی کہ بعض ائمہ برحق نے عمداً نماز کے تارک کو کافر کہا ہے۔ اور اس اقرار سے اس نے یہ تسلیم کر لیا کہ اس کا پہلا جواب کہ امت اس کے معنی یہ سمجھتی ہے کہ عمداً نماز کا تارک کافر نہیں ہوگا۔ جھوٹ تھا۔

(۸)

## آٹھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۲ اگست کو بحواب جرح کہا :  
”مرزا صاحب نے اپنی کسی ایک کتاب میں وحی کو جمع نہیں کیا۔ اور نہ انہوں نے کسی خاص کتاب کو شریعت قرار دیا۔ لیکن ان کی جو وحی جس جس کتاب میں درج ہے وہ وحی شریعت جدیدہ ہے۔“

حالانکہ جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض تصانیف کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ آپ کی وحی کو وحی شریعت جدیدہ قرار دینا ایک کذب صریح کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۹)

## نواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۷ نے ۲۴ اگست کو بحواب جرح یہ صریح کذب استعمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اہم کے بعد قرآن کو آخر الکتب نہیں مانا اور اس قول کے صریح کذب ہونے میں حضرت مسیح موعود کی کتب سے ذرا بھی مس رکھنے والے شخص کو بھی شک نہیں ہو سکتا۔

## (۱۰) سوال کذب صریح

گواہ مدعیہ ۲ نے ۲۹ اگست کو جواب جرح کہا۔

”مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۹۹ مکتوب ۱۵ میں جو کچھ لکھا ہے وہ کشفی ہے یا الہامی“  
لیکن جو شخص اس مکتوب کی عبارت پڑھے گا اسے گواہ مدعیہ کو مذکورہ جواب دینے کی وجہ سے کاذب کہنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ کیونکہ اس مکتوب سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس بات کا وہم بھی نہیں گذرتا ہے کہ یہ کلام کشفی یا الہامی ہے۔ امام صاحب اس مکتوب کو ان الفاظ سے شروع کرتے۔

”اعلم ایہا الانح الصدیق ان علامہ سبجانیہ و تعالیٰ مع البشر قد یکون شفاہا و ذلک الافراد من الانبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات و قد یکون ذلک لبعض الکمل من متابعیہم بالتبعية و الوراثۃ ایضاً و اکثرہذا القسم من الکلام مع واحد منہم سنی محدثاً کما کان امیرالمومنین ع مرّ و هذا غیر الہام و غیر الاتقاء فی الروح و غیر الکلام اللہی مع الملک انما یخاطب بهذا الکلام الانسان الکامل“

یعنی اے برادر صادق جان لے کہ خدا تعالیٰ کا انسان سے مکالمہ کبھی تو بالمشافہ ہوتا ہے اور وہ انبیاء کرام کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ایسا کلام انبیاء علیہم السلام کے کامل فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو انبیاء کی پیروی کی برکت سے بطریق وراثت ہوتا ہے۔ پس جب ایسے کلام بکثرت ان کا دل میں سے کسی کے ساتھ ہوتا تو اس کا نام محدث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ عظمیٰ اور یہ کلام الہام سے اور الاتقاء فی الروح کے علاوہ ہوتا ہے۔ اور اس کلام سے بھی علاوہ ہوتا ہے جو فرشتہ کے ذریعہ ہوا ایسے کلام سے صرف انسان کا دل ہی مخاطب ہوتا ہے۔“

اب بتاؤ کیا اس مکتوب کی عبارت کو کشفی یا الہامی کہنا صریح کذب نہیں ہے؟

## (۱۱) گیارہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۳ نے ۱۸ اگست کو جواب جرح مسلم الثبوت جلد ۲ ص ۱۹ کی عبارت ”واما فی مستقبلات کا شرائط السامۃ و امور الاخرۃ فلا عند العنقیۃ لان الغیب لا مدخل فیہ للاجتہاد“ کا یہ مفہوم لکھو یا کہ :



## تیرہواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو بحوالہ جرح حدیث علماء ہمدان تحت ادیہ السباء کے مفہوم میں یہ لکھوایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے وقت علماء یہود ان کے مخالف ہوں گے۔ احادیث کی کتابوں میں یہودیوں کا ذکر ہے۔ وہ مخالف ہوں گے نہ کہ رسول اللہ کی امت یہود بن جائے گی۔ اور یہ گواہ مدعیہ کا صریح جھوٹ ہے کیونکہ احادیث کا یہ مفہوم قطعاً نہیں ہے۔ حدیث علماء ہمدان میں علماء سے مراد مسلمانوں کے ہی علماء ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے اسلام کا ذکر ہے کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے بھی صرف حروف و نقوش باقی رہ جائیں گے اور مسجدیں بہت ہوں گی مگر ہدایت سے خالی اور ان کے علماء بدترین مخلوق ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ مراد مسلمانوں کے مولوی ہیں۔ یہود کا اس حدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور اس طرح دوسری احادیث میں بھی صاف دار ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا یقین علی امتی ما اتی علی نبی اسرائیل حفظ النعل بالنعل (مشکوٰۃ ص ۲) کہ میری امت پر بھی وہ تمام حالات آئیں گے جو نبی اسرائیل پر آئے اور فرمایا کہ لیجھی سنن من قبلکم الحدیث (بخاری جلد ۲ ص ۱۷) کہ تم پہلے لوگوں کے طریقوں کی بالشت بالشت پیروں کی کرو گے۔ صحابہ نے عرض کیا یہود اور نصاریٰ کی تو آپ نے فرمایا کہ اور کون یعنی یہود اور نصاریٰ کی پیروی کرو گے اور تمام علماء اور ائمہ ان احادیث سے یہی مراد لیتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کے علماء کی حالت بگڑ جائے گی چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی بھی فرماتے ہیں۔

”اگر نمونہ یہود و نواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دینا باشند“ (اعزاز الکبیر ص ۳۱) گواہ مدعیہ ۴ نے کذب صریح کو استعمال میں لا کر احادیث کا ایسا مفہوم بیان کیا ہے جو بالکل ہی غلط ہے۔

## چودھواں کذب صریح

گواہ مدعیہ ۴ نے ۳۱ اگست کو بحوالہ جرح یہ کہا کہ

”مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص ۱۷ میں علماء غلو ہر کے متعلق جو لکھا ہے وہ مکاشفہ ہے“ اور یہ بالکل ایسا ہی کذب صریح ہے جیسا کہ منہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس میں بھی کوئی لفظ کشف یا الہام کا نہیں ہے۔

مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نے ۹ مارچ کو بحواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ خواجہ صاحب کے سامنے نبوت کا ذکر نہیں بلکہ صرف محدثیت کا آیا ہے غلط ہے۔ گواہ کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب نے اپنے غیر تشریفی نبی ہونے کا دعویٰ تو توضیح مرام میں بھی کیا ہے لیکن جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ پہلے آپ محدث کا بھی لفظ استعمال کرتے تھے لیکن بعد میں نبی کا لفظ استعمال کرتے رہے۔ اور اپنے الہامات میں نبی اور رسول کے الفاظ تھے۔ اور جب وہ الہامات خواجہ صاحب کے سامنے پیش ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ مرزا صاحب کے کمال پر دل ہیں۔“

اور اگر باطن میں تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضرت مرزا صاحب نے خواجہ صاحب کی وفات کے بعد دعویٰ نبوت کیا ہے تو بھی یہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ خواجہ صاحب آپ کے مصدق تھے کیونکہ آپ کی زندگی تک جو دعویٰ حضرت مرزا صاحب کے آپ کے سامنے پیش ہوئے آپ نے ان کی تصدیق کی۔ سو اگر آپ مسیح موعود کے دعویٰ نبوت کرنے کے وقت بھی زندہ ہوتے تو آپ ضرور اس کی تصدیق کرتے۔ جیسا کہ وہ صحابہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اور صرف دعویٰ نبوت کریں انہوں نے پایا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ ختم نبوت کے وقت بھی موجود ہوتے تو وہ اس کی تصدیق کرتے۔ اور اس پر ایسا ہی ایمان لاتے جیسا کہ آپ کے دعویٰ نبوت پر ایمان لائے تھے۔ لیکن یہ بات ہی سرے سے غلط ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے پاس مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت کا ذکر نہیں آیا۔ کیونکہ آپ کے الہامات میں جا بجا رسول اور نبی کے الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ الہامات خواجہ صاحب کی زندگی میں ہی حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں شائع ہو چکے تھے۔ اور خواجہ صاحب کو ان سے اطلاع تھی۔

اعتزازی

مولوی رکن الدین نے مولوی غلام احمد اختر کو اغویم لکھا ہے جس سے ان کی آپس میں دوستی کا اظہار ہوتا ہے۔

جواب

(۱) اگر اغویم کہنے سے دوستی کا اظہار ہوتا ہے تو خواجہ صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کے حق میں جو القاب تحریر فرمائے ہیں۔ ان سے لاشا ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ خواجہ صاحب کے نزدیک ایک برگزیدہ اور شہلا رسیدہ انسان تھے۔

(۲) چونکہ وہ دونوں خواجہ صاحب کے مرید تھے۔ اور دینی بھائی تھے اس لیے مولوی رکن الدین صاحب نے انہیں اغویم لکھا۔ جس کے معنی میرے بھائی کے ہیں۔

(۳) دوستی اس لیے تھی کہ خواجہ صاحب کے نزدیک مولوی غلام احمد صاحب اختر کا ایک خاص مقام تھا چنانچہ اشادات فریدی جلد ۳ صفحہ ۷۳ میں لکھا ہے ۔

”بعد ازاں برادر مولوی غلام احمد اختر را فرمودند کہ تو ہم بنویس دے نوشتن نشست و حضور انور از سر شرفقت و عنایت فرمودند کہ ای میان اوچہا ماست ازین شب برادر مولوی غلام احمد انجمن حضور خواجہ البقاہ اللہ تعالیٰ یلقب اوچہا سرفراز و ممتاز گردید ۔ باید دانست کہ اوچہا در لغت ہندی اہل ہنود معلم و اسناد را گویند“

### اختر

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا ان کے کسی مرید اور خلیفہ نے مرزا صاحب کو نہیں مانا۔

### جواب

مولوی غلام احمد صاحب اختر کے سوا اور مریدوں نے بھی حضرت مسیح موعودؑ کو برحق مانا اور اگر یہ تسلیم بھی کیا جاوے ۔ کہ اختر کے سوا اور کسی نے حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی تصدیق اور تائید نہیں کی ۔ تو کیا اس سے یہ لازم آجائے گا ۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کی تصدیق نہیں کی تھی کیونکہ یہود کے انبیاء اور اولیاء اس امر کی خبر دینے نہیں آئے تھے کہ ایک نبی عرب میں مبعوث ہوگا ۔ پھر کیا یہود نے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کے کہ یہ وہی نبی ہے تسلیم کر لیا تھا ؟ نہیں بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ انبیاء نے آپ کی تصدیق کی ہے انکار کر دیا تھا ۔ اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو یہود کے ایک بہت بڑے عالم تھے ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیانت کرنے پر یہود نے کہا خیرنا والین خیرنا وافضلنا والین افضلنا کہ وہ ہم میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ رکھتا ہے اچھا اور اچھوں کی اولاد اور ہم میں سے صاحب فضیلت اور ہم سے افضل کی اولاد ہے لیکن جب انہوں نے اسلام کا اظہار کیا ۔ تو ان کی بات تسلیم کرنے کی بجائے ان کو یہودیوں میں سب سے بلا قرار دیا ۔ اور خیرنا والین خیرنا کی بجائے شرنا والین شرنا کہنا شروع کر دیا ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مصر)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لو آمن بی عشرة من الیہود ولا من بی الیہود ۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ مطبوعہ مصر) یعنی اگر مجھ پر دس یہود بھی ایمان لے آتے تو پھر سب یہود مجھے مان لیتے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس یہود نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی تھی ۔ پس خواجہ صاحب کے خلفاء کا حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کو صحیح تسلیم نہ کرنا یہ نہایت نہیں کرنا ۔ کہ خواجہ صاحب نے بھی آپ کے دعویٰ کی تصدیق نہ کی تھی ۔ اور اب جب کہ اس شہادت فقہ کا پرچا ہوا ہے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے امید رکھتے ہیں ۔ کہ حضرت خواجہ صاحب



کے ساتھ تعلق رکھنے والے اور آپ کی پیردی کے شائقوں میں سے بہت سے نیک لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی تصدیق کریں گے اور بناعت احمدیہ میں داخل ہو جائیں گے۔

اعتراض

خواجہ محمد محقق صاحب کے مولوی رکن الدین صاحب کو برادر دینی کہتے سے ان کی توثیق نہیں ہوتی۔

جواب

(۱) کوئی عقلمند انسان یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر مولوی رکن الدین صاحب کے مولوی غلام احمد صاحب اختر کو اخیر کتب سے دوستی ثابت ہوتی ہے تو خواجہ محمد محقق صاحب کے مولوی رکن الدین کو برادر دینی کہنے سے بھی ضرور دوستی ثابت ہوتی ہے۔ اور جو خواجہ صاحب اور ان کے خلفاء کا دوست ہو اس کو لا محالہ ثقہ شخص ماننا پڑے گا۔

(۲) مولف مناقب فریدی جو حضرت خواجہ صاحب مغفور کے مرید اور خلفائے مقربین میں سے ہے یعنی مولوی احمد اختر صاحب انہوں نے مولوی رکن الدین صاحب کو مولانا سلمہ ربہ عزیز القدر مولانا کے القاب سے یاد کیا ہے۔

(سوانح عمری فیہد ثانی صفحہ ۱۰)

(۳) اور لکھا ہے۔ پھر بارگاہ فریدی سے ۱۳۱۸ھ کو انہیں خورق خلافت عطا ہوا۔

(سوانح عمری فیہد ثانی صفحہ ۲۸)

(۴) پھر مولانا رکن الدین صاحب کی کتاب کی توثیق مولوی احمد اختر صاحب کے قول سے بھی ہوتی ہے جو خواجہ صاحب کے خلفاء دین میں سے تھے بلکہ وہی مثال خلافت تیار کر اگر بجا اگر حضور کے دستخط خاص سے مزینہ کر اگر خدمت خلیفہ صاحب میں سپرد کرتے تھے۔

(سوانح عمری فیہد ثانی صفحہ ۳۰)

وہ لکھتے ہیں :-

اب اے مفوظات خیریت (یعنی خواجہ غلام فرید صاحب کے) مقابیس المجالس السی باشارات فریدی سے ظاہر ہے۔ جو عزیز القدر مولانا رکن الدین صاحب نے آٹھ برس حاضرہ کر جمع کیا ہے۔

(سوانح عمری فیہد ثانی صفحہ ۱۰)

اسی طرح خواجہ محمد محقق صاحب نے کتاب اشارات فریدی جلد سوم کے آخر میں جو تقریظ لکھی ہے اس میں یہ ظاہر کر کے کہ اشارات فریدی میرے والد ماجد خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں فرمایا ہے اور کہ آنرا برادر دینی مولانا رکن الدین پیراوضوکی سلمہ ربہ در مدت نہ سال ہمہ تن گوش گردیدہ جمع کردہ است۔ ایک نسخہ بود وہم مریدان و معتقدان و علم طالبان طریقت و سالکان حقیقت بہر طرف بیویان و جویان ایں خیمہ معارف نود۔

پس بصرف زر کثیر باہتمام خان صاحب والا شان محمد عبدالعلیم خان صاحب بہادر سکنہ ریاست ٹونک طبع کناہندم  
قادرا طرف و اکلاف عالم شائع گردد و ہر کسے مطالعہ ال نسخہ متبرکہ ہمت برگار دو جواہر معارف بدست آرد فقط فقیر  
محمد بخش بقلم خود۔

ان کلمات سے ظاہر ہے کہ مریدوں کے نہایت اصرار کے بعد یہ کتاب شائع کی گئی۔ خواجہ محمد بخش  
صاحب کی اجازت سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ پس یہ اشارات فریدی اور اس کے مولف کی توثیق کے متعلق  
اتنی بڑی شہادت ہے جس کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں۔ لیکن مختار مدعیہ کہتا ہے کہ یہ تقریظ بھی  
قابل اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ خواجہ محمد بخش صاحب نے تعمیر اپنے والد صاحب کے ملفوظات پڑھنے کی تقریظ لکھ دی  
ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے بغیر پڑھے ملفوظات مندرجہ اشارات فریدی اپنے والد صاحب  
کی طرف منسوب کر دیئے ہیں مختار مدعیہ نے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب پر تو یہ طعن کی تھی کہ انہوں نے  
(حضرت اقدس) مرزا صاحب کی کتابیں مطالعہ کئے بغیر ان کی تصدیق کر دی ہے۔ اور ان کے فرزند احمد حضرت خواجہ  
محمد بخش صاحب پچھلے الزام لگا دیا۔ کہ انہوں نے بغیر اشارات فریدی پڑھنے کے اس پر تقریظ لکھ دی ہے۔ اور اس کو  
اپنے والد صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ قرار دے دیا ہے۔

حضرت خواجہ صاحب جیسے بزرگ درگزر بدعا خدا کے ملفوظات طبع کئے جاتے ہیں۔ مریدوں کی طرف سے  
بہت سا اصرار ہونے پر ان کے فرزند و خلیفہ خواجہ محمد بخش صاحب اس پر تقریظ لکھتے ہیں۔ اور پچھنے کی اجازت  
دیتے ہیں۔ ٹونک کے ایک رئیس اعظم اس کی طباعت پر رقم صرف فرماتے ہیں۔ معتمدین خواجہ صاحب اس کو  
خریدتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔ اور خواجہ محمد بخش صاحب کی تقریظ بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی یہ  
نہیں کہتا۔ کہ یہ ملفوظات یا ان سے کوئی حصہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کا نہیں ہے۔

کیا یہ سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ اگر حضرت خواجہ صاحب کے مریدوں اور معتقدوں میں سے اشارات  
فریدی کے متعلق کسی کو ذرا سادھی شبہ ہوگا کہ اس کا کوئی حصہ خواجہ صاحب کی طرف نہیں ہے تو وہ خاموش بیٹھا رہتا  
نہیں نہیں یہ بات کسی طرح سمجھ میں آنے کے لائق نہیں ہے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی یہ شہادت ایک ایسی  
شہادت ہے جو کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی۔ اور اس کو کوئی مشتبہ کر سکتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس میں  
کچھ غلط ڈالنا یا غلط ثابت کرنا اب انسانی طاقتوں سے بالکل باہر کر دیا ہے شہادت دینے والے اس کو قلم بند کرنے  
والے۔ ان کی تصدیق کرنے والے اور طبع کر لینے والے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اور اب اس کے خلاف نہ کسی کا  
عذر قبول ہو سکتا ہے نہ کسی کی شہادت۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ اور اب اس کو بدل دینے والا کوئی نہیں۔  
پھر اسی کتاب یعنی جلد ۳ اشارات فریدی میں جس سے حضرت مسیح موعودؑ کے مسلمان ہونے پر شہادت پیش

کی گئی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۸۷ میں لکھا ہے۔ ”روایں جلد سوم از اول تا آخر بجناب اقدس حضور خواجہ بقاۃ اللہ تعالیٰ بقاۃ سبق بہ سبق خواندہ ام و حضور خواجہ بقاۃ اللہ تعالیٰ بکمال عنایت و توجہ سماع فرمودند و تصحیح و اصلاح معہ تحقیق تمام نمودہ اند“

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب نے یہ کتاب بغور سبقتاً سنی ہے اور اس کی بعض جگہ تصحیح بھی فرمائی ہے۔ پس اس میں جو ملفوظات ہیں وہ یقیناً خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مسیح موعودؑ نے ایک جگہ اشارات فریدی خواجہ صاحب کی طرف منسوب کی ہے۔ اور دوسری جگہ اسی صغیر پر اس سے قبل یہ لکھ کر تشریح کر دی ہے کہ اشارات فریدی خواجہ غلام فرید صاحب کے ملفوظات ہیں۔ لیکن گواہان مدعا علیہ نے اسے مولوی رکن الدین صاحب کی کتاب اس لیے قرار دیا کہ وہ اس کے مرتب اور جمع کنندہ تھے اس لیے حضرت مسیح موعودؑ اور گواہان مدعا علیہ کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے جیسا کہ مختار مدعیہ نے خیال کیا ہے۔ لیکن مختار مدعیہ کو جب اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ کہہ دیا۔ کہ گواہ مدعا علیہ نے بجواب جرح یہ کہا کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے اسے سبقتاً سنا اور اشارات خواجہ صاحب کے وصال کے بعد مرتب اور شائع ہوئی۔ حالانکہ گواہ نے ملکہ جرح کے جواب میں یہ بات صاف کر دی تھی۔ کہ خواجہ محمد بخش صاحب نے نہیں سنی بلکہ خود حضرت خواجہ غلام فرید صاحب نے یہ سبقتاً سنی ہے۔ اور خواجہ صاحب کی وفات کے ایک سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی۔

اور نیز مختار مدعیہ کا یہ کہنا کہ گواہ مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مرید کا قول مطلقاً بیہر کے حق میں معتبر نہیں۔ صحیح نہیں ہے کیونکہ گواہ مدعا علیہ نے اصل الفاظ یہ تھے۔ کہ مرید کا بیان معتبر نہیں بلکہ اس کی یثیت اور مرتبہ دیکھا جائے گا اور مولوی رکن الدین جس کے متعلق یہاں بحث ہے وہ معمولی انسان نہیں بلکہ حضرت خواجہ صاحب کے خلفاء میں سے ہیں۔

اعتراض

اس خط میں یہ نقل کیا گیا ہے۔ کہ مرزا صاحب کی عربی کلام طاقت بشری سے خارج ہے پس یہ خواجہ صاحب کا قول نہیں ہو سکتا۔

جواب

قول نہیں ہو سکتا کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ شواہد یقینیہ اور دلائل قویہ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ قول حضرت خواجہ صاحب کا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ عربی کلام قرآن مجید کی طرح ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ اگر تائید الہی نہ ہوتی تو بعض انسانی طاقت کا یہ کام نہیں تھا۔ کہ اتنی

جلدی ایسا فیض اور بلیغ اور پورا معارف عربی کلام لکھ سکے ہیں اس میں خواجہ صاحب نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ حضرت مرزا صاحب کے ساتھ تائید الہی تھی۔ اس لیے آپ کا عربی کلام طاقت بخشی سے خارج تھا۔

اعتراض

اس وقت بعض علماء نے تکفیر کی تھی۔ کل نے نہیں کی تھی۔

جواب

کل نے تو اب بھی نہیں کی۔ بہت سے نیک اور استوار علماء نے حضرت مسیح موعود کے دعویٰ کی تصدیق کی۔ اور خود دیوبند کے تعلیم یافتہ عالم جلیل و محدث کبیر حضرت سید مولوی سرور شاہ صاحب پرنسپل جامعہ امدیہ اور مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی جو بائیس مدرسۃ العلوم دیوبند کے شاگرد تھے اور مولانا مولوی افوا حسین شاہ صاحب رئیس شاہ آباد وغیرہ علماء نے جو دیوبند کے تعلیم یافتہ تھے اور مولوی احمد علی صاحب محدث بہار پوری کے شاگرد رشید غلام قاضی امیر حسین صاحب مرحوم جو کہ علم حدیث و فقہ میں عظیم الشان دسترس رکھتے تھے اور دیگر ایسے علماء نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی اور سلسلہ میں داخل ہوئے اور نہایت عظیم الشان قربانیاں کیں۔

۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء کے بعد تکفیر کا نیا فتنہ کوئی نہیں اٹھا۔ بلکہ سب سے زیادہ یہ فتنہ اوائل میں ہی اٹھا۔

جب کہ مولوی محمد حسین بٹالوی ۱۸۹۰ء میں ہندوستان کے تمام علماء کے پاس فتویٰ کفر حاصل کرنے کے لیے گئے۔ لیکن ان سب سے فتویٰ حاصل نہیں کر سکے۔ بعض ایسے علماء بھی تھے جنہوں نے فتویٰ نہیں دیا اور ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے فتویٰ دیا تو لیکن بعد کو اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے حضرت اقدس کے غلاموں میں داخل ہو گئے۔

اگر مختار مدعیہ کا یہ قول درست ہے کہ خواجہ صاحب کی وفات سے پہلے تو بعض علماء نے تکفیر کی تھی لیکن ان کی وفات کے بعد کل نے کی۔ تو وہ اس لیے مشہور علماء کے نام پیش کر کے جنہوں نے ۱۸۹۹ء تک دنگ تو حضرت مسیح موعودؑ کو کافر نہیں کہا تھا۔ لیکن بعد میں کافر کہا میں مختار مدعیہ کے اس دہم کو غلط اور باطل ثابت کرنے کے لیے بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو وجوہ گواہان مدعیہ نے تکفیر کی پیش کی ہیں وہ اس وقت بھی موجود تھیں۔ چنانچہ نفع صواب اور قیامت کے انکار کے متعلق جو گواہان مدعیہ نے حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ شہادت القرآن اور انزالہ اوہام کے ہیں۔ اور انزالہ اوہام ۱۸۹۱ء کی اور شہادت القرآن ۱۸۹۳ء کی ہے اور توہین انبیاء کے متعلق جو حوالے پیش کئے ہیں۔ وہ زیادہ تر ضمیمہ انجام انہم کے ہیں۔ اور وہ ۱۸۹۶ء کی تصنیف ہے۔ اور آپ کے دعویٰ مسیحیت اور مہدیت کی بنا بھی وہی پر ہے۔

رہا نبوت کا مسئلہ تو اس کے لیے میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ کہ حضرت مسیح موعود کی تحریروں سے انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ نے دعویٰ نبوت کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ”فتح اسلام میں تو اس نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ تو حیح مرام میں اپنے نبی ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اور علاوہ برائے بہت سے عقائد کفریہ کا اظہار کیا۔ اور ازالہ اوہام میں ان سے دعویٰ مسیحیت اور نبوت کے ساتھ رسالت کا بھی دعویٰ کیا ہے“ (فتویٰ علمائے پنجاب و ہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان ۱۸۹۰ء ٹائٹل پیج صفحہ ۲ اور اشاعت السنۃ نمبر ۱۳ جلد ۱۳۰ء کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے حضرت خلیفہ اول حکیم مولوی نور الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی گفتگو لکھی ہے جس میں بطور سوال و جواب لکھتے ہیں۔

خاکسار۔ نبوت ختم ہو چکی ہے یا نہیں

حکیم صاحب۔ نبوت تشریف ختم ہو چکی ہے۔ کوئی شخص شرع جدید نہیں لاسکتا۔

خاکسار۔ کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے۔ جو تشریع جدید نکرسے۔ شرع محمدی کے تابع ہو اور نبی کہلائے۔ جیسے

انبیاء بنی اسرائیل تو رات کا اتباع کرتے تھے اور نبی کہلاتے تھے

حکیم صاحب۔ کوئی بعید نہیں۔ ہو۔

خاکسار۔ آیت خاتم النبیین نبوت کو ختم کرتی ہے۔ آپ نبی جدید کی تجویز پر کیا دلیل رکھتے ہیں۔

حکیم صاحب۔ خاتم النبیین کی آیت تشریف انبیاء کے ختم کی دلیل ہے۔ نبی بلا تشریع کے وجود کی مانع نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ پہلے جس قسم کے دعویٰ نبوت سے انکار کرتے رہے تو وہ ایسے دعویٰ نبوت سے ہی انکار تھا۔ جس کے متعلق آپ نے ایک غلطی کے ازالہ میں فرمایا ہے کہ۔

”جس میں جبکہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر

کوئی شریعت لایا ہوا لانا نہیں ہوں۔ اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقصد

سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے ان کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔

رسول اور نبی ہوں۔ مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طرز کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار کیا۔ بلکہ اسی معنوں

سے خدا نے مجھے نبی اور رسول پکارا ہے۔ سواب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔

اور میرا یہ قول کہ ”من نیستم رسول و نیاوردہ ام“ کتاب ”اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب

شریعت نہیں ہوں۔

یاد رہے کہ حضرت مسیح موعود کے قول ”ہر نبوت را بردشدا ختام“ سے مراد بھی یہی ہے۔ کہ ہر قسم کی

نبوت شرعی ہو یا غیر شرعی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ ہے چنانچہ ایک غلطی کا ازالہ کے صفحہ ۲ میں

آپ فرماتے ہیں۔

”نبوت کی تمام کھڑکیاں بند کی گئیں مگر ایک کھڑکی سیرت صدیقی کی یعنی فناء فی الرسول کی باقی ہے۔ پس ہر شخص اس کھڑکی کی راہ سے خدا کے پاس آتا ہے اس پر ظلی طور پر وہی نبوت کی پھاڑ پھٹی جاتی ہے۔ جو نبوت محمدی کی چاؤ ہے۔ اس لیے اس کا نبی ہونا غیرت کی جگہ نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے نہیں۔ بلکہ اپنے نبی کے چہنمہ سے لیتا ہے۔ اور نہ اپنے لیے بلکہ اسی کے جلال کے لیے۔ اس لیے اس کا نام آسمان پر محمد واحد ہے اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس نظم میں جو نواجہ صاحب کے نام رسد خط میں درج ہے۔ تحریر فرمائی ہے جس کا ایک مصرعہ ہر نبوت را بروشد اتمام مختار مدعا علیہ نے پیش کیا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

من ہمام من ہمام من ہما	بکہ من در عشق او ہستم نہاں
از گریبانم عیاں شد آں ذکا	جان من از جان او یا بد غذا
اسم من گردید اسم اں وحید	احمد اندر جان احمد شد پدید

(اشارات فریدی صفحہ ۹۸ جلد ۳)

اور وہ اقوال جن کے متعلق مختار مدعیہ نے ۱۱ اکتوبر کی بحث میں یہ کہا ہے۔ کہ وہ کفریات جو حقیقت الہی سے میں نے پیش کی ہیں۔ اگر اس وقت موجود نہیں تو یہ شہادت مسیح ہے ان کے متعلق میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ اقوال جن کو مختار مدعیہ کفریات کہتا ہے آپ کی کتاب براہین احمدیہ اور اربعین اور ازالہ ادہام اور انجام اتحم وغیرہ میں تھے اور انجام اتحم میں مندرجہ الہامات کے متعلق خواجہ صاحب کی شہادت ہے۔ کہ وہ آپ کے کمال پر دال ہیں۔ حالانکہ ان میں وہ الہامات بھی ہیں۔ جنہیں مختار مدعیہ نے کفریات میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ چند ان میں سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

انت مسقی بمنزلة لا يعلمون الخلق۔ انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی هو الذی ارسل رسولہ بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ قل انکنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحکم اللہ۔ سبحان الذی اسرئ بعبدہ لیلہ۔ انا اعطینک الکوثر۔ انا فتنکناک فتحا مبینا۔

پھر ان الہامات میں آپ کو داؤد۔ ابراہیم۔ مسیح ابن مریم علیہم السلام وغیرہ ناموں کے ساتھ بھی خطاب کیا گیا ہے۔

پس جب کہ وہ امور جو مختار مدعیہ کے نزدیک کفریات ہیں۔ خواجہ صاحب کے علم میں تھے اور آپ نے ان میں موجب تکفیر سمجھنے کی بجائے مرزا صاحب کے کمال کی دلیل ٹھہرائی۔ تو مختار مدعیہ کے مذکورہ بالا اعتراف کی

رو سے یہ بانٹا چلے گئے کہ آپ کی یہ شہادت کہ حضرت مرزا صاحب کے مسلمان صراطِ مستقیم پر قائم ہیں۔ بالکل صحیح درست ہے۔

اعتراف

فوائدِ فریدیہ کے صفحہ ۲۹ و ۳۰ میں خواجہ صاحب نے فرقہ احمدیہ کو ناری فرقوں میں سے شمار کیا ہے۔

جواب

حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے تابعین کو ناری ہرگز نہیں کہا۔ اور حضرت خواجہ صاحب کی مراد فرقہ احمدیہ سے ”فوائدِ فریدیہ“ میں جماعت احمدیہ ہرگز نہیں ہے۔ اول اس لیے کہ فوائدِ فریدیہ ۱۲۸۳ھ کی تصنیف ہے ملاحظہ ہو فوائدِ فریدیہ صفحہ ۶۰ مرقومہ و مصنفہ ۱۲۸۳ھ مجبہ۔ اور ۱۲۸۳ھ میں حضرت مرزا صاحب کا کوئی دعویٰ نہ تھا۔ اور نہ ہی آپ کو الہامات کا سلسلہ فوائدِ فریدیہ میں جس فرقہ احمدیہ کا ذکر ہے اس سے کسی طرح حضرت مسیح موعود کی جماعت مراد نہیں ہو سکتی۔

دوم۔

فوائدِ فریدیہ کے متعلق صفحہ ۳ میں لکھا ہے ”و بعد از تالیف شریف در کتب خانہ عالیہ موجود بود“ اور پھر کتب خانہ سے لے کر ۱۸۹۵ھ میں چھاپی گئی۔ اور حضرت مسیح موعود کے سامنے والوں کا نام فرقہ احمدیہ ہم نومبر ۱۸۹۵ھ کو تجویز کیا گیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے استہوار مرقہ ہم نومبر ۱۸۹۵ھ ملحقہ تریاقِ القلوب میں فرماتے ہیں۔

”اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لیے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لیے اور اپنی جماعت کے لیے پسند کرتے ہیں۔ وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے“  
آگے چل کر فرماتے ہیں۔

اور اس فرقہ کا نام مسلمان فرقہ احمدیہ اس لیے رکھا گیا۔ کہ ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسم محمد جلالی نام تھا۔ اور اس میں یہ معنی پیشگوئی تھی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دیں گے۔ جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا اور صدمہ مسلمانوں کو قس کیا۔ لیکن اسم احمد جلالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آشتی اور صلح پھیلائیں گے سو خدا نے ان دونوں ناموں کی اس طرح پر تقسیم کی۔ کہ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ کی زندگی میں اسم احمد کا ظہور تھا اور ہر طرح سے مہر اور شکیبائی کی تعلیم تھی۔ اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمد کا

ظہور ہوا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی۔ لیکن یہ پیش گوئی کی گئی تھی۔ کماثری زمانہ میں پھر اسم احمد ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا۔ جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی بھائی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے۔ تا اس نام کو سنتے ہی ہر ایک شخص سمجھ لے کہ یہ فرقہ دنیا میں اُستہی اور صلح پھیلانے آیا ہے۔“

(۱) پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام فرقہ احمدیہ فوائد فریدیہ کی تالیف کے وقت تو کہاں اس کے سن طباعت کے بھی بعد کا ہے۔ اس لیے یہ کہنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ فوائد فریدیہ میں فرقہ احمدیہ سے جماعت احمدیہ مراد ہے۔

(۲) فوائد فریدیہ کی طباعت کے بعد کی شہادتیں جو اشارات فریدی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے دعویٰ کے متعلق درج ہیں۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) عربی خط جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں ابتدائے آپ کی تعظیم کرتا ہوں۔ اور یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کے مورد ہیں۔ آپ میری حسن عاقبت کے لیے دعا فرمادیں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے صالح بندوں میں سے ہیں۔ اور یہ خط آپ نے رجب ۱۳۱۲ھ کو لکھا ہے۔ اور ضمیمہ انجام آتمم اور اشارات فریدیہ جو موسم کے صفحہ ۱۴ میں درج ہے۔

(۲) ۲۸ رجب ۱۳۱۲ھ کو آپ نے فرمایا۔

وہ مرزا صاحب مروی نیک و صالح امت و فرد من کتابے از ہدایات خود فرستادہ است کمال اوزار کتاب ظاہر است ..... دے مرد صادق و مفری و کافب نیست۔

(اشارات فیدیہ صفحہ ۴۳ جلد ۳)

(۳) ۲۵ شعبان ۱۳۱۲ھ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے خواجہ صاحب کو ایک خط عربی میں ضمیمہ انجام آتمم جس میں خواجہ صاحب کا عربی خط درج ہے پونچھارا وہ خط بجنہ اشارات میں درج ہے۔

(اشارات فریدیہ صفحہ ۶۵ و ۶۶ جلد ۳)

(۴) ۲۹ شعبان ۱۳۱۲ھ کو بھی عشاء کے وقت حضرت مسیح موعود کے متعلق آپ کی مجلس میں گفتگو ہوئی۔ پناچہ لکھا ہے۔

وہ بھجن در ذکر مرزا غلام احمد قادیانی و در بیان رد و قدح و ذم منکرین افتادہ بود۔ دانشمند حاضر بود دے



صفت و ثناء مرزا صاحب کرد حضور خواجہ البقاء اللہ تعالیٰ ببقائہ بدرجہ غایت خوش و مسرور شدند بعد از آن فرمودند کہ ہمہ اوقات مرزا صاحب بعبادت خدا عز و جل میگذرانند..... و تمام کلام او مملو از معارف و حقائق و ہدایت است و از عقائد اہل سنت و جماعت و ضروریات دین ہرگز منکر نیست۔

بعد از آن فرمودند کہ مرزا صاحب بر مہدویت خود بسیار علامات بیان کردہ مگر از انیاں دو علامات کہ در کتاب خود درج ساختہ بیان نمودہ است برتر و بدرجہ غایت بر دعوئے مہدویت او گواہ اند۔  
آگے وہ علامات لکھے ہیں جن میں سے ایک کسوف اور خسوف کی علامت تھی جو اپریل ۱۸۹۴ء میں یورپی ہوئی ہے اس کے متعلق فرماتے ہیں۔

پس مرزا صاحب بلائے تمام حجت خود در اطراف و کائنات عالم اشتہارات بایں معنی ارسال کرد کہ ایں پیش گوئی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلائے ظہور مہدی موعود فرمودہ بودند اکنون تمام شدہ است برہمہ واجب کہ مہدویت من اعتراف کنید و اقرار نمایند پس مولویان دقت طفلانہ سوال کردند کہ از حدیث شریف ایں معنی برے آید کہ از اول شب رمضان خسوف قمر شود درینہ رمضان کسوف شمس گردد۔ مولویوں کے اس سوال کو طفلانہ قرار دے کہ پھر آپ نے حضرت مرزا صاحب نے جو اس حدیث کے صحیح معنی بتائے تھے ذکر کر کے فرمایا۔

بیشک حنی حدیث شریف ایں چنینی است کہ مرزا صاحب بیان کردہ چہ خسوف قمر ہمیشہ بتاریخ سیمبر دہم یا چہاردہم۔ یا پانزدہم ماہ واقع مے شود و کسوف شمس ہمیشہ در تاریخ ہست و ہفتم یا بیست و ہشتم یا بیست و نہم ماہ وقوع مے آید۔ پس خسوف قمر کہ بتاریخ ششم از ماہ اپریل ۱۸۹۴ء عیسوی واقع شدہ است قرآن تاریخ سیمبر دہم اول شب از شب ہائے خسوف است وقوع آمدہ و کسوف در میان روز از روز ہا کسوف شمس واقع گشتہ است۔ اشارات فریدی صفحہ ۶۹ تا ۷۲ جلد ۳ میں خواجہ غلام فرید صاحب کی اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ خواجہ صاحب کو اس حدیث کے مطابق مہدی موعود کو دعویٰ میں صلیق اور راست باز نہانتے تھے۔  
(۵) ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۷ء کو بھی حضرت مرزا صاحب کے بارہ میں ذکر آیا۔

سخن در حال مرزا صاحب حمادیاں ا قتادہ بود و ششھے گفت کہ مرزا صاحب ہم کمر عقیدہ ٹیلیٹ نصاریٰ داشتہ است و علمائے زمان او شان را مخالف شدہ بروے حکم تکفیر دادہ و مقصد جدال دارند حضور خواجہ البقاء اللہ تعالیٰ ببقائہ۔ و نفعنا و ایاکم ببقائہ فرمودند کہ حق غالب است طرف حق غالب است۔

(اشارات صفحہ ۷۵ جلد ۳)

حضرت خواجہ صاحب نے جب یہ فرمایا ہے کہ حق غالب یعنی حق غالب ہی کو ہوگا اس وقت حضرت



بلکہ جاہم شد نہاں در یار من      برے یار آمد ازیں گلزار من  
نور حق داریم زیر چادرے      اگر گریبانم برآمد و لبیرے  
احمد آخر زمان نام من است      آخرین جامے میں جاہم من است  
(ملاحظہ ہوا اشارات فریدی صفحہ ۹۱ تا ۱۰۴ صفحہ ۱۰۳)

ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۴ھ کو جب کہ آپ تشریف فرما تھے۔  
”حافظ مگوں سکنہ حدود گجرھی اختیار خان یہ نسبت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی سقط و ناسزا گفت  
آغاز کرد ہمیکہ چہرہ انور حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ ببقائہ قنیر گردید و برآں حافظ بانگ زدند و زجر نمودے  
عرض کرد کہ قبلہ چوں حالات و صفات حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام و اوصاف مہدی موعود در مرزا صاحب  
یافتہ نمے شوند چگونہ اعتقاد کنیم کہ اوست عیسیٰ و مہدی۔“

حضور خواجہ ابقاہ اللہ تعالیٰ فرمودند ..... در حدیثے وارد شدہ است کہ عیسیٰ و مہدی یکے است  
بعد از ازل فرمودند کہ بشرط نیست کہ ہمہ علامات مہدی موافق خیال و فہم مردم کہ در دلہائے خود پنداشتہ  
اند ظاہر شوند بلکہ حافظ امر دیگر گون است اگر چنین بودے کہ مردم خیال می کنند پس ادا ہمہ خلق مہدی بر حق  
و نسبتہ با و ایمان آوردے چنانچہ پیغمبران کہ امت ہر نبی چند گردہ شدے ہر بعضے کسان کہ حال آں  
پیغمبر مشتبہ مے شدہ در بعضے کمال ہرگز حال آں پیغمبر مکشوف نہ مے گشت ازیں سبب بچہیں گردہ انکار آورد  
مکافرشہ اگر بر تمام امت پیغمبر حال آں پیغمبر مے مکشوف شدے ہمہ مسلماناں بودندے چنانچہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر شدند و مبعوث گردیدند۔ بعض علامات را مطابق پندار و فہم خود ہانیا قند پس  
برآں کسان کہ امر آنحضرت مکشوف شد و اوشاں ایمان آوردند و برآں گردہ کہ مکشوف نشد انکار کردند ہم چنین حال  
مہدی پس اگر مرزا صاحب مہدی باشد کلام امر مانع است۔

(اشارات فریدی صفحہ ۱۲۳ - ۱۲۴ جلد ۲)

کہنے کو تھکاجی چاہے کھے سکتا ہے کسی کا منہ بند نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کیا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ  
کے مذکورہ بالا ملفوظات مبارکہ کی موجودگی میں کسی عقل و انصاف سے ہتھ رکھنے والے کو بھی یہ کہنے کی گنجائش ہے  
کہ فرائد فریدی میں آپ نے جماعت احمدیہ کو فرقہ ناریہ میں سے شمار کیا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے اور حقیقت مخفی  
نہیں کی جاسکتی کہ حضرت خواجہ صاحب نے حضرت اقدس مسیح موعود کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کی  
نہایت صراحت و وضاحت سے تصدیق و تائید کی ہے۔ اور مصدق ہونے کی حالت ہی میں آپ نے وفات  
پائی ہے۔ چنانچہ کہ حضرت اقدس نے اپنی کتاب حقیقت الوحی صفحہ ۲۰۷ میں اس کا اظہار کیا ہے چنانچہ آپ

فرماتے ہیں۔ مرزا صاحب۔

اس بنا پر کتاب اشادات فریدی میں جو خواجہ صاحب موصوف کے ملفوظات ہیں۔ جا بجا خواجہ صاحب موصوف میری تصدیق فرماتے ہیں۔۔۔۔۔ پس چونکہ خواجہ غلام فرید صاحب پیر صاحب العلم کی طرح پاک باطن تھے۔ اس لیے خدا نے ان پر میری سچائی کی حقیقت کھول دی۔۔۔۔۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ کا خاتمہ مصدق ہونے کی حالت میں ہوا۔ چنانچہ وہ خطوط جو آپ نے میری طرف لکھے ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر میری محبت ان کے دل میں ڈال دی تھی۔

اور صفحہ ۲۱۹ میں فرماتے ہیں۔ ”غرض خواجہ غلام فرید صاحب کو خدا تعالیٰ نے یہ نور باطن عطا کیا تھا کہ وہ ایک ہی نظر میں صادق اور کاذب میں فرق کر لیتے تھے۔ خدا ان کو عرقلی رحمت کرے اور اپنے قرب میں جگہ دے۔“

پس ہزہائی نس فرزندائے بہاد پور دام انبالہم کے پیر و مرشد۔ برگزیدہ خدائے وحید حضرت خواجہ غلام فرید قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ کی حضرت مسیح موعودؑ کے اسلام پر شہادت ایک ایسی قطعی و یقینی شہادت ہے جس کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں کیا جاسکتا۔ مختار مدعیہ نے اس شہادت کی صحت و عدم صحت پر جو جسج کی ہے۔ اس میں کبھی تو اس نے یہ کہا کہ مولوی رکن الدین فقہ آدمی نہیں۔ کبھی یہ کہا کہ مرزا صاحب نے اپنے آدمی بھیج کر جو چاہا خواجہ صاحب سے لکھو لیا اور کبھی یہ کہا کہ چونکہ یہ شہادت خواجہ صاحب نے بغیر تحقیق کے دی اس لیے قابل قبول نہیں۔ اور اس کا یہ مخالف اور منطرب بھی اس کے بیان کی حقیقت کا آئینہ ہے۔ اور اس سے اچھی طرح ثابت ہے کہ یہ شہادت ایسی صاف قوی موثق ہے۔ جس کی تردید و تغلیط ہرگز ممکن نہیں۔ پس اس شہادت کے موجود ہوتے ہوئے گواہان مدعیہ کی شہادتوں کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ اور وہ اس قابل ہیں کہ انہیں روکیا جاوے۔ اور ہزہائی نس نواب صاحب دایئے ریاست بہاد پور کے پیر کی اس شہادت کو قبول کیا جاوے جس میں انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صراط مستقیم پر قائم اور پاک مومن اور مسلمان تسلیم کیا ہے۔ پس جس کے مطابق ہزہائی نس نواب صاحب کی محترمہ بیوی صاحبہ کی شادی ایک معزز مخلص احمدی سے ہوئی۔

### خلاصہ بحث

گواہان مدعیہ نے اپنے بیانوں میں اور مختار مدعیہ نے اپنی بحث میں کتب فقہ کے حوالے سے یہ امر تسلیم کیلئے ہے کہ اگر کسی مسلمان کے قول میں ننانوے وجوہ کفر کے اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو کفر کا فتویٰ دینے

سے پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ الاسلام یعلموا ولا یعلیٰ۔  
اور گواہان مدعیہ اور مختار مدعیہ نے اس امر کے متعلق شرح فقہ اکبر ملا علی قاری اور البحر الرائق جلد ۱ کا حوالہ  
دیا تھا لیکن میں اس کی اصلی عبارت اور اس کا ترجمہ لکھ دیتا ہوں تا عدالت کو اس کا مفہوم سمجھنے میں  
سہولت ہو۔

”وقد ذکر دان المسئلة المتعلقة بالكفر اذا كان لها تسع وتسعون احتمالا للكفر  
واحتمال واحد في تفيده فالاولى للمفتي والقاضي ان يعمل بالاحتمال الثاني۔  
اور پھر لکھتے ہیں۔

”وفي المسئلة المذكورة تصريح بانہ يقبل من صاحبها التأويل خلافا لما ذكره  
بعضهم على خلاف هذا القيل هذا كله اذا صدر عنه تعميلا۔“  
(شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۴۶)

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہوا۔ اور علماء نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو۔ جو کفر سے متعلق ہے  
اور اس میں تنازعے احتمال کفر کے ہیں۔ اور ایک احتمال نفی کفر کا تو مفتی اور قاضی کو چاہیے کہ وہ اس احتمال پر عمل کرے  
جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو۔ اور اس مسئلہ مذکورہ میں اس امر کی بخلاف بعض لوگوں کے تصریح ہے۔ کہ ایسے کفر یہ  
قول کے قائل کی تاویل قبول کی جائے گی۔

اور مختار مدعیہ نے اکثر برکی بحث میں الرائق کے حوالہ سے کہا ہے۔  
”کفر کا فتویٰ جب دیا جاتا ہے جب اس پر اتفاق ہو۔ متفق علیہ ہو کلام میں کوئی تاویل نہ ہو“  
اور مولف البحر الرائق نے لکھا ہے۔

”والذي تحور انه لا يفتي بتكفير مسلم أمكن حمل كلامه على حمل حسن او كان  
في كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة۔“

(البحر الرائق جلد ۵ صفحہ ۱۳۵)  
یعنی کسی مسلمان کی تکفیر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ اس کلام کا عمل حسن نکل سکے یا اس کے کفر میں  
اختلاف ہو۔ اگرچہ کوئی ضعیف روایت ہی ہو۔

اور یہ ایک ایسا اصل ہے جسے خود مختار مدعیہ اور گواہان مدعیہ نے اپنے مخالفوں کے سامنے  
بطور حجت پیش کیا ہے۔ چنانچہ گواہ مدعیہ سٹ جو مختار مدعیہ بھی ہے، لکھا ہے۔

”اگر کسی مٹم مل کی طرف ایسا قول منسوب کیا جائے جو خلاف شرح ہو تو ہم پر لازم ہے کہ اس قول کی

نفی کریں۔ اور اگر وہ فعل یا قول معتبر ذریعہ سے ثابت ہو جائے تو اس کی کوئی ایسی تاویل کرنی چاہیئے جو ان کی شان کے مناسب ہو۔ اور شرع شریف کے خلاف نہ ہو۔

(سبیل السداد صفحہ ۵)

اور بحوالہ برکات الامداد صفحہ ۲۷ و ۲۸ گواہ مدعیہ نمبر ۲ اپنی کتاب تزکیۃ الخواطر کے صفحہ ۷ میں لکھتے ہیں۔

”علماء کرام فرماتے ہیں۔ کلمہ گو کے کلام میں ننانوے معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو۔ تو واجب ہے کہ اس تاویل کو اختیار کریں۔ اور اُسے مسلمان ٹھہراؤ۔ اور یہ کہ حدیث میں آیا ہے۔ الا سلام یعلو اولیہ علی۔ اسلام غالب رہتا ہے۔ اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔ رواہ الریائی والدارقطنی والبیہقی والعیناء والحدیث عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ کہ بلا وجہ محض منہ زوری سے صاف ظاہر واضح معلوم معروف معنی کا انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون مردود مصنوع مسطورہ احتمال گھڑے اور اپنے لیے علم غیب و اطلاع حال قلب کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی نپلاک مراد مسلمانوں کے سر باندھے۔

(بحوالہ برکات الامداد تزکیۃ الخواطر صفحہ ۷)

اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک بزرگ مسلمان ہونا دعویٰ سے پہلے مسلم تھا۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے ریلویو براہین احمدیہ میں لکھا ہے۔

”مؤلف براہین احمدیہ مخالف دوافع کے منجربے اور شاہدے کی رو سے شریعت محمدیہ پر قائم اور پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔

(اسامعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۸۴)

اور جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹ میں لکھتے ہیں۔

”اور اس (براہین احمدیہ) کا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلبی و لسانی و حلالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں ہمت ہی کم پائی گئی ہے۔“

اور گواہ مدعیہ نمبر ۲ نے بمثل عدالت ۲۴ اگست کو تسلیم کیا کہ مرزا صاحب نے ازالہ اہام صفحہ ۱۳ تقطیع خورد میں ہمارے مذہب کے عنعان کے ذیل میں جو عبارت لکھی تھی۔ وہ مسلمان ہونے کی حالت میں لکھی تھی۔ اس وقت تک مرزا صاحب مسلمان تھے۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مسلم مسلمان تھے۔ تو ہر شخص کو آپ کے تمام اقوال کا اسی بخور بالا اصل کی رو سے دیکھنا اور ایک مسلمان پر جو حسن ظنی کی شریعت اسلامیہ نے تعلیم دی ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا اور

مکفیہ کرنے سے محذور رہنا لازم ہے۔

گواہان مدعیہ نے جو وجوہ تکفیر پیش کی تھیں۔ انہیں سے ایک وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دجی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باب وحی بند ہے اور مختار مدعیہ نے اس کے متعلق اکثر خبر کی بحث میں کہا ہے۔ کہ گواہان مدعیہ نے پھر آیات اور ۲۵ احادیث انسداد وحی پر ادراست آیتیں اور سترہ حدیثیں خاتم النبیین کی تفسیر میں ادراستی امر یعنی خاتم النبیین کے متعلق ابن جریر سے ۴۴ صحابہ کے اقوال پیش کئے ہیں۔ حالانکہ گواہان مدعیہ نے نہ تو پچیس حدیثیں انسداد وحی پر پیش کی ہیں۔ نہ اور چھ اور سات تیرہ آیتیں انسداد وحی اور خاتم النبیین کی تفسیر کے لیے اور نہ ابن جریر سے تفسیر خاتم النبیین میں چونٹھ صحابہ کے اقوال پیش کئے۔ اور نہ ہی اس میں اس آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ان اقوال کا نام و نشان ہے۔ چونکہ مختار مدعیہ کے بیان کردہ تعداد بالکل غلط ہے اس لیے میں ان کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ کہ گواہان مدعیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی باقی رہنے کے سلسلہ میں سات آیات قرآن شریف سے یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیں کہ دجی انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی غیر تشریعی بند ہے۔ اور دس آیات اور تین احادیث اور سات جڑے بڑے ائمہ کے اقوال پیش کئے تھے۔ اور اس کے خلاف جوابات گواہان مدعیہ نے بیان کیں۔ ان کا مفصل جواب دینے کے علاوہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ آپ کو شریعت جدیدہ والی وحی کا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ آپ کو جو مرتبہ ملتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے نتیجہ میں ملتا ہے۔ اور گواہ مدعیہ نے ۲۹ اگست کو نجواب جرح یہ تسلیم کیا ہے کہ عیسیٰ پر نبوت وحی آئے گی لیکن اس کے سوا جو ہو۔ اس پر لفظ وحی کا اطلاق ہوگا۔ اور گواہان مدعیہ نے منجملہ وجوہ تکفیر کے ایک وجہ حتم نبوت کا انکار اور دعویٰ نبوت کرنا بیان کی تھی۔ جس کے جواب میں گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے متعدد حوالجات بتائے جی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اقرار موجود ہے۔ پھر احادیث اور اقوال صحابہ اور سلف صالحین کے متعدد اقوال سے یہ ثابت کیا۔ کہ خاتم النبیین کے جو معنی حضرت مسیح موعودؑ نے کئے ہیں۔ وہ سلف صالحین کے معنی کے موافق ہیں اور مخالف نہیں ہیں پھر آپ نے خاتم النبیین کے سیاق و سباق کے لحاظ سے بحوالہ تفاسیر احادیث اور لغت اور محاورات عرب کی رو سے یہ ثابت کیا کہ خاتم النبیین میں خاتم کے معنی مہر کے لینا مجازی نہیں بلکہ آخر کے معنی لینا مجازی ہے۔ اور پھر اقوال ائمہ سے یہ ثابت کیا کہ تاویل کی وجہ سے کسی کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔ اور جو آیات اور احادیث گواہان مدعیہ نے اپنی تائید میں پیش کی تھیں۔ ان کا مدلل جواب اقوال سلف صالحین سے دیا ہے۔ کہ جو معنی انہوں نے کئے ہیں وہ ہمارے معنی کے مطابق ہیں۔ اور مخالف نہیں۔ اور بحوالہ کتب اصول فقہ اجماع

کی حقیقت بتا کر یہ ثابت کیا ہے۔ کہ صحابہؓ کا خاتم النبیین کے ان معنی پر کہ آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ قطعاً اجماع نہیں ہے۔ اور بحوالہ کتب تواریخ بتایا۔ کہ مسیلہ کذاب وغیرہ سے قتال کی اصل وجہ نبوت کا دعویٰ نہ تھی۔ اور جن مدعیان نبوت کو گواہان مدعیہ نے پیش کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے تواریخ اور کتب علماء سے ثابت کیا ہے کہ ان کا دعویٰ نبوت مستقلہ کا دعویٰ تھا۔ اور گواہان مدعیہ نے جو اقوال فقہ اور تفاسیر سے اپنی تائید میں پیش کئے تھے۔ ان کے متعلق بھی گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثبوت کر دیا ہے کہ انہوں نے اسے نبی کے آنے کا ہی انکار کیا ہے۔ جو مستقل ہو یا صاحب شریعت ہو۔ اور اسلامی شریعت کو منسوخ کرے اور ثبوت کیا ہے کہ خود گواہان مدعیہ نے حضرت مسیح موعود کے ان حوالجات کو جن میں نبی اور رسول کا لفظ تھا۔ اس عنوان کے ذیل میں کہ اپنے شرعی نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ پیش کر کے اقرار کیا کہ ان کے نزدیک رسول اسے کہتے ہیں۔ جو شریعت لائے جو شریعت کے بعض احکام منسوخ کئے لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے چونکہ اس قسم کی رسالت و نبوت کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا تھا۔ اس لیے علماء و سلف صالحین کے اقوال جو گواہان مدعیہ نے پیش کئے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ نبوت کے خلاف نہیں ہیں۔ بلکہ امام ملا علیقلاری وغیرہ کے اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ جو امتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ نہ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس قسم کی نبوت کا باقائے ثبوت کرنے کے لیے گواہان مدعا علیہ نے آٹھ آیات اور پانچ احادیث پیش کیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جن عبارات سے گواہان مدعیہ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان سے آپ کا نئی شریعت لانے کا دعویٰ ثبوت ہوتا ہے۔ بدلائل قویہ ظاہر کر دیا۔ کہ ان سے ایسا استدلال کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ نے فیصلہ کی ایک نہایت آسان راہ بتا دی کہ

”میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں۔ صرف مراد میری نبوت سے کثرت مہاکمات و مخاطبت الیہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے۔ سو مکالمہ اور مخاطبہ الیہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں۔ پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ و مخاطبہ رکھتے ہیں۔ میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الہی نبوت رکھتا ہوں۔ وکل ان یعطی۔“

(تمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

گواہان مدعیہ نے ایک وجہ تکفیر کی قیامت اور نفع و ضرر کا انکار پیش کی تھی جس کے جواب میں گواہان مدعا علیہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ قیامت اور نفع و ضرر وغیرہ کے ہرگز منکر



نہیں ہیں۔

اور ایک دوسرے تکفیر کی گواہان مدعیہ نے توہین انبیاء بھی پیش کی تھی۔ اور جس طرز پر انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبادت کو بگاڑ کر باوجود تصریحات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کہ میں نے یہ باتیں بطور الزام اور فرضی محال کے طور پر فرضی یسوع کے متعلق بیان کی ہیں۔ توہین مسیح علیہ السلام و دیگر انبیاء نکالی ہے۔ اس سے ان کی دشمنی اور تعصب بالکل عیان ہے۔ جس وجہ سے ان کی شہادتیں ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتیں۔ اور جن جن عبارت کو انہوں نے مثبت توہین خیال کیا تھا۔ ان کے متعلق گواہان مدعا علیہ نے مدلل طور پر ثبات کر دیا۔ کہ وہ عبارات الزامی طور پر ہیں۔ یا ان سے توہین نہیں نکلتی اور اپنے ہر قول کی تائید میں حضرت مسیح موعودؑ کے متعدد اقوال اور پہلے علماء کے اقوال پیش کئے۔

غرضیکہ جو امور گواہان مدعیہ یا مختار مدعیہ نے باعث تکفیر و ارتداد قرار دیے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا مفصل و مدلل جواب دے دیا گیا ہے۔ اور ثبات کر دیا ہے کہ ایک وجہ بھی ایسی نہیں ہے جس سے احمادیوں کو مرتد قرار دیا جاسکے اس لیے گواہان مدعیہ کی یہ رائے اور شہادت کہ۔ ”جو شخص ان کے عقائد باطلہ اور دعویٰ نبوت و وحی پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ سمجھے ان کی نبوت کو تسلیم کرے یا مسیح موعودؑ مانے وہ بھی اس کے حکم میں ہے اور حکم یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی مسلمان مرد و عورت کے ساتھ جائز نہیں (شہادت گواہ مدعیہ ص ۷)

(۲) مرد مرزا صاحب کافر و مرتد ہے۔ اور ان کے عقائد معلوم ہونے کے بعد جو مرزا صاحب کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر۔ کسی مسلمان مرد و عورت کا کسی مرزائی مرد و عورت کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر نکاح ہو گا تو فوراً فسخ ہو جائے گا۔ گواہ مدعیہ ص ۷)

(۳) مرتد کے ساتھ کسی سابقہ منکوحہ کا نکاح قائم نہیں رہتا اور نہ آئندہ اس کو حریہ الوندی کے نکاح کا اختیار ہے (گواہ مدعیہ ص ۷)

بالکل باطل اور ناقابل التفات ہے۔ کیونکہ احمدی خدائے کے فضل سے مسلمان ہیں۔ اور خدائے کے اور اس کے رسول کے فرمودہ پر صمیم قلب سے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور ان کے مطابق تمام اعمال بجا لاتے ہیں۔ اور اسی میں اپنی نجات بستھتے ہیں۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں سے ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دین دل سے میں خدام ختم المرسلین